تصحیح شدہ جدید ایڈیشن

ھدیۃ النساء

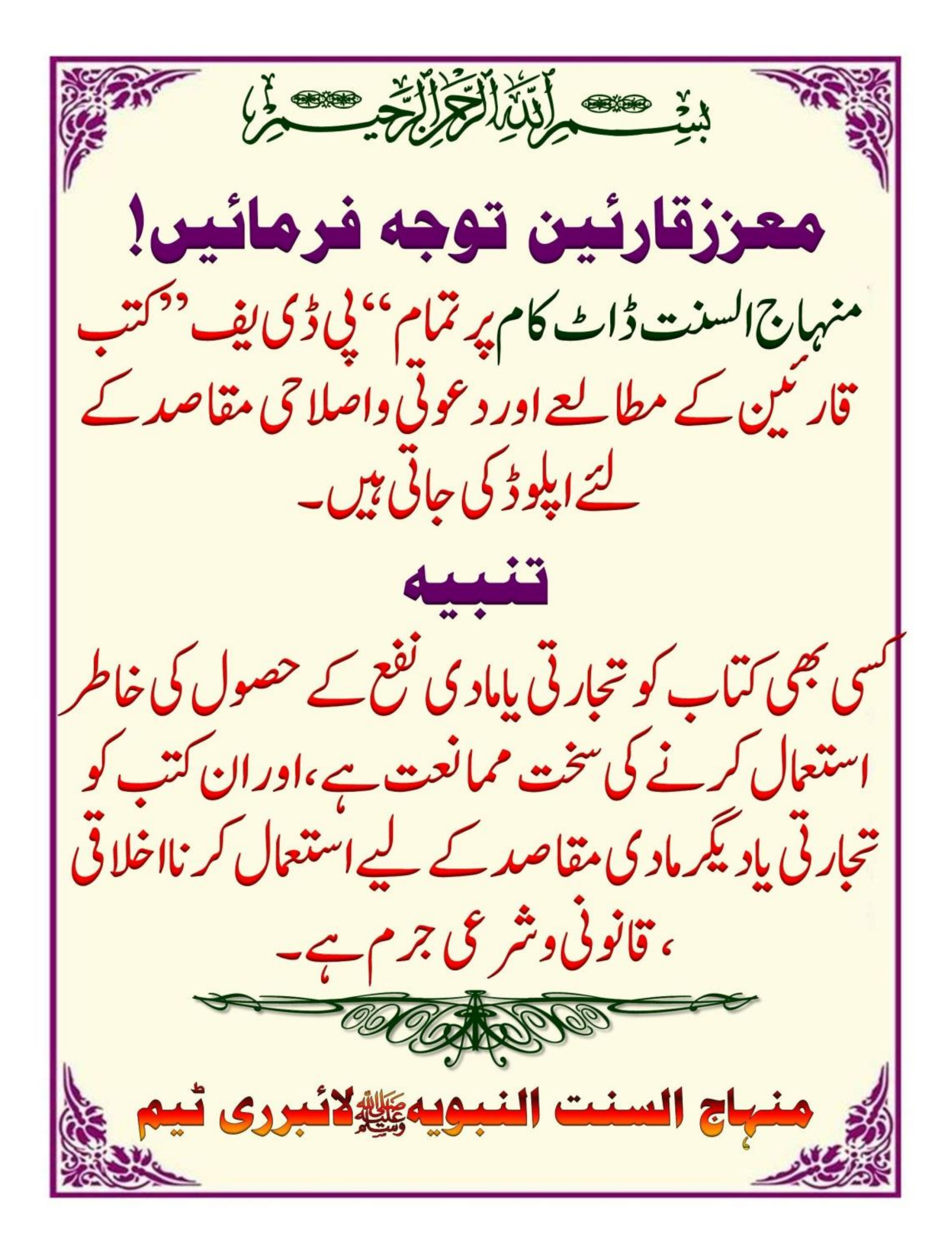
خواتین کی اخلاقی تربیت اور احکام و مسائل

تالیف

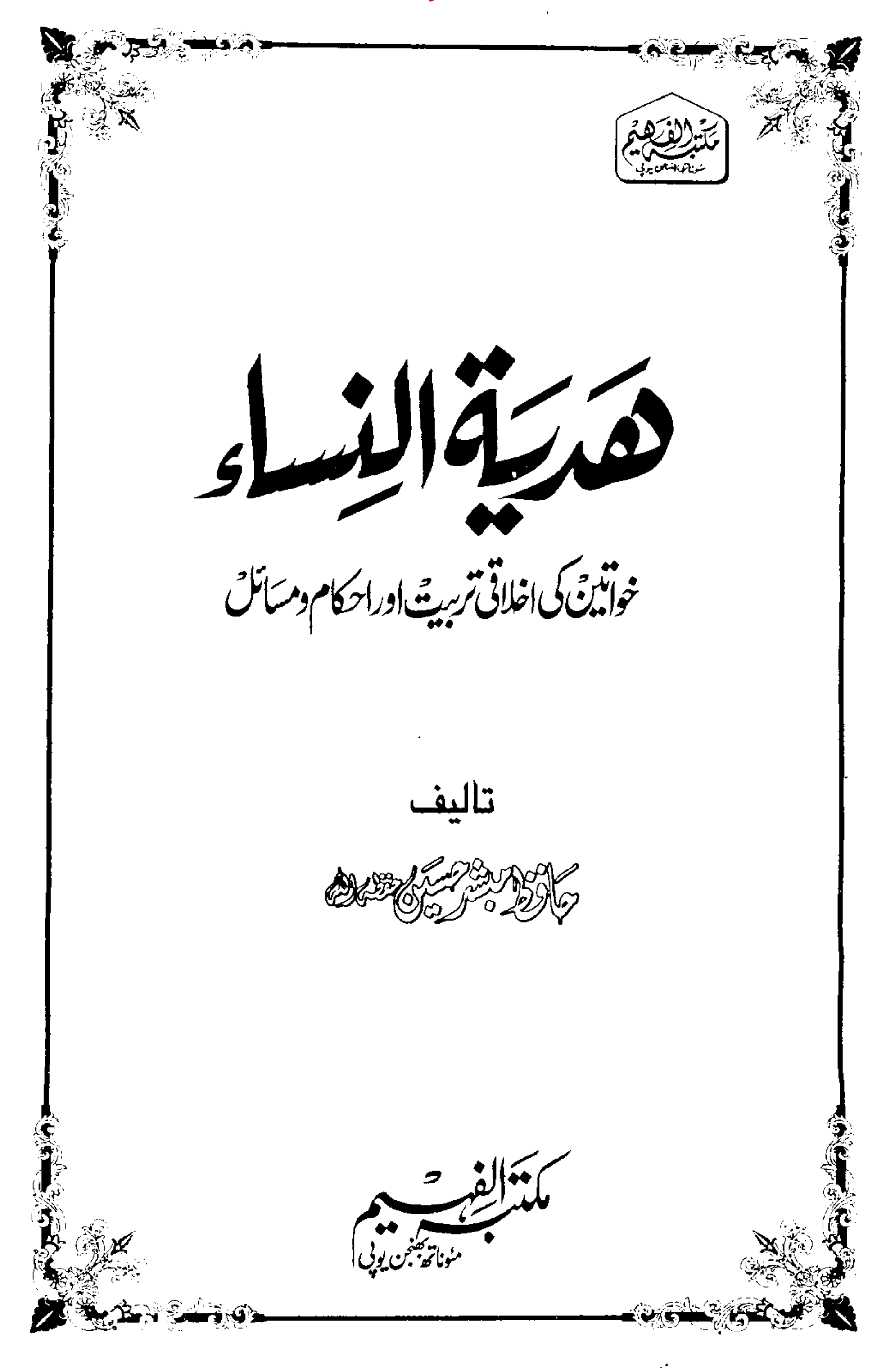
حافظ امبشر حسین حفظہ اللہ

مکتبۃ الفہیم

مئوناتھ بھنجن یوپی



بسم اللہ الرحمن الرحیم
معزز قارئین توجہ فرمائیں!
منہاج السنت ڈاٹ کام پر تمام ""پی ڈی ایف"" کتب قارئین کے مطالعے اور دعوتی و اصلاحی مقاصد کے لئے اپلوڈ کی جاتی ہیں۔
تنبیہ
کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی سخت ممانعت ہے، اور ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔
منہاج السنت النبویہ ﷺ لائبریری ٹیم



ھدیۃ النساء

خواتین کی اخلاقی تربیت اور احکام ومسائل

تالیف

حافظ مبشر حسین حفظہ اللہ

مکتبۃ الفہیم
مئوناتھ بھنجن یوپی

نام : هدية النساء

تالیف : حافظ مبشر حسین حفظہ اللہ

طابع وناشر : مکتبۃ الفہیم مئوناتھ بھنجن یوپی

صفحات : 456

سال اشاعت : مارچ ۲۰۱۳ء

تعداد اشاعت : ایک ہزار ایک سو

باہتمام





MAKTABA AL-FAHEEM
Raihan Market, 1st Floor, Dhobia Imli Road
Sadar Chowk, Maunath Bhanjan - (U.P.) 275101
Ph.: (O) 0547-2222013, Mob. 9236761926, 9889123129, 9336010224
Email :faheembooks@gmail.com
WWW.faheembooks.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

انسانی تاریخ کا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ عورت ہمیشہ افراط وتفریط کا شکار رہی ہے۔ کہیں تو اس کے ساتھ حیوانوں سے بھی بدتر سلوک کیا جاتا رہا اور کہیں اسے مردوں سے بھی اونچا بٹھا دیا جاتا، مگر اسلام نے عورت کے مقام ومرتبہ اور حقوق وفرائض کے حوالے سے انتہائی متوازن رائے قائم کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب تک اسلام سربلند رہا اور مسلم معاشروں میں اسلامی تعلیمات کے مطابق عمل ہوتا رہا تب تک عورت کی طرف سے کبھی حق تلفی کا شکوہ نہیں کیا گیا۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ عورتوں نے اپنے حقوق کے لیے انجمنیں (Ngo_s) بنا کر واویلا کیا ہو یا مردوں کے خلاف احتجاج کیا ہو۔ اس لیے کہ عورت کے حقوق وفرائض کے حوالے سے اسلام کی دی گئی تعلیمات پر عمل کرنے سے کبھی ان چیزوں کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہو سکتی۔

مغربی دنیا میں عورت ہمیشہ ظلم وستم کا نشانہ رہی تھی اور پچھلے دو سو سال سے اس کا ردِ عمل یہ سامنے آیا کہ عورت کو ہر میدان میں مردوں کے ساتھ اب یکساں طور پر شریکِ کار تسلیم کر لیا گیا ہے۔ اسے مرد کے مقابلہ میں ایک عورت تسلیم کرنے کی بجائے مرد ہی سمجھا جا رہا ہے۔ اسے گھر میں رہ کر بچے پالنے اور گھر سنبھالنے کی بجائے اپنی فطرت کے منافی امور بھی سونپے جا رہے ہیں۔ گویا عورت کو اب ایک دوسری انتہا پر پہنچا دیا گیا ہے اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے نقصانات سے چشم پوشی کی جا رہی ہے بلکہ الٹا یہ دلائل دیئے جا رہے ہیں کہ عورت کے لیے گھر کی چار دیواری تک محدود رہنے سے اس کی حق تلفی ہوتی ہے اور مردوں کے شانہ بشانہ نہ چلنے سے معاشرتی ترقی میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ پھر اس پر طرہ یہ کہ اسلام کے خلاف یہ اعتراضات اٹھائے جا رہے ہیں کہ اسلام نے عورتوں کو کمتر درجہ دیا ہے۔ انہیں گھر کی چار دیواری میں قید کر

کے ان کی آزادی چھین لی ہے۔انہیں مردوں کے تابع بنا کران کی حق تلفی کی ہے۔انہیں مرد کے مقابلہ میں آدھی مخلوق کہا ہے۔انہیں وراثت، دیت اور شہادت ہر جگہ مردوں کے مقابلہ میں آدھا درجہ دے کران پر ظلم کیا ہے......وغیرہ وغیرہ۔

مغربی تہذیب سے مرعوب ہمارے بعض متجددین مغربی نقطۂ نظر کی کمزوری سمجھنے کی بجائے الٹاان کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں اور معذرت خواہانہ انداز اختیار کرکے اسلام کی غلط تعبیر پیش کر رہے ہیں۔

اس پس منظر میں ضرورت تھی کہ ایک ایسی کتاب مرتب کی جائے جس میں عورت کی زندگی کو اسلامی نقطہ نظر سے زیر بحث لایا جائے اور عورت کے حقوق وفرائض سے متعلقہ اسلامی احکام کو عصر حاضر کے تناظر میں پیش کیا جا سکے اور مسلمان خواتین میں بھی جو کمیاں کمزوریاں پیدا ہو چکی ہیں، ان کی بھی اصلاح کی جا سکے۔

زیر نظر کتاب اس ضرورت کی تکمیل کی ایک کوشش ہے۔اس میں عورت سے متعلقہ تمام اہم اور ضروری احکام ومسائل قرآن وسنت کی روشنی میں نہایت عام فہم انداز میں پیش کیے گئے ہیں۔

عورت نصفِ انسانیت ہے اور انسانی معاشرہ میں جتنی اہمیت ایک مرد کو حاصل ہے، اتنی ہی ایک عورت کو بھی حاصل ہے بلکہ بعض پہلوؤں سے عورت کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔اس لیے کہ وہ خاندان کی مرکزی اکائی ہے، اس کے بگڑنے سے ایک پورا خاندان اور پوری نسل بگڑ جاتی ہے اور اس کی اصلاح سے ایک پورے خاندان اور نسل کی اصلاح ممکن ہو جاتی ہے۔عورت کے اس مرکزی کردار اور اہمیت کے پیش نظر ہم نے اپنی اس کتاب ''هدية النسآء '' کو اصلاحِ خاندان کی سیریز میں شامل کیا ہے، تاکہ اس کے مطالعہ سے ایک عورت پہلے اپنی اصلاح کرے اور پھر اپنے خاندان کے دیگر افراد کی اصلاح کے لیے کمر بستہ ہو جائے۔اللہ کرے یہ کتاب جس گھر میں جائے وہاں حقیقی طور پر اصلاحِ خاندان کا ذریعہ ثابت ہو۔

یا اللہ! ہماری ان کوششوں کو شرف قبول عطا فرما۔آمین!

طالبِ دعا
حافظ مبشر حسین



فہرست مضامین

مقدمة

مقدمۃ الکتاب:

عورت کا کردار، دائرہ عمل اور حقوق و فرائض

[اِسلامی تعلیمات کی روشنی میں ایک اِجمالی مطالعہ]

عورت اور مرد میں تخلیقی فرق:

اس بات سے کون انکار کرسکتا ہے کہ مرد اور عورت میں کئی لحاظ سے فرق پایا جاتا ہے اور یہ فرق روزِ اول سے ہے اور رہتی دنیا تک قائم رہے گا۔ مرد 'مرد' ہے اور عورت 'عورت'۔ مرد کو عورت قرار نہیں دیا جا سکتا اور عورت کو مرد نہیں کہا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کا نظام برقرار رکھنے کے لیے مرد اور عورت دو الگ الگ جنسیں تخلیق کی ہیں۔ دونوں اپنی حیاتیاتی ساخت کے اعتبار سے ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں لیکن اس کے باوجود دونوں ایک دوسرے کی محتاج ہیں کیونکہ دونوں مل کر ایک دوسرے کی تکمیل کرتی ہیں۔

بعض خصوصیات و امتیازات اگر مردوں میں ہیں تو عورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں اور بعض خصائص و امتیازات اگر عورتوں کو دیئے گئے ہیں تو مردوں میں ان کا نام و نشان نہیں ملتا مثلاً مرد کی خصوصیت اگر بار آور کرنا ہے تو عورت کی خصوصیت بار آور ہونا ہے۔ اب نہ مرد اپنی خصوصیت بدل کر عورت کی خصوصیت حاصل کر سکتا ہے اور نہ کوئی عورت مرد کی خصوصیت حاصل کر سکتی ہے۔ مرد و زَن کی یہ خصوصیات جمع ہو کر ہی نسلِ انسانی کا سلسلہ آگے بڑھاتی ہیں۔

یہاں رُک کر ذرا یہ بات بھی سوچ لیجیے گا کہ اگر اللہ چاہتے تو مرد و زَن کی شکل میں دو الگ الگ صنف کی مخلوق پیدا کرنے کی بجائے ایک ہی ایسی مخلوق پیدا فرما دیتے جو بیک وقت بار آوری، حمل اور رضاعت کے مراحل طے کر لیتی مگر جب اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کا نظام جوڑے کی شکل میں قائم کیا ہے تو ضروری تھا کہ ایک جنس کو بار آوری کی اور دوسری کو حمل و رضاعت کی خصوصیات سے نوازا جاتا۔ اب جو جس ذمہ داری کا اہل تھا اسے وہی ذمہ داری اللہ نے دے دی یا یوں کہیے کہ اللہ نے جس سے جو کام لینا تھا، اسے اسی نوعیت کی خصوصیات عطا کر دیں۔ اس میں نہ مرد کی کوئی بڑائی ہے اور نہ عورت کی کوئی تذلیل۔ اس لیے کہ

اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں تو دونوں برابر ہیں۔ البتہ جسے جس کام کے لیے اللہ تعالیٰ نے تخلیق کیا، اسے انہی خصوصیات سے نوازا جو اس کے تخلیقی مقاصد میں معاون تھیں۔

تخلیقی فرق کا نتیجہ......دائرہ عمل میں فرق:

مرد و زن کے باہمی ملاپ سے نسلِ انسانی کے سفر کا آغاز ہوتا ہے۔ یہ سفر تبھی کامیابی سے طے پا سکتا ہے جب مرد و زن دونوں ایک دوسرے کے لیے وفاداری کا ثبوت دیں۔ اس وفاداری کا معاہدہ قانونی زبان میں نکاح کہلاتا ہے۔ نکاح کے بعد مرد و زن کے جس پیار بھرے سفر کا آغاز ہوتا ہے، اس میں عورت کو لازماً حمل کے تکلیف دہ مراحل سے گزرنا پڑتا ہے، پھر ولادت کا مرحلہ تو اس کے لیے زندگی موت کا معرکہ ہوتا ہے۔ یہ معرکہ سر کرنے کے بعد بچے کی پرورش کے پُر مشقت مراحل آتے ہیں۔ بچے کی غذا کے لیے ماں کی چھاتی میں اللہ تعالیٰ دودھ کا انتظام کر دیتے ہیں اور اس کی پرورش کے لیے ماں کے دل میں بچے سے بے انتہا محبت پیدا کر دیتے ہیں۔

اِدھر حمل، ولادت اور رضاعت کی تکلیفات سے عورت ابھی سنبھلتی ہی ہے کہ اُدھر وہ دوبارہ اگلے بچے کے لیے انہی تکلیفات کا سامنا شروع کر دیتی ہے۔ عورت کی تقریباً ساری زندگی اسی دائرہ میں گھومتی ہے، یہ تو ہو سکتا ہے کہ کسی عورت کو اس دائرہ میں کم تکالیف کا سامنا کرنا پڑے اور کسی کو زیادہ مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی عورت اللہ تعالیٰ کی طرف سے کھینچے ہوئے اس فطری دائرہ سے چھلانگ کر باہر نکل جائے۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ کسی عورت کو بانجھ پن کی وجہ سے اس دائرے سے نہ گزرنا پڑے مگر ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔

یہ تو تھی عورت کی صورتحال جبکہ دوسری طرف مرد کا معاملہ اس کے برعکس یہ ہے کہ وہ زن و شو کا تعلق قائم کر کے آزاد ہوتا ہے۔ اسے نہ حیض و نفاس کا مسئلہ درپیش ہوتا ہے اور نہ حمل، ولادت اور رضاعت کا۔ گویا عورت تو پہلے ہی کمزور صنف ہے اور ان مشکلات میں مزید مشقت اٹھا کر کمزور ہو جاتی ہے مگر مرد جو عورت کی نسبت طاقتور ہوتا ہے، اسے ان مشقتوں کا بالکل سامنا ہی نہیں کرنا پڑتا۔ اب عقل یہ تقاضا کرتی ہے کہ اگر ایک کمزور عورت کو ایک عمل کے بعد اتنی مشقت اٹھانا پڑتی ہے تو اس عمل میں شریک مرد کو بھی اس کے برابر بلکہ طاقتور ہونے کی وجہ سے اس سے زیادہ مشقت اٹھانا پڑے۔ اور اگر مرد کو بالکل آزاد چھوڑ دیا جائے تو عقل و فطرت کی میزان میں یہ صریح ناانصافی ہوگی۔

اسلام نے اس فطرت کا لحاظ رکھتے ہوئے مرد پر بھی کچھ ذمہ داریاں عائد کی ہیں۔ اگر بچوں کی ولادت و پرورش وغیرہ کی ذمہ داری عورت پر ہے تو ان بچوں اور خود بیوی کے اخراجات کی فراہمی مکمل طور پر خاوند کے ذمہ ہے۔ بیوی اگر بچوں کی تربیت و پرورش کے سلسلہ میں گھر میں رہنے پر مجبور ہے تو گھریلو وسائل کے انتظام کے لیے سارا دن گھر سے باہر بھاگنا دوڑنا مرد کے لیے مقدر ہے۔ اب اگر یہ کہا جاتا کہ بچے کی ولادت و رضاعت کی ذمہ داریوں کے ساتھ ان کے وسائل کی فراہمی بھی عورت خود کرے تو یہ عورت کے ساتھ بہت بڑا ظلم ہوتا۔ اور اس ظلم میں عورتوں کی غالب اکثریت یا تو پس کر رہ جاتی یا پھر اس ظلم سے بچنے کے لیے بچے پیدا کرنے اور ان کی پرورش کی ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کر دیتی۔ اس سلسلہ میں مغربی تہذیب کی مثال ہمارے سامنے ہے۔

مغرب کی فطرت کے خلاف جنگ:

ایک وقت تھا کہ مغرب سمیت پوری دنیا کا معمول یہ تھا کہ مرد گھر سے باہر کی ذمہ داریاں پوری کرتا اور عورت گھر میں بیٹھ کر بچوں کی دیکھ بھال اور خانہ داری کے جملہ امور سنبھالتی۔ لیکن جب مغرب میں صنعتی انقلاب آیا اور فیکٹریوں کو چلانے کے لیے مزدوروں کی کمی واقع ہوگئی تو مغرب کے سرمایہ داروں نے اس کا حل یہ نکالا کہ پرکشش معاوضوں کے لالچ میں عورتوں کو بھی گھروں سے نکال کر فیکٹریوں، منڈیوں اور بازاروں میں مردوں کے شانہ بشانہ لا کھڑا کیا۔ مزدوروں کا عملہ بڑھانے سے پیداوار میں یقیناً اضافہ ہوا مگر اس کے ساتھ بہت سے نقصانات بھی ہوئے مثلاً معاشرے میں بدکاری کی شرح حد سے بڑھ گئی، جنسی بے راہ روی سے بیماریوں کے تناسب میں اضافہ ہوا اور نقصان کا ایک بڑا پہلو یہ سامنے آیا کہ عورت کے یوں گھر سے باہر وقت گزارنے سے گھریلو اُمور سخت متاثر ہونے لگے۔

اس سے پہلے مغرب میں مذہب کے خلاف ایک تحریک چل چکی تھی جس نے اس بات پر کامیابی حاصل کر لی تھی کہ مذہب کا تعلق ایک فرد کی ذاتی، نجی اور انفرادی زندگی تک محدود ہے، اگر کوئی چاہے تو اسے اپنائے اور چاہے تو نہ اپنائے مگر اجتماعی اور معاشرتی مسائل (یعنی معاشرت، معیشت اور سیاست) کے ساتھ مذہب کا کوئی تعلق نہیں۔ ان امور میں وہی فیصلے حتمی سمجھے جائیں گے جو ایک ملک کی اکثریت کی رائے سے طے پائیں گے۔

اس پس منظر میں آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ عورت کے گھر سے باہر نکلنے پر خاندانی زندگی میں جو مسائل پیدا ہوئے ان کا کیا حل نکالا گیا ہوگا اور عورت اور مرد کے آزادانہ میل ملاپ کے بارے میں مغربی عوام کی اکثریت کے کیا رُجحانات قائم ہوئے ہوں گے۔ یہی کہ بلوغت کے بعد مرد وزَن میں سے ہر فرد مکمل طور پر خود مختار اور آزاد ہے۔ وہ نہ والدین کا مطیع ہے اور نہ کسی اور کا ماتحت۔ اس کی اپنی مرضی اور سوچ ہے۔ وہ جو چاہے فیصلہ کرے، جس طرح چاہے زندگی گزارے اور جس سے چاہے جنسی تعلقات استوار کرے۔ مغربی ممالک کے اباحیت زدہ عوام کی اکثریت کی یہی رائے تھی اور یہی سوچ آگے چل کر نظریۂ مُساواتِ مردوزَن کے نام سے متعارف ہوئی اور اسی کے لیے حقوقِ نسواں کی تحریکیں بھی اٹھیں جن کا موقف یہ تھا کہ عورت بھی مرد کے برابر حقوق رکھتی ہے۔ اس لیے جو کام مرد کر سکتے ہیں وہ عورتیں بھی کر سکتی ہیں۔ لہذا ملک کی تمام پالیسیوں میں عورت کو بھی زیادہ سے زیادہ نمائندگی دی جائے۔ سیاست، معیشت، تعلیم ہر جگہ عورت کو بھی برابر شریک کیا جائے۔

جس معاشرے میں مذہب کی بنیاد پر خدا خوفی کا کوئی جذبہ موجود نہ ہو وہاں کیسے توقع کی جا سکتی ہے کہ لوگ ایسے گناہوں سے بھی باز رہیں گے جنہیں ان کا قانون گناہ اور جرم تسلیم ہی نہیں کرتا۔ چنانچہ خدا اور آخرت کے خوف سے عاری مردوزن کے لیے اس سے بڑھ کر خوشی کا موقع اور کوئی نہیں تھا کہ عورتوں کو گھروں سے باہر لا کر انہیں آپس میں میل ملاپ کی کھلی اجازت مل گئی ہے۔ ایسے لوگوں نے معاشرے میں آنے والی اس تبدیلی کے حق میں خوب آواز اٹھائی۔ تقریر و تحریر کے ذریعے اسے فروغ دیا۔ اسی کی روشنی میں اپنے ملکوں میں قانون بنوائے۔ یوں دیکھتے ہی دیکھتے پورے مغرب نے اس تبدیلی کو قبول کر لیا۔

میڈیائی ترقی کے بعد مشرقی ممالک میں بھی اس کے اثرات پہنچنا شروع ہو گئے۔ جب کہ اس تبدیلی سے مغربی معاشرے کو جن نقصانات کا سامنا کرنا پڑا، وہ بھی کچھ کم نہ تھے۔ ان میں سے صرف خاندانی نظام پر پڑنے والے اثرات کا ایک سرسری جائزہ لیں تو ہمارے سامنے یہ پہلو آتے ہیں:

۱)...... جب مغربی معاشرہ میں فحاشی و بدکاری کو قانونی طور پر جائز تسلیم کر لیا گیا اور مردوں کے لیے یہ ممکن ہو گیا کہ وہ چند ٹکوں کے عوض جب اور جہاں چاہیں، من پسند خوبصورت دوشیزاؤں سے لطف حاصل کریں، تو ان میں بڑی تیزی سے یہ رُجحان فروغ پانے لگا کہ شادی کر کے بیوی رکھنا ایک بوجھ ہے کیونکہ بیوی کے لیے وسائل کی فراہمی، اس کی بیماری اور بڑھاپے کا بوجھ اور اس سے پیدا ہونے والے

بچوں کے اَخراجات وغیرہ کا دردِ سر اٹھانے سے کہیں بہتر ہے کہ شادی کے بغیر زندگی گزاری جائے اور معاشرہ میں شہوت رانی کی جو سہولتیں موجود ہیں ان سے فائدہ اٹھایا جائے۔ چنانچہ شادیوں کے بندھن ٹوٹنے لگے اور آگے بھی باقاعدہ شادی میں اتنی کمی آئی کہ اب مغرب میں پچاس فیصد جوڑے شادی کے بغیر رہتے ہیں اور باقی پچاس فیصد کی گھریلو زندگی بھی بری طرح انتشار کا شکار ہے۔

۲)...... آگے چل کر ایک اور صورتحال نے جنم لیا وہ یہ کہ 'سیکس فری سوسائٹی' کا تصور پیدا ہو گیا یعنی مرد و زَن میں سے کوئی ایک اگر دوسرے کو پسند کرتا ہے تو وہ اسے آفر کرتا ہے کہ آؤ ہم کچھ عرصہ مل کر اکٹھے رہ لیں اور وہ شادی کا باقاعدہ معاہدہ (نکاح) کیے بغیر میاں بیوی کی طرح اکٹھے رہنا شروع کر دیتے ہیں۔ مرد نہ عورت کے اخراجات کا ذمہ دار ہوتا ہے اور نہ اس عورت سے پیدا ہونے والے بچوں کا خواہش مند۔ چنانچہ عورت کو گھر کے کام بھی خود کرنا پڑتے ہیں اور اپنے اَخراجات کے لیے خود بھی کوئی ملازمت کرنا پڑتی ہے اور اگر اولاد ہو جائے تو اس کی کفالت کا سارا بوجھ بھی خود ہی برداشت کرنا پڑتا ہے۔

۳)...... خاندانی زندگی کی بنیاد مرد و زَن کے باہمی پیار و محبت، خلوص اور وفاداری و اطاعت گزاری پر قائم ہے۔ اگر ان خصوصیات کو نکال دیا جائے تو خاندانی زندگی کی عمارت دھڑام سے زمین پر آ گرے۔ مغربی معاشرے میں اَباحیت پسندی کی وجہ سے ان خصوصیات میں چونکہ بڑی حد تک تبدیلی واقع ہو گئی ہے، اس لیے وہاں آئے دن کوئی نہ کوئی نیا مسئلہ سر اٹھائے ہوتا ہے۔ کبھی ہم یہ سنتے ہیں کہ عورت مطالبہ کر رہی ہوتی ہے کہ میرے حقِ معاش پر خاوند کا کوئی حق نہیں ہونا چاہیے۔ کبھی یہ مطالبہ کر رہی ہوتی ہے کہ عورت کی اجازت کے بغیر شوہر کے جنسی تعلق قائم کرنے کو جرم قرار دیا جائے۔ اسی طرح چھوٹی چھوٹی باتوں پر وہاں طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

یہ بات تو یقینی تھی کہ عورت کو اس کے دائرہ کار سے باہر نکالنے سے معاشرے میں بہت سی خرابیاں رونما ہوں گی اور وہ ہوئیں بھی۔ لیکن مغربی دانشور ان خرابیوں کی جڑ کاٹنے کی بجائے اس سے نشو و نما پانے والی شاخوں کو کاٹنے کے لیے مشورے دیتے رہے اور قانونی طور پر حکومتیں بھی اصل خرابی کا سدباب کرنے کی بجائے جزوی خرابیوں کے سدباب کے لیے اقدامات کرتی رہیں۔ چنانچہ ایک طرف کثرتِ فواحش سے پیدا ہونے والی بیماریوں کے علاج کے لیے اَدویات تیار ہوتی رہیں اور دوسری طرف عورت کو شمعِ محفل

بنے رہنے کا سہارا دیتے ہوئے مانع حمل ہتھکنڈے (ادویات اور ذرائع) ایجاد کیے گئے۔ پھر بھی اگر زنا سے بچے پیدا ہو جاتے تو انہیں پھینک دیا جاتا مگر حکومتوں کو چارونا چار ایسے بچوں کی دیکھ بھال کے لیے نرسنگ ہومز بنانا پڑے۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ عورت کے دائرہ عمل کے حوالے سے مغرب نے پچھلی ڈیڑھ دو صدیوں میں جو کچھ کیا، وہ فطرت کے خلاف جنگ تھی اور فطرت کے خلاف جنگ کا نتیجہ سوائے ناکامی کے اور کچھ نہیں نکلتا۔ اس پہلو سے مغرب نے جس ناکامی کا سامنا کیا، وہ آج ہمارے سامنے روزِ روشن کی طرح واضح ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ مغرب میں خاندانی نظام بری طرح شکست وریخت کا شکار ہے، مائیں یا تو بچے پیدا کرنے کے لیے تیار نہیں اور اگر چارونا چار پیدا کرتی ہیں تو ان کی تربیت کے لیے آمادہ نہیں۔ بچے نرسنگ ہومز میں پلتے ہیں اور بوڑھے اولڈ ہومز میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جان دیتے ہیں۔ مرد وزن کے آزادانہ اختلاط سے معاشرہ کثرتِ فواحش کا شکار ہے۔ اور کثرتِ فواحش کے نتیجہ میں خطرناک بیماریاں جنم لے رہی ہیں۔ عورت کو خانہ داری کے علاوہ ملازمت کر کے اپنے وسائل اکٹھے کرنا پڑتے ہیں اور یوں صنف نازک دوہری مشقت برداشت کرتی ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی یہ کہے کہ مغرب نے عورت کو اس کا صحیح مقام عطا کیا ہے تو وہ یا تو حقائق سے جاہل ہے یا پھر قصداً ان سے چشم پوشی کر رہا ہے۔

مغرب کی فطرت کی طرف واپسی؟

مغرب نے فطرت کے خلاف جو جنگ برپا کی، اس کا خمیازہ وہ بھگت رہا ہے اور اس وقت تک یہ بھگتنا پڑے گا جب تک وہ فطرت کی طرف واپس نہ لوٹ آئے۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مغرب نے فطرت کی طرف واپسی کا سفر شروع کر دیا ہے۔ جزوی طور پر تو بعض مثالیں اس سلسلہ میں پیش کی جا سکتی ہیں مگر مجموعی طور پر ایسا نہیں ہے۔ مغربی معاشرے کا مجموعی رجحان اب بھی وہی ہے جو ڈیڑھ صدی پہلے تھا۔ اس دوران کہیں کہیں بعض دانشوروں نے یہ آواز ضرور اٹھائی کہ عورت کو گھریلو امور سنبھالنے چاہئیں اور شمعِ محفل کی بجائے شمعِ خانہ بننا چاہیے کیونکہ وہ اسی لیے پیدا ہوئی ہے۔ مگر ایسے دانشوروں کی آواز صدا بصحرا ثابت ہوئی۔

ہمارے دانشوروں کو بھی اس سے سبق لینا چاہیے اور عورت کے کردار کے حوالے سے انہیں مغربی نقطۂ نظر اپنانے کی بجائے صحیح اسلامی نقطۂ نظر اپنانا چاہیے کیونکہ یہی فطرت کے مطابق ہے۔ آئندہ سطور میں ہم

عورت کے کردار اور دائرہ عمل کے حوالے سے اسلامی نقطۂ نظر پیش کریں گے۔

اسلام دینِ فطرت ہے:

سب سے پہلے تو ہمیں اس حقیقت کا علم ہونا چاہیے کہ دینِ اسلام ہی فطرتی تقاضوں کو کما حقہ پورا کرتا ہے۔اس لیے کہ اسلام اللہ تعالیٰ کا آخری دین ہے اور اللہ تعالیٰ اس کائنات کے خالق ہیں۔کائنات کا خالق ہی سب سے بہتر جانتا ہے کہ انسان کو اس کائنات میں کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں۔جب ہم کائنات کے خالق کے بنائے ہوئے اصولوں کے مطابق زندگی گزاریں گے تو یقیناً ہماری دنیوی زندگی بھی بہتر ہوگی اور اُخروی زندگی بھی۔اور ان اصولوں سے جتنی ہم روگردانی کریں گے اتنا ہی اس دنیا میں بھی نقصان اُٹھائیں گے اور آخرت میں بھی۔اس لیے ایک مسلمان کا کام صرف یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی سے متعلقہ ہر انفرادی واجتماعی کام میں یہ معلوم کرے کہ اس میں اسلام کا کیا تقاضا ہے۔پھر اس تقاضے کو وہ حتی الامکان پورا کرنے کی کوشش کرے۔

یاد رہے کہ اسلام کے تقاضے اور مطالبات قرآن وحدیث سے حاصل ہوں گے۔قرآن وحدیث کے کسی حکم کا مفہوم اَخذ کرنے میں تو غلطی کا امکان ہوسکتا ہے مگر کبھی بھول کر بھی یہ نہ کہیں کہ ہم قرآن یا حدیث کی فلاں بات کو اس لیے نہیں مان سکتے کہ ہماری عقل اسے ماننے کے تیار نہیں، یا وہ چودہ صدیاں پرانی بات ہے، اِس ماڈرن دور میں اُس کا کیا فائدہ؟

اسلام آخری دین ہے اور رہتی دنیا تک کے لیے ہے۔اس میں جو اصولی باتیں بیان کردی گئی ہیں، وہ کبھی غلط،فرسودہ اور ناکارہ ثابت نہیں ہوسکتیں۔اگر ایسا ہوتا تو اس دین کی حقانیت باقی نہ رہتی۔

اسلام میں عورت کا مقام ومرتبہ:

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اسلام نے عورت کو وہی مقام دیا ہے جس کی وہ اہل تھی۔مگر ہمارے بعض اہل علم جب اس پہلو پر بات کرتے ہیں تو وہ مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہوئے یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ......''اسلام سے پہلے کبھی عورت کو اس کا وہ مقام نہیں ملا جو اسلام نے اسے دیا ہے۔''

حالانکہ انبیاء ورسل کے ذریعے جو اِلہامی تعلیمات لوگوں تک آتی رہیں، ان میں ہر دور کے تقاضوں کے مطابق عورت کو اُس کا جائز مقام ملتا رہا ہے اور یہ عین وہی مقام ومرتبہ ہوتا تھا جو اللہ تعالیٰ عورت کے حق میں مقرر فرماتے تھے۔یہ الگ بات ہے کہ انبیاء کی تعلیمات سے جب ان کی قومیں روگردانی کرلیتیں

تو عورتوں سے متعلقہ احکام کو بھی نظر انداز کر دیا جاتا۔

الہامی تعلیمات کو نظر انداز کرنے ہی کا نتیجہ ہے کہ کبھی عورت کے ساتھ حیوانوں سے بھی بدتر سلوک کیا جاتا اور کبھی تمام معاملات کی باگ دوڑ اسی کے ہاتھ میں دے دی جاتی۔ جب اسلام آیا تو اتفاق سے اس وقت بھی یہ انتہائیں مختلف معاشروں میں موجود تھیں۔ اسلام چونکہ آخری دین تھا اور انسانوں سے اللہ تعالیٰ کے جو تقاضے تھے، وہ سب اس میں بتا دیے گئے تھے اور اس کے مقابلہ میں سابقہ الہامی مذاہب کی حیثیت ختم کر دی گئی تھی، اس لیے ضروری تھا کہ اس آخری دین میں عورت کے مقام، حقوق اور دائرہ عمل کے حوالے سے اصولی تعلیمات کو واضح طور پر بتا دیا جائے۔ چنانچہ اسلام میں عورت سے متعلقہ جملہ احکام و مسائل کو کھول کر بیان کر دیا گیا ہے اور جو کچھ بتایا گیا ہے اس میں فطرتی ضرورتوں اور اجتماعی مصلحتوں کو بھی مدنظر رکھا گیا ہے۔ عورت سے متعلقہ جملہ احکام کی تفصیل تو آپ اس کتاب میں بالترتیب ملاحظہ فرمائیں گے، یہاں ہم اختصار کے ساتھ چند اصولی اور بنیادی باتوں کی طرف اشارہ کرنا چاہیں گے۔

مرد و زن میں مُساوات یا اِنصاف؟

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ انسان ہونے کے لحاظ سے مرد اور عورت برابر ہیں مگر مغربی نقطۂ نظر کے مطابق، اگر مرد و زن میں مساوات کا معنی یہ لیا جائے کہ عورت اور مرد میں فطری و طبعی لحاظ سے کوئی فرق نہیں اور جو کام مرد کریں، وہی کام ان کے شانہ بشانہ عورتیں بھی کریں، تو یاد رکھیں کہ اسلام ایسی مُساوات کا ہرگز قائل نہیں کیونکہ اول تو ایسی مساوات کا قیام ممکن ہی نہیں اور اگر اسے ممکن بنانے کی کوشش کی جائے تو فطرت کے خلاف جنگ ہوگی اور اس جنگ کا نتیجہ معاشرتی نظام کی تباہی کے سوا اور کچھ نہیں ہوگا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس نظریۂ مساوات کا اگر گہرائی سے جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ عورت کے حق میں سراسر ظلم پر مبنی ہے۔ عورت صنفِ نازک ہے، وہ مردوں کی طرح پر مشقت کام نہیں کر سکتی اور نہ ہی وہ ان کاموں کے لیے پیدا کی گئی ہے بلکہ وہ بچوں کی پیدائش، ان کی دیکھ بھال، خاوند کے لیے باعثِ سکون اور خانہ داری کے اُمور انجام دینے کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ یہ اُمور جس حُسنِ سلیقہ سے ایک عورت انجام دے سکتی ہے، مرد اس طرح انجام نہیں دے سکتا۔ اب عورت گھر گرہستی کے کام بھی انجام دے اور اس کے ساتھ ملازمت بھی کرے تو یہ اس کے لیے ڈبل مشقت ہے۔ اس لیے اسلام مرد و زن کی مساوات کے اس

غلط نظریے کو تسلیم نہیں کرتا بلکہ اس کی جگہ اسلام عدل و انصاف کا نظریہ پیش کرتا ہے۔ یعنی مرد کے ساتھ بھی انصاف کیا جائے اور عورت کے ساتھ بھی۔ یہ انصاف تبھی ممکن ہے جب مرد کو وہی ذمہ داریاں دی جائیں جن کا پیدائشی طور پر وہ اہل بنایا گیا ہے اور عورت کو وہ ذمہ داریاں دی جائیں جن کے لیے فطرتی طور پر وہ پیدا کی گئی ہے۔ چنانچہ اسلام نے مرد و زن میں انصاف قائم کرنے کے لیے یہ اصول قائم کیا ہے کہ بیوی اور بچوں کے جملہ اخراجات کی فراہمی مرد کے ذمہ ہے۔ اگر مرد غفلت کرے تو عورت قانونی طور پر اپنے اس حق کے لیے مطالبہ بھی کر سکتی ہے۔ جبکہ عورت کے لیے اس کی فطری و طبعی خصوصیات کے پیش نظر یہ اصول قائم کیا گیا ہے کہ وہ خاوند کے گھر میں رہے۔ اس کی اجازت کے بغیر باہر نہ نکلے۔ گھر سے متعلقہ ذمہ داریاں پوری کرے مثلاً: بچوں کی دیکھ بھال کرنا، شوہر کی خدمت کرنا، بر وقت کھانا اور کپڑے وغیرہ مہیا کرنا، شوہر تھکا ماندہ گھر پہنچے تو اسے پر سکون ماحول مہیا کرنا، اس کی راحت کا بندوبست کرنا وغیرہ۔

استثنائی صورتوں کو اصول نہیں بنایا جا سکتا:

مرد و زن کے بارے میں اسلام کا اصول تو یہی ہے کہ مرد وسائلِ زندگی کی فراہمی کے لیے گھر سے باہر کی ذمہ داریاں پوری کرے گا اور عورت گھر کی چار دیواری میں اپنی گھریلو ذمہ داریاں انجام دے گی۔ اس اصول میں حالات کی سنگینی اور ضرورت کے ساتھ استثنائی طور پر تبدیلیاں بھی کی جا سکتی ہیں مثلاً اگر مرد و زن یہ سمجھیں کہ ہمارے اخراجات زیادہ اور وسائل تھوڑے ہیں تو وسائل کی فراہمی کے لیے عورت بھی پردے کی حدود کا لحاظ رکھتے ہوئے معاشی جدوجہد میں حصہ لے سکتی ہے۔ اسی طرح اگر عورت یہ سمجھے کہ میں کسی مجبوری کی وجہ سے زیادہ بچوں کی تربیت مناسب طریقے سے نہیں کر سکتی تو وہ شوہر کی رضامندی کے ساتھ بچوں کی پیدائش میں مناسب وقفہ کر سکتی ہے۔ اسی طرح حالات کی نزاکت سے کئی اور استثنائی صورتیں بھی پیدا ہو سکتی ہیں لیکن ان صورتوں کی حیثیت استثنائی ہوگی، انہیں حتمی و قطعی اصولوں کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔

ازدواجی زندگی میں ایک سربراہ کی ضرورت:

اسلامی تعلیمات کی رو سے میاں بیوی کا باہمی تعلق پیار و محبت پر مبنی ہوتا ہے۔ نہ مرد بیوی کو زر خرید لونڈی اور نوکرانی سمجھتا ہے اور نہ ہی بیوی اپنے شوہر کو جابر و ظالم آقا سمجھتی ہے بلکہ دونوں ایک دوسرے کو اپنا ہمدرد، غمخوار اور مخلص دوست سمجھتے ہیں اور آپس میں دوستانہ ماحول قائم کرتے ہیں۔ اس دوستانہ ماحول میں کبھی

شوہر کو بیوی کی اور کبھی بیوی کو شوہر کی ماننا پڑتی ہے۔ کبھی شوہر کو بیوی کے لیے اپنی کوئی پسند قربان کرنا پڑتی ہے اور کبھی بیوی کو شوہر کے لیے اپنی کوئی خواہش یا ضرورت چھوڑنا پڑتی ہے۔

دین اسلام میاں بیوی کے اس پیار و محبت پر مبنی ماحول کو پسند کرتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہر انسان کی ازدواجی زندگی میں بہت سارے مسائل ایسے بھی پیدا ہوتے ہیں، جہاں دوطرفہ اختلافِ رائے پیدا ہو جاتا ہے اور ہر ایک اپنی بات منوانا ضروری سمجھتا ہے۔ ایسے مسائل کا ایک حل تو یہ ہے کہ شوہر اور بیوی کسی ثالث کو بلوا کر فیصلہ اس کے سپرد کر دیں لیکن اس میں مشکل یہ ہے کہ ایسا ثالث کون ہوگا جس پر میاں بیوی دونوں کو اعتماد بھی ہو اور وہ ہر وقت ان کے جھگڑے نمٹانے کے لیے حاضر بھی رہے!

پھر اس اختلاف کا دائرہ چھوٹے چھوٹے مسائل سے لے کر بڑے بڑے مسائل تک وسیع ہوتا ہے، اور ایک ہی دن میں کئی کئی مسائل پر اختلاف پیدا ہو جاتا ہے، پھر بعض اختلافات کی نوعیت ایسی ہوتی ہے کہ میاں بیوی اپنے وہ اختلاف کسی دوسرے کو بتانا ضروری نہیں سمجھتے بلکہ بعض اختلافات تو وہ کسی اور کو بتا ہی نہیں سکتے۔ اب ایسی صورتحال میں اگر ہر اختلاف نمٹانے کے لیے ثالث کو ضروری قرار دے لیا جائے تو پھر اکثر مسائل تو جوں کے توں قائم رہیں گے اور گھریلو زندگی بدمزہ ہو جائے گی۔

میاں بیوی کے باہمی اختلافات کے حل کی ایک صورت یہ ہے کہ عورت چونکہ رحمدل ہے، اس لیے اسے منصف اور جج تسلیم کر لیا جائے اور ہر اختلاف میں آخری اور حتمی رائے کا حق اسی کو دے دیا جائے۔ لیکن اس صورت میں خطرہ یہ ہے کہ عورت رحمدلی کی وجہ سے بے شمار مسائل میں یک طرفہ رائے قائم کرے گی۔ پھر اس کی باہر کی معلومات چونکہ کم ہوتی ہیں، اس لیے کئی ایک مسائل جن کی حقیقت شوہر کے لیے ظاہر مگر بیوی کے لیے مخفی ہوتی ہے، ان میں یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ عورت صحیح فیصلہ کر لے۔ پھر بعض مسائل ایسے بھی ہو سکتے ہیں جن کا دائرہ غیر محرم مردوں تک پھیل جاتا ہے، ایسی صورت میں عورت کے لیے اجنبی اور غیر محرم مردوں سے ملاقاتیں جہاں کئی فتنوں کو جنم دے سکتا ہے، وہاں شوہر بھی اسے گوارا نہیں کر سکتا۔ پھر بعض مسائل مالی نوعیت کے ہوتے ہیں۔ مرد چونکہ اہل خانہ کی گھریلو ضروریات کا ذمہ دار ہے اور وہی اپنا مال خرچ کرتا ہے، اس لیے وہ ان مالی مسائل کا اندازہ کر کے اپنا قدم اٹھاتا ہے اور اس سلسلہ میں بعض اوقات اپنی بیوی کی ہر رائے اور خواہش کو پورا نہیں کرتا، تا کہ گھریلو بجٹ خراب نہ ہو لیکن عورت کو اگر ان مسائل میں حتمی اختیار دے دیا جائے تو گھریلو اُلجھنوں میں اضافہ ہو جائے گا۔

باہمی اختلافات کے حل کی آخری صورت یہ ہے کہ مرد کو منصف تسلیم کرلیا جائے اور حتمی فیصلہ کی ذمہ داری اسے سونپ دی جائے۔غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس صورت ہی میں بہتری ہے اور اسی میں عورت بھی بالآخر راضی ہوسکتی ہے کیونکہ:

☆......میاں بیوی کے بہت سے اختلافی مسائل مالی نوعیت کے ہوتے ہیں۔مرد چونکہ اہل خانہ کی گھریلو ضروریات کا ذمہ دار ہے اور وہی اپنا مال بھی خرچ کرتا ہے، اس لیے ان مالی مسائل میں اسے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا بجٹ کتنا ہے،فلاں تاریخ تک اس کے پاس کتنی اضافی رقم ہوگی، کتنے قرض اس نے لینے یا واپس کرنے ہیں، گھر میں کون سے چیز ایسی نہیں جس کی فوری ضرورت ہے......ان ساری چیزوں کا تجزیہ کرکے وہ جو فیصلہ کرے گا، ظاہر ہے وہ دور اندیشی ،حکمت اور انصاف پر مبنی ہوگا۔ممکن ہے یہ فیصلہ عورت کی سمجھ سے بالاتر ہو کیونکہ اسے ان ساری چیزوں کا اندازہ نہیں ہوتا۔بالخصوص اس لیے بھی کہ بعض مالی معاملات کسی ضرورت کی وجہ سے شوہر اپنی بیوی کو نہیں بتاتا۔اب عورت کے سامنے دو ہی راستے ہوتے ہیں یا تو وہ خاوند پر اعتماد کرتے ہوئے اس کے فیصلہ پر رضامندی کا اظہار کردیتی ہے یا پھر جلد بازی سے کام لے کر خاوند کو اپنا فیصلہ بدلنے پر مجبور کرتی ہے۔اگر تو وہ خاوند کا فیصلہ قبول کرلے تو اس میں کئی فائدے ہیں مثلاً:

۱)......ایک تو یہ کہ خاوند خوش ہوجائے گا کہ بیوی میرا کہا مانتی ہے۔

۲)......دوسرا یہ کہ خاوند کا فیصلہ چونکہ گہرائی اور دور اندیشی پر مبنی تھا اس لیے اس کے زیادہ مفید نتائج نکلتے ہیں۔

۳)......تیسرا یہ کہ خاوند کو آزادی سے کام کرنے کا موقع ملتا ہے کیونکہ خاوند جتنا خوشحال اور سکھی ہوگا بیوی بھی اتنا ہی آرام پائے گی۔

اور اگر بیوی ضد کرکے اپنا فیصلہ منوانے کی کوشش کرے تو اس میں کئی نقصانات ہوں گے مثلاً:

۱)......خاوند یہ سمجھے گا کہ میری بیوی ضدی اور ہٹ دھرم ہے۔ظاہر ہے یہ بیوی کا نقص ثابت ہوگا اور خاوند کے دل میں اس کی محبت میں کمی واقع ہوجائے گی۔

۲)......دوسرا یہ کہ خاوند کا مالی نظام (بجٹ) متاثر ہوگا اور اس کے متاثر ہونے سے گھر کے بے

شمار کام از خود متاثر ہوتے چلے جائیں گے۔

۳)...... تیسرا یہ کہ خاوند کی ناکامی اور مشکل کی وجہ سے خود بیوی کو بھی مشکلات اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا کیونکہ گھریلو زندگی دونوں کے ساتھ ساتھ چلتی ہے۔

۴) چوتھا یہ کہ خاوند کا اگر کوئی نقصان ہو گیا تو وہ اس کا ذمہ دار عورت ہی کو ٹھہرائے گا، خواہ وہ اس کی اپنی کسی غفلت اور بے تدبیری سے ہوا ہو۔ اب اس نقصان کی وجہ سے بسا اوقات معاملہ علیحدگی تک بلکہ اس سے بھی دور تک جا پہنچتا ہے!

میاں بیوی کے باہمی مسائل کے سلسلہ میں ہم نے عقلی، فطری اور مشاہداتی باتیں پیش کی ہیں۔ اس سلسلہ میں اسلامی تعلیمات پر غور کیا جائے تو وہاں بھی ہمیں یہی فیصلہ ملتا ہے کہ خاوند کو گھر کا سربراہ تسلیم کیا جائے کیونکہ اِزدواجی زندگی کا حُسنِ انتظام اسی سے وابستہ ہے۔

مرد افضل ہے یا عورت؟

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو بھی انسان بنایا ہے اور عورت کو بھی۔ انسان ہونے کے لحاظ سے اس طرح کا کوئی سوال نہیں کیا جا سکتا کہ مرد افضل ہے یا عورت؟ بحیثیتِ انسان اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں دونوں برابر ہیں اور ان دونوں میں سے افضل وہ ہے جو اللہ کا زیادہ متقی بن جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ [الحجرات:۱۳]

''اللہ کے نزدیک تم میں سے سب سے معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی (پرہیزگار) ہے۔''

ایک مرد، عورت سے زیادہ طاقتور ہو سکتا ہے مگر طاقتور ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ اللہ کی نگاہ میں عورت سے افضل ہے۔ اسی طرح ایک عورت، مرد سے زیادہ رحمدل اور نرم مزاج تو ہو سکتی ہے مگر یہ رحمدلی اور نرم مزاجی اللہ کی نگاہ میں اسے مرد سے افضل نہیں بنا دیتی۔ اللہ کی نگاہ میں افضل وہی ہے جس کا ایمان وتقویٰ زیادہ ہے، جس کے اعمالِ صالحہ کثرت سے ہیں، جس کی نیکیاں دوسروں سے زیادہ اور گناہ دوسروں سے کم ہیں۔

عورت کے حقوق

عورت اور مرد دونوں نسلِ انسانی کے معمار ہیں۔ان میں سے کسی ایک کو اگر نکال دیا جائے تو نسلِ انسانی کا ارتقاء وہیں رک جائے گا۔گویا بحیثیتِ انسان جتنی اہمیت ایک مرد کی ہے، اس سے زیادہ نہیں تو کم از کم اتنی ہی اہمیت ایک عورت کی بھی ہے۔مرد کو اپنے مقام و مرتبہ کی وجہ سے اگر بہت سے حقوق حاصل ہیں تو عورت کو بھی اپنی وجودی اہمیت کے اعتبار سے مناسب حقوق ملنے چاہییں۔ان میں اگر کمی کی جائے یا حد سے زیادہ اضافہ کر دیا جائے تو دونوں صورتوں میں معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوگا۔یہی وجہ ہے کہ اسلام نے عورت کو وہ تمام حقوق دیئے ہیں جن کی فطری، طبعی، انفرادی اور اجتماعی اعتبار سے وہ اہل تھی۔

آئندہ سطور میں ہم عورت کے ان بنیادی حقوق پر روشنی ڈالیں گے۔لیکن واضح رہے کہ یہ حقوق قریب قریب وہی ہیں جو مردوں کے ہیں البتہ بعض جگہ کسی حکمت کے پیشِ نظر عورتوں کو کم حقوق دیئے گئے اور مردوں کو زیادہ اور بعض جگہ اس کے برعکس مردوں کو کم اور عورتوں کو زیادہ حقوق سے نوازا گیا۔اس لیے کہ معاشرتی نظام میں حسنِ اعتدال کی فضا قائم رہے۔آیئے اب ان حقوق کا مطالعہ کریں:

(۱)...... جینے کا حق:

عورت کے وجود سے اس نسلِ انسانی کا بقا اور اس کائنات کا حسن قائم ہے۔حضرت حواؑ کے بغیر اگر حضرت آدمؑ کی زندگی کی تکمیل نہیں ہوسکتی تھی تو کسی اور انسان کے بارے میں یہ کیسے توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ عورت کے بغیر اپنے آپ کو مکمل بنا سکتا ہے۔اس لیے عورت کی موجودگی بھی اتنی ہی ضروری ہے جتنی مرد کی۔اور عورت بھی زندہ رہنے کا اتنا ہی حق رکھتی ہے جتنا ایک مرد کو حاصل ہے۔اسلام سے پہلے دورِ جاہلیت میں بعض عرب قبائل میں یہ رسم تھی کہ بچی کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دیا جاتا۔اسلام نے اس رسم کی مذمت کی اور اسے مٹانے کے لیے سخت اقدامات کیے۔

(۲)...... پرورش اور کفالت کا حق:

پیدائش کے بعد اسلام ہر بچے کو یہ حق دیتا ہے کہ اس کی معروف طریقے سے پرورش کی جائے خواہ وہ مذکر ہو یا مونث۔والدین پر فرض ہے کہ وہ اس کی خوب دیکھ بھال اور بھرپور کفالت کریں اور اس کو ہرگز بوجھ نہ

سمجھیں۔ اسلام سے پہلے بچیوں کو منحوس سمجھا جاتا اور پیدا ہوتے ہی زندہ زمین میں دفن کر دیا جاتا تھا۔ اگر بچی کو زندہ رکھا بھی جاتا تو اس کی پرورش پر پوری توجہ نہ دی جاتی۔ اسلام نے اس سوچ کو بدلنے کے لیے عورت کے ساتھ بڑا احسان کیا۔ بچی کی پرورش کی خصوصی فضیلت بیان کی۔ اگر کسی بچی کا باپ فوت ہو جائے تو اس کے قریبی رشتہ دار یعنی دادا، چچا، تایا اور بھائیوں پر اس کی کفالت و پرورش کی ذمہ داری عائد کی۔ شادی کے بعد شوہر پر فرض کر دیا کہ وہ بیوی بچوں کی کفالت کا بوجھ اٹھائے۔

(۳)......تعلیم وتربیت کا حق:

بچوں کی طرح بچیاں بھی یہ حق رکھتی ہیں کہ انہیں بنیادی ضروری تعلیم وتربیت سے آراستہ کیا جائے۔ یہ ضروری نہیں کہ بچیوں کو بھی اتنی ہی تعلیم دلائی جائے جتنی بچوں کو۔ اور نہ ہی یہ ضروری ہے کہ جس نوعیت کی تعلیم بچوں کو دی جائے ،اسی نوعیت کی تعلیم بچیوں کو بھی دی جائے۔ اول تو ایسا کرنا مختلف وجوہات کی بناپر ممکن ہی نہیں ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ بچوں اور بچیوں کے دائرہ کار میں آگے چل کر چونکہ وہی فرق پیدا ہونا ہے جسے ہم مرد وزن کے دائرہ عمل کے فرق سے بیان کر آئے ہیں۔ اس لیے عورت کے لیے تعلیم وتربیت کا معیار وہ ہونا چاہیے جو اس کی گھریلو وخانگی زندگی میں اس کے کام آ سکے، وہ نہیں جو خانگی زندگی میں اسے کوئی فائدہ نہ دے۔ بچوں اور بچیوں کی تعلیم وتربیت میں اگر کوئی چیز یکساں ہوسکتی ہے تو وہ یہی ہے کہ دینی واخلاقی نقطۂ نظر سے انہیں وہ اَخلاق واَطوار سکھائے جائیں جو بحیثیتِ مسلمان ہر شخص کے لیے ضروری ہیں۔ بلکہ یہ تو ہر مسلمان کی تربیتی زندگی کا ایسا پہلو ہے جسے نہ بچوں سے نظر انداز کیا جا سکتا ہے اور نہ بچیوں سے۔

(۴)......انتخابِ شوہر کا حق:

جب بچی بالغ ہو جائے تو وہ یہ حق رکھتی ہے کہ اس کے والد (یا سرپرست) اس کے لیے مناسب رشتہ تلاش کر کے اس کی شادی کریں اور شادی کے جملہ اخراجات بھی برداشت کریں۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنے والی لڑکی کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ خود گھر سے باہر نکل کر اپنے شریکِ حیات کی تلاش کرتی پھرے۔ اس لیے عورت کو یہ سہولت دی گئی ہے کہ اس کے سرپرست واولیاء اس کے لیے مناسب رشتہ تلاش کریں۔ رشتہ تلاش کرنے کے دوران ضروری ہے کہ لڑکی کی رائے اور پسند کو بھی مدنظر رکھا جائے۔

جب کوئی مناسب رشتہ سامنے آئے تو لڑکی سے مشورہ کیا جائے۔ جب معلوم ہو جائے کہ لڑکی اس رشتہ پر راضی ہے تو اس کی شادی کر دی جائے اور اگر لڑکی اس رشتہ پر راضی نہیں تو والدین کو یہ حق نہیں کہ وہ لڑکی پر زبردستی کریں اور اسے مجبور کر کے کسی ایسے شخص کے پلے باندھ دیں جسے وہ پہلے ہی ناپسند کر رہی ہے۔

شادی کے سلسلہ میں لڑکی کی پسند اور ناپسند کو مرکزی اہمیت حاصل ہے کیونکہ جس شخص سے اس کی شادی کی جارہی ہے، شادی کے بعد اس کے ساتھ اسی نے زندگی گزارنی ہے اس کے سرپرستوں اور اولیاء نے نہیں۔ اس لیے اسلام نے ہر لڑکی کو انتخابِ شوہر کے سلسلہ میں یہ حق دیا ہے کہ اس کی رضامندی کے ساتھ شادی کا بندھن باندھا جائے۔

(۵)......حقِ علیحدگی (خلع):

اگر خاوند کسی معقول وجہ سے بیوی کو ناپسند کرتا ہو تو اسلام اسے یہ حق دیتا ہے کہ وہ طلاق کے ذریعے اس عورت کو اپنے سے جدا کر دے۔ اسی طرح اگر بیوی، خاوند کو کسی معقول وجہ سے ناپسند کرتی ہو تو اس مقصد کے لیے اسلام اسے بھی علیحدگی کا حق دیتا ہے، جسے حقِ خلع کہا جاتا ہے۔ خلع کا یہ معنی نہیں کہ عورت اپنے خاوند کو طلاق دے ڈالے جس طرح مغربی معاشرے میں قانونی طور پر ایسا ہوتا ہے بلکہ خلع کا معنی یہ ہے کہ عورت علیحدگی حاصل کرنے کے لیے خاوند سے طلاق کا مطالبہ کرے۔ اگر خاوند عورت کا مطالبہ تسلیم نہ کرے تو عورت عدالت کی طرف رجوع کرے اور عدالت بھی خاوند کو طلاق دینے کا حکم دے اور اگر خاوند عدالتی حکم بھی نہ مانے تو عدالت نکاح فسخ کر دے اور مہر خاوند کو واپس لوٹا دے۔ اس طرح نکاح ٹوٹ جائے گا اور عورت خلع کی عدت پوری کر کے جہاں چاہے نکاح کر واسکتی ہے۔

(۶)......حقِ حُسنِ سلوک:

عورت چار حیثیتوں سے زندگی گزارتی ہے۔ بحیثیتِ بیٹی، بحیثیتِ بہن، بحیثیتِ بیوی اور بحیثیتِ ماں۔ ان چاروں حیثیتوں میں اسلام نے عورت کے ساتھ عزت و تکریم اور حسن سلوک سے پیش آنے کی تلقین کی ہے۔ جب وہ بیٹی اور بہن کی حیثیت سے زندگی گزارتی ہے، تو اس وقت اس کے والدین اور بھائیوں کو یہ تاکید کی گئی ہے کہ وہ اس کے ساتھ حسنِ سلوک کریں۔ جب وہ بیوی کی حیثیت اختیار کرتی ہے تو اس کے شوہر کو دینی و اخلاقی طور پر اس بات کا پابند بنایا گیا ہے کہ وہ اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے اور اس کے حقوق

پورے کرے۔ اسی طرح جب وہ ماں کا درجہ حاصل کرتی ہے تو اس وقت اس کی اولاد کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ ماں کے ساتھ حسنِ سلوک کا مظاہرہ کرے بلکہ ماں کے ساتھ حسنِ سلوک کو باپ سے تین گنا زیادہ فضیلت دی گئی ہے حتی کہ بعض اَحادیث میں تو یہاں تک کہا گیا ہے کہ ''ماں کی خدمت کرو، بے شک جنت اس کے قدموں تلے ہے۔''[1]

(۷) جنسی تمتع کا حق:

جنسی استمتاع جس طرح خاوند کا حق ہے اسی طرح بیوی کا بھی حق ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾[البقرۃ :۲۲۸]

''عورتوں کے بھی معروف کے مطابق ویسے ہی حقوق ہیں جیسے ان مردوں کے ان پر ہیں۔''

اگر مرد کو شادی کے بعد بیوی سے جنسی استمتاع کا حق حاصل ہے تو بیوی کو بھی یہ حق حاصل ہے۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگ بیویوں کے جنسی حقوق کا خیال نہیں رکھتے تھے چنانچہ ان کی سرزنش کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے ان سے ارشاد فرمایا:

''تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے، لہذا ہر ایک کا حق ادا کرو۔''[2]

(۸)......عورت کے معاشی حقوق:

اسلام نے مردوں کی طرح عورتوں کے لیے بھی مالی حقوق کو تسلیم کیا ہے۔ یعنی ایک عورت کو والدین، اولاد اور خاوند کی وراثت میں حصہ دار مقرر کیا ہے۔ اسی طرح ہبہ و تحفہ یا حق مہر کی صورت میں ملنے والے مال کی بھی عورت ہی مالک ہے۔ اسی طرح اسلامی حدود میں رہتے ہوئے اگر کوئی عورت کاروبار یا ملازمت وغیرہ کر کے مال کماتی ہے تو وہ بھی اسی کی ملکیت ہے۔ عورت اپنے مال میں سے بخوشی کسی کو کچھ دینا چاہے تو یہ اس کی مرضی ہے، ورنہ کسی کو یہ حق حاصل نہیں کو وہ عورت کے مال پر دست درازی کرے خواہ وہ اس کا شوہر یا والدین وغیرہ ہی کیوں نہ ہوں۔

---

(۱) سنن نسائی: کتاب الجهاد: باب الرخصة فی التخلف لمن له والدة (ح۳۱۰۶)، الترغیب والترهیب (ج۳ص۲۱۴)، حاکم (ج۴ص۱۵۱) امام حاکمؒ، امام ذہبیؒ، علامہ منذریؒ اور شیخ البانیؒ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

(۲) صحیح بخاری (ح۵۱۹۹)، صحیح مسلم (ح۱۱۵۹.۱۸۲)

(۹)......عزت وعصمت کی حفاظت کا حق:

عورت کا ایک حق یہ بھی ہے کہ اس کی عزت وآبرو کی حفاظت کی جائے۔ بیٹی ہونے کی حیثیت سے باپ پر، بہن ہونے کی حیثیت سے بھائیوں پر اور بیوی ہونے کی حیثیت سے شوہر پر فرض ہے کہ وہ عورت کی عزت وعصمت کی حفاظت کرے، اور اسے چادر اور چاردیواری کا پورا ماحول فراہم کرے۔ جو شخص اپنی بیوی کی عزت وآبرو کا خیال نہیں کرتا، احادیث میں اسے 'دیوث' (یعنی بے غیرت) کہا گیا ہے اور ایسے شخص کے بارے میں جہنم کی وعید سنائی گئی ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((ثَلَاثَةٌ لَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ اَلْعَاقُ لِوَالِدَيْهِ وَالدَّيُوْثُ وَرَجِلَةُ النِّسَآءِ))[1]

''تین شخص جنت میں داخل نہیں ہوں گے:

(۱)......والدین کا نافرمان

(۲)......عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے والا مرد

(۳)......دیوث (بے غیرت)۔''

ایک روایت میں ہے کہ

((وَالدَّيُّوْثُ الَّذِىْ يُقِرُّ فِىْ اَهْلِهِ الْخُبْثَ))[2]

''دیوث وہ ہے جو اپنے اہل وعیال میں خباثت اور بے حیائی کو برقرار رکھتا ہے۔''

............*

(۱) صحيح الجامع الصغير للالبانيؒ (۳۰۵۸)، حاکم (ج۴ص۱۴۶)، شعب الايمان (ج۰ ۷۸۳، ۷۸۷۷)، مسند احمد (ج۲ص ۶۹، ۱۲۸)، مسند بزار (ج۱۸۷۵)، ابويعلى (ج۵۵۵۶)، المعجم الكبير (ج۱۰ ۱۳۱۰)

(۲) مجمع الزوائد (ج۸ص۱۴۷)

عورت کے لیے رعایتیں اور سہولتیں

طبعی وجسمانی اعتبار سے عورت چونکہ صنفِ نازک ہے، اس لیے معاشرتی زندگی میں بہت سے اُمور ایسے ہیں جہاں اسلام اس صنفِ نازک کے ساتھ خصوصی رعایت کا برتاؤ کرتا ہے۔ یہ اسلام کا عورت پر احسان ہے بشرطیکہ احسان شناس نظر سے اس پہلو پر غور کیا جائے۔ آئندہ سطور میں ہم اس پہلو پر کچھ روشنی ڈالتے ہیں۔

(۱)......عبادات میں رعایتیں اور سہولتیں:

اصولی طور پر عبادات کا تعلق بالغ زندگی کے ساتھ ہے۔ بالغ ہونے کے بعد ایک عورت کو ہر ماہ چند دنوں کے لیے ناپاکی کی حالت سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس حالت میں ایک تو عورت جسمانی طور پر تکلیف اور کمزوری محسوس کرتی ہے اور دوسرا یہ کہ اس کے لیے وضو قائم رکھنا بہت مشکل ہو جاتا ہے چنانچہ ان دنوں میں عورت کو عبادات میں سہولت دے دی جاتی ہے۔ اور اگر اس حالت میں بھی عورت پر فرض رہتا کہ وہ پانچوں نمازیں پڑھے اور روزے رکھے تو یقیناً یہ ایک عورت کے ساتھ ظلم ہوتا۔ البتہ یہ کہا جا سکتا تھا کہ ماہواری کے بعد عورت ان چھوڑی ہوئی نمازوں اور روزوں کو پورا کرے۔ اس صورت میں روزے پورے کرنا تو آسان ہوتا کیونکہ یہ پورے سال میں ایک ماہ کے لیے آتے ہیں اور ماہواری کی وجہ سے اس میں سے صرف چند روزے ہی چھوٹتے ہیں جنہیں پورے سال میں کسی بھی وقت پورا کیا جا سکتا ہے مگر ہر ماہواری کی چھوٹی ہوئی نمازیں پوری کرنے میں عورت کے لیے بہت مشکل تھی۔

اسلام نے عورت پر احسان کرتے ہوئے اسے یہ سہولت دے دی کہ نمازوں کی قضائی تو نہ دی جائے البتہ روزوں کی قضائی دی جائے۔ اسی طرح حمل یا رضاعت کی حالت میں بھی عورت کو روزوں کے سلسلہ میں جزوی طور پر کچھ سہولتیں دی گئی ہیں۔ [ان کی تفصیلات آگے روزوں کے بیان میں ملاحظہ فرمائیں]

(۲)......کفالت کی سہولت:

اسلام نے عورت کو معاشی پہلو سے یہ سہولت دی ہے کہ اس کی کفالت مردوں پر ڈال دی ہے۔ چنانچہ جب ایک عورت شادی سے پہلے بچپن کی زندگی اپنے والدین کے ہاں گزارتی ہے تو اس کی کفالت و تربیت کی ذمہ داری والد پر ہوتی ہے۔ اسی طرح شادی کے بعد کفالت کی یہ ذمہ داری باپ سے شوہر کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔ والد یا شوہر کی وفات کی صورت میں یہ ذمہ داری قریبی رشتہ داروں (عَصَبَہ) یعنی

چچا، تایا وغیرہ کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔ گویا اسلام نے عورت پر اتنا بڑا احسان کیا ہے کہ پیدائش سے موت تک اس کے جملہ اخراجات کی ذمہ داری دوسروں پر ڈال دی ہے تاکہ وہ فکرِ معاش سے آزاد ہو کر اپنے خانہ داری وغیرہ سے متعلقہ امور کو حسن وخوبی سے انجام دے۔ اس کے باوجود اگر کوئی یہ سمجھے کہ اسلام نے عورت کے حقوق کا تحفظ نہیں کیا تو یہ اس کی جہالت یا عصبیت کا ثبوت ہوگا۔

(۳)...... پردے کی سہولت:

مرد اور عورت کے بعض جسمانی اعضاء ایسے ہیں جنہیں دوسروں سے بلکہ خود اپنے آپ سے بھی پردہ میں رکھنا انسانی فطرت کا تقاضا ہے، چنانچہ اسلام نے مرد و عورت کے لیے ستر ڈھانپنے کا حکم دیا۔ عورتوں کی طبع و ساخت کی مناسبت سے انہیں یہ حکم بھی دیا کہ وہ تمام اجنبی (غیر محرم) مردوں سے اپنا چہرہ اور زینت بھی چھپا کر رکھیں اور غیر محرموں کے ساتھ اختلاط اور خلوت اختیار نہ کریں۔ اس لیے کہ عورت جب غیر محرموں کے ساتھ بے پردہ ہو کر اختلاط اور خلوت کرے گی تو یقینی خدشہ ہے کہ یا تو مرد عورت پر جنسی تشدد کرے گا یا پھر دونوں شہوانی جذبات سے مغلوب ہو کر برائی کر بیٹھیں گے۔ اسی جنسی تشدد اور بدکاری سے روکنے کے لیے اسلام نے عورت کو حجاب کرنے اور غیر محرموں سے علیحدہ رہنے کا حکم دیا ہے۔ محرم رشتہ داروں (مثلاً باپ، بھائی، چچا وغیرہ) سے یہ خطرہ نہیں ہوتا اس لیے وہاں حجاب کا مطالبہ نہیں کیا گیا۔

معلوم ہوا کہ حجاب کے سلسلہ میں بھی دراصل اسلام نے عورت پر احسان کیا ہے اور اس کے متوقع نقصانات (فحاشی، بدکاری، جنسی تشدد وغیرہ) کو اتنے یقین کے ساتھ تسلیم کیا ہے کہ عورت کو حکماً یہ کہا گیا کہ وہ غیر محرموں سے اختلاط سے بچے اور اگر کسی ضرورت کے لیے گھر سے باہر جانا پڑے یا غیر محرم کا سامنا کرنا پڑے تو حجاب کا اہتمام کرے۔

(۴)......شادی کے لیے سرپرست (ولی) کی سہولت:

اسلام نے شادی کے سلسلہ میں ایک بالغ عورت کی رضامندی کو بھی اسی طرح ضروری قرار دیا ہے جس طرح ایک مرد کی۔ البتہ عورت چونکہ اپنی فطری حیا اور گھریلو دائرۂ عمل سے متعلق ہونے کی وجہ سے اپنے لیے مناسب شریکِ حیات کو تلاش نہیں کر سکتی۔ اس لیے زندگی کے اس اہم ترین موڑ پر بھی اسلام نے عورت کے ساتھ احسان کرتے ہوئے اسے یہ سہولت دی ہے کہ اس کے لیے مناسب شریکِ حیات کی تلاش اس کا ولی (سرپرست) کرے۔ لڑکی کا ولی اول تو اس کا باپ ہوتا ہے باپ نہ ہو تو پھر بھائی ورنہ چچا، تایا وغیرہ۔

اب ایک انصاف پرست شخص خود ہی فیصلہ کرلے کہ ایک عورت کا باپ کیا اپنی لختِ جگر کے لیے جان مار کر مناسب رشتہ تلاش نہیں کرتا؟ اگر کرتا ہے تو آج کی عورت اس سہولت کو تسلیم کرنے کے لیے کیوں آمادہ نہیں؟ کیوں عشق لڑا کر گھر سے بھاگنے، عدالتوں میں شادیاں کرنے اور اپنے ساتھ پورے خاندان کو بدنام کرنے کے لیے احمقانہ قدم اٹھاتی ہے۔ تفصیلات تو اپنی جگہ آئیں گی ہم یہاں صرف یہ بات کہنا چاہتے ہیں کہ عورت کے لیے شادی کے سلسلہ میں ولی (سرپرست) کو ذمہ دار بنا کر اسلام نے عورت کے ساتھ احسان کیا ہے۔ اگر کوئی عورت یہ سمجھے کہ اس کا باپ یا بھائی (سرپرست) وغیرہ اپنے کسی ذاتی دنیوی مفاد کی خاطر غلط جگہ اس کی شادی کرنا چاہتے ہیں تو عورت ایسے موقع پر ان کی رائے سے ضرور اختلاف کرے کیونکہ ایسے موقع پر اختلاف کا حق اسے حاصل ہے مگر اس اختلاف کا یہ طریقہ نہیں کہ وہ گھر سے بھاگ جائے۔ اگر عورت اسی طرح خاندان کو رسوا کر کے نکل جائے اور ادھر اس کے ساتھ تا حیات رفاقت کے دعوے کرنے والا عدالتی نکاح کے چندروز بعد اسے چھوڑ کر غائب ہو جائے یا طلاق دے دے تو اب اس کے لیے ان مشکل ترین حالات میں کیا والدین کے گھر کے وہ دروازے کھلے ہوں گے جنہیں یہ خود اپنے لیے بند کر کے نکلی تھی؟......اور کیا کوئی باغیرت باپ اور باغیرت بھائی اب اسے برداشت کرنے کے لیے تیار ہوگا......؟!

(۵)......شادی کے اخراجات میں سہولت:

اسلام نے ہر معاملے میں سادگی اور سہولت کی راہ اختیار کی ہے۔ شادی کے سلسلہ میں بھی اسلام اسراف وتبذیر کا قائل نہیں ہے۔ اس سادگی کے باوجود شادی کے موقع پر جو تھوڑا بہت خرچہ ہوتا ہے وہ بھی عورت پر نہیں ڈالا گیا بلکہ باپ اور بھائیوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ شادی کے انتظامی معاملات سنبھالیں۔ گویا اس پہلو سے بھی عورت کے ساتھ سہولت برتی گئی ہے بلکہ عورت کو شوہر کی طرف سے ملنے والا مہر بھی عورت ہی کی ملکیت ہے۔ اس میں اس کا باپ، بھائی یا شوہر وغیرہ شریک نہیں ہوتے۔ اور نہ ہی باپ یہ مطالبہ کر سکتا ہے کہ ہم نے چونکہ تمہاری شادی کے اخراجات اٹھائے ہیں اس لیے تم اپنا مہر ہمیں دے دو۔ شادی کے اخراجات تو اسلام کی طرف سے پہلے ہی والد پر ڈالے گئے ہیں۔ البتہ اگر باپ غریب اور مجبور ہو تو پھر مسئلہ کی نوعیت تعاونِ باہمی کی بنیاد پر بدل سکتی ہے مگر پھر بھی لڑکی کی رضامندی کے بغیر اس کے حق مہر پر دست درازی نہیں کی جا سکتی۔ خود والدین اور بھائیوں کو دیکھنا چاہیے کہ اپنے اخراجات اور وسائل کی

مناسبت سے شادی کا انتظام کریں اور جتنی سادگی سے وہ یہ ذمہ داری انجام دیں گے، اتنا ہی اسلام کی نظر میں اچھا ہوگا۔

جہاں تک شادی کے موقع پر لڑکی کو جہیز دینے کا مسئلہ ہے تو یاد رہے کہ یہ اسلام کا کوئی شرعی مطالبہ نہیں بلکہ یہ ایک علاقائی ہندوانہ رسم ہے جس میں لڑکی کو شادی کے موقع پر جہیز دے کر والدین کی وراثت سے ہمیشہ کے لیے محروم کر دیا جاتا ہے حالانکہ اسلام نے وراثت میں بیٹی کو بھی حصہ دار بنایا ہے۔ لہٰذا وراثت میں سے اسے کوئی محروم نہیں کر سکتا۔ وراثت سے محروم کرنے کی نیت کیے بغیر اگر باپ یا بھائی شادی کے موقع پر لڑکی کو تحائف کی شکل میں کوئی سامان دیتے ہیں تو یہ ان کی اپنی خوشی پر محیط ہے۔ ایسی صورت میں اسلام کو بھی کوئی اعتراض نہیں بشرطیکہ ریاکاری، ہندوانہ رسم سے مشابہت وغیرہ نہ کی جائے۔ جہیز کی شرعی حیثیت کے حوالے سے خواہش مند حضرات ہماری کتاب ''**جہیز کی تباہ کاریاں**'' ضرور ملاحظہ فرمائیں۔

(۶)......سفر کے لیے محرم کی سہولت:

عورت کی عمومی ذمہ داریاں چونکہ گھر کی چاردیواری میں محدود ہیں اس لیے وہ زیادہ تر گھر پر ہی رہتی ہے لیکن کسی ضرورت کی وجہ سے اسے گھر سے باہر بھی نکلنا پڑ سکتا ہے۔ اسلام نے عورت پر یہ احسان کیا ہے کہ اگر ضرورت کی وجہ سے اسے لمبا سفر کرنا پڑ جائے تو اس کے ساتھ اس کا کوئی محرم رشتہ دار یا شوہر موجود ہونا چاہیے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُسَافِرَ مَسِيْرَةَ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ لَيْسَ مَعَهَا حُرْمَةٌ))(۱)

''جو عورت اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہے، اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ محرم کے بغیر ایک دن اور رات کا سفر اکیلی کرے۔''

گویا ہے تو یہ عورت کے لیے سہولت مگر اس سہولت کو حکم کے انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ ممکن ہے کوئی عورت اسے اپنے حق میں ناروا سختی سمجھ بیٹھے حالانکہ اسلام کے صحیح و صریح احکام لوگوں کی سہولت کے لیے ہیں خواہ ان میں ظاہری طور پر کوئی مشکل اور مشقت ہی کیوں نہ نظر آتی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ایک عورت کے لیے محرم کی موجودگی کا جو حکم دیا ہے، اس میں بھی بہت سی مصلحتیں ہیں جنہیں ہر شخص نہیں سمجھ سکتا۔ ایک مسلمان کا کام اسلامی احکام کی تابعداری ہے خواہ ان کی حکمت و مصلحت اسے سمجھ آئے یا نہیں۔

---

(۱) صحیح بخاری: کتاب تقصیر الصلاۃ: باب فی کم یقصر الصلاۃ (ح ۱۰۸۸)، صحیح مسلم (ح ۱۳۳۹)

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کے یہ احکام صدیوں پرانے ہیں جب کہ اب سائنس اور ٹیکنالوجی کی پیش رفت کی وجہ سے سفر کے ذرائع و وسائل بدل چکے ہیں۔ آرام دہ بس، ریل اور جہاز کے ذریعے ہزاروں میلوں کا سفر چند گھنٹوں اور منٹوں میں بغیر کسی تھکاوٹ اور پریشانی کے طے ہو جاتا ہے۔ اس لیے سفر سے متعلقہ احکام میں ازراہِ اجتہاد تبدیلی کرنی چاہیے اور عورت کو تنہا سفر کی اجازت دے دینی چاہیے۔ یہ نقطۂ نظر درست نہیں، اس لیے کہ سائنسی پیش رفت کی وجہ سے سفر کے وسائل و ذرائع میں تبدیلی کے باوجود عورت کے لیے تنہا سفر کرنے میں اب بھی بہت سے خدشات موجود ہیں مثلاً جہاز کے سفر کو عورت کے لیے تنہا سفر کرنے کے حوالے سے سب سے زیادہ غیر ضرر سمجھا جاتا ہے۔ آپ اسی کو لیجیے:

فرض کیا ایک عورت ویٹنگ روم میں اپنے محرم کو ساتھ لے جاتی ہے (اگرچہ بالعموم ایسا ہوتا نہیں بلکہ صرف مسافر ہی ویٹنگ روم میں بیٹھ سکتا ہے) پھر یہ بھی فرض کرلیں کہ جہاز پر بٹھانے تک وہ محرم اس کے ساتھ رہتا ہے۔ پرواز کے بعد محرم واپس آ جاتا ہے۔ چند گھنٹوں کے بعد جہاز نے سعودیہ (ریاض) پہنچا تھا مگر راستے میں موسم کی خرابی کی وجہ سے اسے کسی اور شہر میں اترنا پڑا اور موسم کی مسلسل خرابی کی وجہ سے عورت کو اس ملک میں بغیر محرم کے رہنا پڑا۔ اب یہاں عورت کی کیا حالت ہوگی اور پیچھے عزیز و اقارب کی اس وقت کیا کیفیت ہوگی؟ اور اگر جہاز کو دہشت گرد اغوا کرلیں تو پھر عورت پر کیا گزرے گی؟!

اسی طرح تیز رفتار ٹرین راستے میں کسی صحرا یا جنگل میں حادثہ کا شکار ہو جائے تو محرم مردوں کے بغیر سفر کرنے والی خواتین کا وہاں کیا حال ہوگا......؟!

(۷)......وراثت میں حصہ داری کی سہولت:

اسلام نے عورت کے ساتھ معاشی اعتبار سے سہولت اور رعایت کرتے ہوئے اسے مالِ وراثت میں حصہ دار مقرر کیا ہے جبکہ عورت پر اپنے بچوں، بہن بھائیوں اور شوہر وغیرہ کی کفالت کی ذمہ داری بھی عائد نہیں کی گئی مگر اس کے باوجود اسے عام طور پر نصف حصہ، بعض صورتوں میں چھٹا حصہ اور بعض میں مردوں کے برابر اور بعض میں مردوں سے زیادہ حصہ دیا جاتا ہے۔ مرد کے مقابلہ میں عورت کے نصف حصہ کو ہمارے بعض دانشور عورت کے ساتھ ناانصافی قرار دیتے ہیں حالانکہ یہ ناانصافی تو تب تھی جب عورت پر معاشی کفالت کی ذمہ داری ڈالنے کے بعد اسے نصف حصہ دیا جاتا۔ جب اس پر یہ ذمہ داری ڈالی ہی نہیں گئی مگر اس کے باوجود اسے نصف حصہ مل رہا ہے تو پھر یہ تو عورت پر اسلام کی طرف سے ایک احسان ہے......!!

عورت کے فرائض

عورت کو اتنے حقوق اور رعایتیں دینے کے بعد ظاہر ہے کہ اس کا بھی کوئی مقصدِ وجود ہے۔ اسلام اس مقصدِ وجود کو اس کے فرائض کی شکل میں متعین کرتا ہے اور اس پر بوجھ اسی قسم کا ڈالتا ہے جس کے لیے تخلیقی طور پر اسے اہل بنایا گیا ہے۔ چنانچہ جب تک عورت کی کفالت وتربیت کی ذمہ داری اس کے والدین پر ہوتی ہے، اسے یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے والدین کی اطاعت وفرمانبرداری کرے۔ ان کی خدمت کو ضروری سمجھے۔ ان سے حسن سلوک کرے۔ ان کے مشورے کے بغیر کوئی کام نہ کرے۔

جب اس کی معاشی کفالت کی ذمہ داری اس کے شوہر پر ڈال دی جاتی ہے، تو تب عورت سے یہ تقاضا کیا گیا ہے کہ وہ شوہر کی وفادار اور خدمت گزار بن جائے۔ شوہر کی راحت کے لیے اپنے آپ کو پیش کردے۔ گھر گرہستی کے تمام کام خوش دِلی اور خوش اُسلوبی سے انجام دے۔ شادی کے بعد پیدا ہونے والے بچوں کی پرورش کے لیے اپنی تمام تر صلاحیتیں صرف کردے۔

ہماری کتاب کا بنیادی موضوع چونکہ عورت کے فرائض سے متعلق ہے، اس لیے اسی مناسبت سے اس کتاب میں عورتوں کے جملہ احکام ومسائل، ان کی دینی واخلاقی تعلیم وتربیت، ان کے اجتماعی ومعاشرتی کردار وغیرہ کے حوالے سے مختلف پہلوؤں پر تفصیلات قلم بند کی گئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے حضور ہم دعا گو ہیں کہ وہ حق بات سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

طالبِ دعا
حافظ مبشر حسین
0300-4602878



باب ا:

عورت...... پیدائش و پرورش اور تعلیم و تربیت

............*

فصل ا:

عورت کی پیدائش و پرورش

بچہ ہو یا بچی......مرضی اللہ کی!

اللہ تعالیٰ نے انسان کو مرد اور عورت میں تقسیم فرمایا ہے۔ یہ دونوں طبع وساخت کے اعتبار سے ایک دوسرے کی ضد ہیں مگر اس کے باوجود یہ ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ اگر اس کائنات میں صرف مرد یا صرف عورتیں ہی پیدا ہوتیں تو کائنات کا توازن بگڑ جاتا۔ اس توازن کو قائم رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ کسی کو لڑکے عطا کر دیتا ہے کسی کو لڑکیاں اور کسی کو لڑکے اور لڑکیاں دونوں۔ ایک مسلمان کا عقیدہ یہ ہونا چاہیے کہ لڑکا ہو یا لڑکی سب کچھ اللہ کی مرضی سے ہوتا ہے اور اس کے حکم و اذن کے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ ہوتا ہے، اس میں اس کی کوئی نہ کوئی حکمت ضرور کارفرما ہوتی ہے۔

بچی کی پیدائش اور معاشرے میں پھیلے ہوئے جاہلانہ تصورات:

بیٹا اگر اللہ کی نعمت ہے تو بیٹی بھی اس کی رحمت ہے۔ نہ بیٹے کی پیدائش پر مارے خوشی کے آپے سے باہر ہونا چاہیے اور نہ بیٹی کی پیدائش پر افسردگی اور مایوسی میں ڈوبنا چاہیے۔ ہمارے معاشرے میں بچیوں کی پیدائش کے سلسلہ میں بعض جاہلانہ تصورات پائے جاتے ہیں مثلاً شادی کے بعد اگر پہلے نمبر پر بچی پیدا ہو تو اسے نحوست کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ خاتم النبیین ﷺ کے ہاں بھی پہلے نمبر پر بیٹی ہی پیدا ہوئی تھی۔ اگر یہ نحوست کی علامت ہوتی تو کم از کم نبیوں کے سردار کے ساتھ یہ معاملہ پیش نہ آتا۔ اس واقعہ کا پیش آنا گویا اس بات کی دلیل ہے کہ بچی کی پیدائش علامتِ نحوست نہیں ہے۔

اسی طرح ہمارے ہاں ایک جاہلانہ تصور یہ پایا جاتا ہے کہ جس شخص کے ہاں بیٹا پیدا نہ ہو اور بیٹیاں ہی بیٹیاں ہوں وہ شخص منحوس ہوتا ہے۔ یہ تصور بھی غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بعض برگزیدہ نبیوں [مثلاً حضرت لوط علیہ السلام] کے ہاں صرف بیٹیاں ہی پیدا ہوئیں بیٹا کوئی پیدا نہ ہوا۔ بلکہ حضور ﷺ کے ہاں تو بیٹے بھی پیدا ہوئے مگر فوت ہو گئے اور صرف بیٹیاں ہی زندگی پا سکیں۔

لڑکا پیدا نہ ہو تو خرابی مرد میں ہے عورت میں نہیں:

اسی طرح ہمارے ہاں ایک جاہلانہ تصور یہ ہے کہ جس عورت کے ہاں صرف بچیاں ہی پیدا ہوں، اسے قصوروار ٹھہرایا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ خاوند سے لے کر سسرال کے ایک چھوٹے فرد تک سبھی ظالمانہ رویہ اختیار کرتے ہیں۔ حالانکہ بچیاں ہونے کا یہ معنیٰ نہیں کہ عورت کا کوئی قصور ہے بلکہ یہ اللہ کی طرف سے طے کی ہوئی قسمت کا فیصلہ ہے جسے کوئی انسان اپنی مرضی سے بدل نہیں سکتا۔ علاوہ ازیں جدید سائنسی تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ اگر کسی عورت کے ہاں صرف بچیاں ہی پیدا ہوں تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ عورت کا نظامِ ولادت ٹھیک ہے مگر مرد میں کمزوری ہے۔ عورت کے زنانہ جراثیم (انڈے) تو اپنا کام کر رہے ہیں مگر مرد کے مردانہ جراثیم (سپرمز) میں کوئی خرابی یا کمزوری ہے۔

دراصل مرد کے مادہ تولید میں ایکس وائی (XY) دو قسم کے جرثومے ہوتے ہیں جبکہ عورت کے مادہ تولید میں صرف ایکس ایکس (XX) جراثیم ہوتے ہیں۔ اگر مرد کا ایکس (X) عورت کے ایکس (X) کے ساتھ ملاپ کرے تو لڑکی کا جنین بنتا ہے بصورت دیگر اگر مرد کا وائی (Y) عورت کے ایکس (X) کے ساتھ ملاپ کرے تو نتیجۃً لڑکے کا جنین بنتا ہے۔ اور اگر کسی مرد کے مادہ تولید میں صرف ایکس (X) جرثومے ہوں اور وائی (Y) موجود نہ ہوں یا وائی (Y) جرثومے کمزور ہوں یا مرد کے وائی (Y) جرثومے عورت کے ایکس (X) جرثوموں سے ملاپ نہ کر سکیں تو ایسا مرد عورت سے ملاپ کے باوجود لڑکا پیدا نہیں کر سکے گا۔

معلوم ہوا کہ لڑکا پیدا نہ ہونے میں عورت بے چاری کا کوئی قصور نہیں، بلکہ خرابی مرد میں ہے کہ اس کے وہ جراثیم ہی مردہ یا کمزور ہیں جو لڑکے کی پیدائش کا ذریعہ بنتے ہیں۔ یا تو یہ کسی بیماری کی وجہ سے ہوتا ہے یا پھر فطری طور پر اللہ کے حکم سے۔ جب تک یہ خرابی دور نہ ہو تب تک ایسا مرد جتنی چاہے شادیاں کر لے، اس کے ہاں کبھی لڑکا پیدا نہیں ہوگا۔ میں خود ایک صاحب کو جانتا ہوں۔ انہوں نے شادی کے بعد بیوی کو ۱۲ سے طلاق دے دی کہ اس نے بیٹا پیدا نہیں کیا۔ دوسری شادی کی مگر پھر بھی لڑکی ہی پیدا ہوئی۔ جب ڈاکٹروں سے معائنہ کرایا تو خود قصوران صاحب کا اپنا ہی سامنے آیا۔ ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ کے حکم پر راضی نہ ہونے کی وجہ سے اسے یہ سزا ملی ہو مگر اتنی بات تو واضح ہے کہ لڑکے یا لڑکی کی پیدائش مرد و زن کے ذاتی اختیار کی بات نہیں۔

کوئی دَم درُود اور چھومنتر لڑکی کو لڑکا یا لڑکے کو لڑکی نہیں بنا سکتا:

یاد رہے کہ کوئی دَم درُود اور چھومنتر لڑکی کو لڑکا یا لڑکے کو لڑکی نہیں بنا سکتا۔ اگر ایسا ہوتا تو اولیاء اور انبیاء کا کوئی گھرانہ بھی لڑکوں سے محروم نہ رہتا۔ مگر قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی صرف لڑکیاں تھیں، لڑکا کوئی نہ تھا۔ اسی طرح حضرت مریم کی والدہ نہایت مومنہ اور ولیہ خاتون تھیں۔ انہوں نے نذر مانی کہ بیٹا پیدا ہوا تو اسے اللہ کی راہ میں وقف کروں گی مگر اس باکباز مومنہ ولیہ کے ہاں ان کی اپنی مرضی کے خلاف یعنی بیٹے کی بجائے بیٹی پیدا ہوئی۔ اور یہی اللہ کا حکم تھا جس کے سامنے اس ولیہ خاتون کی خواہش بھی پوری نہ ہوسکی......!

جہیز کے خوف سے بچیوں کا قتل:

ہمارے ہاں بچیوں کی پیدائش کے سلسلہ میں ایک جاہلانہ تصور یہ بھی ہے کہ بچی کی پیدائش کو روکنے کی کوشش کی جاتی ہے، یا پیدائش کے ساتھ ہی اس کا گلا گھونٹ دیا جاتا ہے۔ یہ انتہائی سنگین جرم ہے۔ اس کی وجوہات ومحرکات میں معاشرے کی خودساختہ رسومات بھی شامل ہیں۔ جب ایک غریب شخص یہ دیکھتا ہے کہ میرے ہاں لڑکیاں پیدا ہورہی ہیں اور ان کی شادی کے لیے میں جہیز کا سامان جمع نہیں کر پاؤں گا تو وہ اس ہندوانہ رسمِ جہیز کے خوف سے چاروناچار اس سنگین جرم کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے۔ اسی طرح غربت اور مہنگائی کا خوف بھی اس بات پر آمادہ کرسکتا ہے لیکن افسوسناک بات یہ ہے کہ ایک مسلمان جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور یہ بات جانتا ہے کہ رزق کی کنجیاں صرف اسی ذات کے کنٹرول میں ہیں پھر جب وہ اس طرح کے جرم کا ارتکاب کرتا ہے تو شاید عرشِ الٰہی بھی کانپ اٹھتا ہوگا۔ ایسے بدبخت باپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ قرآن مجید اس کی اس حرکت کو نہایت سنگین جرم قرار دیتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا﴾

”مفلسی کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ انہیں اور تمہیں ہم ہی روزی دیتے ہیں۔ یقیناً ان کو قتل کرنا کبیرہ گناہ ہے۔“ [الاسراء۔۳۱]

اسی طرح روایات میں آتا ہے کہ ایک صحابی نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''یہ کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بناؤ حالانکہ اس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔'' اس نے کہا کہ اس کے بعد کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''یہ کہ تم [خوفِ رزق سے] اپنی اولاد قتل کرو۔'' (۱)

ایک مسلمان کا اس بات پر پختہ ایمان ہونا چاہیے کہ جس فرد کو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں بھیجا ہے، اس کا رزق دنیا میں آنے سے پہلے ہی ماں کے پیٹ میں اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے۔ اس لیے غربت کے باوجود لڑکے یا لڑکی کی پیدائش کو اللہ کی نعمت و رحمت سمجھنا چاہیے۔ ایک صاحب کا واقعہ میں نے پڑھا، وہ کہا کرتے تھے کہ جب بھی میرے گھر میں بیٹی پیدا ہوتی میں خوشی کے مارے نفل ادا کرتا، اور اللہ کو شاید میری یہ ادا پسند آجاتی اور اس کے بدلہ میں میری ملازمت میں ترقی ہو جاتی۔ وہ بتاتے ہیں ایسا ایک مرتبہ نہیں بلکہ چھ مرتبہ ہوا۔ سبحان تیری قدرت.....

بچیوں کو باعثِ اَجر سمجھو:

مسلمان والدین کو معلوم ہونا چاہیے کہ ایک بچی کی پیدائش سے معاشرے میں محض ایک فرد کا اضافہ نہیں ہوتا بلکہ ایک پورے خاندان کا اضافہ ہوتا ہے۔ ایک عورت ایک پوری نسل کی معمار ہوتی ہے۔ اس بچی کی اگر اچھے طریقے سے تربیت کی جائے تو وہ قوم کو ایک اچھی نسل تیار کر کے دے سکتی ہے۔ اس کی کوکھ سے جتنے دیندار لوگ پیدا ہوں گے، ان سب کے نیک اعمال کا ثواب اس بچی کے والدین کو بھی ہوگا۔ اس لیے بیٹیوں کو بھی اسی طرح پیار محبت اور توجہ دیں جس طرح بیٹوں کو دی جاتی ہے۔ بیٹیوں کے بارے میں تو اللہ کے رسول ﷺ نے حسنِ سلوک کی خصوصی تلقین فرمائی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((مَنِ ابْتُلِیَ مِنْ هٰذِهِ الْبَنَاتِ بِشَیْءٍ کُنَّ لَهٗ سِتْرًا مِنَ النَّارِ)) (۲)

''جس شخص کی بیٹیوں کے ساتھ آزمائش کی جائے (اور وہ صبر کرے) تو یہ بیٹیاں اس کے لیے جہنم کی آگ کے مقابلے میں ڈھال بن جائیں گی۔''

میں ایک ایسے شخص کو جانتا ہوں جسے بچیاں پسند نہ تھیں مگر اللہ کی حکمت کہ اس کے ہاں جتنی اولاد پیدا ہوئی وہ سب مونث تھی۔ ظاہر ہے وہ شخص لڑکے پیدا کرنے والی مشین تو بنا نہیں سکتا اس لیے اللہ کے حکم پر صبر ہی

(۱) صحیح بخاری (ح ۲۸۶۱)، صحیح مسلم (ح ۸۶)
(۲) بخاری: کتاب الزکاۃ: باب اتقوا النار ولو بشق تمرۃ (ح ۱۴۱۸)

کرنا پڑا مگر وہ صبر جو ناشکری اور مایوسی کے ساتھ کیا جائے اس کا ثواب نہیں بلکہ الٹا گناہ ہوگا۔ گویا ایسے شخص کی دنیا میں بھی خواہش پوری نہ ہوئی اور آخرت میں بھی گناہ سر تھوپ دیا گیا۔ اس کے مقابلے میں اپنے ایک ایسے دوست کو میں جانتا ہوں جن کے پانچ بچے ہیں اور سبھی لڑکیاں مگر جب ان سے کوئی پوچھتا کہ آپ کے کتنے بچے ہیں؟ تو وہ بڑی خوشی سے جواب دیتے کہ میرے دس لڑکے ہیں۔ بعد میں وضاحت کرتے کہ مجھے اپنی ان پانچ بچیوں پر اتنی خوشی ہے جتنی دس بچوں کے باپ کو ہو سکتی ہے۔ گویا اللہ کی مرضی پر وہ اطاعت گزاری و فرمانبرداری کا مظاہرہ کرتے، اور ازراہِ خوشی یہ جواب دیتے۔ ان کی اس فرمانبرداری اور رب کے فیصلوں پر صبر و شکر گزاری کا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں معاشی خوشحالی بھی عطا کر رکھی ہے اور ذہنی سکون بھی۔

میری ایک عزیزہ ہیں جن کے ہاں یکے بعد دیگرے کئی بچیاں پیدا ہوئیں مگر انہوں نے صبر سے کام لیا حتی کہ کافی عرصہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں بیٹا بھی عطا کر دیا۔ اسی طرح میں دو ایسے بھائیوں کو جانتا ہوں، جن میں سے ایک کے ہاں دس بیٹیاں پیدا ہوئیں اور ایک بیٹا۔ مگر وہ بیٹا بھی عین جوانی کی عمر میں حادثے کا شکار ہو گیا۔ اللہ کی تقدیر پر سوائے صبر کے وہ اور کیا کر سکتے تھے جبکہ دوسرے بھائی کے ہاں سات بیٹیاں اور چار بیٹے پیدا ہوئے مگر بیٹوں میں سے کوئی ایک بھی دنیا میں آ کر آنکھیں نہ کھول سکا۔ مگر انہوں نے بیٹیوں پر بھی اللہ کا شکر ادا کیا کہ یا اللہ! شکر ہے تو نے بانجھ تو نہیں رکھا۔ باقی ہماری قسمت۔

حقیقت یہ ہے کہ جو بچہ فوت ہو جاتا ہے اس کا فوت ہو جانا ہی اللہ کے علم کے مطابق انسان کے لیے بہتر ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ کی تقدیر اور فیصلے پر ہمیشہ صبر و برداشت کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔

بچیوں کی پرورش اور تربیت سے متعلقہ اَحادیث:

آنحضرت ﷺ کے دور میں عورتوں کے ساتھ نہایت غیر منصفانہ سلوک کیا جاتا تھا۔ عورت کا نہ کوئی مقام و مرتبہ تھا اور نہ قدر و منزلت۔ آنحضرت ﷺ نے عورتوں کو ان کے مناسب حقوق عطا کیے اور ان پر ہونے والا بے جا ظلم کا خاتمہ کیا۔ آپ نے بچیوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت کے حوالے سے خصوصی ہدایات فرمائیں۔ اس سلسلہ میں مروی آپ ﷺ کی چند احادیث یہاں پیش کی جاتی ہیں:

۱)......صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((مَنِ ابْتُلِيَ مِنْ هٰذِهِ الْبَنَاتِ بِشَيْءٍ كُنَّ لَهُ سِتْرًا مِنَ النَّارِ))

''جس شخص کی بیٹیوں کے ساتھ آزمائش کی جائے (اور وہ صبر کرے) تو یہ بیٹیاں اس کے لیے جہنم کی آگ کے مقابلے میں ڈھال بن جائیں گی۔''(۱)

۲)......صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنِ ابْتُلِيَ مِنَ الْبَنَاتِ بِشَيْءٍ فَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ كُنَّ لَهُ سِتْرًا مِنَ النَّارِ))

''جس شخص کی بیٹیوں کے ساتھ آزمائش کی جائے اور وہ ان کی اچھی تربیت کرے تو یہ بیٹیاں اس کے لیے جہنم کی آگ کے مقابلے میں ڈھال بن جائیں گی۔''(۲)

۳)......اسی سے ملتی جلتی ایک روایت صحیح بخاری میں اس طرح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ يَلِي مِنْ هٰذِهِ الْبَنَاتِ شَيْئًا فَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ كُنَّ لَهُ سِتْرًا مِنَ النَّارِ))

''جو شخص بھی اچھی طرح بچیوں کی پرورش کرے گا اوران کے ساتھ اچھا سلوک کرے گا تو یہ بچیاں اس کے لیے جہنم کے آگے پردہ بن جائیں گی۔''(۳)

۴)......حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

''میرے پاس ایک مسکین عورت آئی اس نے اپنی دو بچیاں گود میں اٹھا رکھی تھیں۔(میرے پاس اس وقت صرف تین ہی کھجوریں تھیں) میں نے وہ اس محتاج عورت کو دے دیں۔اس نے ایک ایک کھجور دونوں بچیوں کو دے دی اور باقی ایک اپنے پاس رکھ لی۔مگر جب اس نے اپنے حصہ کی کھجور کھانے کے لیے منہ کی طرف ہاتھ بڑھایا تو دونوں بچیوں نے ماں سے وہ بھی مانگنا شروع کردی۔ ماں خود بھی بھوکی تھی مگر اس کے باوجود اس نے اپنے حصہ کی کھجور کے بھی دو ٹکڑے کیے اور وہ دونوں بچیوں میں تقسیم کردیے۔[حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ] مجھے اس عورت کا اولاد کے لیے ایثار کا یہ جذبہ بڑا پسند آیا۔اس کے جانے کے بعد جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے تو میں نے آپ کو یہ سارا واقعہ سنایا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَوْجَبَ لَهَا بِهَا الْجَنَّةَ أَوْ أَعْتَقَهَا بِهَا مِنَ النَّارِ))(٤)

''بے شک اللہ تعالیٰ نے اس کے اس عمل کی وجہ سے اس کے لیے جنت واجب فرمادی۔''(راوی کے

(۱) بخاری: کتاب الزکاۃ: باب اتقوا النار ولو بشق تمرۃ(ح۱۴۱۸)

(۲) مسلم: کتاب البر والصلۃ: باب فضل الاحسان الی البنات(ح۲۶۲۹)

(۳) بخاری: کتاب الادب: باب رحمۃ الولد وتقبیلہ ومعانقتہ(ح۵۹۹۵)(۴) مسلم:ایضاً (ح۲۶۳۰)

بقول یا آپ ﷺ نے یہ فرمایا) ''اس عورت کو اس عمل کے بدلے اللہ تعالیٰ نے جہنم سے آزادی دے دی ہے۔''

۵)......ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

''کیا تم اس عورت کے رویہ پر تعجب کر رہی ہو؟ یہ عورت (اپنی بیٹیوں سے حسنِ سلوک کی) وجہ سے جنت میں جائے گی۔''(۱)

۶)......حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی سنا:

((مَنْ كَانَ لَهُ ثَلَاثُ بَنَاتٍ فَصَبَرَ عَلَيْهِنَّ وَأَطْعَمَهُنَّ وَسَقَاهُنَّ وَكَسَاهُنَّ مِنْ جِدَتِهِ كُنَّ لَهُ حِجَابًا مِنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))

''جس شخص کی تین بیٹیاں ہوں اور وہ صبر و شکر کے ساتھ انہیں کھلائے پلائے اور اپنی حیثیت کے مطابق انہیں لباس مہیا کرے تو وہ روزِ قیامت اس کے لئے آگ سے ڈھال بن جائیں گی۔''(۲)

۷)......حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ عَالَ ثَلَاثَ بَنَاتٍ فَأَدَّبَهُنَّ وَزَوَّجَهُنَّ وَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ فَلَهُ الْجَنَّةُ))

''جس شخص نے تین بیٹیوں کی پرورش کی، انہیں اچھی تعلیم و تربیت دی، ان کی شادی کی اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کیا، تو اس شخص کے لیے جنت کا انعام ہے۔''(۳)

۸)......حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ایک اور روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''جس شخص نے تین بہنوں یا تین بیٹیوں یا دو بہنوں یا دو بیٹیوں کی اچھی پرورش کی، اور انہیں تعلیم و تربیت دی، اس کے لیے جنت ہے۔''(۴)

۹)......حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((مَا مِنْ رَجُلٍ تُدْرِكُ لَهُ ابْنَتَانِ فَيُحْسِنُ إِلَيْهِمَا مَا صَحِبَتَاهُ أَوْ صَحِبَهُمَا إِلَّا أَدْخَلَتَاهُ الْجَنَّةَ))

''جس شخص کی دو بیٹیاں ہوں اور وہ جب تک اس کے پاس رہیں، یہ ان کی اچھی تربیت کرے تو وہ بچیاں اسے جنت میں لے جانے کا ذریعہ بن جائیں گی۔''(۵)

---

(۱) ابن ماجه: کتاب الآداب: باب برالوالدین والاحسان الی البنات (ح ۳۶۶۸) (۲) ایضاً (ح ۳۶۶۹)
(۳) ابوداؤد: کتاب الادب: باب فی فضل من عال یتامی (ح ۵۱۳۸) (۴) ایضاً (ح ۵۱۳۹)
(۵) ابن ماجه: کتاب الآداب: باب برالوالدین والاحسان الی البنات (ح ۳۶۷۰)

۱۰)......حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتّٰى تَبْلُغَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنَا وَهُوَ وَضَمَّ أَصَابِعَهُ))

''جس نے دو بچیوں کو پال پوس کر جوان کیا، وہ اور میں روزِ قیامت اس طرح اکٹھے ہوں گے۔ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو انگلیاں ملا کر فرمایا) جس طرح یہ دو انگلیاں ہیں۔''(۱)

۱۱)......حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ كَانَتْ لَهُ أُنْثٰى فَلَمْ يَئِدْهَا وَلَمْ يُهِنْهَا وَلَمْ يُؤْثِرْ وَلَدَهُ عَلَيْهَا، قَالَ يَعْنِي الذُّكُورَ، أَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ))

''جس شخص کی لڑکی پیدا ہو اور وہ اسے زندہ دفن نہ کرے، نہ اسے کمتر اور حقیر سمجھے اور نہ ہی اپنی نرینہ اولاد کو اس پر ترجیح دے تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو جنت میں داخل فرمائیں گے۔''(۲)

۱۲)......حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((سَوُّوْا أَوْلَادَكُمْ فِي الْعَطِيَّةِ فَلَوْ كُنْتُ مُفَضِّلًا أَحَدًا لَفَضَّلْتُ النِّسَاءَ))

''اپنی اولاد کو تحائف دینے میں برابری کرو۔ اگر میں کسی کو فضیلت دینا چاہتا تو عورتوں کو (مردوں پر) فضیلت دیتا۔''(۳)

۱۳)......حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ اپنے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَيُّمَا رَجُلٍ كَانَتْ عِنْدَهُ وَلِيدَةٌ فَعَلَّمَهَا فَأَحْسَنَ تَعْلِيمَهَا وَأَدَّبَهَا فَأَحْسَنَ تَأْدِيبَهَا ثُمَّ أَعْتَقَهَا وَتَزَوَّجَهَا فَلَهُ أَجْرَانِ))

''جس شخص کے پاس لونڈی ہو، اس نے اسے تعلیم دی اور خوب اچھی طرح تعلیم دی اور اسے ادب وشائستگی سکھائی اور خوب عمدہ طریقے سے ادب وشائستگی سکھائی اور اس کے بعد اسے آزاد کر کے اس سے شادی کر لی تو اس شخص کو دو اجر ملیں گے۔'' (یعنی ایک تو اسے آزاد کرنے کا اور ایک اسے تعلیم وتربیت اور ادب واخلاق سکھانے کا)(۴)

(۱) مسلم: كتاب البر و الصلة: باب فضل الاحسان الى البنات (ح ۲۶۳۱)
(۲) ابوداؤد (ح ۵۱۴۷) اس روایت کی سند کمزور ہے۔
(۳) فتح الباری شرح صحيح بخاری (ج ۵ ص ۲۱۴)
(۴) بخاری: كتاب النكاح: باب اتخاذ السراری ومن اعتق جاريته ثم تزوجها (ح ۵۰۸۳)

فصل ۲:

عورت کی تعلیم و تربیت

علم کی اہمیت اور قدر و قیمت سے وہی شخص انکار کر سکتا ہے جو خود جاہل ہو۔ قرآن مجید نے علم کی قدر و قیمت اور ضرورت و اہمیت پر بڑا زور دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾[الزمر:۹]

''کیا وہ لوگ جو علم رکھتے ہیں اور وہ جو علم نہیں رکھتے (آپس میں) برابر ہو سکتے ہیں؟!''

گویا اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں علم رکھنے والوں کا مقام و مرتبہ دوسروں سے بلند تر ہے۔ علاوہ ازیں علم کی اہمیت کا اندازہ آپ اس بات سے بھی لگا سکتے ہیں کہ سب سے پہلی وحی جو حضور ﷺ پر نازل ہوئی، وہ علم ہی کے بارے میں تھی۔ اور خود حضور ﷺ کو بھی علم میں اضافہ کے لیے یہ دعا سکھائی گئی:

﴿رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا﴾

''اے میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما۔''

علم کا معنی ہے: جاننا، سیکھنا، واقفیت حاصل کرنا، معلومات لینا۔ جاننے اور سیکھنے کا یہ عمل اللہ کے بارے میں بھی ہو سکتا ہے اور دنیا کے بارے میں بھی۔ اللہ کے بارے میں معلومات حاصل کرنا تو اس لیے ضروری ہے کہ اسی میں ہماری اُخروی نجات ہے، جبکہ دنیا کے بارے میں معلومات حاصل کرنا اس لیے ضروری ہے کہ اس دنیا میں بھی انسان کو ایک وقت گزارنا ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے بارے میں معلومات کا واحد بنیادی ذریعہ انبیاء اور رسول ہیں۔ نبیوں اور رسولوں کو اللہ تعالیٰ اپنے بارے میں معلومات دیتے ہیں۔ یہ معلومات عام طور پر کسی فرشتے کے ذریعے دی جاتی ہیں۔ ورنہ کبھی کبھار اِلہام والقا اور خواب کے ذریعے اور کبھی براہِ راست گفتگو کے ذریعے بھی اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں کو اپنے بارے میں علم عطا کرتے ہیں۔ اس علم کو 'دین' یا 'شریعت' (یعنی اِلہامی علم) کہا جاتا ہے اور جس ذریعے سے یہ علم انبیاء کو عطا کیا جاتا ہے اسے 'وحی' کہا جاتا ہے۔ وحی کے ذریعے حاصل ہونے والے اس علم میں یہ بتایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں سے کیا تقاضا ہے۔ اللہ تعالیٰ کن کاموں کا اپنے بندوں کو حکم دیتے

ہیں اور کن کاموں سے منع کرتے ہیں؟ کن اعمال سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتے ہیں اور کن سے ناراض ہوتے ہیں؟ اللہ کی عبادت و پرستش کیا ہے اور اسے کیسے بجالایا جا سکتا ہے؟ مرنے کے بعد والی زندگی کیسی ہو گی؟ اللہ کا دیدار اور اس کی جنت کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟ جہنم میں کن لوگوں کو ڈالا جائے گا؟ اور جہنم سے بچاؤ کا کیا طریقہ ہے؟

یہ ساری باتیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کو بتائیں اور ان نبیوں نے آگے اپنی امتوں کو یہ معلومات مہیا کر دیں۔ جن لوگوں نے انبیاء کی بتلائی ہوئی ان باتوں پر انبیاء کے طریقوں کے مطابق عمل کیا، وہ کامیاب اور جنہوں نے ان باتوں سے روگردانی کی، وہ ناکام ٹھہرے۔ حضرت محمد ﷺ چونکہ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ہیں اور آپؐ پر وحی کے ذریعے نازل ہونے والا الہامی علم (جو قرآن و حدیث کی شکل میں موجود ہے) اب آخری مستند علم ہے کہ جس پر عمل پیرا ہو کر اللہ کی رضامندی و خوشنودی حاصل کی جا سکتی ہے۔ اس لیے اس آخری دینی و الہامی علم میں سے اتنا علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و زن پر ضروری ہے کہ جس پر عمل کر کے انسان قیامت کے روز اپنی نجات کی امید کر سکتا ہے۔

بنیادی ضرورت کے دُنیوی علوم اور خواتین:

دُنیوی زندگی میں انفرادی طور پر ہمیں بہت سے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے جن میں خط و کتابت، اخبار و رسائل اور دینی، تاریخی و معلوماتی کتابوں کا مطالعہ، گھریلو اخراجات کا حساب کتاب، دوسروں سے لین دین وغیرہ سرفہرست ہیں۔ ظاہر ہے اگر آپ لکھنا پڑھنا اور حساب کتاب کرنا اچھی طرح جانتے ہیں، تو آپ اُن تمام معاملات کو جو شعوری عمر کے بعد مرنے تک آپ کو پیش آتا ہیں، اچھی طرح نبھا سکتے ہیں۔ اور اگر آپ علم کی ان بنیادی چیزوں سے واقف نہیں تو آپ نہ صرف یہ کہ اپنے معاملات میں غلطیاں کریں گے بلکہ ہمیشہ دوسروں کے محتاج رہیں گے۔ اس لیے ہر شخص کو لکھنے، پڑھنے اور درست حساب کتاب کے لیے بنیادی علم حاصل کرنا ہوگا۔ خواہ گھر میں رہ کر اسے حاصل کیا جائے یا سکول اور مدرسہ میں جا کر اسے سیکھا جائے۔

اسلام ان بنیادی چیزوں کا علم حاصل کرنے سے ہرگز منع نہیں کرتا، بلکہ دیکھا جائے تو اسلام اس سلسلہ میں حوصلہ افزائی کرتا ہے مثلاً جنگِ بدر میں قید ہونے والے کافروں میں سے جو قیدی لکھنا پڑھنا جانتے تھے

اور اپنے تاوان میں نقد رقم نہیں دے سکتے تھے، تو ان کا تاوان یہ مقرر کیا گیا کہ وہ انصار کے بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔ (۱)

اسی طرح احادیث میں آتا ہے کہ شفاء بنت عبداللہ نامی ایک صحابیہ لکھنا پڑھنا جانتی تھیں اور انہوں نے آنحضرت ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو لکھنا سکھایا تھا جبکہ آنحضرت ﷺ نے اس چیز کو مستحسن سمجھا، چنانچہ حضرت شفاء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

((دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ وَاَنَا عِنْدَ حَفْصَةَ فَقَالَ لِيْ: اَلَا تُعَلِّمِيْنَ هٰذِهِ رُقْيَةَ النَّمْلَةِ كَمَا عَلَّمْتِيْهَا الْكِتَابَةَ))

''میں حضرت حفصہ کے پاس تھی کہ اللہ کے رسول ﷺ وہاں تشریف لائے اور آپ ﷺ نے مجھے فرمایا کہ جس طرح تم نے حفصہ کو لکھنا سکھایا ہے، اسی طرح اسے چیونٹی والا دم بھی سکھا دو۔'' (۲)

معاشرتی ضرورت سے متعلقہ علوم اور خواتین:

اس میں وہ دنیوی علوم شامل ہیں جن کی ہر معاشرے کو اجتماعی حیثیت سے ضرورت پڑتی ہے مثلاً ہر معاشرے میں بے شمار اَفراد آئے روز مختلف اَمراض یا حادثات کا شکار ہوتے رہتے ہیں، ان کے علاج معالجہ کے لیے نہ صرف یہ کہ طبی علوم میں مہارت کی ضرورت ہوتی ہے بلکہ ہسپتالوں اور طبی اداروں کا قیام بھی لازمی ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک ملک کو اپنے دشمنوں سے تحفظ کے لیے حربی علوم کی مہارت مطلوب ہوتی ہے تا کہ بوقتِ ضرورت دشمن کا پورا مقابلہ کیا جاسکے۔ اس طرح کے علوم کے بارے میں سب سے پہلے تو یہ بات یاد رہنی چاہیے کہ ان کی حیثیت فرضِ کفایہ کی ہے یعنی معاشرے کے کم از کم اتنے افراد کے لیے ان علوم میں مہارت حاصل کرنا ضروری ہے جن سے پورے معاشرے کی یہ ضروریات پوری ہوسکیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس طرح کے علوم کی تمام صورتیں ایسی نہیں کہ جن میں خواتین کی شمولیت و موجودگی ضروری ہو البتہ بعض صورتیں ایسی ضرور ہیں جن میں خواتین کی نمائندگی ضروری ہے مثلاً شعبۂ طب کے حوالے سے یہ بات بے خوفِ تردید کہی جاسکتی ہے کہ اس میں خواتین کی شمولیت از حد ضروری ہے کیونکہ بیماریوں کا تعلق صرف مردوں کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ عورتیں بھی بیمار ہوتی ہیں۔ بلکہ یہ کہا جائے کہ

(۱) مسند احمد (ج ۴ ص ۴۷ حدیث ۲۲۱۶) علامہ احمد شاکرؒ نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

(۲) ابوداؤد: کتاب الطب: باب ما جاء فی الرقی (ح ۳۸۸۳)، السلسلۃ الصحیحۃ (ح ۱۷۸)، حاکم (ج ۴ ص ۵۶)، احمد (ح ۳۷۲)

عورتوں میں امراض کی شرح مردوں سے زیادہ ہے تو اس میں کچھ مبالغہ نہیں۔ پھر عورتوں کے مخصوص اُمراض کے حوالے سے بھی بڑی ضرورت ہے کہ خواتین ڈاکٹر ہی ان کے مسائل حل کریں۔ مگر ہمارے ہاں ان چیزوں پر بہت زیادہ توجہ نہیں دی جاتی۔ عورتیں بھی مردوں کے ساتھ طبی تعلیم تو حاصل کر لیتی ہیں مگر بعد میں مخلوط ہسپتالوں میں کام کرنا یا تو خود ہی پسند نہیں کرتیں یا شادی کے بعد ان کے لیے یہ ممکن نہیں رہتا یا شہر سے باہر دور کہیں نوکری ملنے کی وجہ سے وہاں جانا مناسب نہیں سمجھا جاتا۔ بہت کم خواتین ایسی ہیں جو تا عمر اس شعبہ سے منسلک رہتی ہیں۔ گویا طب کی تعلیم حاصل کرنے کے باجود اجتماعی طور پر کچھ زیادہ فائدہ نہیں ہو رہا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایسے معاشرتی علوم میں خواتین کی نمائندگی ضروری ہے اور اس سے کوئی صاحبِ بصیرت انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن اصل سوال یہ ہے کہ خواتین کی شمولیت کا طریقِ کار کیا ہو؟ کیا مردوں کے شانہ بشانہ خواتین بھی یہ علم حاصل کریں؟ کیا وہ بھی مرد ڈاکٹروں کے ساتھ مل کر آپریشن رومز میں کام کریں؟ اور مردوں کی بیمار پرسی، تیمارداری کے لیے بھی نرسوں کا کردار ادا کریں؟ دینی و اخلاقی نقطۂ نظر سے اس صورت حال کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ اس میں ایسی تبدیلی کی ضرورت ہے جس سے اختلاطِ مرد و زن کا سدباب ہو۔

اضافی نوعیت کے علوم اور خواتین:

اس سے مراد وہ مخصوص علوم ہیں جن کا حاصل کرنا ایک مرد کے لیے تو مفید ہے مگر عورت کے لیے اس میں کچھ فائدہ نہیں۔ اس میں جدید سائنس اور ٹیکنالوجی وغیرہ سے متعلقہ وہ علوم شامل ہیں جن میں عام طور پر عورتوں کا ذہن زیادہ کام ہی نہیں کرتا، اس لیے کہ عورت کی ذہنی صلاحیت اللہ تعالیٰ نے مردوں سے کم رکھی ہے۔ علاوہ ازیں اگر کوئی ذہین عورت ان علوم میں مہارت حاصل کر بھی لے تو شادی کے بعد ازدواجی وخانگی ذمہ داریوں کی وجہ سے اس کے لیے یہ ممکن نہیں رہتا کہ اپنی اس مہارت سے وہ قوم کے لیے یا خود اپنے لیے کوئی فائدہ اٹھا سکے۔ ظاہر ہے اس طرح کے علوم میں وقت اور پیسہ ضائع کرنے کی بجائے خواتین کو اپنی نسوانی ذمہ داریوں سے متعلقہ نوعیت کے علوم کی طرف توجہ دینی چاہیے۔ اور اگر کوئی ایسا علم یا ہنر سیکھ لیا جائے جس سے شادی کے بعد شوہر کا ہاتھ بٹانا ممکن ہو تو یہ زیادہ کارآمد ثابت ہوگا۔

خواتین کے لیے تعلیمی ماحول کیسا ہو؟

یہ بات بڑی اہم ہے کہ خواتین کا تعلیمی ماحول کیسا ہو؟ کیا لڑکے اور لڑکیاں اکٹھے (مخلوط) تعلیم حاصل کریں یا الگ الگ؟ مغربی تہذیب تو مرد وزن کو ہر میدان میں شانہ بشانہ کھڑے دیکھنا چاہتی ہے، اس لیے وہاں ہر میدانِ عمل مخلوط ہے۔ تعلیمی نظام بھی مخلوط بنیادوں پر قائم ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اکثر لڑکیاں دورانِ تعلیم ہی زنا کاری کی وجہ سے حاملہ ہو جاتی ہیں۔ ظاہر ہے دو پر کشش صنفوں کو عین جوانی میں آزادانہ اختلاط کا موقع دے دیا جائے تو اس کا نتیجہ بدکاری کے سوا اور کیا نکلے گا؟!

بدقسمتی کی بات ہے کہ مغربی تہذیب سے متاثر و مرعوب ہمارے حکمران طبقہ نے بھی مسلم ممالک میں اختلاطِ مرد و زن کو فروغ دینے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔ نظامِ تعلیم کو بھی اسی صورتحال کا سامنا ہے۔ نوجوان لڑکے لڑکیاں ایک ہی چھت تلے تعلیم پاتے ہیں۔ اکٹھے مل کر نوٹس بناتے اور مقالے لکھتے ہیں اور بالآخر انہی نتائج تک پہنچتے ہیں جو اختلاطِ مرد و زن کا لازمہ ہیں۔

اسلامی نقطۂ نظر سے اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دی جاسکتی کہ لڑکے اور لڑکیاں اکٹھے بیٹھ کر تعلیم حاصل کریں۔ اس لیے ضروری ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم کا جداگانہ بندوبست کیا جائے۔ علیحدہ علیحدہ ادارے بنائے جائیں یا متعلقہ شعبے الگ الگ کر دیئے جائیں اور اختلاط کو اتنا کم کیا جائے کہ وہ نہ ہونے کے برابر رہ جائے اور جہاں کہیں مرد اساتذہ سے لڑکیوں کو تعلیم دلوانا بالفرض ضروری بھی ہو تو کوشش کی جائے کہ ستر و حجاب کے خصوصی اہتمام کے ساتھ اس ضرورت کو پورا کیا جائے۔

اس سلسلہ میں دینی مدارس کی مثال بھی سامنے رکھی جاسکتی ہے۔ دینی مدارس کے منتظمین وسائل کے کم ہونے کے باوجود لڑکوں کے لیے الگ اور لڑکیوں کے لیے الگ ادرے بناتے ہیں۔ لڑکیوں کے مدارس میں پڑھانے والیاں بھی خواتین اساتذہ ہوتی ہیں جو انتہائی دقیق مباحث پر بھی مہارت رکھتی ہیں۔ بہت کم مدارس ایسے ہیں جہاں کوئی خاص مضمون مرد پڑھاتا ہے اور یہ بھی پردے کے اہتمام اور دیگر تحفظات کے ساتھ ہوتا ہے۔

خواتین کے لیے نصابِ تعلیم کیا ہونا چاہیے؟

یہ بھی نہایت اہم مسئلہ ہے اس لیے کہ تعلیم برائے ملازمت کی بجائے تعلیم برائے ضرورت کا مقصد پیش نظر ہونا چاہیے۔ ایک لڑکی مہنگے اخراجات پر انجینئرنگ، کیمسٹری، جغرافیہ، کمپیوٹر یا کوئی اور فنی نوعیت کی تعلیم

تو حاصل کرلے مگر شادی کے بعد وہ ان شعبوں سے ساری زندگی عملاً لاتعلق ہی رہے تو ایسی تعلیم کا کیا فائدہ؟ اس لیے خواتین کا نصابِ تعلیم ایسا ہونا چاہیے جس سے انہیں شادی کے بعد بھی ساری زندگی فائدہ ہوتا رہے اور وہ ان کے گھر گرہستی سے خاص تعلق بھی رکھتا ہو۔ اس کے لیے کون سا نصاب تجویز کیا جاسکتا ہے؟ اس کا جواب ایک عالمہ خاتون پروفیسر ثریا بتول علوی صاحبہ سے سنیے، وہ فرماتی ہیں:

''عورت کی تعلیم ایسی ہونی چاہیے جو اس کو صالح بیٹی، وفا شعار بہن فرمانبردار بیوی اور باکردار و ہمدرد ماں بنا سکے۔ ابتدائی تعلیم بہت ہی اہمیت کی حامل ہے۔ ابتدائی پانچ سالوں میں ایک لڑکے اور ایک لڑکی کی ابتدائی تعلیم اسلامی نقطہ نظر سے یکساں ہونی چاہیے، یعنی ہر مسلم بچے کو یہ سبق دینا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کائنات کا خالق و مالک ہے، اس نے اپنی تمام مخلوق کے رزق کا ذمہ لے رکھا ہے اور ہم سب اس کے بندے ہیں، ہمیں اسی کی اطاعت و فرمانبرداری کرنا لازم ہے۔ پھر ہر مسلمان بچے کے دل میں عقیدۂ توحید، عقیدۂ رسالت، عقیدۂ آخرت اور قرآن و سنت کی اہمیت راسخ کی جائے۔ کفر و شرک اور دہریت یا سیکولرزم کے باطل ہونے کا نقش ان کے دل میں بٹھایا جائے۔ پھر ان کو نیکی اور بھلائی کے کاموں کی پہچان کروائی جائے۔ سچائی، صفائی، وقت کی پابندی، محبت، ہمدردی اور ایثار کا سبق دیا جائے۔ افرادِ خانہ کے ساتھ مروت سے پیش آنے کا عملی درس والدین اپنے روزمرہ معمولات سے ان کو مہیا کریں پھر طہارت و پاکیزگی کے احکام، وضو کا طریقہ، نماز اور روزے کی ادائیگی، حلال و حرام کے ابتدائی حدود، والدین، رشتہ دار اور ہمسایوں کے حقوق، شائستہ لباس کے انداز اور معاشرتی زندگی کی پسندیدہ عادات و اطوار ان کو اس طرح ذہن نشین کروائے جائیں کہ وہ اس ابتدائی تعلیم و تدریس کی بنا پر ستھری اور پاکیزہ اسلامی زندگی بسر کرسکیں۔

اس ابتدائی تعلیم کی بیشتر بنیاد گھر میں ہی رکھی جاتی ہے کہ ماں کی گود معصوم بچے کا اولین مدرسہ ہے، وہی اپنے گھر کی عملی مثالوں سے بچے کو کفر و شرک، گمراہ کن عقائد اور فضول رسوم و رواج سے بچانے میں کلیدی کردار ادا کرتی ہے۔

بعد ازاں طالبات کے لیے ثانوی تعلیم اس طرح کی ہونی چاہیے جس میں عربی زبان کی تدریس لازمی ہوتا کہ قرآن پاک کا ترجمہ و تفسیر سمجھنا ان کے لیے ممکن ہوسکے۔ وہ اپنے پیارے نبی کی احادیث کو پڑھ سکیں تاکہ اس سے ان کے عقائد اور اخلاق میں نکھار پیدا ہو۔ انہیں صالحین کے کردار سے آشنائی ہو۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور رسولوں کی عدم اطاعت کے نقصانات سے وہ واقف ہوسکیں۔ حیا کے زیور

سے آراستہ ہو سکیں۔ عفت و پاکدامنی اور ستر و حجاب کے حدود سے ان کو آگاہ کیا جائے۔ کم از کم وہ دین کے بنیادی مسائل اس حد تک سیکھ لیں کہ صحیح اسلامی زندگی گزار سکیں، پھر ان کو انبیاء کرام کی تاریخ پڑھائی جائے، اپنے اسلاف کی تاریخ سے آگاہی دی جائے۔ عہد نبویؐ اور خلفائے راشدینؓ کی تاریخ سے واقفیت ہوتا کہ بچے کے دل پر یہ نقش گہرا، پختہ اور مضبوط ہو جائے کہ صرف نیک اور صالح لوگ ہی دنیا میں تعمیر اور ترقی کا کام انجام دے سکتے ہیں اور بنی نوع انسان کی خدمت کر سکتے ہیں جبکہ ظالم اور جابر لوگ تو ہمیشہ دنیا میں فساد اور تباہی کا باعث ہی بنتے رہتے ہیں۔ یہ بات بھی ان کے ذہنوں میں راسخ کر دی جائے کہ صرف اسلام ہی ان کی فلاح کا ضامن ہے۔

نصاب تعلیم: خواتین کے لیے ایسی تعلیم لازمی ہے جو بچوں کی پرورش، تربیت و سیرت سازی میں معاون ثابت ہو سکے۔ لہٰذا اس کو وہ امور ضرور سیکھنے چاہییں جو ساری عمر گھر میں انجام دینے ہیں مثلاً:

۱۔ خانہ داری: میسر وسائل میں غذائیت سے بھرپور کھانا تیار کرنا۔

۲۔ گھر کی ضرورت کے مطابق سلائی کٹائی اور بیکار چیزوں کو کارآمد بنانا، پھٹے کپڑوں کو پیوند لگا کر دوبارہ قابلِ استعمال بنانا۔

۳۔ موسم کے مطابق ستر کی حدود کو ملحوظ رکھتے ہوئے لباس تیار کرنا، پھر لباس پہننے کا سلیقہ بھی ہوتا کہ صفائی ستھرائی سے کم قیمت لباس کو بھی دیدہ زیب بنا سکے۔

۴۔ گھر کی صفائی ستھرائی اور آرائش میں سلیقہ اور ترتیب کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ کم قیمت مگر سلیقہ سے رکھا ہوا سامان بیش قیمت، مگر بے ترتیبی سے رکھے گئے سامان کے مقابلے میں زیادہ دیدہ زیب اور خوبصورت معلوم ہوتا ہے جبکہ عورت کا بے سلیقہ اور پھوہڑ ہونا پورے گھر کو منتشر اور خراب کر دیتا ہے۔

۵۔ گھر کا بجٹ تیار کرنا: اپنی چادر کے مطابق پاؤں پھیلانا تاکہ کسی سے ادھار مانگنے کی نوبت پیش نہ آئے۔ ضروری اور اہم چیزوں کو ترجیح دینا، تعیش اور سجاوٹ کی اشیاء کو نظر انداز کرنا ضروری ہے۔

۶۔ گھر کا اس طرح بندوبست کرنا کہ ہر ایک کے لیے گھر میں سکون و اطمینان میسر ہو، ہر ایک کی ضرورت و ترجیحات کو سامنے رکھ کر ان کو آرام مہیا کیا جائے۔ بیمار کی تیمارداری ہو، بچوں کو پڑھانے کا بندوبست ہو، افرادِ خانہ باہم پیار و محبت اور حسن سلوک سے پیش آئیں کہ قرآن پاک نے گھر کی اہم صفت اس کا سکون و اطمینان ہونا ہی بتائی ہے لہٰذا عزیز رشتہ داروں اور ہمسایوں سے خوشگوار تعلقات قائم رکھنے کا سلیقہ بھی عورت کو سکھایا جانا چاہیے۔

۷۔ابتدائی طبی امداد یا فرسٹ ایڈ اور مریضوں کی تیمارداری وغیرہ
۸۔بجلی کی گھریلو استعمال کی اشیا کو ٹھیک کرنے کے لیے ابتدائی واقفیت بھی ضروری ہے۔
۹۔عورتوں کو فوجی ٹریننگ بھی اتنی ضروری جانی چاہیے کہ وہ اپنا دفاع اور تحفظ کر سکیں۔

اعلیٰ تعلیم: مندرجہ بالا تعلیم کے علاوہ جو خواتین مزید تعلیم حاصل کرنا چاہیں ان کے لیے تدریس اور طب کے شعبے موجود ہیں، وہ علم وادب کے میدان میں آگے بڑھ سکتی ہیں، نرسنگ اور ہوم اکنامکس کے کورس کر سکتی ہیں۔ ایسے کام جو گھریلو حدود کے اندر انجام دیے جا سکتے ہوں، ان کا عورت کو علم ہونا چاہیے۔ ان نصابات میں عورت کی نفسیات، شخصیت اور فطری فرائض کو پیش نظر رکھنا بڑا ضروری ہے مثلاً یہ کہ:

۱۔خواتین کا منصب اور ان کے حقوق وفرائض
۲۔دائرۂ زوجیت اور فریضۂ مادریت کے بارے میں اسلامی حکمت عملی
۳۔ترقی نسواں اور مساواتِ مردوزن کے نظریہ کا تنقیدی جائزہ
۴۔عہد نبویؐ سے لے کر دورِ حاضر تک خواتین کی دینی، علمی، ادبی، ملی، رفاہی اور تعلیمی سرگرمیاں۔
۵۔پردے کے موضوع پر عقلی تجربات اور مشاہدے کی روشنی میں دینی احکام کی حکمت اور مصلحت۔
۶۔مذاہبِ عالم اور اسلامی علوم کا تقابلی مطالعہ اور اسلام کی فوقیت وبرتری۔

غرض قرآن وسنت کا گہرا شعور دینا اور نبی پاکؐ کی سیرت طیبہ کو زندگی کا محور ومرکز بنا دینا لازمی ہے۔ ایسے ہی خواتین کے مسائل اور موضوعات پر ان کو مہارت ہونی چاہیے۔

ملازمت: پھر جو خواتین اپنے دائرہ کار کے اندر مناسب ملازمت کرنا چاہیں، لازمی ہے کہ وہ پردہ اور حجاب کی شرط کو ملحوظ رکھیں۔ سادگی اور وقار سے اپنے بیرون خانہ فرائض انجام دیں مگر یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ عورت کا بہرحال دائرہ کار اس کا گھر، اس کا شوہر، بچے اور دیگر افراد خانہ ہیں۔ گھر کے نقصانات کی قیمت پر بیرونِ خانہ ملازمت اسلام کے طے شدہ پروگرام کے خلاف ہے۔ علاوہ ازیں اس کی عفت وعصمت محفوظ ومامون رہے۔ اگر کبھی حیا وعفت پر کوئی گندی چھینٹ پڑ گئی تو یہ بہت بڑا نقصان ہوگا۔''(۱)

............*

(۱) "خواتین کی تعلیم وتربیت" بحوالہ: ماہنامہ محدث (ج۳۶ شمارہ ۱۱ ص ۱۳۹تا۱۴۳) لاھور۔
مضمون نگار: محترمہ ثریا بتول علوی

فصل ۳:

عورت ...... اور اسلامی عقائد

اسلامی تعلیمات کا ایک حصہ ایسا ہے جس پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص جنت میں نہیں جا سکتا۔ اسے عقائد یا ایمانیات کہا جاتا ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں سے سب سے پہلے انہی عقائد کی درستگی کا تقاضا کرتا ہے۔ اس تقاضے میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی شامل ہیں۔ اسلام کے ابتدائی دور کی خواتین کے عقائد بہت اچھے تھے لیکن ان کے برعکس آج کی خواتین کے عقائد کی اصلاح کی بہت اشد ضرورت ہے۔ مرد حضرات کو تو اہل علم کے پاس بیٹھنے، مساجد میں نمازِ جمعہ وغیرہ کے لیے شریک ہونے اور مختلف دینی پروگراموں میں دین کی باتیں سننے کا موقع ملتا رہتا ہے، اس لیے انہیں اپنی اصلاح کا زیادہ وقت ملتا ہے بشرطیکہ کوئی اپنی اصلاح کرنا چاہتا ہو لیکن مردوں کے برعکس عورتوں کو دینی باتیں سننے کا اتنا موقع نہیں ملتا۔ شرح تعلیم کم ہونے کی وجہ سے ان میں دینی لٹریچر کا براہِ راست مطالعہ کرنے کی صلاحیت بھی کم ہوتی ہے۔ پھر ہمارے خطے میں پھیلی ہوئی جہالت اور کفر و شرک پر مبنی ماحول بھی عورتوں کے عقائد میں بگاڑ کا بڑا ذریعہ ہے۔ علاوہ ازیں خود عورتوں کی غفلت ولا پروائی نے شیطان کو یہ موقع فراہم کر رکھا ہے کہ وہ انسانیت کے ایک بڑے حصہ کو گمراہ کرتا رہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے عورتوں کے بارے میں کہا تھا کہ مجھے جہنم کا مشاہدہ کروایا گیا تو میں نے دیکھا کہ جہنم میں زیادہ تعداد عورتوں کی ہے۔ [1]

اس پس منظر میں اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ عورتوں کے لیے دینی تعلیمات کو فروغ دینے کا خاص اہتمام کیا جائے۔ گھر کا سربراہ خود اپنے اہلِ خانہ کو دین کی بنیادی باتوں کی تعلیم دے۔ قرآن مجید کا ترجمہ اور احادیث پر مشتمل دینی کتابیں پڑھائے۔ محلے کی سطح پر خواتین کی دینی تعلیم کے لیے مدارس کا اہتمام کیا جائے۔ پھر خود خواتین کو چاہیے کہ وہ دینی لٹریچر کا مطالعہ کریں۔ اب تو کمپیوٹر کے ذریعے یہ سہولت بھی موجود ہے کہ آپ گھر بیٹھے دنیا بھر کے جید علمائے کرام سے دینی مسائل پوچھ سکتی ہیں۔ ایسی ویب سائٹس موجود ہیں جن کے ذریعے آپ ناظرۂ قرآن، ترجمۂ قرآن اور دیگر دینی تعلیمات و معلومات حاصل کر سکتی ہیں۔

---

(۱) بخاری: کتاب الحیض: باب ترک الحائض الصوم (۳۰۴)، مسلم: کتاب الایمان: باب بیان نقصان الایمان (۱۳۲)

یہ تمہید اس لیے قائم کی گئی ہے کہ خود خواتین میں دینی تعلیم کے حصول کا جذبہ بیدار کیا جائے۔ ظاہر ہے اس ایک کتاب میں تو سارا دین سمویا نہیں جا سکتا، اس لیے کتب تفاسیر اور کتبِ احادیث وغیرہ کی ضرورت پھر بھی باقی رہے گی۔ البتہ اس سلسلہ میں ہم کوشش کریں گے کہ دین کی اہم معلومات کو مستند حوالہ جات کے ساتھ بالاختصار یہاں پیش کر دیں۔ ساتھ یہ دعا بھی کریں گے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

۱)......اللہ تعالیٰ پر پختہ ایمان:

ایک مسلمان خاتون کا یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہی اس ساری کائنات کے خالق، مالک اور رازق ہیں۔ اللہ ہی نے ہمیں پیدا کیا ہے، اسی کے ہاتھ میں ہماری زندگی اور موت ہے، اسی کے حکم سے ہمیں رزق ملتا ہے، اسی کے فیصلے سے ہم بیمار ہوتے اور اسی کی مرضی سے ہمیں شفا ملتی ہے۔ اس کائنات کا سارا نظام اس کے کنٹرول میں ہے۔ وہ جسے چاہے اولاد سے نواز دے اور جسے چاہے بانجھ بنا دے۔ جسے چاہے خوشحال بنا دے اور جسے چاہے تنگدستی میں مبتلا کر دے۔ وہ ہمارا خالق و مالک ہے۔ ہم اس کے بندے اور غلام ہیں۔ اس کا حکم ماننا، اس کی عبادت کرنا اور اس کے دربار میں سجدہ ریز ہونا ہم پر لازم ہے۔ اس کو پکارنا، اس سے دعا مانگنا، اور اسی سے مدد چاہنا بھی ہم پر فرض ہے۔ ہم اس کا حکم مانیں گے تو وہ ہم سے خوش ہوگا، ہم اس سے مدد مانگیں گے تو وہ غیب سے ہماری مدد فرمائے گا۔ ہم اسے چھوڑ کر کسی اور کے آگے جھکیں گے تو وہ ہم سے ناراض ہوگا۔ ہم اس کے احکام سے روگردانی کریں گے تو وہ ہم پر غضبناک ہوگا۔ ہم اس کی نافرمانی کریں گے تو وہ ہمیں عذاب سے دوچار کرے گا۔ اسے ناراض کرنے میں ہماری دنیا و آخرت کا نقصان ہے اور اسے راضی کر لینے میں ہماری دنیا اور آخرت سنور جائے گی۔

زبانی کلامی حد تک شاید ہم سب ان باتوں کا اقرار کرتے ہوں لیکن پتہ تو تب چلتا ہے جب عملی زندگی میں بھی ہم ان باتوں پر کاربند ہو کر دکھائیں۔ اس سلسلہ میں انبیاء و رسل وہ واحد جماعت ہے جن کی قولی و عملی زندگی ہمارے لیے ایمان باللہ کی کامل مثال ہے۔ اس کے بعد وہ خواتینِ جنت ہیں جنہیں انبیاء کی بیویاں ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ اس کے بعد وہ خواتین ہیں جنہیں صحابیات، تابعات اور مومنات صادقات کا درجہ ملا۔ آئندہ سطور میں ہم خواتین کے ایمان باللہ کے چند نمونے پیش کرتے ہیں تاکہ ہمیں معلوم ہو سکے کہ ایمان باللہ کی حقیقت کیا ہے؟

حضرت ہاجرہ کا ایمان:

حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر سے کون ہے جو ناواقف ہو؟ آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم ملا کہ اپنی بیوی حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور اپنے دودھ پیتے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لے کر وادیِ مکہ میں چھوڑ آؤ۔ یہ اس دور کی بات ہے جب مکہ مکرمہ ایک صحرا یا جنگل کا نام تھا، جہاں کوئی انسان نہیں بستا تھا، رہنے کو کوئی مکان موجود نہیں تھا۔ جنگلی درندوں، آسمانی آفتوں اور زمینی مصیبتوں سے تحفظ کا کوئی ظاہری ذریعہ موجود نہیں تھا۔ ان حالات میں جب اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو یہ حکم دیا کہ اپنی اہلیہ اور بچے کو اس صحرا میں چھوڑ آؤ تو انہوں نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ کچھ کھجوریں اور پانی کا ایک مشکیزہ ساتھ لیا اور بیوی بچے کو اس صحرا میں لے آئے۔ بچہ تو چھوٹا تھا بول کر پوچھ نہیں سکتا تھا کہ بابا جان! اتنی گرمی میں اپنے گھر کو چھوڑ کر آپ ہمیں کہاں لے جا رہے ہیں؟ جبکہ بیوی نیک اور وفادار تھی اور اپنے شوہر پر پورا اعتماد رکھتی تھی، اس لیے وہ بھی نہ بولی بلکہ شوہر کا حکم سنتے ہی سرِ تسلیم خم کر دیا۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی اور بچے کو لے کر اس جگہ پہنچ گئے جہاں اللہ نے اپنا گھر آباد کروانا تھا تو انہوں نے کھجوریں اور پانی کا مشکیزہ وہاں رکھا اور بیوی بچے کو سلام کہہ کر واپس بیت المقدس کی طرف چل دیئے۔ اس بے آب و گیاہ جنگل میں ایک اکیلی خاتون اور جس کے پاس ایک چھوٹا سا بچہ بھی ہو، ظاہر ہے وہ پریشان تو ضرور ہوگی۔ چنانچہ حضرت ہاجرہ نے اپنی اس فطری پریشانی کے سبب شوہر کو پیچھے سے آواز دی:

''اے میرے سرتاج ابراہیم! آپ ہمیں تنہا چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں؟''

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کوئی جواب نہ دیا۔ حضرت ہاجرہ بھی بچہ اٹھائے پیچھے پیچھے چلنا شروع ہو گئیں اور پھر پوچھنے لگیں کہ آپ ہمیں بے سہارا چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں؟ یہاں نہ کوئی انسان ہے، نہ مکان، نہ کھانے کو کچھ ہے، نہ پینے کو...... لیکن جب کوئی جواب نہ ملا تو نبی کی بیوی ہونے کا شرف رکھنے والی یہ ایماندار خاتون سمجھ گئی کہ یہ ابراہیم کا فیصلہ نہیں بلکہ اس کے رب کا فیصلہ ہے، چنانچہ اب کی بار انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا:

((آللّٰهُ اَمَرَكَ بِهٰذَا؟ قَالَ نَعَمْ! قَالَتْ اِذَنْ لَا يُضَيِّعُنَا ثُمَّ رَجَعَتْ))

''کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا کرنے کا حکم دیا ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا ہاں! تو حضرت ہاجرہ نے فرمایا کہ پھر اللہ تعالیٰ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔ یہ کہہ کر حضرت ہاجرہ پیچھے واپس آ گئیں۔''(۱)

یہ ہے ایک خاتونِ مسلم کا اللہ پر ایمان!

آپ سوچیے اگر حضرت ہاجرہ کو اللہ پر کامل ایمان نہ ہوتا، اللہ کی مدد پر بھروسہ نہ ہوتا، اللہ پر توکل کرنے کا جذبہ نہ ہوتا تو کیا وہ اپنے شوہر کو اس طرح واپس جانے دیتیں؟ آپ یہ بھی سوچیے کہ اگر آپ میں سے کوئی اس جگہ ہوتی، ساتھ دودھ پیتا بچہ بھی ہوتا اور آپ کا خاوند جنگل، بیابان یا بے آب و گیاں صحرا میں آپ کو چھوڑنا چاہتا تو آپ کا کیا رویہ ہوتا؟ اس سوال کا جواب صرف اپنے دل سے پوچھ لیجیے اور اس کے ساتھ اپنے ایمان کا حضرت ہاجرہ کے ایمان سے مقابلہ بھی کر لیجیے......!

حضرت ہاجرہ کے ایمان کی برکت ہے کہ جس جنگل میں وہ آباد ہوئیں آج وہاں بیت اللہ موجود ہے اور لوگ اس جگہ کی زیارت کو ترستے ہیں......!

حضرت خدیجہ کا اللہ پر ایمان:

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا مکہ کے ایک معزز تاجر خویلد بن اسد کی بیٹی تھی۔ آپ کا خاندان عفت و عصمت اور شریفانہ اَخلاق و اَطوار میں معروف تھا۔ یہی وجہ ہے کہ خود حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو طاہرہ اور سیدہ کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ آپ کی شادی عتیق بن عائذ مخزومی سے ہوئی۔ ان سے ایک بچی بھی ہوئی مگر خاوند جلد وفات پا گئے۔ پھر آپ کی دوسری شادی ہالۃ بن زرارہ تمیمی سے ہوئی اور ان سے ایک لڑکا پیدا ہوا مگر وہ شوہر بھی وفات پا گئے۔ پھر بعد میں آپ کی شادی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی۔ آپ کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی زوجہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اور اتفاق کی بات ہے کہ جب تک آپ زندہ رہیں، حضور نے کوئی دوسری شادی نہیں کی۔ حضور سے شادی کے بعد آپ سے دو صاحبزادے قاسم رضی اللہ عنہ، اور عبداللہ رضی اللہ عنہ، اور چار صاحبزادیاں یعنی حضرت زینب رضی اللہ عنہا، حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے کچھ عرصہ پہلے غارِ حرا میں جا کر خلوت میں اللہ کی عبادت کیا کرتے تھے۔ اسی

(۱) صحیح بخاری: کتاب احادیث الانبیاء: باب یزفون ...(ح ۳۳۶۴)

غارِ حرا میں وہ مبارک دن طلوع ہوا جب جبریل علیہ السلام وحی لے کر آپ کے پاس پہنچے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ آپ نے ایک نورانی مخلوق کو اپنے پاس آتے اور آ کر گفتگو کرتے دیکھا۔ آپ کے لیے یہ بڑا انوکھا واقعہ تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس واقعہ کی روایت میں فرماتی ہیں کہ

((فرجع بها رسول الله ﷺ يرجف فؤاده فدخل علىٰ خديجة بنت خويلد فقال: زملوني زملوني فزملوه حتى ذهب عنه الروع. فقال لخديجة واخبرها الخبر لقد خشيت علىٰ نفسي فقالت خديجة كلا والله مايخزيك الله ابدا انك لتصل الرحم وتحمل الكل وتكسب المعدوم وتقرى الضيف وتعين علىٰ نوائب الحق))

''آنحضرت ﷺ (پہلی وحی کی) آیتیں حضرت جبریل علیہ السلام سے سن کر اس حال میں غارِ حرا سے واپس تشریف لائے کہ آپ ﷺ کا دل اس انوکھے واقعہ سے کانپ رہا تھا۔ آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور فرمایا کہ مجھے کمبل اوڑھا دو، مجھے کمبل اوڑھا دو۔ اہل خانہ نے کمبل اوڑھا دیا۔ جب آپ کی گھبراہٹ دور ہوئی تو آپ نے اپنی بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو تفصیل کے ساتھ اپنا یہ (فرشتے کے آنے کا) واقعہ سنایا اور فرمانے لگے کہ مجھے اب اپنی جان کا خوف لاحق ہو گیا ہے۔ آپ کی بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو حوصلہ دیا اور کہا کہ آپ کا یہ خیال صحیح نہیں۔ اللہ کی قسم! اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ آپ تو کنبہ پرور ہیں، بے کسوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں، مشکل وقت میں حق بات پر ڈٹ جاتے ہیں۔''[1]

اس سے بڑھ کر ایمان باللہ اور توکل علی اللہ کی مثال ہو کیا ہوگی کہ سید الاولین والآخرین کو ان کی بیوی اللہ پر توکل کرنے اور اللہ سے بہتری کی امید رکھنے کی تلقین کر رہی ہے۔ اللہ پر پختہ ایمان رکھنے والی خاتون کا یہی رویہ ہوتا ہے کہ مشکل وقت میں وہ اللہ پر خود بھی بھروسہ کرتی ہے اور دوسروں کو بھی اللہ ہی سے خیر کی آس لگانے کی نصیحت کرتی ہے۔ خیر القرون میں ہمیں ایسی عورتیں بھی دکھائی دیتی ہیں جنہوں نے اللہ پر ایمان لانے کی وجہ سے بے شمار مصائب کا سامنا کیا۔ گھر بار، خاوند، اولاد وغیرہ کو چھوڑنا پڑا تو چھوڑ دیا مگر اپنے ایمان کو نہ چھوڑا۔ ایمان کی خاطر سب سے پہلے جان دے کر شہادت کا درجہ پانے والی بھی ایک خاتون (حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا) تھیں۔ انہیں مکہ مکرمہ میں ابوجہل نے نیزہ مار کر شہید کر دیا تھا۔

(۱) صحیح بخاری: کتاب بدء الوحی: (باب ۲ ح ۳)

عمر بن عبدالعزیزؒ کی والدہ اور خوفِ خدا:

حضرت عبداللہ بن زید بن اسلمؒ اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے دادا اسلمؒ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا۔ آپ بھیس بدل کر مدینہ کی گلیوں میں گشت کر رہے تھے۔ جب آپ تھک گئے تو ایک مکان کی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ آدھی رات کا وقت ہو چکا تھا۔ جس دیوار کے ساتھ آپ ٹیک لگائے بیٹھے تھے، اس گھر سے باتوں کی آواز آ رہی تھی۔ گھر میں ایک عورت اپنی بیٹی سے کہہ رہی تھی:

بیٹی! اٹھو اور دودھ میں جا کر پانی ملا دو۔ دودھ زیادہ ہو جائے گا اور اس طرح ہم زیادہ پیسے کمائیں گے۔

بیٹی نے کہا: اماں جان! آپ کو علم نہیں کہ خلیفہ نے کتنی سختی کر رکھی ہے؟

ماں نے کہا: کیا سختی کر رکھی ہے؟

بیٹی نے کہا: خلیفہ نے یہ اعلان کر رکھا ہے کہ دودھ میں پانی ملا کر فروخت نہ کیا جائے ورنہ سخت سزا دی جائے گی۔

ماں نے کہا: بیٹی! اس وقت عمر خلیفہ تمہیں نہیں دیکھ رہا۔ لہٰذا تم دودھ میں پانی ملا دو خلیفہ کو کچھ خبر نہیں ہو گی۔

بیٹی نے کہا: اماں جان! اگر عمر خلیفہ مجھے نہیں دیکھ رہا تو کیا ہوا، آسمان والا تو مجھے دیکھ رہا ہے۔ میں آپ کی بات مان کر آسمان والے کی مخالفت نہیں کر سکتی......!

حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ ساری گفتگو سن رہے تھے۔ دوسرے دن انہوں نے حضرت اسلمؒ سے فرمایا کہ اسی گھر جاؤ اور معلوم کرو یہ کون لوگ ہیں؟ ان کا کوئی سربراہ ہے یا نہیں؟ اور وہ بچی شادی شدہ ہے یا نہیں؟ حضرت اسلمؒ فرماتے ہیں کہ میں اس گھر جا پہنچا۔ پتہ چلا کہ یہ لڑکی غیر شادی شدہ ہے اور دودھ میں پانی ملانے کا کہنے والی اس کی ماں تھی۔ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو واپس آ کر یہ صورتحال بتا دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس نیک لڑکی کے کردار سے بہت متاثر ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنے بیٹوں کو جمع کیا اور کہا:

ایک بہت اچھا رشتہ ہے لیکن مجھے تو اب شادی کی خواہش نہیں، تم بتاؤ تم میں سے کون شادی کا خواہش مند ہے؟ ان کے بیٹے عبداللہ اور عبدالرحمٰن نے کہا کہ ہم بھی شادی شدہ ہیں۔ البتہ ان کے ایک بیٹے عاصم شادی شدہ نہیں تھے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس لڑکی کا رشتہ اپنے بیٹے عاصم کے لیے لے لیا۔ عاصم سے شادی کے بعد اس لڑکی سے ایک بیٹا پیدا ہوا جسے تاریخ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے نام سے جانتی ہے۔ (۱)

(۱) احکام النسآء از ابن جوزیؒ (ص ۴۴۲،۴۴۱)

یہ ہے اللہ کی اطاعت کی عمدہ مثال کہ اگر خلیفہ نہیں دیکھ رہا تو کیا ہوا، اللہ تو دیکھ رہا ہے! گویا حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی والدہ نے مسلمان خواتین کو بتادیا کہ دنیوی مفادات کی خاطر اللہ کو ناراض نہ کیا جائے۔ اور ہمیشہ یہ یاد رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ہر قول و فعل کو دیکھ رہا ہے اور وہ روزِ آخرت ہم سے ہر چیز کا حساب لے گا۔

۲)......اللہ کے رسولؐ پر ایمان:

ایک مسلمان خاتون کا یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ قرآن مجید اور صحیح احادیث میں جن نبیوں اور رسولوں کا تذکرہ ہے، وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی بنائے گئے تھے۔ سب سے آخری نبی حضرت محمد ﷺ ہیں اور آپ پر نازل ہونے والی کتاب یعنی قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری آسمانی کتاب ہے۔ اب قیامت تک کے لیے کوئی نیا نبی یا نیا دین نہیں آئے گا بلکہ جو کچھ حضرت محمد ﷺ نے ہمیں بتادیا ہے اس پر ایمان لانا اور اسی پر عمل کرنا اب باعثِ نجات ہے اور اس سے منہ موڑنا باعثِ ہلاکت ہے۔

ایک مسلمان خاتون کو چاہیے کہ وہ دنیا جہاں کی ہر چیز سے بڑھ کر حضرت محمد ﷺ سے محبت رکھے۔ آپ کے فرامین پر صدقِ دل سے عمل کرے۔ جہاں آپ ﷺ کی حدیث آجائے وہاں دنیوی محبتیں بالائے طاق رکھتے ہوئے آپ کی حدیث پر اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا کہے۔

حضور ﷺ سے محبت اور آپ پر ایمان لانے کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کی سنت و سیرت کا بغور مطالعہ کیا جائے تاکہ آپ ﷺ کے طرزِ زندگی سے ہم اپنی زندگی کے لیے راہِ عمل تلاش کر سکیں۔ لہٰذا سیرت اور احادیث کی مستند کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے تاکہ حضور کی سنت اپنانے کا موقع ملے۔ آئندہ سطور میں ہم حضور کی سنت پر عمل کرنے کے چند نمونے پیش کر رہے ہیں۔

حضرت ام حبیبہ کا واقعہ:

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا آنحضرت کی بیوی تھیں۔ مدینہ ہجرت کرنے کے بعد کا واقعہ ہے کہ ان کے والد ابوسفیان اپنے ایک کام کے لیے مدینہ آئے۔ ابوسفیان ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ وہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے ملنے ان کے گھر گئے۔ گھر میں آنحضرت ﷺ کا بستر بچھا ہوا تھا۔ ابوسفیان نے اس پر بیٹھنا چاہا مگر ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے فوراً اس کو لپیٹ کر اٹھالیا۔ ابوسفیان کے لیے اپنی بیٹی کی یہ حرکت تعجب خیز تھی۔ اس

نے بیٹی سے پوچھا: ام حبیبہ! کیا یہ بستر میرے لائق نہیں یا میں اس بستر کے لائق نہیں۔ بیٹی نے جواب دیا کہ یہ اللہ کے رسول کا بستر ہے اور آپ مشرک و نجس ہیں۔ میں نہیں چاہتی کہ آپ حالتِ شرک میں حضور کے اس مقدس بستر پر بیٹھیں۔ (۱)

دیکھیے ایک بیٹی نے اللہ کے رسول ﷺ کی محبت میں اپنے باپ کی بھی کچھ پروانہ کی۔

ایک صحابیہ کا جذبۂ اطاعتِ رسول:

ایک مرتبہ ایک عورت اور اس کی ماں آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوئیں۔ اس عورت نے سونے کے، دو موٹے کنگن اپنے ہاتھوں میں ڈالے ہوئے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اس سے پوچھا کیا تم اس کی زکاۃ بھی ادا کرتی ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا: کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ روز قیامت اللہ تعالیٰ ان دوسونے کے کنگنوں کے بدلے تمہارے ہاتھوں میں آگ کے دو کنگن ڈال دے؟ (گویا آپ ﷺ نے اس کے زکاۃ نہ دینے پر اسے ڈانٹا، آپ ﷺ کا ارشاد سنتے ہی) اس نے فوراً اپنے وہ دونوں کنگن اتار کر اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے رکھ دیئے اور کہا: میں انہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے پیش کرتی ہوں۔'' [یعنی آپ ﷺ اسے اللہ کی راہ میں جہاں چاہیں، صرف فرمادیں] (۲)

اس عورت کو سونے کی زکاۃ کا علم نہیں تھا، اس لیے اس نے زکاۃ ادا نہ کی تھی اور زکاۃ ادا نہ کرنے کی اُخروی سزا کے بارے میں جب اللہ کے رسول ﷺ نے اسے بتایا تو اس نے آپ ﷺ کا ارشاد سنتے ہی اپنا زیور صدقہ کر دیا۔ لیکن افسوس ہے ایسی عورتوں پر جنہیں پہلے سے علم ہوتا ہے کہ جب سونا ساڑھے سات تولے ہو تو اس پر زکاۃ ادا کرنا فرض ہو جاتا ہے مگر اس کے باوجود وہ زکاۃ ادا نہیں کرتیں۔ اللہ انہیں ہدایت دے۔

(۳)......فرشتوں پر ایمان:

ایک مسلمان عورت کا یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان، جنات اور حیوانات کے علاوہ ایک اور مخلوق بھی پیدا فرمائی ہے جسے فرشتے کہا جاتا ہے۔ یہ نورانی مخلوق ہے اور عام طور پر آسمانوں پر رہتی ہے مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے مختلف اوقات میں زمین پر بھی آتی ہے۔ ان میں سے چار فرشتے باقی تمام

---

(۱) طبقات ابن سعد (ج۸ ص ۷۰)

(۲) ابوداؤد: کتاب الزکاۃ: باب الکنز ما ھو (ح ۱۵۶۳)، نسائی (ج ۲۴۷۹)، احمد (ج۲ ص ۱۷۸، ۲۰۴)، بیہقی (ج۴ ص ۱۴۰)

فرشتوں پر سردار ہیں۔ ایک جبریل علیہ السلام ہیں جو وحی لے کر انبیاء کے پاس آیا کرتے تھے۔ ایک میکائیل علیہ السلام ہیں جو بارش برسانے پر مامور ہیں۔ ایک اسرافیل علیہ السلام ہیں جو قیامت کے قریب اللہ کے حکم سے صور (آواز اور چیخ پیدا کرنے والے آلہ میں) پھونکیں گے اور قیامت قائم ہو جائے گی۔ ایک ملک الموت علیہ السلام ہیں جنہیں عرفِ عام میں عزرائیل بھی کہا جاتا ہے۔ یہ اللہ کے حکم سے لوگوں کی روح نکالتے ہیں۔

پیدائش سے لے کر وفات تک اور وفات کے بعد اُخروی زندگی میں بھی ان فرشتوں کا ہم انسانوں سے کئی لحاظ سے تعلق ہے۔ ہم اچھا کام کریں تو یہ فرشتے ہمارے لیے مغفرت اور رحمت کی دعا کرتے ہیں اور اگر ہم اللہ کی نافرمانی کریں تو یہ لعنت کرتے ہیں۔ جس گھر میں جاندار اشیاء کی تصویریں ہوں یا کتا ہو وہاں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ بعض فرشتے انسانوں کے اعمال بھی لکھتے ہیں کیونکہ احادیث میں آتا ہے کہ ہر شخص کے ساتھ دو فرشتے ہوتے ہیں؛ ایک نیکیاں لکھنے والا اور دوسرا گناہ لکھنے والا۔ گویا ان فرشتوں کا مختلف حیثیتوں سے ہم انسانوں کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔ اس تعلق کی مزید تفصیلات کے لیے ہماری کتاب: **انسان اور فرشتے** کا مطالعہ مفید ثابت ہوگا۔ ان شاءاللہ!

۴)...... قرآن مجید پر ایمان:

ایک مسلمان خاتون کا یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف زمانوں میں اپنے رسولوں کو آسمانی کتابیں دے کر اس دنیا میں بھیجا تھا۔ ان میں سے چار آسمانی کتابیں معروف ہیں:

۱)...... تورات۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔

۲)...... انجیل۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئی۔

۳)...... زبور۔ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کو دی گئی۔

۴)...... قرآن مجید۔ یہ اللہ کے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔

پہلی آسمانی کتابیں تو اپنی اصلی حالت میں محفوظ نہیں رہیں مگر قرآنِ مجید محفوظ ہے اور تا قیامت محفوظ رہے گا کیونکہ اس کی خاص حفاظت اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔ اب صرف اور صرف یہی قرآنِ مجید انسانیت کی رہنمائی کرنے والی آخری آسمانی کتاب ہے۔ اس کتاب سے محبت، اس کی تکریم وتقدیس اور اس کے احکام پر عمل ہر مسلمان پر فرض ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان خاتون کو چاہیے کہ وہ قرآن مجید سے دلی محبت رکھے۔ روزانہ اس کی کچھ نہ کچھ تلاوت ضرور کرے۔ ترجمہ والا قرآن اپنے پاس رکھے اور اس کے

ترجمہ ومعانی پر غور کرے۔اس کی تفسیر کا مطالعہ کرے۔اس کے احکام کو سمجھنے کی کوشش کرے اور پھر اس کے احکام پر عمل پیرا ہو جائے۔

۵)......آخرت پر ایمان:

ایک مسلمان خاتون کا یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ یہ زندگی فانی ہے۔ایک روز آئے گا جب یہ ساری کائنات تباہ ہو جائے گی۔پھر تمام لوگوں کو اللہ تعالیٰ دوبارہ زندہ کریں گے اور ان سے ان کے اعمال کا حساب لیں گے۔جس کی نیکیاں اس کے گناہوں سے زیادہ ہوں گی، اسے اللہ تعالیٰ اپنی جنت میں داخل فرمائیں گے۔اس جنت میں محل ہوں گے، نہریں بہتی ہوں گی، ہر طرح کے میوہ جات ہوں گے، ہر طرح کی نعمت اور لذت ہوگی۔اور جس کے گناہ زیادہ ہوئے اسے اللہ تعالیٰ سزا کے لیے اپنی بنائی ہوئی جیل یعنی جہنم میں ڈالیں گے۔جہاں آگ ہی آگ ہوگی۔کھانے کو کانٹے اور پینے کو کھولتا ہوا پانی، ریشہ اور خون ہوگا اور اس میں گنہگاروں کو سخت عذاب دیا جائے گا۔

آخرت پر ایمان کے سلسلہ میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ جب زندہ کیا جائے گا تو وہ زندگی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہوگی۔گویا اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے۔اس کے مقابلہ میں دنیا کی اس زندگی کی کوئی حیثیت نہیں۔یہ تو ایک امتحان گاہ ہے۔یہاں جو بوئیں گے آخرت میں وہی کاٹیں گے۔یہاں جو عمل کریں گے آخرت میں اس کے مطابق پالیں گے۔لہٰذا ایک مسلمان خاتون کو چاہیے کہ وہ اس دنیا کی زندگی کو آخرت کی زندگی بہتر بنانے کے لیے اللہ کے حکموں کے تابع کر دے۔اس میں دنیوی سکون بھی ہوگا اور اُخروی فلاح بھی۔ان شاء اللہ!

۶)......تقدیر کے اچھا یا برا ہونے پر ایمان:

ایک مسلمان خاتون کا یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کے بارے میں پہلے ہی یہ لکھ دیا ہے کہ اسے زندگی میں کن کن چیزوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔اسے رزق کتنا ملے گا اور کیسے اور کہاں سے ملے گا۔کتنی اولاد حاصل ہوگی۔خوشی اور غم کتنا پہنچے گا۔مصیبت کتنی آئے گی۔یہ ساری چیزیں اللہ نے شروع ہی سے لکھ دی ہیں، انہیں 'تقدیر' (اور 'قسمت') کہا جاتا ہے۔اس تقدیر پر ایمان لانے کا مقصد یہ ہے کہ انسان میں صبر اور قناعت پیدا ہو، اللہ پر اس کا ایمان مضبوط ہو، اور وہ دنیوی خواہشات کی تکمیل کے لیے جائز ذرائع اختیار کرے۔تقدیر پر ایمان کا یہ مطلب نہیں کہ انسان یہ کہتے ہوئے اپنا نیک عمل چھوڑ کر بیٹھ جائے کہ جنت

میں جانا ہوا تو چلے جائیں گے ورنہ کیا ضرورت ہے نیک عمل کرنے کی نہیں، یہ سوچ انسان کو کافر و مشرک بھی بنا دیتی ہے اور جب یہ سوچ انسان میں پیدا ہو جائے تو وہ کامیاب نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن وحدیث میں ہمیں تقدیر پر ایمان لانے کے ساتھ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ کے بتائے ہوئے حکموں پر حتی المقدور عمل کرتے رہو اور اللہ سے ہمیشہ اچھائی کی امید رکھو۔ اس لیے ہمیں اپنی قسمت پر صابر و شاکر رہنا چاہیے۔ اسی میں ذہنی سکون بھی ہے اور رضائے الٰہی بھی۔

عورتوں میں عقائد کی خرابیاں

افسوس کا مقام ہے کہ ہمارے معاشرے میں عورتوں کی اکثریت گمراہانہ عقائد میں مبتلا ہے۔ اور جہالت کا یہ عالم ہے کہ اگر انہیں سمجھایا جائے تو یہ الٹا سمجھانے والے کو گمراہ سمجھتی ہیں مثلاً بے شمار عورتیں آپ کو قبروں اور درباروں پر جاتی دکھائی دیں گی، حالانکہ عورتوں کا بکثرت قبرستان جانا احادیث میں ناپسندیدہ (مکروہ) قرار دیا گیا ہے۔ پھر ان میں سے بہت سی عورتیں وہاں جا کر قبروں پر سجدے بھی کرتی ہیں حالانکہ اللہ کے علاوہ کسی اور کو سجدہ کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَاتَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَالِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ﴾ [حٰمٓ السجدة:٣٧]

”دن اور رات اور سورج اور چاند بھی اس (اللہ) کی نشانیوں میں سے ہیں۔ تم سورج کو سجدہ نہ کرو اور نہ چاند کو، بلکہ سجدہ اس اللہ کے لیے کرو جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے، اگر تمہیں اسی کی عبادت کرنی ہے تو۔“

اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

میں حیرہ (یمن کے شہر) آیا تو میں نے دیکھا کہ وہاں کے لوگ اپنے بادشاہ مَرزُبَان کے لیے سجدہ کرتے ہیں، میں نے سوچا کہ اللہ کے رسول ﷺ (ان حاکموں اور بادشاہوں کے مقابلہ میں) سجدہ کے زیادہ حقدار ہیں چنانچہ جب میں اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ! میں حیرہ شہر میں گیا تو وہاں دیکھا کہ لوگ اپنے بادشاہ مرزبان کو سجدہ کرتے ہیں جبکہ آپ ﷺ اس بات کا زیادہ حق رکھتے ہیں کہ ہم آپ کو سجدہ کریں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اچھا یہ بتاؤ اگر تمہارا گزر میری قبر پر ہو تو کیا میری قبر پر تم سجدہ کرو گے؟ میں نے کہا نہیں، تو اللہ

کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((فَلَا تَفْعَلُوْا لَوْ كُنْتُ آمِرًا اَحَدًا اَنْ يَّسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ النِّسَاءَ اَنْ يَّسْجُدْنَ لِاَزْوَاجِهِنَّ لِمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَهُمْ عَلَيْهِنَّ مِنَ الْحَقِّ))

''پھر مجھے بھی سجدہ نہ کرو اور اگر میں کسی کو یہ حکم دینا چاہتا کہ وہ (اللہ کے سوا) کسی اور کے لیے سجدہ کرے تو پھر میں عورتوں کو یہ حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کریں، اس حق کے بدلہ میں جو اللہ تعالیٰ نے خاوندوں کے لیے مقرر کیا ہے۔''(۱)

حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی وفات سے پانچ روز قبل یہ ارشاد فرمایا:

''لوگو! کان کھول کر سن لو کہ تم سے پہلی اُمتوں نے اپنے نبیوں اور ولیوں کی قبروں کو مسجدیں (سجدہ گاہ) بنالیا تھا۔ خبردار! تم قبروں پر مسجدیں مت بنانا، میں تمہیں اس بات سے منع کرتا ہوں۔''(۲)

مذکورہ بالا آیات اور احادیث سے معلوم ہوا کہ اللہ کے علاوہ کسی اور کے لیے سجدہ ریز ہونا حرام ہے۔ قبروں اور درباروں پر جانے والی بعض عورتیں فوت شدہ لوگوں کے لیے نذریں اور منتیں بھی مانتی ہیں حالانکہ نذر اور منت صرف اور صرف اللہ کے لیے ہوتی ہے غیر اللہ کے لیے نہیں۔ غیر اللہ کے نام پر نذر و نیاز کتنا بڑا گناہ ہے اس کا اندازہ اس حدیث سے بخوبی کیا جا سکتا ہے:

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''ایک آدمی مکھی کی وجہ سے جنت میں گیا اور ایک آدمی مکھی کی وجہ سے جہنم میں گیا۔ لوگوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا وہ کیسے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم سے پہلے لوگوں میں دو آدمی تھے جو ایک جگہ سے گزرے اور وہاں لوگوں نے ایک بت رکھا ہوا تھا۔ جب تک اس کا چڑھاوا نہ چڑھایا جاتا تب تک کوئی شخص وہاں سے گزر نہیں سکتا تھا۔ ان لوگوں نے ان دو میں سے ایک سے کہا کہ اس بت کے لیے کچھ نذر و نیاز پیش کرو۔ اس نے کہا میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے، ان لوگوں نے کہا کہ کچھ نہ کچھ نذر و نیاز تو دینا پڑے گی خواہ ایک مکھی ہی کیوں نہ ہو۔ اس نے مکھی کا چڑھاوا چڑھایا اور وہاں سے گزر

(۱) ابوداؤد: كتاب النكاح: باب في حق الزوج على المرأة (ح ۲۱۴۰)

(۲) مسلم: كتاب المساجد: باب النهي عن بناء المسجد على القبور...... (ح ۵۳۲)

گیا یہ تو (اپنے اس فعل کی وجہ سے) جہنم میں گیا۔ ان لوگوں نے دوسرے آدمی سے بھی کہا کہ نذر و نیاز پیش کرو۔ اس نے کہا میں اللہ کے سوا کسی کے لیے کوئی نذر و نیاز نہیں دے سکتا۔ تو لوگوں نے اسے قتل کر دیا اور وہ جنت میں جا پہنچا۔"(۱)

قبرستان اور درباروں پر جانے والی بعض عورتیں ان قبروں میں دفن فوت شدگان بزرگوں سے اپنی پریشانیاں اور مصیبتیں دور کر دینے کی دعائیں بھی مانگتیں ہیں، حالانکہ پریشانیاں اور مصیبتیں دور کرنا تو اللہ کا کام ہے۔ جب کہ وہ شخص جو فوت ہو کر اس دنیا سے چلا گیا، وہ اس مادی دنیا میں واپس نہیں آتا اور نہ ہی اس دنیا سے اس کا کوئی رابطہ باقی رہتا ہے۔ اس لیے اسے تو معلوم ہی نہیں ہوتا کہ اس کے پیچھے کیا ہو رہا ہے اور خود اس کے مال، اولاد اور رشتہ داروں کا کیا حال ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴾[الاحقاف۔٤تا٦]

"آخر اس آدمی سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اللہ کے علاوہ ایسی ہستیوں کو پکارے جو قیامت تک اسے جواب نہ دے سکتی ہوں بلکہ وہ ان کی دعاؤں سے بے خبر ہیں اور جب تمام انسان جمع کیے جائیں گے اس وقت وہ ہستیاں پکارنے والوں کی دشمن بن جائیں گی اور ان کی عبادت کا انکار کر دیں گی۔"

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴾[النحل ۔ ۲۰، ۲۱]

"اور وہ ہستیاں جنہیں لوگ اللہ کے علاوہ پکارتے ہیں وہ کسی چیز کی بھی خالق نہیں بلکہ خود مخلوق ہیں، وہ مردہ ہیں نہ کہ زندہ۔ اور ان کو کچھ معلوم نہیں کہ انہیں کب (دوبارہ زندہ کر کے) اٹھایا جائے گا۔"

علاوہ ازیں یہ عورتیں فوت شدگان سے اولاد بھی مانگتی ہیں حالانکہ اولاد دینا زندہ لوگوں کے بس میں نہیں تو پھر فوت شدہ کیسے اولاد دے سکتا ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ یہ فوت شدہ بہت بڑا ولی تھا تو پھر بھی اس کا یہ معنی نہیں کہ اسے مرنے کے بعد اولاد دینے کی کوئی طاقت عطا کر دی گئی ہے۔ یہ تو ولی ہے اور ہے بھی فوت شدہ

(۱) "حلية الاولياء" لابی نعيم الاصفهانی (ج ۱ ص ۲۰۳) "كتاب الزهد" لاحمد بن حنبل (ص ۱۵)

جبکہ ولیوں سے آگے نبیوں کا درجہ ہے اور نبیوں کے پاس اپنی زندگی میں بھی یہ اختیار نہیں تھا کہ وہ کسی کو اولاد سے نوازیں۔ کسی کو تو دور کی بات خود انبیاء اپنے لیے بھی یہ طاقت نہیں رکھتے تھے کہ جب، جتنی اور جیسی چاہیں اولاد پیدا کرلیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی اولاد صرف بیٹیاں تھیں اور وہ اپنے لیے اللہ کی مرضی کے بغیر بیٹے پیدا نہیں کر سکے۔ آنحضرت ﷺ کے بیٹے پیدا ہوئے مگر اللہ کے حکم سے سبھی آپ کی زندگی میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ ان کی وفات پر آپ کی آنکھوں سے آنسو بھی جاری ہوئے، آپ کی بیویوں کو بھی دکھ ہوا مگر آنحضرت ﷺ بھی اپنی مرضی سے انہیں بچا نہ سکے اور نہ ہی فوت ہو جانے کے بعد انہیں زندہ کر سکے۔ کیونکہ اصل حکم تو اللہ کا چلتا ہے۔ جو اللہ کی مرضی ہو، وہی ہوتا ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا قرآن مجید میں موجود ہے۔ ان کے ہاں اولاد پیدا نہ ہوئی حتی کہ وہ اور ان کی بیوی بانجھ ہو گئے۔ اس کے باوجود وہ اللہ ہی سے دعا کرتے رہے اور اللہ کی جب مرضی ہوئی تب انہیں اولاد ملی، حالانکہ اس وقت وہ بانجھ ہو چکے تھے!

توہم پرستی کی بیماری:

عورتوں میں توہم پرستی بھی بہت زیادہ ہوتی ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر یہ وہم زدہ ہو جاتی ہیں۔ کسی نے کہہ دیا کہ فلاں دن یہ کام نہ کرنا ورنہ یہ مصیبت آ جائے گی، یہ عورتیں فوراً مان لیتی ہیں۔ کسی سے سنا کہ فلاں بہت پہنچا ہوا بزرگ ہے، فوراً اس کے پاس برکت اور تبرک لینے پہنچ جاتی ہیں۔ یہ بھی نہیں سوچتیں کہ ایک شخص بے نماز ہے یا شریعت کی مخالفت کرتے ہوئے عورتوں کو اپنے پاس خلوت میں بے حجاب بٹھاتا ہے، تو ایسے بے دین شخص سے کون سی برکت اور خیر مل سکتی ہے جبکہ یہ تو خود ہی بے برکت اور بدعمل ہے۔

اسی طرح عورتوں میں توہم پرستی کی وجہ سے کچھ دن مخصوص ہوتے ہیں کہ ان میں کوئی اہم کام نہیں کرنا۔ پوچھا جائے کیوں نہیں کرنا تو بتائیں گی کہ یہ منحوس دن ہیں حالانکہ دنوں، اور مہینوں کو اللہ تعالیٰ نے منحوس نہیں بنایا۔

بدشگونی:

اسی طرح عورتوں میں بدشگونی کی گمراہی بڑی عام ہے۔ کوئی مکروہ چیز دیکھی تو فوراً برا شگون لے لیتی ہیں حالانکہ بدشگونی کو اللہ کے رسول نے کفریہ وشرکیہ عمل قرار دیا ہے جیسا کہ درج ذیل روایات سے معلوم

ہوتا ہے:

☆......((عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ :اَلطِّيَرَةُ شِرْكٌ اَلطِّيَرَةُ شِرْكٌ ثَلَا ثًا وَمَا مِنَّا اِلَّا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُذْهِبُهُ بِالتَّوَكُّلِ))

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے تین بار فرمایا: بدشگونی شرک ہے، بدشگونی شرک ہے، بدشگونی شرک ہے۔ اور ہم میں سے ہر شخص کے دل میں برا شگون پیدا ہو سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ پر توکل کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اسے دور فرما دیتے ہیں۔''[1]

☆......((عَنْ اَبِى هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: لَاعُدْوٰى وَ لَا طِيَرَةَ وَلَا هَامَةَ وَلَا صَفَرَ))

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چھوت لگنا، بدشگونی لینا، الو اور ماہِ صفر (دوسرے اسلامی مہینے) کو منحوس سمجھنا، یہ سب لغو خیالات ہیں''۔[2]

☆......((عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَا لَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَطَيَّرَ اَوْ تُطُيِّرَ لَهُ اَوْ تَكَهَّنَ اَوْتُكُهِّنَ لَهُ اَوْ سَحَرَ اَوْ سُحِرَ لَهُ وَمَنْ اَتٰى كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُوْلُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ))

''حضرت عمران رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے فال نکالی یا فال نکلوائی یا کہانت کا کام کیا یا اپنے لئے کروایا یا جادو کیا یا کسی سے جادو کروایا، اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں اور جو شخص کسی 'عامل' کے پاس گیا اور اس کی باتوں پر اس نے یقین کیا تو اس نے اس چیز کے ساتھ کفر کیا جو میں محمد (ﷺ) پر نازل کی گئی ہے''۔[3]

صحابہ کرامؓ اور سلف صالحین بدشگونی کے سخت مخالف تھے اور جہاں بدشگونی کا شائبہ پیدا ہوتا وہاں سختی سے اس کے خلاف عمل کر کے دکھاتے، تاکہ لوگوں کے عقائد خراب نہ ہوں۔ اس سلسلہ میں چند ایک واقعات

---

(۱) سنن ابوداؤد: کتاب الطب: باب فی الطیرة(ح ۳۹۱۰)، جامع الترمذی (ح۱۶۱۴)، سنن ابن ماجه (ح۳۵۳۸)، صحیح ابن حبان (ح ۶۱۲۲)، مسند احمد (ج ۱ ص۴۳۸) حافظ ابن حجرؒ نے امام بخاریؒ کے استاد سلیمان بن حربؒ کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ اس روایت میں ''ومامنا......'' سے آخر تک کا کلام حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہے جو اس روایت میں ''مدرج'' کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ دیکھیے: فتح الباری (ج ۱۰ ص ۲۱۳)

(۲) صحیح بخاری: کتاب الطب: باب الجذام (ح۵۷۰۷)، صحیح مسلم(ح۲۲۲۰)

(۳) مسند بزار (ح۳۵۴۳)، المعجم الکبیر(ج۱۸ ص۳۵۵)

ملاحظہ فرمائیے:

☆......حضرت عکرمہؒ (تابعی) فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا تھا کہ اچانک ایک پرندہ چیختا ہوا گزرا تو لوگوں میں سے ایک شخص کہنے لگا خیر خیر (یعنی اس پرندے سے اچھائی کا شگون لیا) تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((مَا عِنْدَ هٰذَا لَا خَيْرَ وَلَا شَرٌّ))

''یعنی اس پرندے کا خیر وشر سے کوئی واسطہ نہیں''۔ (۱)

☆......علامہ ابن تیمیہؒ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ایک واقعہ ذکر کیا ہے کہ جب انہوں نے خوارج کے خلاف لڑائی کا پروگرام بنایا تو ایک نجومی آ کر کہنے لگا:

''اے امیر المؤمنین! چاند 'عقرب' میں ہے لہٰذا آپ کے لئے اس وقت اپنے ساتھیوں کو لے کر لڑائی کے لئے نکلنا مناسب نہیں۔'' حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ ''میں تو اللہ پر بھرسہ اور توکل کرتے ہوئے ضرور سفر کروں گا تا کہ تیری تکذیب ہو''۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لڑائی کے لئے کوچ فرمایا اور اس لڑائی میں اکثر و بیشتر خارجی مارے گئے اور آپ کو فتح نصیب ہوئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کامیابی پر بڑی خوشی ہوئی کیونکہ اس لڑائی کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشگوئی بھی موجود تھی، جو پوری ہوئی۔ (۲)

☆......ابن عبدالحکمؒ فرماتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیزؒ مدینہ سے سفر کے لئے نکلے جبکہ چاند 'عقرب' میں تھا تو میں نے اس سے برا شگون لیتے ہوئے ان کے اس وقت سفر کے لیے روانگی کو ناپسند کرتے ہوئے کہا کہ آج رات چاند کیسی خوبصورتی سے چمک رہا ہے۔ عمر بن عبدالعزیزؒ نے چاند کی طرف دیکھا اور (میرا مقصد بھانپ کر) فرمانے لگے کہ اس سے تمہاری مراد یہ ہے کہ چاند عقرب میں ہے اور مجھے اس وقت سفر کے لئے نہیں نکلنا چاہیے، لیکن سنو:

((اِنَّا لَا نَخْرُجُ بِشَمْسٍ وَلَا بِقَمَرٍ وَلٰكِنَّا نَخْرُجُ بِاللّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ))

''ہم شمس وقمر پر بھروسہ کر کے سفر نہیں کرتے بلکہ ہم اللہ وحدہٗ لاشریک پر توکل کر کے نکلتے ہیں''۔ (۳)

(۱) تفسیر قرطبی (ج۷ص۲۳۵) (۲) مجموعة الفتاوىٰ (ج۱۸ ص۱۰۹)

(۳) ابجد العلوم (ج۲ ص۳۶۸)

میرے ایک دوست بتاتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ آج تیار رہنا، کام سے واپسی پر فلاں جگہ دعوت پر جانا ہے۔ میری بیوی نے خوشی سے ہاں میں ہاں ملائی۔ مگر جب شام کو میں گھر پہنچا تو یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ وہ دعوت پر جانے کے لیے تیار نہیں۔ میں نے پوچھا کیا وجہ ہوئی؟ اس نے کہا کہ آج میں نے دو کالی بلیاں دیکھی ہیں اور میری امی کہا کرتی تھی کہ جس دن دو کالی بلیاں دیکھو اس دن بھول کر بھی گھر سے قدم باہر نہ نکالو کیونکہ اس دن نحوست اترتی ہے۔

میں نے کہا ٹھیک ہے تمہاری امی نے یہ کہا ہوگا لیکن ضروری نہیں کہ ان کا ہر کہا ہوا ٹھیک ہو۔ اگر ان کی بات قرآن وحدیث سے ثابت ہے تو ٹھیک ہے ورنہ ان کی بات کی کوئی حقیقت نہیں مگر میری بیوی آخر تک اپنی ضد پر اڑی رہی اور مجھے اکیلے ہی جانا پڑا۔ میں اس روز جس طرح گیا تھا، الحمدللہ اسی طرح صحیح سلامت واپس آ گیا۔ شاید میں بھی دعوت کے لیے باہر نہ جاتا کیونکہ اس دعوت میں جانا کوئی اتنا ضروری بھی نہیں تھا مگر میں اکیلا صرف اس لیے گیا کہ اپنی بیوی کو قائل کرسکوں کہ یہ تو ہم پرستانہ باتیں ہیں اور اسلامی عقائد کے منافی ہیں۔ لیکن اس کے بعد بھی کافی محنت اور دلائل سے میری توہم پرست بیوی کا عقیدہ ٹھیک ہوا۔

عورتوں میں جادو ٹونا اور تعویذ گنڈا:

عورتوں میں جادو ٹونا اور تعویذ گنڈا کی مصیبت بھی بڑی عام ہے۔ اس طرح کی چیزوں پر تو عورتوں کا یقین اتنا مضبوط ہو گیا ہے کہ شاید قرآن مجید پر بھی اتنا مضبوط یقین نہ رہا ہو!

عورتیں عام طور پر حسد کی بیماری میں مبتلا ہوتی ہیں اور اس حسد کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ گھروں میں آئے دن لڑائی جھگڑے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ دوسروں کا گھر برباد کرنے میں بعض عورتوں کو بڑا مزا آتا ہے۔ اس مقصد کے لیے یہ عورتیں نجومیوں، کاہنوں اور پیروں فقیروں کے پاس جاتی ہیں۔ ان سے جادوئی تعویذ لاکر دوسروں کے گھروں میں رکھواتی ہیں اور بالخصوص جس سے نفرت ہو اس پر جادو کرواتی ہیں۔

اس مقصد کے لیے انہیں پیسہ خرچ کرنا پڑے، محنت ومشقت کرنا پڑے وہ سب کچھ کر گزرتی ہیں اور یہ بھی نہیں سوچتیں کہ جو کام وہ کر رہی ہیں اس کا خود اپنے آپ کو کیا نقصان ہوگا۔ اپنے دین وایمان کا کیا بنے گا۔ آخرت میں اللہ کے سامنے کس منہ سے پیش ہوں گی۔ پھر سب سے بڑی بات یہ کہ ان جادوگروں اور نجومیوں کے پاس جانے والے کی چالیس دن تک نماز ہی قبول نہیں ہوتی۔ ایسی عورتوں کو اللہ سے

ڈرنا چاہیے اور اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیے، اور درج ذیل احادیث کا بغور مطالعہ کرنا چاہیے:

☆......((عَنْ صَفِيَّةَ عَنْ بَعْضِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَنْ أَتَى عَرَّافًا فَسَأَلَهُ عَنْ شَيْءٍ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَاةٌ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً))

''حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ کی کسی اور زوجہ مطہرہ سے روایت کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص کسی عراف (کاہن/عامل) کے پاس آیا اور اس سے کسی (غیبی) چیز کے متعلق سوال کیا، تو اس کی چالیس روز کی نماز قبول نہیں ہوگی۔''[1]

☆......((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَنْ أَتَى كَاهِناً أَوْ عَرَّافًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُولُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ))

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی کاہن یا عراف کے پاس آیا اور اس کی بات کی تصدیق کی تو گویا اس نے اس چیز (دین) کا کفر کیا جو محمد ﷺ پر نازل کی گئی۔''[2]

☆......((عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَأَلَ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَاسٌ عَنِ الْكُهَّانِ فَقَالَ: لَيْسَ بِشَيْءٍ فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ ﷺ: إِنَّهُمْ يُحَدِّثُونَنَا أَحْيَانًا بِشَيْءٍ فَيَكُونُ حَقًّا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ تِلْكَ الْكَلِمَةُ مِنَ الْحَقِّ يَخْطِفُهَا الْجِنِّيُّ فَيَقُرُّهَا فِي أُذُنِ وَلِيِّهِ فَيَخْلِطُونَ مَعَهَا مِائَةَ كَذْبَةٍ))

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ کچھ لوگوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے کاہنوں کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ تو کچھ بھی نہیں۔ لوگوں نے کہا: یارسول اللہؐ! یہ لوگ ہمیں جو باتیں بتاتے ہیں وہ کبھی کبھار بالکل سچ ثابت ہوتی ہیں، تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ ان کی جو بات سچ ثابت ہوتی ہے وہ صرف وہی بات ہے جو جن آسمان سے چرا کر اپنے کاہن دوست کے کان میں ڈال دیتا ہے اور کاہن (عامل) اس میں سینکڑوں جھوٹوں کی آمیزش کر ڈالتے ہیں۔''[3]

(۱) صحیح مسلم: کتاب السلام: باب تحریم الکهانة واتیان الکهان......(ح ۲۲۳۰)، مسند احمد (ج۴ص۶۸)، حلیة الاولیاء (ج۱۰ ص۴۰۶)، سنن بیهقی (ج۸ص۱۳۸)، المعجم الاوسط (ح ۱۴۲۴)، مجمع الزوائد (۱۱۸/۵) مسند بزار (ح۳۰۴۵)

(۲) مسند احمد (ج۲ص۴۲۹)، مستدرک حاکم (ج۱ ص۸) امام حاکم، ذہبی اور شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔

(۳) بخاری: کتاب الطب: باب الکهانة......(ح۵۷۶۲)، مسلم: کتاب السلام (ح۲۲۲۸)، احمد (ج۶ ص۸۷)

بعض روایات میں ہے کہ کاہن اس میں سو جھوٹ ملا کر لوگوں کو بتاتا ہے (جب اس کاہن کی ایک بات صحیح ثابت ہوتی ہے تو اس کے ماننے والوں کی طرف سے اس کی تصدیق کرتے ہوئے) کہا جاتا ہے کہ فلاں دن فلاں کاہن نے بالکل اسی طرح ہم سے نہیں کہا تھا؟! اسی ایک بات کے سچ نکلنے کی وجہ سے کہ جسے آسمانوں سے شیاطین نے سنا تھا (پھر کاہنوں اور جادوگروں کو بتائی تھی) لوگ ان کاہنوں وغیرہ کو سچا سمجھنے لگتے ہیں اور ان کی جھوٹی باتوں کی پروا نہیں کرتے۔[1]

دوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ نوے فیصد جادوگر، نجومی وغیرہ جھوٹے ہوتے ہیں اور ہاتھ کی صفائی سے لوگوں کو بے وقوف بنا کر پیسے بٹورتے ہیں۔ علاوہ ازیں بعض اوقات جادو الٹا بھی اثر کر دیتا ہے۔ ممکن ہے اپنا ہی کوئی عزیز اس جادو کا شکار ہو جائے۔ پھر ان جادوگروں کے پاس اگرچہ عام طور پر جاہل عورتیں ہی زیادہ جاتی ہیں مگر ان جاہل عورتوں کی بات تو دور ہے، میں بے شمار ایسی عورتوں کو بھی جانتا ہوں جو پڑھی لکھی سمجھی جاتی ہیں حتیٰ کہ بظاہر نماز روزے کی بھی پابند ہیں مگر اس کے باوجود ان کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ ٹونے ٹوٹکے کرتی ہیں۔ گھروں میں لڑائیاں پھیلاتی ہیں۔ لوگوں میں نفرت پیدا کرتی ہیں۔ ایسی عورتوں کو اللہ سے ڈرنا چاہیے اور اپنی اصلاح کر لینی چاہیے۔ ورنہ انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ ان کی نمازوں اور روزوں کا کوئی فائدہ نہیں......! ☆

............*

(۱) صحیح بخاری: کتاب التفسیر: باب قوله: حتى اذا فزع عن قلوبهم...... (ح ۴۸۰۰)

☆ عقیدۂ توحید کو سمجھنے کے لیے ہماری کتاب ''اللہ اور انسان'' اور جادو، جنات، وغیرہ کے علاج معالجے کے لیے ہماری کتاب ''عاملوں، جادوگروں اور جنات کا پوسٹ مارٹم'' کا مطالعہ مفید رہے گا...... مؤلف

باب۲:

عورت کا لباس، پردہ اور زیب وزینت

* ...... عورت اور احکامِ لباس
* ...... عورت اور احکامِ ستر وحجاب
* ...... عورت اور احکامِ زینت

......☆......

فصل ا:

عورت اور احکامِ لباس

لباس انسان کی فطرتی ضرورت ہے اس لیے کہ لباس انسان کی جن بنیادی ضروریات کی تکمیل کرتا ہے، وہ ضروریات انسان کی فطرت کا حصہ ہیں مثلاً انسان فطرتی طور پر حیادار واقع ہوا ہے اور اپنی حیا کے مقام چھپانے کے لیے اسے لباس کی ضرورت ہے۔ اسی طرح پاکیزگی، طہارت، نفاست، اور زیب وزینت وغیرہ انسان کی فطرت کا حصہ ہے، چنانچہ زیب وزینت اور بناؤ سنگھار کے لیے انسان لباس سے خاطر خواہ فائدہ اٹھاتا ہے۔ اسی طرح انسان موسمی اثرات مثلاً گرمی، سردی وغیرہ سے بچاؤ کے لیے بھی لباس کو بطور ہتھیار استعمال کرتا ہے۔

گویا سردی یا گرمی کی شدت سے بچاؤ، مقاماتِ شرم وحیا کا پردہ اور زیب وزینت یہ تینوں چیزیں لباس کے ذریعے انسان حاصل کرتا ہے۔ دینِ اسلام میں بھی لباس کے یہی تین بنیادی مقاصد بیان کیے گئے ہیں اور یہ تینوں چیزیں انسان کی فطرت میں داخل ہیں بشرطیکہ انسان کی فطرت سلیمہ گردشِ ایام سے مسخ نہ ہوئی ہو۔ آیئے قرآن وسنت کے دلائل کی روشنی میں ان تینوں پہلوؤں کا مطالعہ کریں۔

(ا)...... پردہ پوشی:

حضرت آدمؑ کو پہلے انسان ہونے کا اعزاز حاصل ہے اسی لیے آپ کو ابوالبشر (یعنی تمام انسانوں کا باپ) بھی کہا جاتا ہے۔ جب ایک لغزش کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ اور آپ کی بیوی حضرت حوا کو جنت سے نکال دیا اور آپ کو جنتی ملبوسات سے بھی محروم کر دیا تو آپ دونوں کی فطرت نے گوارا نہ کیا کہ آپ کے شرم وحیا کے مقامات ننگے رہیں، چنانچہ آپ دونوں نے پتوں کے ذریعے اپنا ستر ڈھانپنے کی کوشش کی۔ قرآن مجید نے اس واقعہ کو یوں بیان کیا ہے:

﴿ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ

النّٰصِحِیْنَ فَدَلّٰھُمَا بِغُرُوْرٍ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَۃَ بَدَتْ لَھُمَا سَوْاٰتُھُمَا وَطَفِقَا یَخْصِفٰنِ عَلَیْھِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّۃِ وَنَادٰھُمَا رَبُّھُمَآ اَلَمْ اَنْھَکُمَا عَنْ تِلْکُمَاالشَّجَرَۃِ وَاَقُلْ لَّکُمَآ اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمَاعَدُوٌّمُّبِیْنٌ قَالَا رَبَّنَاظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ﴾

''پھر شیطان نے ان دونوں کے دل میں وسوسہ ڈالا تاکہ ان کی شرمگاہیں جو ایک دوسرے سے چھپائی گئی تھیں، انہی کے سامنے کھول دے اور کہنے لگا: ''تمہیں تمہارے پروردگار نے اس درخت سے صرف اس لئے روکا ہے کہ کہیں تم فرشتے نہ بن جاؤ یا تم ہمیشہ یہاں رہنے والے نہ بن جاؤ''۔ پھر ان دونوں کے سامنے قسم کھائی کہ میں فی الواقع تمہارا خیر خواہ ہوں، چنانچہ ان دونوں کو دھوکہ دے کر آہستہ آہستہ اپنی بات پر مائل کر ہی لیا پھر جب انہوں نے اس درخت کو چکھ لیا تو ان کی شرمگاہیں ایک دوسرے پر ظاہر ہوگئیں اور وہ جنت کے پتے اپنی شرمگاہوں پر چپکانے لگے، اس وقت ان کے پروردگار نے انہیں کہا کہ: ''کیا میں نے تمہیں اس درخت سے روکا نہ تھا اور یہ نہ کہا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے؟'' وہ دونوں کہنے لگے: ''ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا اور اگر تو نے ہمیں معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم بہت نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے!''[الاعراف: ۲۰ تا ۲۳]

معلوم ہوا کہ ستر ڈھانپنا انسان کی اصل فطرت ہے اور اسے برہنہ کرنا شیطان کا کام ہے۔ لوگوں کو برہنہ یا نیم برہنہ کرکے شیطان بے حیائی کا ایک دروازہ کھول دیتا ہے پھر اس ایک دروازے سے برائی کی طرف بیسیوں اور دروازے خود بخود کھلتے چلے جاتے ہیں۔ مغربی معاشرہ اس کی واضح تر مثال کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔ اس معاشرہ میں انسان کی شرم وحیا والی فطرت شیطان نے مسخ کردی ہے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پورا مغربی معاشرہ انسانوں کی بجائے حیوانی معاشرہ بن کر رہ گیا۔ فواحش کی کثرت، کھلے عام بدکاری، ماں بہن کا تقدس ختم، خاندانی نظام تباہ، بچے برباد، بوڑھے والدین اولڈ ہومز میں وغیرہ وغیرہ۔

اسلام سے پہلے عرب میں بھی برہنگی کی یہی صورتحال پیدا ہوگئی تھی۔ عرب کی عورتیں نیم برہنہ حالت میں گھروں سے باہر گھومتی پھرتیں اور اسے کوئی عیب نہ سمجھا جاتا لیکن اسلام نے مسلمان عورتوں کو اس بے پردگی اور برہنگی سے روک دیا۔ اہل عرب کی برہنگی اور عریانی کی یہ حالت تھی کہ وہ بیت اللہ کا طواف بھی ننگے ہو کر کیا کرتے۔ حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ

”ان کا یہ دستور تھا کہ قریش کے سوا تمام اہل عرب بیت اللہ کا طواف اپنے پہنے ہوئے کپڑوں میں نہیں کرتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ کپڑے جنہیں پہن کر ہم اللہ کی نافرمانیاں کرتے رہے ہیں، اس قابل نہیں رہے کہ انہیں پہن کر طواف کیا جاسکے۔ ہاں قریش کے لوگ جو اپنے آپ کو حمس (یعنی بہادر) کہتے تھے، اپنے پہنے ہوئے کپڑوں میں طواف کرتے تھے اور (باہر سے آنے والے لوگوں میں سے) جن لوگوں کو قریش بطور ادھار کپڑے دے دیتے، وہ بھی ان کے دیئے ہوئے کپڑے پہن کر طواف کر لیتے۔ یا وہ شخص کپڑے پہنے طواف کر سکتا تھا جس کے پاس نئے کپڑے ہوں، پھر طواف کے فوراً بعد انہیں اس نیت سے اتار دیتا کہ اب یہ کسی کی ملکیت نہیں بن سکتے۔ چنانچہ جس کسی کے پاس نئے کپڑے نہ ہوتے یا قریش کے لوگ اسے کپڑے نہ دیتے تو وہ لازمی طور پر ننگا ہو کر طواف کرتا خواہ مرد ہوتا یا عورت البتہ عورت اپنی شرمگاہ کے آگے چھوٹا سا کپڑا رکھ لیتی۔“[۱]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عورت برہنہ ہو کر بیت اللہ کا طواف کرتی اور کہتی: کون ہے جو مجھے کپڑے کا ٹکڑا ادھار دے تا کہ میں اپنی شرمگاہ چھپا سکوں اور یہ شعر پڑھتی:

” الیوم یبدو بعضه او کله فمابدامنه فلا احله“

”آج شرمگاہ کا تھوڑا سا حصہ یا ساری شرمگاہ ہی ظاہر ہو جائے گی۔“

”اور جتنی بھی ظاہر ہو، میں اسے کسی (دیکھنے والے کے لیے) جائز نہیں کرتی۔“[۲]

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اسی (جاہلانہ رسم کے خاتمہ کے لیے) یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ ﴾[الاعراف:۳۱]

”(اے آدم کی اولاد!) تم مسجد کی ہر حاضری کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو۔“

مذکورہ بالا واقعات سے معلوم ہوا کہ اسلام میں پردہ پوشی کی اہمیت پر خصوصی زور دیا گیا ہے اور بے پردگی، برہنگی اور عریانیت کی مذمت کی گئی ہے۔ حتی کہ اگر کوئی شخص ننگا ہو تو اسلام دیکھنے والوں کو اس کا ستر دیکھنے سے منع کرتا ہے جیسا کہ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا يَنْظُرُ الرَّجُلُ اِلٰى عَوْرَةِ الرَّجُلِ وَلَا الْمَرْاَةُ اِلٰى عَوْرَةِ الْمَرْاَةِ))

---

(۱) تفسیر ابن کثیر: بذیل سورة الاعراف، ایت: ۳۱

(۲) مسلم: کتاب التفسیر: باب فی قوله تعالٰی: خذوا زینتکم عند کل مسجد (ح ۳۰۲۸)

’’کوئی شخص کسی دوسرے کی شرمگاہ نہ دیکھے اور نہ ہی کوئی عورت کسی دوسری عورت کی شرمگاہ دیکھے۔‘‘[1]

پردہ پوشی کے حوالے سے ایک مرتبہ ایک صحابی نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ! (گھر میں) ہم اپنا ستر کن سے چھپائیں اور کن سے نہ چھپائیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِحْفَظْ عَوْرَتَكَ اِلَّامِنْ زَوْجَتِكَ اَوْ مَامَلَكَتْ يَمِيْنُكَ))

’’اپنے ستر کو اپنی بیوی اور لونڈی کے علاوہ باقی سب سے چھپاؤ۔‘‘

صحابی فرماتے ہیں کہ میں نے پھر پوچھا: اے اللہ کے رسول! دوسرے لوگوں کی موجودگی میں آپؐ کیا حکم فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ لَّا يَرَيَنَّهَا اَحَدٌ فَلَا يَرَيَنَّهَا))

’’تم حسبِ استطاعت کوشش کرو کہ تمہارا ستر کوئی دیکھ نہ سکے۔‘‘

صحابی فرماتے ہیں کہ میں نے پھر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اگر ہم میں سے کوئی شخص بالکل اکیلا ہو تو پھر؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ يُّسْتَحْيٰ مِنْهُ مِنَ النَّاسِ))

’’لوگوں کی نسبت اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ حق رکھتے ہیں کہ آپ سے حیا کی جائے۔‘‘[2]

یعنی خلوت میں بھی بلاضرورت ننگے نہیں ہونا چاہیے۔

اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دیکھا کہ ایک آدمی کھلے میدان میں (سرعام) عریاں ہوکر نہا رہا ہے۔ آپ ﷺ (اس واقعہ کے بعد) منبر پر چڑھے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ حَيِيٌّ سِتِّيْرٌ يُحِبُّ الْحَيَاءَ وَالسَّتْرَ فَاِذَا اغْتَسَلَ اَحَدُكُمْ فَلْيَسْتَتِرْ))

’’یقیناً اللہ تعالیٰ بہت زیادہ حیادار اور پردہ دار ہیں، شرم وحیا اور پردے کو پسند کرتے ہیں لہٰذا جب تم میں سے کوئی شخص غسل کرے تو اسے چاہیے کہ لوگوں سے اوٹ (پردہ) کرلیا کرے۔‘‘[3]

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس کچھ عورتیں آئیں۔ آپؓ نے پوچھا کہ تم کس علاقے سے تعلق

---

(۱) مسلم: کتاب الحیض: باب تحریم النظر الی العورات (ح۳۳۸)

(۲) ابوداؤد: کتاب الحمام: باب ما جآء فی التعری (ح۴۰۱۷)، ترمذی (۲۷۶۹)، ابن ماجه (ح۱۹۲۰)

(۳) ابوداؤد: کتاب الحمام: باب النهی عن التعری (ح۴۰۱۲)

رکھتی ہو؟ انہوں نے کہا شام سے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ تم شام کے اس ضلع (حصہ) سے تعلق تو نہیں رکھتیں، جہاں عورتیں بھی (باہر) حمام میں جاتی ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں، ہم اسی علاقے سے تعلق رکھتی ہیں تو حضرت عائشہؓ نے ان سے کہا کہ میں نے اللہ کے رسول سے یہ حدیث سنی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَامِنْ اِمْرَأَةٍ تَخْلَعُ ثِيَابَهَا فِيْ غَيْرِ بَيْتِهَا اِلَّا هَتَكَتْ مَابَيْنَهَا وَبَيْنَ اللّٰهِ))

''جو عورت اپنے گھر (کی خلوت) کے علاوہ (باہر لوگوں کے سامنے) اپنے کپڑے اتارتی ہے، وہ اس پردے کو تار تار کر دیتی ہے جو اس کے اور اس کے رب کے درمیان ہے۔''[1]

(۲)......سردی گرمی اور موسمی تغیرات سے بچاؤ:

پردہ پوشی کے بعد انسان یہ بھی چاہتا ہے کہ وہ اپنے جسم کو موسم کی شدت سے بچائے اور صحت مند رہے۔ چنانچہ سردی کی شدت سے بچاؤ کے لیے انسان موٹے اور گرم کپڑے استعمال کرتا ہے۔ اس کے ساتھ گرم جرابیں، موزے، سویٹر، جیکٹ، کمبل، قالین، رضائی وغیرہ بھی اپنے استعمال میں لاتا ہے۔ اگر انسان سردی کی شدت میں گرم ملبوسات کا اہتمام نہ کرے تو وہ فوراً سردی کا شکار ہو جائے۔ اسی طرح گرمی کی شدت اور دیگر موسمی تغیرات سے بچاؤ کے لیے بھی انسان مناسب کپڑے استعمال کرتا ہے اور یہ انسان کی ضرورت ہے۔ اس ضرورت کو قرآن مجید نے نہ صرف یہ کہ لباس کے ایک مقصد کی حیثیت سے تسلیم کیا ہے بلکہ یہ بھی کہا کہ موسمی تغیرات سے بچاؤ کے لیے استعمال کیے جانے والے لباس اللہ تعالیٰ ہی نے تمہیں عنایت کیے ہیں، اسی کی پیدا کردہ چیزوں اور اسی کی عطا کردہ ذہانت سے تمہارے لیے ان تک رسائی ممکن ہو سکی ہے، لہٰذا اس پر اللہ کا شکر کرو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيلَ تَقِيكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيلَ تَقِيكُم بَأْسَكُمْ كَذَٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُونَ ﴾[النحل:۸۱]

''اور اسی نے تمہارے لیے ایسی قمیصیں بنائی ہیں جو تمہیں گرمی سے بچاتی ہیں اور ایسی قمیصیں بھی جو جنگ میں تمہارے کام آئیں۔ وہ اسی طرح اپنی پوری پوری نعمتیں تمہیں دے رہا ہے تاکہ تم فرماں بردار بن جاؤ۔''

(۱) ابوداؤد: ایضا(ح۴۰۱۰)

(۳)......زیب وزینت:

انسان فطرتی طور پر حسن و جمال کو پسند بھی کرتا ہے اور اپنے حسن کو مزید نکھارنے اور اپنے عیوب چھپانے کے لیے مختلف طور طریقے بھی اختیار کرتا ہے۔ لباس بھی انسان کی شخصیت میں نکھار پیدا کرنے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ لباس کے ذریعے زیب وزینت اختیار کرنے کی قرآن مجید نے اس طرح سے حوصلہ افزائی کی ہے:

﴿ يَـٰبَنِىٓ ءَادَمَ قَدْ أَنزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُوَٰرِى سَوْءَٰتِكُمْ وَرِيشًا وَلِبَاسُ ٱلتَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ ﴾

[الاعراف:۲٦]

''اے آدم کی اولاد! ہم نے تمہارے لیے لباس پیدا کیا جو تمہاری شرم گاہوں کو بھی چھپاتا ہے اور باعث زینت بھی ہے، اور تقویٰ کا لباس تو اس سے بھی بڑھ کر ہے۔''

یہاں خود اللہ تعالیٰ نے یہ بات بیان فرمائی ہے کہ میں نے لباس کو تمہارے لیے زیب وزینت کا ذریعہ بنایا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ تقوی کا لباس ہی بہترین ہے۔ یہاں گویا ایک اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ لباس کے ذریعے زیب وزینت اختیار کرتے ہوئے کہیں دل میں تکبر، شہرت اور نمود ونمائش کی بیماری پیدا نہ ہو جائے بلکہ اللہ کا خوف ہر وقت موجود رہنا چاہیے۔ اس طرح خواہ کتنا ہی مہنگا لباس کیوں نہ ہو اسے پہننے سے اسلام منع نہیں کرتا لیکن اس کے ساتھ یہ شرائط بھی طے کی گئی ہیں:

تکبر کی نیت نہ ہو۔ نمود ونمائش مقصود نہ ہو۔ ممنوعہ کپڑے (جیسے مرد کے لیے ریشم وغیرہ) کا لباس نہ ہو۔ چوری کا لباس نہ ہو۔ اتنا باریک لباس نہ ہو کہ ستر دکھائی دے۔ اتنا تنگ اور چست لباس نہ ہو کہ ستر والے اعضاء نمایاں ہو رہے ہوں۔

یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ اگر کوئی شخص صاحب حیثیت ہونے کے باوجود اچھا لباس نہ پہنے تو اس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں کیونکہ اچھا لباس بھی اللہ کی ایک نعمت ہے۔ مال ودولت رکھنے کے باوجود ایک شخص ردی اور بدہیئت لباس ہی پہنے رکھے تو یہ گویا اللہ کے انعامات کی ناشکری ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ ابو احوص کے والد فرماتے ہیں کہ میں انتہائی ردی کپڑے پہنے اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا:

((اَلَكَ مَالٌ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: مِنْ اَىِّ الْمَالِ؟ قَالَ: قَدْ اٰتَانِىَ اللّٰهُ مِنَ الْاِبِلِ وَالْغَنَمِ وَالْخَيْلِ وَالرَّقِيْقِ، قَالَ: فَاِذَا آتَاكَ اللّٰهُ مَالًا فَلْيُرَى اَثَرُ نِعْمَةِ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَكَرَامَتِهِ))

''کیا تمہارے پاس کوئی مال ہے؟ میں نے کہا جی ہاں۔ آپ نے پوچھا کس طرح کا مال ہے؟ فرماتے ہیں، میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اونٹ، بھیڑ بکریاں، گھوڑے اور غلام ہر طرح کا مال دے رکھا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تجھے اللہ تعالیٰ نے (اتنا) مال عطا کر رکھا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے انعامات کا اثر بھی تمہاری (ظاہری) حالت سے نمایاں ہونا چاہیے۔''(۱)

یعنی اتنا مال ہونے کے باوجود انسان کو اس طرح کی وضع اختیار نہیں کرنی چاہیے کہ دیکھنے والا یہ سمجھے کہ شاید یہ فقیر اور بھیک مانگنے والا ہے۔

اسی طرح یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ مذکورہ بالا حدیث کا یہ معنی نہیں کہ انسان کبھی ہلکے، سستے یا پیوند لگے کپڑے پہنے ہی نہیں بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ انسان کے پاس اگر وسائل ہوں تو اسے تکبر اور شہرت سے بچتے ہوئے اچھے کپڑے بھی پہننے چاہییں اور ان پر بھی اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ خود آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات وواقعات سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب ان کے پاس وسائل ہوتے تو عمدہ اور نفیس کپڑے بھی پہنتے۔ اور پیوند لگے کپڑے بھی وہ پہن لیا کرتے تھے۔

ملبوسات کے استعمال میں حالات کو بھی بڑا دخل ہے یعنی بعض حالات اور مواقع ایسے ہوتے ہیں جہاں اچھے سے اچھا کپڑا پہننا چاہیے مثلاً عید یا خوشی یا کسی سے ملاقات کے موقع پر۔ خود آنحضرت ﷺ ایسے مواقع پر عمدہ لباس زیب تن فرمایا کرتے تھے، جبکہ عام حالات میں آپ ﷺ سادہ لباس اختیار کرتے۔

یہ تو تھے لباس کے بنیادی مقاصد، اب ہم لباس کے حوالے سے وہ احکام وقوانین بیان کریں گے جو براہ راست خواتین سے متعلقہ ہیں۔

(۱)......لباس سے ستر چھپایا جائے:

لباس کے سلسلہ میں سب سے پہلا اسلامی اصول یہ ہے کہ ایسا لباس پہنا جائے جو ستر کو چھپانے والا ہو۔ عورت کے ستر سے مراد جسم کا وہ حصہ ہے جسے خاوند کے علاوہ ہر دوسرے شخص سے چھپانا ضروری ہے خواہ وہ والدین ہوں یا دوسرے بہن بھائی وغیرہ۔ عورت کے چہرے اور ہاتھ پاؤں کے علاوہ باقی سارا جسم مقام

(۱) ابوداؤد: کتاب اللباس: باب فی غسل الثوب (ح ۴۰۶۳)

ستر کی حیثیت رکھتا ہے۔اس لیے گھر کی چار دیواری میں عورت اپنے چہرے اور ہاتھ پاؤں کے علاوہ سارا جسم چھپا کر رکھے۔شرمگاہ چھپانے کی احادیث ہم پیچھے بیان کر آئے ہیں،اب یہاں سینہ چھپانے کی دلیل بھی ملاحظہ فرمالیں۔قرآن مجید میں ستر کے احکام میں مذکور ہے:

﴿ وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَىٰ عَوْرَاتِ النِّسَاءِ ﴾ [النور:٣١]

''(اے نبیؐ!) مومن عورتوں سے کہیے کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو ظاہر ہے اور اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیاں ڈالے رکھیں اور اپنی آرائش کو (کسی کے سامنے) ظاہر نہ کریں سوائے اپنے خاوندوں کے یا اپنے والد کے یا اپنے خسر کے یا اپنے بیٹوں کے یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے یا اپنے بھائیوں کے یا اپنے بھتیجوں کے یا اپنے بھانجوں کے یا اپنے میل جول کی عورتوں کے یا غلاموں کے یا ایسے نوکر چاکر مردوں کے جو شہوت والے نہ ہوں یا ایسے بچوں کے جو عورتوں کے پردے کی باتوں سے مطلع نہیں۔''

اس آیت میں ایک تو سینہ چھپانے کا واضح حکم دیا گیا ہے اور ایک عمومی حکم یہ دیا گیا کہ عورت اپنی زینت ظاہر نہ کرے۔ پھر اس عمومی حکم سے دو چیزوں کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ایک تو یہ چیز کہ جو زینت خود بخود ظاہر ہو جائے، وہ مستثنیٰ ہے اور دوسرا یہ کہ محرم رشتہ داروں کو اس حکم سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا یعنی ان کے سامنے زینت ظاہر ہو جائے تو کوئی حرج نہیں اور ظاہر ہے اس زینت سے شرمگاہ اور سینہ کی بجائے عورت کا بناؤ سنگھار، زیورات اور اس نوعیت ہی کی دوسری چیزیں مراد ہو سکتی ہیں کہ جنہیں محرموں سے چھپانا ضروری نہیں۔

مذکورہ بالا آیت کے یہ الفاظ: ((إِلَّا مَا ظَهَرَ)) ''یعنی جو زینت خود بخود ظاہر ہو جائے (وہ بھی مستثنیٰ ہے)'' اس کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ سے یہ منقول ہے کہ ((إِلَّا مَا ظَهَرَ)) سے چہرہ اور ہاتھ مراد ہیں۔ [1]

(١) مصنف ابن ابی شیبة (ج ۴ص ۹۷۳)

لیکن واضح رہے کہ یہ حکم گھر کی چار دیواری میں ہے جہاں صرف محرم رشتہ دار اور خاوند موجود ہو۔ اگر گھر میں دیگر غیر محرم رشتہ دار مثلاً دیور، جیٹھ وغیرہ رہتے ہوں تو پھر ہاتھوں اور چہرے کا پردہ بھی کیا جائے گا۔ اسی طرح گھر سے باہر کسی ضرورت کے لیے نکلنا پڑے تو پھر بھی چہرہ سمیت سارے جسم کا پردہ کرنا پڑے گا۔ یعنی ستر کی حدود میں چہرہ اور ہاتھ پاؤں شامل نہیں مگر حجاب میں یہ چیزیں بھی شامل ہیں۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ ستر محرم رشتہ داروں سے چھپایا جاتا ہے اور غیر محرموں سے ستر سے بڑھ کر حجاب بھی کیا جاتا ہے۔

(۲)......عورت زینت والا لباس پہن کر باہر نہ نکلے:

عورت کے لیے زینت والا لباس پہننا ممنوع تو نہیں لیکن ایسا لباس پہن کر غیر محرموں کے سامنے نکلنا ضرور ممنوع ہے حتیٰ کہ حجاب کے لیے اوڑھی جانے والی بڑی چادر یا برقع بھی بذات خود زینت والا نہیں ہونا چاہیے۔ ورنہ حجاب کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ بعض عورتیں پردے کے لیے برقعہ کا اہتمام تو ضرور کرتی ہیں مگر ان کا برقعہ ایسا نقش و نگار والا ہوتا ہے کہ ہر شخص کی نگاہ خود بخود اس طرف اٹھتی چلی جاتی ہے۔ اسی طرح بعض عورتیں برقعے سے نقاب اس انداز سے کرتی ہیں کہ آنکھوں کے ساتھ چہرے کا بڑا حصہ بھی صاف نظر آ رہا ہوتا ہے حالانکہ یہ دونوں چیزیں غلط ہیں اور اس آیت کے منافی ہیں:

﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَاتَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى﴾[الاحزاب:۳۳]

''اپنے گھروں میں ٹکی رہو اور (بوقت ضرورت گھر سے نکلتے ہوئے) دورِ جاہلیت کی طرح کا بناؤ سنگھار نہ کرو۔''

دورِ جاہلیت میں عورتیں اپنے حسن کی نمائش کے لیے قصداً اس طرح کا لباس پہنتیں جس سے چہرہ، گلا، سینے کا بالائی حصہ، بازو وغیرہ صاف نمایاں ہوتے پھر ان پر مزید زیب و زینت، زیورات اور بناؤ سنگھار کا اضافہ کیا جاتا اور اسی حالت میں وہ مردوں میں آ جاتی تھیں۔ اس سے مردوں کے جذبات برانگیختہ ہوتے اور معاشرے میں فحاشی و بے حیائی پھیلتی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمان عورتوں کو ایسا کرنے سے سخت منع فرما دیا۔ ایک حدیث میں ہے:

((ثَلَاثَةٌ لَاتَسْأَلُ عَنْهُمْ: رَجُلٌ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ وَعَصٰى اَمَامَهُ وَمَاتَ عَاصِيًا وَاَمَةٌ اَوْعَبْدٌ اَبَقَ فَمَاتَ وَامْرَاَةٌ غَابَ عَنْهَا زَوْجُهَا قَدْ كَفَاهَا مُؤْنَةَ الدُّنْيَا فَتَبَرَّجَتْ بَعْدَهُ فَلَا تَسْأَلُ عَنْهُمْ))(۱)

(۱) احمد (ج۶ ص۱۹)، حاکم (ج۱ ص۱۱۹) امام حاکم اور ذہبی نے اسے صحیح کہا ہے۔ حجاب المرأة، البانی (ص۵۴)

”تین طرح کے لوگوں (کی ہلاکت) کے بارے میں نہ پوچھو! (۱) ایک وہ شخص جس نے ملی اجتماعیت سے خروج کیا اور خلیفۂ وقت کی نافرمانی کی اور نافرمانی ہی میں فوت ہوا۔ (۲) دوسرا وہ غلام یا لونڈی جس نے مالک کی نافرمانی کی اور اسی حال میں مرا۔ (۳) تیسری وہ عورت جسے اس کا خاوند ضروریاتِ زندگی فراہم کر کے کہیں کام (جہاد، یا کاروبار وغیرہ) کے لیے چلا گیا اور وہ اس کے پیچھے بن سنور کر گھر سے باہر نکلتی ہے۔ ان کی ہلاکت (یقینی ہے لہذا ان) کے بارے میں کچھ نہ پوچھو۔“

اللہ کے رسول ﷺ دورِ جاہلیت کے رسم و رواج کی بیخ کنی فرمانے کے لیے عورتوں سے بے پردگی سے اجتناب کی بیعت (وعدہ) لیا کرتے تھے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت امیمہ رضی اللہ عنہا اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آئی تا کہ اسلام پر آپ ﷺ کی بیعت کر لے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((اُبَایِعُكَ عَلٰی اَنْ لَاتُشْرِکِیْ بِاللّٰہِ شَیْئًا وَلَاتَسْرِقِیْ وَلَاتَزْنِیْ وَلَاتَقْتُلِیْ وَلَدَكِ وَلَاتَاْتِیْ بِبُھْتَانٍ تَفْتَرِیْنَہٗ بَیْنَ یَدَیْكِ وَرِجْلَیْكِ وَلَاتَنُوْحِیْ وَلَاتَبَرَّجِیْ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ))

”میں تجھ سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ گی، زنا نہیں کرو گی، اولاد کو قتل نہیں کرو گی، خود ہی بہتان گھڑ کر کسی پر الزام نہیں لگاؤ گی، نوحہ نہیں کرو گی اور دورِ جاہلیت کی طرح بے پردگی کا مظاہرہ نہیں کرو گی۔“(۱)

(۳)......عورت کا لباس تنگ اور چست نہ ہو:

خاوند کے علاوہ باقی محرم لوگوں کے سامنے عورت کو اتنا باریک لباس پہن کر نہیں آنا چاہیے جس سے اس کے جسم کے اُبھار نمایاں اور مقاماتِ ستر بے پردہ ہو رہے ہوں۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے ایک موٹی قبطی چادر دی جو دحیہ کلبی نے آپ کو بطور تحفہ بھیجی تھی۔ میں نے وہ چادر اپنی بیوی کو پہنا دی۔ بعد میں آنحضرت ﷺ نے مجھ سے پوچھا کہ تم نے وہ چادر استعمال کیوں نہ کی؟ میں نے کہا کہ وہ میں نے اپنی بیوی کو دے دی ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((مُرْهَا فَلْتَجْعَلْ تَحْتَهَا غِلَالَةً فَاِنِّیْ اَخَافُ اَنْ تَصِفَ حُجْمَ عِظَامِهَا))(۲)

---

(۱) احمد (ج۲ ص۱۹۶)، مجمع الزوائد (ج۶ ص۳۶) حافظ ہیثمیؒ اور شیخ البانیؒ نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ حجاب المرأة المسلمة، از البانیؒ (ص۵۵)

(۲) الاحادیث المختارة (ج۱ ص۱۴۴) احمد، بیہقی، ابوداؤد، بحوالہ حجاب المرأة المسلمة (ص۶۰)

''اُسے کہنا کہ اس چادر کو اوڑھنے سے پہلے جسم پر 'غلالہ' ضرور پہنے ورنہ مجھے خدشہ ہے کہ وہ چادر اس کے جسم کی ہڈیاں (یعنی ابھار وغیرہ) نمایاں کرے گی۔''

'غلالہ' دراصل اس کپڑے کو کہا جاتا ہے جو عورتیں لباس کے نیچے اس لیے پہنتی ہیں کہ اس سے جسم کے اَوصاف اور اُبھار نمایاں نہ ہوں۔

ہشام بن عروہ فرماتے ہیں کہ منذر بن زبیر جب عراق سے واپس آئے تو انہوں نے حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کی طرف ایک عراقی لباس بھیجا جو بڑا ملائم تھا۔ حضرت اسماءؓ کی اس وقت بینائی جا چکی تھی چنانچہ انہوں نے اپنے ہاتھ سے اس لباس کو چھوا تو کہنے لگیں اُف! یہ لباس انہیں واپس بھیج دو۔ جب وہ لباس کا تحفہ واپس منذر کے پاس پہنچا تو وہ پریشان ہوئے اور (آ کر) حضرت اسماء رضی اللہ عنہما سے پوچھنے لگے: اماں جان! اسے پہننے سے جسم نظر نہیں آتا۔ حضرت اسماءؓ فرمانے لگیں: اگر اسے پہن کر جسم نظر نہیں آتا تو اس سے جسم کے اعضا تو لازماً نمایاں ہوتے ہوں گے۔[1]

عبداللہ بن ابی سلمہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو قبطی (مصری) لباس پہننے کے لیے دیئے اور پھر فرمایا اسے اپنی عورتوں کو نہ پہنانا۔ ایک آدمی کہنے لگا امیر المؤمنین! میں نے تو اپنی بیوی کو وہ پہنایا ہے اور اس کے بعد میرا گھر میں آنا جانا بھی ہوا ہے مگر میں نے تو نہیں دیکھا کہ اس سے جسم نظر آتا ہو۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: اگر اس سے جسم نظر نہ آئے تو جسم کے ابھار تو ظاہر ہوں گے۔''[2]

(۴)......عورت کا لباس پتلا اور باریک نہ ہو:

عورت کا لباس اتنا باریک اور پتلا بھی نہیں ہونا چاہیے کہ اس سے جسم کا اندرونی حصہ دکھائی دے رہا ہو۔ عام طور پر بدکارہ وفاحشہ قسم کی عورتیں اس طرح کا لباس پہنتی ہیں تا کہ لوگوں کو دعوتِ نظارہ دیں اور اپنے حسن کی نمائش کریں۔ ایسی عورتوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے اور انہیں جہنم کی وعید بھی سنائی ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((صِنْفَانِ مِنْ أَهْلِ النَّارِ لَمْ أَرَهُمَا بَعْدُ ، نِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ مَائِلَاتٌ مُمِيلَاتٌ عَلَى رُؤُوسِهِنَّ كَأَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ لَا يَرَيْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَجِدْنَ رِيحَهَا وَرِجَالٌ مَعَهُمْ أَسْوَاطٌ

(۱) طبقات ابن سعد (ج۸، ص ۱۸۳)، حجاب المرأة (ص ۵۷) شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔

(۲) بیہقی (ج ۲ ص ۲۳۴، ۲۳۵)، حجاب المرأة (ص ۵۸)

كَاَذْنَابِ الْبَقَرِ يَضْرِبُوْنَ بِهَا النَّاسِ))

''دوقسم کے لوگ آگ میں جانے والے ہیں جو ابھی تک مجھے نہیں دکھائے گئے۔ (ایک تو) ایسی عورتیں ہیں جو کپڑے پہننے کے باوجود ننگی رہتی ہیں، یہ مائل ہونے والی اور (لوگوں کو) مائل کرنے والی ہیں، ان کے سروں پر (جوڑے) بختی اونٹوں کے کوہانوں کی طرح حرکت کرتے ہوں گے۔ یہ جنت کو دیکھیں گی نہ اس کی خوشبو پا سکیں گی اور (دوسرے) کچھ آدمی ہیں جن کے پاس بیلوں کی دموں کی طرح کوڑے (لاٹھیاں) ہیں جن کے ساتھ وہ لوگوں کی پٹائی کرتے ہیں۔''(۱)

حضرت ام علقمہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکر بن عبدالرحمٰن کی بیٹی حفصہ کو دیکھا کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی اور اس نے اتنی باریک اوڑھنی لے رکھی تھی جس میں سے اس کی پیشانی صاف دکھائی دیتی تھی چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے وہ اوڑھنی لے کر پھاڑ دی اور کہا: کیا تمہیں معلوم نہیں جو سورۂ نور میں اللہ تعالیٰ نے (پردے کے بارے میں) نازل کیا ہے؟ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک (موٹی) اوڑھنی منگوا کر انہیں اوڑھا دی۔(۲)

(۵)......عورت لباس پر خوشبو لگا کر باہر نہ نکلے:

اگر عورت کا گزر غیر محرموں کے پاس سے ہو یا گھر میں غیر محرم رشتہ دار بھی رہتے ہوں تو ایسی صورت میں عورت کو پھیلنے والی خوشبو لگانے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ ایسی خوشبو عورت کے لیے ہر حال میں ممنوع ہے بلکہ اگر غیر محرموں کی موجودگی نہ ہو تو گھر کی چار دیواری میں عورت بھی ایسی خوشبو استعمال کر سکتی ہے لیکن چار دیواری سے باہر خوشبو لگا کر نکلنے والی عورت کے بارے میں بڑے سخت الفاظ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سرزنش فرمائی ہے، اس سلسلہ کی چند احادیث ملاحظہ ہوں:

((عن ابی موسیٰ عن النبی قال: كُلُّ عَيْنٍ زَانِيَةٌ وَالْمَرْأَةُ اِذَااسْتَعْطَرَتْ فَمَرَّتْ بِالْمَجْلِسِ فَهِيَ كَذَا وَكَذَا يَعْنِي زَانِيَةً))(۳)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہر آنکھ زنا کرتی ہے اور وہ عورت

(۱) مسلم (۲/۱۵۳)، احمد (۲/۳۶۹، ۵۸۱)، سنن کبریٰ (۲/۲۳۴)، شرح السنة (۲/۱۵۳)، مؤطا (۲/۹۱۳)

(۲) طبقات ابن سعد (ج۸ ص۴۶)، مؤطا (ج۳ ص۱۰۳)، سنن بیهقی (ج۲ ص۲۳۵)، حجاب المرأة (ص۵۷)

(۳) ترمذی: کتاب الادب: باب ما جآء فی کراهية خروج المرأة متعطرة (ح۲۷۸۶)

جو خوشبو لگا کر مردوں کی جگہ سے گزرتی ہے وہ ایسی اور ایسی ہے۔'' آپ کی مراد یہ تھی کہ وہ بدکارہ اور زانیہ ہے۔ (یعنی یہ کام بدکارہ اور فاحشہ عورتوں کا ہے۔)

((عن زینب امرأة عبدالله قالت قال لنا رسول الله ﷺ: اِذَاشَهِدَتْ اِحْدَاكُنَّ الْمَسْجِدَ فَلَاتَمَسَّ طِيْبًا))

''حضرت زینب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہم عورتوں سے کہا کہ جب تم میں سے کوئی عورت مسجد آنا چاہے تو وہ خوشبو نہ لگائے۔''[1]

((عن ابی هريرةؓ ان امرأة مرت به تعصف ريحها فقال ياامة الجبار! المسجد تريدين ؟ قالت نعم قال وله تطيبت ؟قال نعم قال فارجعي فاغتسلي فاني سمعت رسول الله يقول: مَامِنْ اِمْرَأَةٍ تَخْرُجُ اِلَى الْمَسْجِدِ تَعْصِفُ رِيْحَهَا فَيَقْبَلُ اللّٰهُ مِنْهَا صَلَاةً حَتّٰى تَرْجِعَ اِلٰى بَيْتِهَا فَيَغْتَسِلَ))

''حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک عورت گزری جس سے خوشبو مہک رہی تھی تو انہوں نے کہا اے اللہ کی بندی! کیا تم مسجد کی طرف جارہی ہو؟ اس عورت نے کہا ہاں، ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے کہا کیا تم نے مسجد کے لیے خوشبو لگائی ہے؟ اس عورت نے کہا ہاں۔ آپ نے کہا، واپس جاؤ اور جا کر غسل کرو کیونکہ میں نے اللہ کے رسول سے سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو عورت مسجد کی طرف خوشبو بکھیرتے ہوئے جائے، اس کی اس وقت تک کوئی نماز قبول نہیں جب تک کہ وہ واپس گھر جا کر غسل نہ کرلے۔''[2]

غسل کرنے کا حکم اس لیے دیا کہ اس دور میں بعض خوشبوئیں کچھ اس طرح سے تیار کی جاتی تھیں کہ انہیں جسم اور کپڑوں پر لگایا جاتا تھا اور اتارنے کے لیے نہانا پڑتا تھا۔

(۲)......عورت مردانہ وضع کا لباس نہ پہنے:

عورتوں کا لباس مردوں کی مشابہت والا نہیں ہونا چاہیے، جو عورتیں صنفِ مخالف کی مشابہت اختیار کرتے

(۱) صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ: باب خروج النسآء الی المساجد اذا لم یترتب علیه فتنة (ح ۱۴۳ــ۱۴۲)

(۲) السنن الکبری للبیهقی (ج۳ص۱۳۳، ۲۴۶)، الترغیب والترهیب (ج۳ص۹۴)، حجاب المرأة (ص ۶۴) میں شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔

ہوئے ان جیسا لباس استعمال کرتی ہیں ان پر آنحضرت ﷺ نے لعنت فرمائی ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

((لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ الرَّجُلَ یَلْبَسُ لِبْسَةَ الْمَرْأَةِ وَالْمَرْأَةَ تَلْبَسُ لِبْسَةَ الرَّجُلِ))

''اللہ کے رسول ﷺ نے عورتوں کا لباس پہننے والے مرد پر اور مردوں جیسا لباس پہننے والی عورت پر لعنت فرمائی ہے۔''(۱)

اسی طرح ایک اور روایت میں ہے:

((لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ الْمُتَشَبِّهِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ وَالْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ))

''اللہ کے رسول ﷺ نے ان مردوں پر لعنت فرمائی ہے جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں اور ان عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو مردوں کی مشابہت کرتی ہیں۔''(۲)

............*

(۱) ابوداؤد: کتاب اللباس: باب فی لباس النسآء (۴۰۹۸) مسند احمد (ج۲ ص۳۲۵)، مستدرک حاکم (ج۴ ص۱۹۴)

(۲) صحیح بخاری: کتاب اللباس: باب المتشبھین بالنسآء والمتشبھات بالرجال (ج۵۸۸۵)

فصل ۲:

عورت اور ستر وحجاب

عورت کے ستر سے مراد جسم کا وہ حصہ ہے جسے خاوند کے علاوہ ہر دوسرے شخص سے چھپانا ضروری ہے خواہ وہ والدین ہوں یا دوسرے بہن بھائی وغیرہ۔ عورت کے چہرے اور ہاتھ پاؤں کے علاوہ باقی سارا جسم مقامِ ستر کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لیے گھر کی چاردیواری میں عورت اپنے چہرے اور ہاتھ پاؤں کے علاوہ باقی سارا جسم دوسروں سے چھپا کر رکھے۔ واضح رہے کہ یہ حکم اس گھر کی چاردیواری میں ہے جہاں صرف محرم رشتہ دار اور خاوند موجود ہو۔ اگر گھر میں دیگر غیر محرم رشتہ دار مثلاً دیور، جیٹھ وغیرہ بھی رہتے ہوں تو پھر چہرے کا پردہ بھی کیا جائے گا۔ اسی طرح گھر سے باہر کسی ضرورت کے لیے نکلنا پڑے تو اس وقت بھی چہرہ سمیت سارے جسم کا پردہ کرنا پڑے گا۔ آئندہ سطور میں ہم حجاب کے دلائل ذکر کریں گے:☆

حجاب کے بارے میں قرآنی دلائل:

(۱)......﴿وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ﴾

''اور جب تم ان (یعنی ازواج مطہرات) سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو، یہ تمہارے اور ان کے دلوں کی کامل پاکیزگی ہے۔'' [الاحزاب:۵۳]

اگرچہ اس آیت میں مسئلہ حجاب کے حوالے سے اَزواجِ مطہرات سے خطاب کیا گیا ہے، مگر اس کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ یہ حکم بھی خاص اُنہی کے لیے ہے، دیگر عورتوں کے لیے نہیں بلکہ یہ حکم ازواجِ مطہرات کے ساتھ دیگر خواتین کو بھی شامل ہے۔ البتہ امت کی ماؤں سے اس مسئلہ کے آغاز کی حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ مسئلہ مذکور کا تعلق چونکہ خواتین سے تھا اور تھا بھی یہ ایک اہم مسئلہ، اس لیے ضروری محسوس ہوا کہ اس کی ابتداء نبی اکرم ﷺ کے گھرانے سے کی جائے۔ ورنہ قرآن وسنت میں کہیں یہ مذکور نہیں کہ غیر محرم سے حجاب کا حکم خاص اَزواجِ مطہرات کے لیے ہے اور نہ ہی صحابہ کرامؓ، تابعین عظامؒ اور متقدم علماء وفقہاء میں سے کسی نے یہ بات کی ہے۔ اس کے برعکس درج ذیل آیت میں ازواج مطہرات کے ساتھ دیگر

☆ ...... ستر وحجاب کے سلسلہ میں مزید تفصیلات اور شبہات کے ازالہ کے لیے ملاحظہ ہو ہماری کتاب: ''ملبوسات''

خواتین کو بھی پردے کا حکم دیا گیا ہے:

(۲)......﴿ يَآ اَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَا بِيْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾[الاحزاب:۵۹]

''اے نبیؐ! اپنی بیویوں، بیٹیوں اور دیگر اہل ایمان عورتوں سے فرما دیجئے کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکا لیا کریں، اس سے وہ جلد پہچان لی جایا کریں گی اور اس سے انہیں ستایا نہ جائے گا اور اللہ تعالیٰ تو بڑا مغفرت والا، بڑا رحمت والا ہے۔''

حجاب کے بارے میں اَحادیث:

آئندہ سطور میں ہم غیر محرم سے پردہ کرنے کے سلسلہ میں چند اہم احادیث بیان کر رہے ہیں:

۱)......غزوہ خیبر کے موقع پر جو عورتیں باندیاں بنائی گئیں ان میں ایک حیی بن اخطب نائی یہودی سردار کی بیٹی صفیہ بھی تھی جس کا خاوند مارا گیا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کر کے اس سے شادی کر لی۔ اس بات کا علم بہت سے صحابہ کو نہیں تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے آپس میں چہ میگوئیاں شروع کر دیں کہ پتہ نہیں کہ حضورؐ نے انہیں شرفِ زوجیت بخشا ہے یا باندی ہی رکھا ہے۔ چنانچہ لوگوں نے کہا:

((اِنْ حَجَبَهَا فَهِيَ اِحْدٰى اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِنْ لَمْ يَحْجُبْهَا فَهِيَ مِمَّا مَلَكَتْ يَمِيْنُهُ))(۱)

''اگر آنحضرت ﷺ ان کے لیے پردے کا اہتمام کریں گے تو یہ امہات المؤمنین میں سے ہوں گی، اور اگر آپ ان کے لیے پردے کا اہتمام نہیں کریں گے تو پھر یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ وہ باندی ہیں۔ [کیونکہ باندیوں کے لیے چہرے کے پردہ کا حکم نہ تھا] آخر جب قافلے کی روانگی کا وقت آیا تو آپ ﷺ نے ان کے لیے اپنی سواری پر پیچھے بیٹھنے کی جگہ بنائی اور ان کے لیے پردے کا اہتمام کیا۔''

۲)......حضرت انس رضی اللہ عنہ نے دس سال آنحضرت ﷺ کی خدمت کا شرف حاصل کیا، وہ اپنے بچپن کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ

''اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے شادی کی تو میری والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے مجھ سے کہا کہ اس وقت اگر ہم اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں کچھ تحفہ بھیجیں تو یہ اچھا موقع ہے

(۱) صحيح بخاری: کتاب المغازی: باب غزوة خيبر (ح۴۲۱۳)

چنانچہ انہوں نے کھجور، گھی اور پنیر ملا کر ایک ہانڈی میں حلوہ بنایا اور میرے ہاتھ میں دے کر آنحضرت ﷺ کے پاس بھجوایا۔ میں وہ حلوہ لے کر جب حضور کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسے یہاں رکھ دو اور جا کر فلاں فلاں لوگوں کو بلاؤ۔ آپ ﷺ نے ان لوگوں کا نام لے کر کہا اور فرمایا کہ ان کے علاوہ بھی جو کوئی راستے میں تمہیں ملے، اسے بھی دعوت دینا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ؐ کے حکم کے مطابق میں لوگوں کو دعوت دینے چلا گیا اور جب میں واپس پہنچا تو سارا گھر لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ میں نے دیکھا کہ آنحضرتؐ نے اپنے دونوں ہاتھ اس حلوے پر رکھے اور جو اللہ کو منظور تھا، وہ زبان سے کہا (یعنی برکت کی دعا فرمائی) پھر دس آدمیوں کو کھانے کے لیے بلانا شروع کر دیا۔ آپؐ ان سے فرماتے جاتے تھے کہ اللہ کا نام لے کر ہر شخص اپنے آگے سے کھائے۔ حتی کہ سب لوگ کھانا کھا کر گھر سے باہر نکل گئے البتہ تین آدمی گھر میں بیٹھے باتیں کرتے رہے (بعض روایات میں ہے کہ ''آنحضرت نے ان کے سامنے اٹھنے کی حالت ظاہر کی مگر وہ لوگ اس اشارے کے باوجود باتوں میں مصروف رہے''۔ آپؐ چونکہ بہت زیادہ حیادار تھے، اس لیے انہیں زبان سے کچھ کہے بغیر) آپؐ باہر تشریف لے گئے۔ پھر واپس آئے تو وہ لوگ ابھی بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ پھر واپس چلے گئے کہ شاید اس طرح یہ لوگ اٹھ جائیں مگر وہ نہ اٹھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے بھی ان لوگوں کے نہ اٹھنے کا افسوس ہوا۔ آنحضرتؐ اپنی بیویوں کے حجروں کی طرف چلے گئے اور میں بھی آپ کے پیچھے گیا اور جا کر بتایا کہ وہ لوگ چلے گئے ہیں چنانچہ آپؐ واپس تشریف لائے اور گھر میں داخل ہو گئے۔ میں بھی حجرے میں تھا البتہ آپ نے میرے اور اپنے درمیان پردہ ڈال لیا اور اس وقت آپؐ پر یہ آیات نازل ہوئیں:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ﴾ [الاحزاب:٥٣]

''اے ایمان والو! جب تک تمہیں اجازت نہ دی جائے تم نبیؐ کے گھروں میں نہ جایا کرو، کھانے کے لیے بھی (اجازت کے بعد جاؤ) یہ نہیں کہ پہلے سے جا کر بیٹھ گئے اور کھانا پکنے کا انتظار کرتے رہے بلکہ

جب بلایا جائے تب جاؤ اور جب کھا چکو تو نکل کھڑے ہو، وہیں باتوں میں مشغول نہ ہو جایا کرو۔ نبی ﷺ کو تمہاری اس بات سے تکلیف ہوتی ہے، پس وہ تو لحاظ کر جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ (بیانِ) حق میں کسی کا لحاظ نہیں کرتے۔ جب تم نبی ﷺ کی بیویوں سے کوئی چیز طلب کرو تو پردے کے پیچھے سے طلب کرو۔ تمہارے اور ان کے دلوں کے لیے کامل پاکیزگی یہی ہے۔"[۱]

بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سب لوگوں سے زیادہ میں ان آیات کے قریب ہوں کیونکہ یہ میرے سامنے نازل ہوئیں اور (ان کے نزول کے بعد) ازواجِ مطہرات کو حجاب (پردے) کا پابند کر دیا گیا۔[۲]

۳)...... حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تین مواقع پر میرے رب نے میری رائے کے موافق حکم نازل کیا۔ (ان میں سے ایک حجاب کا مسئلہ تھا) فرماتے ہیں:

((قلت یارسول اللہ یدخل علیك البر والفاجر فلو أمرت امهات المؤمنین بالحجاب؟ فانزل اللہ آیة الحجاب))

"میں نے عرض کیا تھا کہ اللہ کے رسول! آپ کے گھر میں اچھے اور برے ہر طرح کے لوگ آتے ہیں، کیا ہی اچھا ہو اگر آپ امہات المؤمنین کو پردے کا حکم فرما دیں؟ چنانچہ اللہ نے آیتِ حجاب نازل فرما دی۔"[۳]

۴)...... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ پہلی ہجرت میں شرکت کرنے والی عورتوں پر رحم کرے، جب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَى جُيُوبِهِنَّ﴾ [النور:۳۱] "اپنے گریبانوں پر اپنے دوپٹے ڈالے رکھو اور اپنی آرائش کو (کسی کے سامنے) ظاہر نہ کرو۔" تو انہوں نے اپنی چادروں کو پھاڑ کر ان سے دوپٹے بنا لیے۔[۴]

(۱) صحیح بخاری (ح ۵۱۶۳، ۴۷۹۱، ۶۲۷۱)

(۲) بخاری کتاب النکاح: باب الهدية للعروس (ح ۵۱۶۳ – ۴۷۹۱ تا ۵۱۵۴)، مسلم: کتاب النکاح (ح ۳۹)، ابوداؤد: کتاب اللباس (ح ۴۲۴۵)، ترمذی: کتاب تفسیر القرآن (ح ۳۲۱۸)، نسائی: کتاب النکاح (ح ۳۳۸۷)

(۳) بخاری: کتاب التفسیر: باب قوله: واتخذوا من مقام ابراهيم مصلی (۴۴۸۳)

(۴) بخاری: ایضاً: باب قوله وليضربن بخمرهن على جيوبهن (۴۷۵۸)

ہمارے ہاں بعض خواتین دوپٹے کو فیشن کے طور پر استعمال کرتی ہیں، یہ دوپٹے اس نوعیت کے نہ تھے کہ ان سے مزید بے پردگی ہو بلکہ یہ ستر کے مقصد کو پورا کرنے والے تھے کیونکہ عربوں کا لباس کھلی چادریں ہوتا تھا۔عورتیں بھی وہی پہنتیں۔اس سے گریبان، سینہ، گلے اور کمر کا بعض حصہ خود ہی نمایاں ہوتا اور بعض کام کاج کی وجہ سے کھل جاتا۔حالانکہ گھر میں محرم مردوں سے بھی انہیں چھپانا ضروری تھا، اس لیے عورتوں کو مزید یہ حکم ہوا کہ وہ گھر میں دوپٹے بھی اوڑھا کریں۔ چنانچہ صحابیات نے اس پر فوراً عمل کیا۔لمبی چادر تو پاؤں تک آجاتی تھی اور نیچے ازار بند کی زیادہ ضرورت نہ رہتی چنانچہ جن عورتوں کے پاس مزید کپڑا نہ تھا، انہوں نے ازار بند سے کپڑا اپھاڑ کر سینے کے حصوں کو چھپانے کے لیے دوپٹے بنالیے۔اور یہ دوپٹے باریک بھی نہیں تھے۔

۵)......حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: اے اللہ کے رسولؐ! حالت احرام میں آپؐ ہمیں کون سے کپڑے پہننے کا حکم دیتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا:

((وَلَاالْبَرَانِسَ اِلَّااَنْ يَّكُوْنَ اَحَدٌ لَيْسَتْ لَهُ نَعْلَانِ فَلْيَلْبَسِ الْخُفَّيْنِ وَلْيَقْطَعْ اَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ وَلَاتَلْبَسُوْاشَيْئًا مَسَّهُ زَعْفَرَانٌ وَلَاالْوَرْسُ وَلَاتَنْتَقِبِ الْمُحْرِمَةُ وَلَاتَلْبَسِ الْقُفَّازَيْنِ))

''تم حالت احرام میں قمیص، شلواریں، پگڑیاں، ٹوپیاں نہ پہنو۔اگر کسی کے پاس جوتا نہ ہو تو وہ موزے پہن لے، البتہ ان موزوں کو ٹخنوں سے کاٹ لے اور ایسی چیز نہ پہنو جسے زعفران یا ورس (رنگ والی بوٹی) لگی ہو اور احرام والی عورت نقاب اور دستانے نہ پہنے۔''[1]

معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں عورتیں نقاب کیا کرتی تھیں، اسی لیے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حالتِ احرام میں نقاب کرنے سے منع فرمایا لیکن جب مردوں سے سامنا ہو تو وہاں عورت چہرے کا پردہ کرے گی، جیسا کہ آئندہ دلائل سے معلوم ہوگا۔

۶)......حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

((كَانَ الرُّكْبَانُ يَمُرُّوْنَ بِنَا وَنَحْنُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ مُحْرِمَاتٌ فَاِذَاحَاذُوْا بِنَاسَدَلَتْ اِحْدَانَاجِلْبَابَهَامِنْ رَاْسِهَاعَلٰى وَجْهِهَا فَاِذَا جَاوَزُوْنَا كَشَفْنَا))

(۱) بخاری: کتاب المناسک: باب ما ینھی من الطیب للمحرم والمحرمة (ح۱۸۳۸، ۱۵۴۲)، ابوداؤد (ح۱۸۲۵)، احمد (ج۲ص ۱۱۹)، نسائی (ح۲۶۶۶)، ترمذی (ح۸۳۳)

’’حالتِ احرام میں (یعنی حج کے موقع پر) جب (مردوں کے) قافلے ہمارے پاس سے گزرتے اور ہمارا ان سے سامنا ہوتا تو ہم اپنی چادریں اپنے سروں کی جانب سے چہروں پر لٹکا لیتیں اور جب وہ لوگ گزر جاتے تو ہم اپنے چہرے کھول لیتیں۔‘‘(۱)

۷)...... حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

((كُنَّا نُغَطِّي وُجُوهَنَا مِنَ الرِّجَالِ...... فِي الْاَحْرَامِ))

’’ہم حالتِ احرام میں مردوں سے اپنے چہروں کو چھپانے کے لیے ڈھانپ لیتی تھیں۔‘‘(۲)

۸)...... حضرت صفیہ بنت شیبہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ آپ نقاب اوڑھے بیت اللہ کا طواف کر رہی تھیں۔(۳)

۹)...... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو لے کر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نقاب کیے ہوئے لوگوں کے درمیان کھڑی ہے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو پہچان لیا۔(۴)

۱۰)...... حضرت فاطمہ بنت منذر فرماتی ہیں کہ

((كُنَّا نُخَمِّرُ وُجُوهَنَا وَنَحْنُ مُحْرِمَاتٌ وَنَحْنُ مَعَ اَسْمَاءِ بِنْتِ اَبِي بَكْرٍ))

’’ہم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے ساتھ تھیں اور حالتِ احرام میں ہم (مردوں سے پردہ کرنے کے لیے) اپنے چہروں پر کپڑا ڈال لیتی تھیں۔‘‘(۵)

۱۱)...... عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بیٹے ابراہیم فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (اپنے دورِ خلافت میں) آخری حج کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے امہات المؤمنین کو بھی حج کے لیے شریک کیا اور ان کے

---

(۱) ابوداؤد: کتاب المناسک: باب فی المحرمة تغطی وجهها (ح ۱۸۳۳)، ابن ماجه (ح ۲۹۳۵)، احمد (ج ۶ ص ۳۰) شیخ البانی نے ایک ضعیف راوی کی وجہ سے اس روایت کو ابوداؤد میں ضعیف قرار دیا ہے لیکن اپنی کتاب حجاب المرأة (ص ۵۰) میں اسی روایت کو شواہد کی بنا پر حسن کہا ہے اور اگلی روایت کو بھی اس کا شاہد کہا ہے۔

(۲) مستدرک حاکم (ج ۱ ص ۴۵۴) امام حاکم، امام ذہبی اور شیخ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

(۳) طبقات ابن سعد (ج ۸ ص ۴۹) بحواله حجاب المرأة (ص ۵۰)

(۴) طبقات: ایضاً (جلد ۸ ص ۹۰) ان دونوں روایتوں کی اسناد پر کچھ کلام ہے دیکھیے: حجاب المرأة (ص ۵۰، ۵۱)

(۵) مؤطا: کتاب الحج: باب تخمير المحرم وجهه (ح ۱۸)

ساتھ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اعلان کرتے تھے: خبردار! ازواجِ مطہرات کی طرف کوئی (مرد) نہ آئے اور نہ ہی کوئی انہیں دیکھنے کی کوشش کرے۔ جبکہ ازواجِ مطہرات اونٹوں پر رکھے ہودج میں تھیں۔ جب پڑاؤ کرتیں تو انہیں قافلے کے آگے پڑاؤ کروایا جاتا (تا کہ بے پردگی نہ ہو) اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ قافلے کے سرے پر ہوتے چنانچہ کوئی شخص ازواجِ مطہرات کی طرف نہ پہنچ پاتا۔[۱]

۱۲)..... حضرت عاصمؒ فرماتے ہیں کہ ہم حفصہ بنت سیرینؒ کے پاس جاتے تو وہ بڑی چادر لے کر نقاب کر لیتیں (حالانکہ وہ خوب عمر رسیدہ ہو چکی تھیں) ہم انہیں کہتے: اللہ آپ پر رحم کرے، کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں کہا: ﴿وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ بِزِیْنَةٍ﴾ ''بڑی بوڑھی عورتیں جنہیں نکاح کی امید (اور خواہش ہی) نہ رہی ہو، وہ اگر اپنے کپڑے اتار رکھیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ وہ اپنا بناؤ سنگھار ظاہر کرنے والیاں نہ ہوں۔'' تو آپ پھر کیوں اس طرح پردے کا تکلف کرتی ہیں۔ حضرت عاصمؒ فرماتے ہیں کہ وہ کہتیں کہ اس آیت کا اگلا حصہ کیا ہے، ذرا وہ بھی پڑھو۔ تو ہم آگے اس آیت کا یہ بقیہ حصہ پڑھتے: ﴿وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ﴾ ''تاہم اگر وہ (پردہ کرنے کی) احتیاط کرلیں تو یہ ان کے لیے بہت افضل ہے۔'' تو وہ فرماتیں کہ یہ حصہ میرے اس پردے کو ثابت کرتا ہے۔[۲]

۱۳)..... ایک روایت میں ہے کہ ایک عورت جسے ام خلاد کہا جاتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی، اس نے نقاب کر رکھا تھا اور اپنے بیٹے کے بارے میں دریافت کر رہی تھی جو جنگ میں شہید ہو چکا تھا۔ صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے حیرانی سے کہا کہ ((جِئْتِ تَسْئَلِیْنَ عَنِ ابْنِكِ وَاَنْتِ مُتَنَقِّبَةٌ؟)) ''آپ اپنے بیٹے کے بارے میں پوچھنے آئی ہیں اور پھر بھی نقاب اوڑھا ہوا ہے؟ [مراد یہ تھی کہ میدانِ جنگ میں بیٹے کی شہادت کی خبر سن کر تو عورت کے ہوش و حواس قائم نہیں رہتے مگر تم اطمینان سے اور باپردہ ہو کر آئی ہو] تو اس پر ام خلاد رضی اللہ عنہا نے یہ جواب دیا: ((اِنْ اُرْزَاُ اِبْنِیْ فَلَنْ اُرْزَاُ حَیَائِیْ)) ''اگرچہ میرا بیٹا مجھ سے کھو گیا ہے لیکن میری حیا مجھ سے ہرگز نہیں کھوئی۔''

(۱) طبقات ابن سعد (ج۸ ص ۱۵۲) شیخ البانی نے اس کے راویوں کو ثقہ قرار دیا ہے، دیکھیے: حجاب المرأة (ص ۵۱)
(۲) سنن بیهقی (ج۷ ص۹۳) شیخ البانی نے اس روایت کی سند کو صحیح کہا ہے، دیکھیے: حجاب المرأة (ص ۵۲)

اللہ کے رسول ﷺ نے اس عورت سے فرمایا کہ تمہارے بیٹے کے لیے تو دو شہیدوں کے برابر اجر ہے۔ اس نے پوچھا وہ کیسے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ اس وجہ سے کہ اسے اہل کتاب نے شہید کیا ہے۔ [1]

(۱۴)...... امام عجلیؒ فرماتے ہیں کہ مکہ میں ایک شادی شدہ عورت رہتی تھی جو بڑی ہی خوبصورت تھی۔ ایک دن وہ شیشے میں اپنا حسن و جمال دیکھتے ہوئے اپنے شوہر سے کہنے لگی: آپ کے خیال میں کوئی ایسا شخص ہے جو میرے چہرے کا حسن و جمال دیکھے اور فتنے میں مبتلا نہ ہو سکے؟ اس کے شوہر نے کہا ہاں۔ کہنے لگی کون ہے؟ تو اس نے کہا عبید بن عمیر۔ (یہ ایک صاحبِ تقویٰ تابعی تھے) وہ عورت کہنے لگی: اچھا مجھے اجازت دو تو میں اسے فتنے میں مبتلا کر کے دکھا دوں؟! وہ کہنے لگا جا میں تجھے اجازت دیتا ہوں!

امام عجلی فرماتے ہیں کہ وہ عبید سے مسئلہ پوچھنے کے بہانے ان کے پاس آئی، چنانچہ امام عبید اس کے ساتھ مسجد حرام میں ایک کونے میں چلے گئے تو اس نے موقع پا کر چاند سا حسین چہرہ ان کے سامنے کھول دیا۔ عبید نے نظر پھیرتے ہوئے کہا: اللہ کی بندی یہ کیا؟ وہ کہنے لگی میں آپ کے ساتھ محبت کی آزمائش میں مبتلا ہو گئی ہوں لہٰذا آپ میرے معاملے پر غور کریں۔ عبید کہنے لگے کہ میں تم سے ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں اگر تم نے اس کا سچ جواب دیا تو میں تمہارے معاملے میں غور کروں گا۔ کہنے لگی بلاشبہ میں سچ ہی جواب دوں گی۔ عبید نے کہا اگر اس وقت ملک الموت تمہاری روح نکالنے آ جائے تو کیا تمہیں اس پر خوشی ہوگی کہ تمہارا یہ (غلط) مطالبہ پورا ہو گیا ہو؟ اس نے کہا نہیں، اللہ کی قسم!

عبید نے کہا: تم نے سچ بولا ہے۔ پھر کہا: اگر تمہیں قبر میں داخل کر دیا جائے اور وہاں فرشتے تم سے سوال کرنے آ جائیں تو وہاں کیا تمہیں اس بات پر خوشی ہوگی کہ میں نے تمہارا مطالبہ پورا کر دیا ہوتا؟

کہنے لگی اللہ کی قسم نہیں۔ عبید نے کہا تم نے سچ کہا پھر پوچھا: جب لوگوں کو ان کے اعمال نامے تقسیم کیے جا رہے ہوں گے اور تمہیں معلوم نہیں ہوگا کہ تمہارا اعمال نامہ کس ہاتھ میں دیا جائے گا تو کیا وہاں تمہیں یہ اچھا لگے گا کہ میں تمہارے اس مطالبے کو پورا کرتا؟ اس نے کہا نہیں اللہ کی قسم! عبید نے کہا تم نے سچ کہا پھر پوچھا: جب تم پل صراط سے گزرو گی اور تمہیں معلوم نہ ہوگا کہ تم اس سے گزر جاؤ گی یا نیچے (جہنم میں جا گرو گی) تو کیا وہاں تمہیں اپنا یہ عمل پسند آئے گا؟ اس نے کہا اللہ کی قسم نہیں۔ عبید نے کہا تم نے سچ بولا پھر پوچھا: جب میزان میں تمہارے اعمال تولے جائیں گے اور تمہیں معلوم نہ ہوگا کہ تمہاری

(۱) ابوداؤد: کتاب الجهاد: باب فضل قتال الروم علی غیرهم من الامم (ح ۲۴۸۵) اس روایت کی سند میں ضعف ہے۔

نیکیاں زیادہ ہوں گی یا گناہ، تو وہاں تمہیں اپنا یہ عمل پسند آئے گا یا نہیں؟ اس نے کہا اللہ کی قسم نہیں۔ عبید نے کہا تم نے سچ کہا، اے اللہ کی بندی! اللہ سے ڈر۔ بلا شبہ اللہ نے تم پر انعام اور احسان کیا ہے......!!

عجلیؒ فرماتے ہیں کہ پھر وہ عورت اپنے شوہر کے پاس گئی اور اس کے شوہر نے اس سے پوچھا: ہاں کیا ہوا؟ اس نے کہا ہم تو فضول اور بیکار لوگ ہیں چنانچہ پھر وہ نماز، روزہ اور دیگر عبادات میں ایسی مشغول ہوئی کہ اس کا شوہر کہا کرتا تھا: عبید نے میرے ساتھ عجیب معاملہ کیا ہے، اس نے تو میری بیوی ہی ناکارہ کر دی، پہلے تو وہ ہر رات میرے لیے شبِ زفاف کی دلہن بنا کرتی تھی اور عبید نے تو اسے عابدہ اور زاہدہ بنا چھوڑا ہے۔ (۱)

گھر سے باہر نکلنے کے لیے بڑی چادر یا برقع لینا چاہیے:

عہد نبویؐ میں خواتین نماز یا دیگر ضروری کاموں کے لیے اپنے شوہروں کی اجازت سے گھر سے باہر نکلا کرتی تھیں۔ البتہ گھر سے باہر چونکہ مردوں کی آمد ورفت بھی ہوتی ہے اور بے پردگی کا خطرہ بھی، اس لیے صحابیات کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ بڑی چادریں لپیٹ کر باہر نکلا کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَآ أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ذٰلِكَ أَدْنٰى أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُورًا رَّحِيمًا﴾ [الاحزاب:۵۹]

''اے نبیؐ! اپنی بیویوں، بیٹیوں اور دیگر اہل ایمان عورتوں سے فرما دیجئے کہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکا لیا کریں، اس سے وہ جلد پہچان لی جایا کریں گی اور اس سے انہیں ستایا نہ جائے گا اور اللہ تعالیٰ تو بڑا مغفرت والا، بڑا رحمت والا ہے۔''

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو:

((خَرَجَ نِسَآءُ الْأَنْصَارِ كَأَنَّ عَلٰى رُؤُوسِهِنَّ الْغِرْبَانُ مِنَ الْأَكْسِيَةِ))

''انصار کی عورتیں (اس حکم کے بعد) اس طرح بڑی چادریں لپیٹ کر باہر نکلیں کہ معلوم ہوتا تھا کہ ان کے سروں پر کوے بیٹھے ہیں۔'' (۲)

(۱) تاریخ الثقات: از امام عجلیؒ (ص ۳۲۳،۳۲۲)

(۲) ابوداؤد: کتاب اللباس: باب فی قول اللّٰه: یدنین علیهن من جلابیبهن......(ح ۴۱۰۱)

اس کی مزید تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ جب اللہ کے رسول ﷺ نے عید کے موقع پر حکم دیا کہ تمام عورتیں بھی عیدگاہ میں آئیں تو ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

((يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اِحْدَانَا لَيْسَ لَهَا جِلْبَابٌ؟ قَالَ: لِتُلْبِسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا))

''اگر ہم میں سے کسی عورت کے پاس جلباب (بڑی چادر) نہ ہو تو وہ کیا کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسے اس کی مسلمان بہن اپنے جلباب میں چھپالائے۔''(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ صحابیات میں یہی رواج تھا کہ ضرورت کے لیے گھر سے نکلتے وقت وہ جلباب (بڑی چادر) کا اہتمام کرتیں اور خوب پردہ کرکے باہر نکلتیں۔ افسوس کہ اب ہمارے ہاں یہ اہتمام کہاں......؟!

غیر محرم رشتہ داروں سے پردہ:

غیر محرم اجنبی ہو یا قریبی رشتہ دار، ہر صورت میں اس سے پردہ کیا جائے گا۔ بعض لوگ دیوروں اور جیٹھوں سے پردہ کے سلسلہ میں سستی کرتے ہیں حالانکہ آنحضرت ﷺ نے اس سلسلہ میں زیادہ سخت تاکید فرمائی ہے جیسا کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((اِيَّاكُمْ وَالدُّخُوْلَ عَلَى النِّسَآءِ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَرَأَيْتَ الْحَمْوَ؟ قَالَ: اَلْحَمْوُ: اَلْمَوْتُ))

''غیر محرم عورتوں کے پاس داخل ہونے سے بچو۔ ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسولﷺ! دیور اور جیٹھ کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے (کیا وہ اپنی بھاوج کے پاس جا سکتا ہے یا نہیں؟) آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تو اس کے لیے موت ہے۔''(۲)

اس روایت میں 'حمو' کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کا ترجمہ شوہر کا بھائی خواہ چھوٹا (دیور) ہو یا بڑا (جیٹھ) سے کیا گیا ہے، بعض کے بقول اس لفظ سے مراد خاوند کا ہر وہ رشتہ دار ہے جس سے اس عورت کا نکاح ہو سکتا ہے مثلاً خاوند کا بھائی، بھتیجا، بھانجا، چچا، ماموں، چچازاد یا ماموں زاد بھائی وغیرہ۔ عورت کو ان کے ساتھ بیٹھنے اٹھنے، خلوت اختیار کرنے، گپ شپ کرنے، ان کے سامنے چہرہ ننگا کرنے اور زیب و زینت کا اظہار

(۱) بخاری: کتاب الصلوۃ: باب وجوب الصلوۃ فی الثیاب (ح ۳۵۱)

(۲) بخاری: کتاب النکاح: باب لایخلون رجل بامرأة الا ذومحرم (ح ۵۲۳۲)، مسلم: کتاب السلام (ح ۲۱۷۲)، ترمذی (ح ۱۱۷۱)، احمد (ج ۴ ص ۱۴۹)، دارمی (ج ۲ ص ۲۷۸)، شرح السنۃ (ح ۲۲۵۲)

کرنے کی آپ ﷺ نے اجازت نہیں دی بلکہ یہ کہا کہ یہ تو موت ہیں یعنی ان سے فتنے کا زیادہ خدشہ ہے۔اس لیے کہ رشتہ دار ہونے کی وجہ سے ان کا گھر میں آنا جانا ہوتا ہے اور دوسروں کی نسبت ان سے برائی کا زیادہ خطرہ رہتا ہے۔

ہمارے ہاں مشترکہ رہائش کی وجہ سے دیوروں، جیٹھوں سے پردے کے حوالے سے افراط وتفریط پائی جاتی ہے، یا تو ان سے پردہ کیا ہی نہیں جاتا یا پھر اتنی سختی سے پردہ کیا جاتا ہے کہ ضرورت کی بات چیت بھی نہیں کی جاتی۔اس مسئلہ میں اسلام کی مجموعی تعلیمات کو سامنے رکھ کر اس کا حل نکالنا بڑا ضروری ہے۔ چاہیے تو یہ کہ ان سے بھی چہرے کا پردہ کیا جائے۔ان کے سامنے زیب وزینت کا اظہار نہ کیا جائے، ان کے ساتھ گپ شپ کا ماحول نہ بنایا جائے کیونکہ یہ ساری چیزیں عورت کے لیے بھی ممنوع ہیں اور دیوروں جیٹھوں کے لیے بھی۔شوہر اور گھر کے سربراہان کی ذمہ داری ہے وہ اس لحاظ سے ماحول کو کنٹرول کریں۔ البتہ ضرورت کی حد تک بات چیت کی شرعاً گنجائش موجود ہے۔

عورت کے ستر وحجاب اور لباس سے متعلقہ چند اہم فتاوٰی

شرعی حجاب:

سوال: شرعی حجاب کا مطلب کیا ہے؟

جواب: شرعی حجاب کا مطلب یہ ہے کہ عورت کے لئے تمام واجب الستر اعضاء میں سب سے مقدم اور اولیٰ چہرے کا پردہ ہے، اس لئے کہ چہرہ فتنہ ورغبت کا محل ہے۔لہٰذا عورتوں پر اجنبی لوگوں سے چہرے کا پردہ کرنا واجب ہے۔ جہاں تک یہ کہنا ہے کہ شرعی حجاب صرف سر، گردن، سینہ، پاؤں، پنڈلی اور بازو کو ڈھانپنا ہے جبکہ چہرہ اور ہاتھ اس سے مستثنیٰ ہیں تو یہ ایک عجیب وغریب قول ہے، اس لئے کہ یہ بات تو معلوم ہی ہے کہ جائے رغبت اور محلِ فتنہ چہرہ ہے، پھر یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ شریعت اسلامیہ عورت کو پاؤں ڈھانپنے کا تو حکم دے مگر چہرہ کھلا رکھنے کی اجازت دے دے۔پُر از حکمت شریعتِ مطہرہ میں ایسے تناقص کا ہونا غیر ممکن ہے۔ ہر انسان جانتا ہے کہ پاؤں سے کہیں بڑھ کر چہرے میں فتنہ ہے، اور مردوں کے لئے عورتوں میں محلِ رغبت بھی چہرہ ہی ہے۔اگر کوئی شخص کسی منگیتر سے کہے کہ آپ کی ہونے والی بیوی کے بازو تو خوبصورت ہیں مگر چہرہ بدصورت ہے تو وہ ہرگز ایسی لڑکی سے شادی کرنے پر آمادہ نہ ہوگا۔اس کے برعکس

اگر کہا جائے کہ اس کا چہرہ تو خوبصورت ہے لیکن ہاتھ پاؤں اور پنڈلیاں اتنی خوبصورت نہیں ہیں تو وہ ضرور ایسی لڑکی سے شادی کرنے پر آمادہ ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ چہرے کا پردہ بطریق اولیٰ واجب ہے۔ کتاب وسنت، اقوالِ صحابہؓ اقوال ائمہؒ میں ایسے بے شمار دلائل موجود ہیں جن کی رو سے غیر مردوں کے سامنے عورت پر تمام جسم اور چہرے کا پردہ واجب ٹھہرتا ہے۔ [فتویٰ از شیخ ابن بازؒ، بحوالہ: فتاویٰ برائے خواتین، ص ۲۸۸، طبع دارالسلام، لاہور]

ڈرائیور اور نوکر سے پردہ:

سوال: گھریلو ڈرائیور کا گھر کی عورتوں اور دوشیزاؤں سے ملنا جلنا اور ان کے ساتھ مارکیٹ یا سکول جانا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟

جواب: رسول اللہ ﷺ کا فرمان صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ

((لَا یَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَاَۃٍ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ ثَالِثُھُمَا)) [ترمذی کتاب الرضاع]

''کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ خلوت میں نہیں جاتا مگر تیسرا ان کا شیطان ہوتا ہے۔''

خلوت گھر میں ہو یا گاڑی میں، مارکیٹ میں ہو یا کہیں اور ایک ہی بات ہے۔ مرد و زن کی تنہائی میں اس امر کی کوئی ضمانت نہیں کہ ان کی گفتگو باعثِ فتنہ اور باعثِ شہوت انگیزی نہیں ہوگی، اس بات کے باوجود کہ بعض خواتین وحضرات میں تقویٰ و پرہیز گاری، خشیت الٰہی اور معصیت وخیانت سے نفرت موجود ہوتی ہے مگر ان میں شیطان مداخلت کرتا ہے اور گناہ کو کمتر صورت میں پیش کر کے فریب کاری کا دروازہ کھول دیتا ہے، لہٰذا اس سے اجتناب کرنا ہی باعث حفاظت وسلامتی ہے۔ [فتویٰ از: شیخ ابن جبرین، ایضاً ص ۲۰۳]

سوال: اجنبی ڈرائیور کے ساتھ اکیلی عورت کا اس لئے سوار ہونا کہ وہ اسے شہر تک پہنچا دے، کیا حکم رکھتا ہے؟ نیز کسی شخص کی عدم موجودگی میں اگر چند عورتیں اکیلے اجنبی ڈرائیور کے ساتھ گاڑی میں سوار ہوں تو ازروئے شریعت اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: غیر محرم ڈرائیور کے ساتھ اکیلی عورت کا گاڑی میں سوار ہونا ناجائز ہے، کیونکہ یہ خلوت کے حکم میں ہے اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔

((لَا یَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَاَۃٍ اِلَّا وَمَعَھَا ذُوْمَحْرَمٍ)) [المعجم الکبیر للطبرانی (ج ۱۱ ص ۴۲۵)]

”کوئی آدمی کسی عورت کے محرم کے بغیر اس کے ساتھ خلوت میں نہ جائے۔“

ہاں اگر دونوں کے ساتھ ایک یا زیادہ مرد ہوں یا ایک سے زیادہ عورتیں ہوں تو اطمینان بخش حالات میں کوئی حرج نہیں۔ اس لئے کہ ایک یا زیادہ لوگوں کی موجودگی میں خلوت ختم ہو جاتی ہے۔ یاد رہے کہ یہ حکم غیر سفری حالت کا ہے۔ جہاں تک سفری حالت کا تعلق ہے تو عورت کے لئے جائز نہیں کہ وہ محرم کے بغیر سفر کرے، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((وَلَا تُسَافِرِ الْمَرْاَةُ اِلَّا مَعَ مَحْرَمٍ)) ”کوئی عورت محرم کے بغیر سفر نہ کرے۔“ [بخاری ومسلم]

سفر بری ہو یا بحری ہو یا ہوائی سب کا ایک ہی حکم ہے۔ [فتویٰ از: شیخ ابن باز، ایضاً ص۲۶۹]

سوال: شیخ ابن بازؒ سے سوال کیا گیا کہ نوکروں اور ڈرائیوروں سے پردہ نہ کرنا کیسا ہے؟ اور کیا یہ لوگ بھی اجنبیوں میں شمار ہوں گے؟

جواب: ڈرائیور اور نوکر کا حکم اجنبی مردوں جیسا ہے۔ ان دونوں سے پردہ کرنا جبکہ وہ محارم میں سے نہ ہوں، واجب ہے، ان کے سامنے بے پردہ ہونا یا خلوت کرنا جائز نہیں ہے، حدیثِ نبویؐ ہے:

((لَايَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَاَةٍ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ ثَالِثُهُمَا))

”کوئی آدمی کسی عورت سے خلوت وتنہائی اختیار نہ کرے کیونکہ ان دونوں میں تیسرا شیطان ہوتا ہے۔“

اس کے علاوہ بھی ایسی بہت سی دلیلیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر محرموں سے پردہ کرنا واجب اور ان کے سامنے بے پردگی کا اظہار حرام ہے۔ [ایضاً، فتاویٰ المرأۃ، مرتب: محمد بن عبدالعزیز، ج۲ ص۷۹]

ہاتھ پاؤں کا پردہ:

سوال: گھر سے باہر جاتے وقت ستر کے پیش نظر جرابیں یا دستانے پہننا جائز ہے یا بدعت؟

جواب: عورت کے لیے ایسا لباس پہننا واجب ہے جو اس کے بدن اور شرم گاہ کو ڈھانپ سکے۔ خاص طور پر بازار وغیرہ جاتے وقت عورت کا باپردہ ہونا ضروری ہے۔ جرابیں اور دستانے پہننا بھی اسی ضمن میں آتا ہے۔ اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ عورت کے جسم کا کوئی ایسا حصہ نظر نہ آنے پائے جو کہ فتنہ وفساد کا باعث ہو۔ بوقت ضرورت ہاتھوں کو ننگا رکھنا جائز ہے۔ بشرطیکہ نہ تو وہ زیورات یا مہندی وغیرہ سے مزین ہوں اور نہ (ہی دوسروں کی نسبت) کسی امتیاز کے حامل ہوں۔ [فتوی از شیخ ابن جبرین، فتاوی المرأة، از محمد بن

عبدالعزیز المسند، ج۱ ص۷۷ ترجمہ، از جار الله ضیاء، ص ۲۸۵]

سوال: کیا میں اپنی ہتھیلی اپنے شوہر کے بھائیوں (دیوروں، جیٹھوں) کے سامنے کھول سکتی ہوں؟ اور کیا اس کا حکم میرے شوہر کی موجودگی میں مختلف ہوگا؟

جواب: عورت پر واجب ہے کہ وہ ہر اجنبی شخص سے مکمل پردہ کرے، خواہ وہ شوہر کا بھائی ہو یا چچازاد بھائی یا ان کے علاوہ کوئی اور ہو۔ خواہ محرم موجود ہو یا نہ ہو۔ اس پردے کا طریقہ یہ ہے کہ عورت اپنے تمام محاسن جو فتنہ کا سبب بنتے ہیں مثلاً چہرہ، بازو، پنڈلی، سینہ وغیرہ، ان سب کو چھپا کر رکھے۔ باقی رہا ہتھیلی اور پاؤں کا مسئلہ، تو اس سلسلہ میں راجح بات یہ ہے کہ کسی چیز کو پکڑاتے یا لیتے وقت یا ایسی ہی دوسری ضرورتوں کے پیش نظر ان کا کھولنا بوجہ ضرورت جائز ہے۔ لیکن اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو پھر اس کا چھپانا واجب ہے۔ [فتاوی المرأۃ: ایضاً، ج۱ ص۸۱]

دیور اور جیٹھ سے چہرے کا پردہ:

سوال: اس عورت کا کیا حکم ہے جو اپنے دیور یا جیٹھ کے سامنے چہرہ ننگا رکھتی ہے جبکہ اس کا دیور یا جیٹھ نیک اور قابل اعتماد ہے؟

جواب: دیور یا جیٹھ اس کے لیے محرم نہیں ہے۔ لہٰذا اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ ان کے سامنے اپنے جسم کا وہ حصہ کھولے جس کا کھولنا صرف محارم کے سامنے جائز ہے، اگرچہ وہ کتنا ہی نیک اور قابلِ اعتماد کیوں نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کے سامنے زینت کا اظہار کرنے کو جائز قرار دیا ہے وہ یہ ہیں:

﴿وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ آبَائِهِنَّ اَوْ آبَاءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَائِهِنَّ اَوْ اَبْنَاءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْ اَخَوَاتِهِنَّ اَوْ نِسَائِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التَّابِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرَاتِ النِّسَاءِ﴾ [النور: ۳۱]

''اور عورتیں اپنی زینت ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو ظاہر ہے اور اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیاں ڈالے رکھیں اور اپنی آرائش کو (کسی کے سامنے) ظاہر نہ کریں سوائے اپنے خاوندوں کے یا اپنے والد کے یا اپنے خسر کے یا اپنے بیٹوں کے یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے یا اپنے بھائیوں کے یا اپنے بھتیجوں کے یا اپنے بھانجوں کے یا اپنے میل جول کی عورتوں کے یا غلاموں کے یا ایسے نوکر چاکر

مردوں کے جو شہوت والے نہ ہوں یا ایسے بچوں کے جو عورتوں کے پردے کی باتوں سے مطلع نہیں۔''

اور شوہر کا بھائی ان لوگوں میں سے نہیں ہے جن کے سامنے عورت کو اظہار زینت کی اجازت دی گئی ہے۔ اور واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں صالح اور غیر صالح کے درمیان فرق نہیں کیا اور حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دیور، جیٹھ کے متعلق پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اَلْحَمُوُ الْمَوْتُ)) ''وہ تو موت ہیں۔'' (یعنی ان سے دور رہنا ضروری ہے) لہٰذا مسلمان پر اپنے دین اور اپنی عزت و آبرو کی حفاظت کرنا لازم ہے۔ [مجلة البحوث الاسلامية، ج ۱۹ ص ۱۳۸]

رضاعی باپ سے پردہ:

سوال: عورت کے لیے اپنے شوہر کے رضاعی باپ کے سامنے چہرہ ننگا کرنا کیسا ہے؟

جواب: عورت کے لیے شوہر کے رضاعی باپ کے سامنے چہرہ ننگا کرنا جائز نہیں ہے، یہی راجح موقف ہے اور امام ابن تیمیہؒ نے بھی اسے ہی اختیار کیا ہے، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ)) [بخاری ومسلم]

''رضاعت سے وہ سب رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔''

شوہر کا باپ بیٹے کی بیوی پر نسبی لحاظ سے حرام نہیں ہے بلکہ وہ سسرالی رشتہ کے سبب حرام ہے، ارشاد ہے:

﴿ وَحَلَائِلُ اَبْنَائِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ﴾ [النساء: ۲۳]

''اور تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں (تم پر حرام ہیں) جو تمہارے صلب سے ہیں۔''

اور رضاعی بیٹا، صلبی بیٹوں میں سے نہیں ہے۔ اس بنا پر خاوند کے رضاعی باپ سے پردہ کرنا واجب ہے۔ اور اگر فرض کر لیا جائے کہ وہ عورت اس شخص کے رضاعی بیٹے سے طلاق کے ذریعے جدائی اختیار کر لے تو وہ ازروئے احتیاط رضاعی سسر کے لیے حلال نہیں ہوگی، جمہور علماء کی رائے یہی ہے۔ [فتوی از فضیلۃ الشیخ محمد بن جبرین: فتاوی المرأة، ج ۱ ص ۸۱]

داماد سے پردہ:

سوال: بعض عورتیں اپنے دامادوں سے پردہ کرتی ہیں اور ان سے سلام کرنے میں مصافحہ سے باز رہتی ہیں تو کیا ایسا کرنا ان کے لیے جائز ہے؟

جواب: عورت کا داماد رشتۂ مصاہرت (یعنی سسرالی رشتہ داری) کے سبب اس کے محارم میں سے ہے، اس کے لیے اپنی ساس کے جسم کا وہ حصہ دیکھنا جائز ہے جو وہ اپنی ماں، بہن اور بیٹی یا دیگر محرمات سے دیکھ سکتا ہے، لہٰذا ایک عورت کا اپنے داماد سے چہرہ یا بال یا ہاتھ یا اس طرح کے اعضاء کو ڈھانپنا اور اس سے مصافحہ کرنے سے باز رہنا غلو ہے۔ ہوسکتا ہے یہی عمل نفرت اور لاتعلقی کا ذریعہ بن جائے، لہٰذا ایک عورت کو اس سلسلہ میں غلو سے پرہیز کرنا چاہیے الا یہ کہ اپنے داماد پر اسے شک وشبہ ہو تو پھر یہ الگ بات ہے۔[ایضاً: فتوی از افتاء کمیٹی، ج۲ ص۸۳]

سگے چچا سے پردہ:

سوال: ایک شخص کے پاس اس کی بھتیجیاں رہتی ہیں اور وہ ان سے گندہ مذاق کرتا ہے۔ کیا ان لڑکیوں کے لیے اس گندے مذاق سے بچنے کے۔لیے اپنے اس چچا سے چھپنا اور اس کا سامنا نہ کرنا جائز ہے؟

جواب: ایسے خبیث چچا کے پاس اس کی بھتیجیوں کا آنا اور اس کے سامنے چہرہ کھولنا جائز نہیں۔ اس لیے کہ جن علماء نے محرم کے پاس عورت کا چہرہ کھولنا جائز کہا ہے انہوں نے شرط لگائی ہے کہ وہاں کسی قسم کا فتنہ نہ پایا جائے۔ اور یہ شخص جو اپنی بھتیجیوں سے فحش مذاق کرتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ان لڑکیوں پر اس سے فتنہ کا اندیشہ ہے اور فتنہ کے اسباب سے دور رہنا واجب ہے۔ اس میں حیرانی کی بھی کوئی وجہ نہیں کیونکہ بعض لوگ اپنی محرمات کی طرف شہوانی رغبت رکھتے ہیں، حتیٰ کہ بعض لوگوں کے متعلق سننے میں آیا ہے کہ انہوں نے اپنی باپ شریک سوتیلی بہن کے ساتھ محض اس لیے زنا کیا کہ وہ ان کی سگی بہن نہیں بلکہ بعض لوگوں نے اپنی ماں تک سے زنا کیا، والعیاذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَاتَقْرَبُوا الزِّنَا اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَآءَ سَبِيْلًا﴾[الاسراء: ۳۲]

''خبردار! زنا کے قریب بھی نہ پھٹکنا کیونکہ وہ بڑی بے حیائی اور بہت ہی بری راہ ہے۔''

خلاصہ یہ ہے کہ ان لڑکیوں پر اپنے اس چچا سے دور رہنا اور اس کے سامنے چہرہ چھپانا اس وقت تک واجب ہے جب تک کہ اس سے گندے مذاق کا اندیشہ ختم نہ ہوجائے۔[دروس وفتاوی الحرم المکی للشیخ ابن عثیمین: ج۳ ص۲۳۷]

عورت کا مردانہ پتلون پہننا:

سوال: کیا عورت کے لیے جائز ہے کہ وہ مردانہ پتلون پہنے؟

جواب: پتلون تنگ اور چست ہونے کی وجہ سے جسم کے اعضاء کا حجم وغیرہ ظاہر کرتی ہے، اس لیے عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ تنگ اور چست لباس پہنے کیونکہ اس سے اس کے جسم کے ابھار واضح ہوں گے جو فتنے کا ذریعہ ہے۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ عورت کے پتلون پہننے کی وجہ سے اس کی مردوں سے مشابہت ہو اور نبی اکرم ﷺ نے مردوں سے مشابہت کرنے والی عورتوں پر لعنت کی ہے۔[مجلة البحوث الاسلامية]

مختصر اور تنگ لباس پہننا:

سوال: میرے چار بچے ہیں اور میں ان کے سامنے مختصر لباس پہنتی ہوں، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: اپنی اولاد اور دیگر محارم کے سامنے عورت کے لیے مختصر لباس پہننا جائز نہیں۔ لہٰذا وہ ان کے پاس اپنے جسم کا صرف اتنا حصہ کھولے جس قدر کھولنے کی عادت رائج ہو اور جس میں کوئی فتنہ بھی نہ ہو۔ عورت صرف اپنے شوہر کے پاس تنگ اور مختصر لباس پہن سکتی ہے۔[كتاب المنتقى من فتاوى الشيخ صالح الفوازن: ج۳ص۳۰۸]

عورتوں کا مردوں سے مصافحہ:

سوال: عورتوں کا مردوں سے مصافحہ کا کیا حکم ہے؟

جواب: اگر عورتیں مصافحہ کرنے والے کی محرمات میں سے ہوں جیسے اس کی ماں، بہن، بیٹی، خالہ، پھوپھی اور اس کی بیوی تو اس میں حرج نہیں، لیکن اگر مصافحہ غیر محارم سے ہو تو جائز نہیں ہے، کیونکہ ایک عورت نے نبی اکرم ﷺ کی طرف اپنا ہاتھ مصافحہ کے لیے بڑھایا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنِّيْ لَا أُصَافِحُ النِّسَآءَ)) ''میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔''

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

((وَاللّٰهِ مَامَسَّتْ يَدُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَدَ امْرَأَةٍ قَطُّ مَا كَانَ يُبَايِعُهُنَّ إِلَّا بِالْكَلَامِ))

''اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ نے کبھی کسی (غیر محرم) عورت کا ہاتھ نہیں چھوا، آپ ان سے صرف زبانی طور پر بیعت لیتے تھے۔''

ان دونوں احادیث سے معلوم ہوا کہ عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ غیر محرم مردوں سے مصافحہ کرے اور نہ

مرد کے لیے جائز ہے کہ اپنی محارم کے علاوہ کسی عورت سے مصافحہ کرے، کیونکہ ایسی صورت میں وہ فتنہ سے بچ نہیں سکتا۔[مجموع فتاوی ومقالات متنوعة للشیخ ابن باز: ج٦ص ٢٢]

سوال: اجنبیہ عورت جب بوڑھی ہوتو اس سے مصافحہ کا کیا حکم ہے؟ اور اگر وہ اپنے ہاتھ پر کپڑا یا کسی اور چیز کو رکاوٹ بنا کر مصافحہ کرے تو پھر کیا حکم ہے؟

جواب: غیر محرم عورتوں سے مصافحہ کسی طرح بھی جائز نہیں، خواہ وہ جوان ہوں یا بوڑھی اور خواہ مصافحہ کرنے والا جوان ہو یا بہت بوڑھا۔ خواہ ہاتھ ننگا ہو یا دستانے میں۔[مجلة البحوث الاسلامية ١٣١/٣٨]

عورت کا اجنبی مرد کو اپنا جسم چھونے کی اجازت دینا:

سوال: کیا مرد کے لیے اجنبیہ عورت کے جسم کے کسی حصہ کو چھونا جائز ہے؟

جواب: بعض عورتیں کنگن اور انگوٹھی کا ناپ اور سائز دینے یا اپنے ہاتھوں سے زیور اتارنے یا پہننے میں مدد حاصل کرنے کی غرض سے کمزور ایمان سنیاروں کے سامنے اپنا ہاتھ اور جسم پیش کرنے میں احتیاط نہیں کرتیں۔ جبکہ یہ ایک حرام فعل ہے، کیونکہ مرد کے لیے اجنبی عورت کے بدن کے کسی حصہ کا چھونا جائز نہیں۔ اور عورت اپنے اس فعل کی وجہ سے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمان ہے۔ لہذا اس عورت اور اس کے جسم کو چھونے والے پر فرض ہے کہ وہ اللہ کے حضور توبہ کریں۔ حدیث نبویؐ ہے:

((لَاَنْ یُطْعَنَ فِیْ رَأسِ اَحَدِمَخِیْطٌ مِّنْ حَدِیْدٍ خَیْرٌ لَّهُ مِنْ اَنْ یَّمَسَّ اِمْرَاَۃً لَاتَحِلُّ لَهُ))

''کسی کے سر میں لوہے کی سوئی چبھودی جائے یہ بہتر ہے اس عمل سے کہ وہ کسی ایسی عورت کو چھوئے جو اس کے لیے حلال نہیں ہے۔''

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مرد کے لیے کسی اجنبیہ کا بدن چھونا جائز نہیں اور اگر عورت اس کام کے لیے راضی ہو تو وہ بھی چھونے والے کے ساتھ گناہ میں شریک ہے۔[زینة المرأة لعبدالله الفوزان، ص: ٥٢]

کیا ڈاکٹر عورت کا جسم چھو سکتا ہے؟

سوال: اطباء کا عورتوں کے پردوں کو کھولنے اور ان سے خلوت کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: پہلی بات تو یہ ہے کہ عورت بلا شبہ پردہ کی چیز ہے اور مردوں کے لیے ان میں رغبت ہوتی ہے۔ لہذا عورت کے لیے مناسب نہیں کہ وہ غیر محرم مردوں کو اپنے جسم کو چھونے اور علاج کرنے کا موقع دے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر مطلوبہ لیڈی ڈاکٹر نہ ملے تو پھر مردوں سے علاج کرانے میں حرج نہیں۔ اور یہ مجبوری کی صورت ہے۔ مگر اس کی بھی کچھ شرائط وقیود ہیں، اسی لیے فقہاء کہتے ہیں:

((الضرورۃ تقدر بقدرھا)) ''ضرورت کے لیے ایک چیز کا جواز ضرورت کی حد تک محدود ہوتا ہے۔''

لہٰذا ڈاکٹر کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ عورت کے کسی ایسے حصۂ بدن کو دیکھے یا چھوئے جس کی حاجت نہیں اور عورت پر بھی واجب ہے کہ وہ اپنے جسم کا ہر وہ حصہ ڈاکٹر سے چھپائے جسے کھولنے کی ضرورت نہیں۔

علاوہ ازیں ڈاکٹر کے لیے بھی یہ جائز نہیں کہ وہ زیر علاج اجنبی عورت سے خلوت کرے۔ حدیث میں ہے:

((مَاخَلَارَجُلٌ بِامْرَأَةٍ اِلَّا كَانَ الشَّيْطَانُ ثَالِثُهُمَا))

''جب بھی کوئی مرد کسی عورت سے خلوت کرتا ہے تو ان میں تیسرا شیطان ہوتا ہے۔''

لہٰذا ضروری ہے کہ عورت اور ڈاکٹر کے ساتھ عورت کا شوہر یا کوئی اور محرم رشتہ دار موجود ہونا چاہیے۔ اگر وہ موجود نہ ہو تو پھر قرابت دار عورتوں کی موجودگی ضروری ہے۔ اگر مذکورہ لوگوں میں سے کوئی نہ ہو اور مرض خطرناک ہو جس میں تاخیر کرنا ممکن نہ ہو تو کم از کم نرس وغیرہ ضرور موجود ہو، تاکہ خلوت نہ رہے۔

[فتاوی ورسائل الشیخ محمدبن ابراھیم: ۱۰/۱۲]

عورت کا غیر محرم مرد کی طرف دیکھنا:

سوال: عورت کا کسی غیر محرم مرد کو ٹیلی ویژن پر یا راہ چلتے ہوئے فطری نظر سے دیکھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: عورت کا مرد کو دیکھنا خواہ ٹیلی ویژن پر ہو یا کہیں اور، دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو وہ شہوت اور لذت کی نظر سے دیکھتی ہے۔ ایسی نظر سے دیکھنا فتنہ وفساد کے سبب حرام ہے۔

دوسری صورت یہ کہ وہ شہوانہ نظر سے نہ دیکھے۔ اہل علم کے اصح قول کے مطابق اس صورت میں کوئی حرج نہیں ہے اور ایسا دیکھنا جائز ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حبشی مردوں کے کھیل کود کو دیکھتی تھیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں کھلاڑیوں کی نگاہوں سے چھپائے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کھیل دیکھنے سے منع نہ فرمایا۔ [فتوی از شیخ ابن بازؒ: فتاوی المرأۃ: ج ۱ ص ۴۳]

............*

فصل ۳:

عورت اور زیب وزینت

زیب وزینت اور اسلام:

اسلام زیب وزینت اختیار کرنے اور حسن و جمال اپنانے کے قطعاً خلاف نہیں ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اسلام خوبصورتی، صفائی ستھرائی، پاکیزگی اور نفاست وطہارت کو پسند کرتا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيَامَةِ﴾[الاعراف:۳۲]

''(اے نبیؐ!) آپ فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ زینت، جسے اس نے اپنے بندوں کے لیے بنایا ہے اور کھانے پینے کی پاکیزہ چیزوں کو کس شخص نے حرام کیا ہے؟! آپ کہہ دیجیے کہ یہ چیزیں دنیوی زندگی میں مومنوں کے لیے بھی ہیں اور قیامت کے روز تو یہ صرف مومنوں ہی کے لیے خاص ہوں گی۔''

اسی طرح طہارت اور پاکیزگی کے بارے میں حدیث نبویؐ ہے:

((اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِيْمَانِ))[1]

''طہارت ایمان کا حصہ ہے۔'' [شطر کا معنی آدھا حصہ یا بڑا حصہ بھی ہوتا ہے]

بلکہ جو شخص طہارت وپاکیزگی کا خیال نہیں رکھتا اس کی مذمت کی گئی ہے مثلاً پیشاب کے چھینٹوں سے جو شخص اپنا بچاؤ نہیں رکھتا اسے عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔اسی طرح میلا کچیلا رہنے کو بھی آنحضرت ﷺ نے پسند نہیں فرمایا۔حتی کہ بری وضع اختیار کیے رہنے کو بھی پسند نہیں کیا،قرآن مجید میں ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ﴾[البقرة:۲۲۲]

''بے شک اللہ تعالیٰ بہت توبہ کرنے والوں اور پاکیزگی حاصل کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں۔''

﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ﴾[المدثر:٤]

''اور اپنے کپڑے پاک رکھو۔''

(۱) مسند دارمی: كتاب الوضوء(ح۳)، مسند احمد(ج۵ ص۳۴۳،۳۴۴)، مسلم: كتاب الطهارة: باب فضل الوضوء (ح۲۲۳)، ترمذی: كتاب الدعوات (باب۸۶)

زیب وزینت کی حدود:

گزشتہ دلائل سے معلوم ہوا کہ اسلام زیب وزینت کی اہمیت کو تسلیم کرتا ہے بلکہ ان کی طرف رغبت بھی دلاتا ہے البتہ زیب وزینت کے سلسلہ میں اسلام نے کچھ حدود وقیود کا تعین کر دیا ہے جن کا لحاظ رکھنا انسان کی اُخروی فلاح کے علاوہ معاشرتی لحاظ سے دنیوی کامیابی کا سبب بھی ہے۔ اور انہیں نظر انداز کرنا انسان کی اپنی تباہی کے مترادف ہے۔ آئندہ سطور میں ہم زیب وزینت کی حدود پر روشنی ڈالیں گے۔

صفائی اور پاکیزگی میں فرق:

سب سے پہلے یہ بات یاد رہے کہ صفائی وستھرائی اور طہارت وپاکیزگی میں تھوڑا سا فرق ہے اور یہ فرق اتنا اہم ہے کہ ایک شخص بظاہر صاف ستھرا ہونے کے باوجود ناپاک اور نجس ہوسکتا ہے اور ایک شخص بظاہر میلا کچیلا نظر آنے کے باوجود پاک اور طاہر ہوسکتا ہے۔ اس فرق میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں صاف ستھرا ہونے کے ساتھ پاک ہونا بھی ضروری ہے، اگر کوئی شخص پاک نہ ہو مگر ظاہری صفائی کی اس نے انتہا کر دی ہو تو یہ سب بے فائدہ ہے۔ [مزید تفصیلات آگے عورت اور طہارت کے تحت ملاحظہ فرمائیں]

مرد وزن میں زیب وزینت کا فرق:

زیب وزینت اور بناؤ سنگھار کرنے کی اسلام نے مرد وزن دونوں کو اجازت دی ہے لیکن دونوں فریقوں میں تھوڑا سا فرق رکھا ہے، وہ یہ کہ مردوں کے لیے ہر وقت بناؤ سنگھار کرتے رہنے کو اسلام مکروہ سمجھتا ہے کیونکہ فطرتی طور پر مرد کی ساخت کام کاج کرنے، چست رہنے اور بھاگنے دوڑنے والی ہے، جبکہ عورت کی ساخت اور طبیعت اس کے برعکس نزاکت والی ہے۔ اس لیے عورتوں کو بناؤ سنگھار تو مناسب رہتا ہے لیکن مرد اگر عورتوں کی طرح بننے سنورنے پر رہے تو اس کے کام کاج متاثر ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عورتوں کی طبیعت، ساخت، اور ذوق کے پیش نظر انہیں سونے، چاندی اور ریشم کے استعمال کی کھلی اجازت دی گئی مگر مرد کے لیے سونے اور ریشم کے استعمال کو ممنوع ٹھہرا دیا گیا۔ اسی طرح مردوں کے لیے سر منڈانا جائز ہے مگر عورتوں کے لیے سر منڈانے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن بریدۃ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ میں سے ایک شخص سفر کر کے حضرت فضالہ

بن عبید رضی اللہ عنہ کے پاس مصر گئے اور کہا میں صرف زیارت کے لیے نہیں آیا بلکہ اس لیے آیا ہوں کہ میں نے اور آپؓ نے آنحضرت ﷺ سے ایک حدیث سنی تھی اور مجھے امید ہے کہ آپ کو اس سلسلہ میں کچھ معلومات ہوں گی۔ انہوں نے کہا کون سی؟ اس شخص نے کہا فلاں فلاں۔ پھر اس نے کہا: ''کیا وجہ ہے کہ آپ کو علاقے کا حکمران ہونے کے باوجود میں پراگندہ حالت میں دیکھ رہا ہوں؟'' انہوں نے جواب دیا: ''اللہ کے رسول ﷺ ہمیں بہت زیادہ بناؤ سنگھار سے منع کیا کرتے تھے۔'' پھر وہ کہنے لگے: ''کیا وجہ ہے کہ آپ نے جوتا بھی نہیں پہن رکھا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ اللہ کے رسول ﷺ ہمیں کہا کرتے تھے کہ کبھی کبھار ننگے پاؤں بھی چلا کرو۔''[1]

ہر وقت بناؤ سنگھار:

ہر وقت بناؤ سنگھار کی طرف لگے رہنے کو بھی اسلام پسند نہیں کرتا کیونکہ اگر کوئی شخص خواہ مرد ہو یا عورت، ہر وقت زیب و زینت اختیار کرنے، میک اَپ کرنے، بال سنوارنے، سرخی پاؤڈر لگانے، فیشن کرنے کی طرف متوجہ رہے گا تو اس کا دائرہ عمل، کام کاج اور دیگر ذمہ داریاں متاثر ہوں گی۔ ہر وقت یہ خدشہ رہے گا کہ اس کا میک اَپ خراب نہ ہو، اس کے استری شدہ کپڑوں پر سلوٹ نہ پڑ جائے، اس کے بالوں کی مانگ نہ بل جائے، اس کے چہرے کا غازہ اور کریم نہ اتر جائے، بلکہ لوگ فتوی لینے آ جاتے ہیں کہ دلہن نے میک اَپ کیا ہے، رخصتی سے پہلے یا شوہر کے پاس پہنچنے سے پہلے اگر نماز کا وقت ہو جائے تو میک اَپ بچانے کے لیے وہ تیمّم کر کے نماز پڑھ لے یا نہیں......؟!

اب آپ خود بتایئے عورتوں کی رخصتی کیا عہدِ نبویؐ میں نہیں ہوا کرتی تھی؟ کیا وہ بناؤ سنگھار نہیں کرتی تھیں؟ کیا اس بناؤ سنگھار کے دوران نمازوں کا وقت نہیں آتا تھا؟ یہ سب کچھ ہوتا تھا مگر کہیں یہ ذکر نہیں کہ میک اَپ بچانے کے لیے کسی صحابیہ یا تابعیہ وغیرہ نے تیمم کیا ہو یا کسی نے اس کا فتوی جاری کیا ہو!

تشبہ بالکفار:

زیب و زینت اور بناؤ سنگھار میں کوئی ایسی وضع قطع اختیار نہ کی جائے جو کسی غیر مسلم قوم کے لیے معروف ہو یا ان کا شعار بن چکی ہو مثلاً ہندو عورتیں خوبصورتی کے لیے ماتھے پر قشقہ اور بندیا لگاتی ہیں اور یہ

(۱) سنن ابوداؤد: کتاب الترجل (حدیث ۴۱۶۰)

ان کا شعار بن چکا ہے۔ اس لیے اس عمل میں ان کی مشابہت درست نہیں۔ لیکن افسوس کہ ہمارے ہاں جب کسی بھی غیر مسلم کا کوئی خاص فیشن منتقل ہوتا ہے تو سبھی اس کی پیروی اور نقالی میں لگ جاتے ہیں کسی فنکار اور اداکار نے لباس یا بالوں کا کوئی انداز اختیار کر کے اپنے فن کا مظاہرہ کیا تو اسے دیکھنے والے بھی اس جیسا انداز اور وضع اختیار کرنے لگتے ہیں، ویسی وضع بنانے والے بیسیوں حجام اور بیوٹی پارلر میدان میں آ جاتے ہیں۔ پھر سب سے بڑھ کر یہ بات خطرناک ہے کہ کفار کی مشابہت و نقالی کا گناہ کر کے اس پر ہماری عوام خوشی اور فخر کا اظہار کرتی ہے!

تکبر اور غرور کے لیے فیشن:

زیب وزینت اور فیشن کا یہ مقصد نہیں کہ انسان اپنے آپ کو خوبصورت بنا کر دوسرے لوگوں پر فخر اور برتری کا اظہار کرنے لگے اور اپنے سے کم خوبصورت یا بدصورت لوگوں کو ہدفِ طنز بنائے اور ان سے مزاح کرے۔ ایسے متکبر لوگوں کو اللہ پسند نہیں کرتے۔ تکبر کرنے والے کو یہ سوچنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے حسن و جمال کو تقسیم کیا ہے۔ اگر اسے حسن و جمال کا کچھ زیادہ حصہ ملا ہے تو وہ اللہ کا خاص کرم اور نعمت ہے اور اس نعمت پر اس کا امتحان بھی لیا جا رہا ہے۔ اگر یہ اس نعمت پر اللہ کا شکر ادا نہ کرے بلکہ دوسروں کو حقیر سمجھے تو ہوسکتا ہے کہ آخرت کے علاوہ یہاں دنیا میں بھی اسے اس کی سزا مل جائے اور اس کا حسن بدصورتی میں بدل جائے۔

زیب وزینت اور حرام چیزیں:

زیب وزینت کے لیے کسی ایسی چیز کو استعمال نہ کیا جائے جسے قرآن و حدیث میں ممنوع قرار دیا گیا ہے کیونکہ قرآن و حدیث میں ممنوع اور حرام کی گئی چیزوں کو جائز اور حلال سمجھنے والوں کو عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

سونے چاندی کے برتن، آلات اور دیگر مصنوعات:

سونے چاندی کے زیورات عورتوں کے لیے حلال ہیں البتہ مردوں کے لیے سونے کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ سونے چاندی کے جتنے استعمال کو اسلام نے جائز قرار دیا ہے صرف اسی حد تک اسے [illegible] کر فائدہ اٹھانا چاہیے، اس سے تجاوز درست نہیں۔ اب اگر کوئی مرد یا عورت سونے چاندی کے برتن یا سونے

چاندی کے بنے ہوئے ڈیکوریشن پیس اس لیے خریدے کہ اس سے گھر کی خوبصورتی میں اضافہ کیا جائے تو یہ عمل حرام کو حلال کر لینے والی بات ہے، جسے اسلام نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

عورت کے لیے سر کے بال کاٹنا:

حج یا عمرہ کے موقع پر تو عورت سر کے بال کٹوائے گی کیونکہ یہ مناسکِ حج و عمرہ کا حصہ ہے البتہ عام حالات میں عورت سر کے بال کٹوا سکتی ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں اہل علم کا اختلاف ہے اور یہ اختلاف درج ذیل روایت کے مفہوم کے تعین سے پیدا ہوا:

((عن ابی سلمة قال كَانَ أَزْوَاجُ النَّبِيِّ يَأْخُذْنَ مِنْ رُؤُوسِهِنَّ حَتّٰى تَكُوْنَ كَالْوَفْرَةِ))

''حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ: اللہ کے رسول ﷺ کی اَزواجِ مطہراتؓ اپنے سر کے بال کاٹ لیتیں حتیٰ کہ وہ 'وفرہ' کی طرح ہو جاتے۔''(۱)

اس حدیث میں ''يَأْخُذْنَ'' کا جو لفظ آیا ہے اس کے معنی میں اختلاف ہے۔ بعض شارحینِ حدیث نے اس کا معنی کاٹنا لیا ہے اور اس بنیاد پر عورت کے لیے بال کٹوانے کو جائز قرار دیا ہے جیسا کہ مسلم کی اس حدیث کی شرح میں امام نوویؒ فرماتے ہیں:

((وفيه دليل على جواز تخفيف الشعور للنسآء))

''اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ عورت اپنے سر کے بال ہلکے کر سکتی ہیں۔''(۲)

بعض اہل علم نے يَأْخُذْنَ کا معنی اٹھانا، اور پکڑنا لیا ہے یعنی ان کے بقول اَزواجِ مطہرات سر کے بال کٹواتی نہیں تھیں بلکہ وہ بالوں کا جوڑا اس انداز سے بنا لیتی تھیں کہ بال اس طرح کٹے ہوئے معلوم ہوتے جیسے 'وفرہ' ہوں۔ 'وفرہ' دراصل عربوں کا ایک ہیئر سٹائل تھا جس میں کانوں کی لو تک بال کٹوائے جاتے تھے۔

اس مسئلہ کو ہم بنیادی اصولوں کی روشنی میں حل کریں تو ہمارے سامنے یہ بات آتی ہے کہ لباس اور بال وغیرہ کا تعلق معاملات سے ہے اور معاملات میں اصول یہ ہے کہ ہر چیز جائز ہے لیکن جس کے ناجائز ہونے کی دلیل قرآن و حدیث میں آ جائے وہ جائز نہیں۔

---

(۱) مسلم: كتاب الحيض: باب القدر المستحب من المآء فى غسل الجنابة..... (ح ۳۲۰)

(۲) شرح مسلم، از امام نوویؒ (ج ۱ ص ۱۴۸)

اس اصول کی روشنی میں جب ہم عورتوں کے بالوں کے سلسلہ میں ذخیرہ احادیث کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں صرف اس بات کی ممانعت ملتی ہے کہ عورت سر کے بال نہ منڈائے۔ کٹوانے کی ممانعت کہیں موجود نہیں لہذا اپنے بنیادی قاعدے کی رو سے عورت کے لیے بال کٹوانا جائز ہے۔

اس کی تائید اس بات سے بھی ہو جاتی ہے کہ حج وعمرہ کے موقع پر عورتوں کو بھی بال کٹوانے کا کہا گیا ہے اور اسے حج وعمرہ کے مناسک کا حصہ قرار دیا گیا ہے۔ حج وعمرہ کے موقع پر عورت کے لیے بال کٹوانا تو حکماً لازم ہے لہذا جب اس موقع پر عورت بال کٹوا سکتی ہے تو دیگر مواقع پر بھی اس کے اس عمل کو قبیح نہیں کہا جاسکتا کیونکہ دیگر مواقع پر اس کی کوئی ممانعت نہیں کی گئی۔ اس کی مزید تائید اَزواجِ مطہرات والی حدیث سے بھی ہو جاتی ہے اور اس میں ان شارحینِ حدیث کی بات قوی ہے جو یَاْخُذْنَ سے بال کٹوانا مراد لیتے ہیں۔ عرب کے معروف محدث شیخ ناصر الدین البانیؒ نے بھی اس حدیث سے بال کٹوانے کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ (۱)

علاوہ اَزیں بے شمار عرب علماء نے اسے جائز قرار دیا ہے، اس سلسلہ میں سعودی عرب کے معروف مفتی شیخ ابن بازؒ کا فتوی بھی آگے درج کیا جا رہا ہے۔ البتہ سر کے بال کٹوانے کے سلسلہ میں عورتوں کو چند امور مدنظر رکھنا چاہییں:

۱)......سر کے بال اس انداز سے نہ کٹوائے جائیں کہ مردوں سے مشابہت ہو اور پہچانا ہی نہ جائے کہ یہ عورت ہے یا مرد۔ آنحضرت ﷺ نے اس عورت پر لعنت کی ہے جو مردوں سے مشابہت کرتی ہے۔ اَزواجِ مطہرات کے بال کاٹنے کے سلسلہ میں یہ بیان ہوا ہے کہ وہ اس طرح معلوم ہوتے جیسے وفرہ ہیں یعنی پورے وفرہ نہیں بن جاتے تھے۔ وفرہ بن جائیں تو پھر تو مردوں سے مشابہت ہو جائے گی۔

۲)......کسی اجنبی (غیر محرم) شخص سے بال نہ کٹوائے جائیں کیونکہ غیر محرموں سے عورت کو مکمل پردہ کرنا چاہیے اور اس پردہ میں سر کے بال بھی شامل ہیں اور اگر غیر محرم مرد عورت کے بال کاٹے گا تو یہ اسے چھوئے گا بھی اور یہ دوہرا گناہ ہے۔ لیکن افسوس کہ ہمارے ہاں اب یہ بے غیرتی بھی عام ہوتی جا رہی ہے۔ مردوں سے ڈیلنگ کے لیے عورتیں ہیں اور عورتوں سے ڈیلنگ کے لیے مرد بٹھا دیئے گئے ہیں!

۳)......سر کے بال بے پردگی کا مظاہرہ کرنے کے لیے نہ کٹوائے جائیں بلکہ غیر شادی شدہ عورت کو تو بال

(۱) حجاب المرأة المسلمة (ص ۲۸)

کٹوانے کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہوتی، البتہ شادی شدہ عورت اگر اپنے خاوند کو خوش نما نظر آنے یا اس کی خوشی اور فرمائش کے مطابق بال کٹوالے تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن ہمارے ہاں عورتیں سر کے بال کٹواتی ہیں غیر محرموں کو دکھانے اور ان کی نظروں میں خوشنما بننے کے لیے۔ یہ عمل سراسر غلط، اسلامی تعلیمات کے یکسر منافی اور شرم و حیاء کو بالائے طاق رکھنے کے مترادف ہے۔

پاک و ہند میں چونکہ سر کے بال نہ کٹوانا ہی عورتوں کے لیے حسن و جمال اور باعثِ شرف و وقار سمجھا جاتا ہے، اس لیے یہاں علاقائی روایت کے پیش نظر عورت کے لیے سر کے بال کٹوانا اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ مگر جہاں تک اس مسئلہ کی شرعی حیثیت کا تعلق ہے تو وہ ہم نے واضح کردی کہ عورت بال کٹوا سکتی ہے۔

جسم کے دیگر حصوں کے بال:

سر کے بالوں کے علاوہ جسم کے دیگر حصوں کے بالوں میں سے بعض تو وہ ہیں جنہیں صاف کرنے کا اسلام میں حکم دیا گیا ہے اور بعض وہ ہیں جن کے بارے میں کچھ نہیں کہا گیا، جن بالوں کو صاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ان میں بغلوں، مونچھوں اور زیر ناف کے بال شامل ہیں۔ مونچھوں کے بالوں کو اچھی طرح پست کرنے کا حکم ہے، بغلوں کے بالوں کو اکھیڑ دینے اور شرمگاہ کے اردگرد بالوں کو مونڈ دینے کا حکم ہے۔

اب ان تینوں سے متعلقہ احادیث ملاحظہ فرمائیے:

((عن ابی ھریرۃؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ: خَمْسٌ مِنَ الْفِطْرَةِ اَلْخِتَانُ وَالْاِسْتِحْدَادُ وَنَتْفُ الْاِبِطِ وَتَقْلِيْمُ الْاَظْفَارِ وَقَصُّ الشَّارِبِ))

''حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: پانچ چیزیں فطرت سے ہیں: (۱) ختنہ کرنا، (۲) زیر ناف بال کاٹنا (۳) بغلوں کے بال اُکھیڑنا (۴) ناخن کاٹنا، (۵) اور مونچھیں پست کرنا۔''[1]

بغلوں کے بالوں کو صاف کرنے کے لیے 'نتف' کے الفاظ آئے ہیں جن کا معنی ہے اکھیڑنا۔ یعنی بغلوں کے بال اکھیڑ کر الگ کرنے چاہییں لیکن یہ ضروری نہیں مثلاً ایک شخص کو اس میں تکلیف محسوس ہوتی ہے تو وہ اکھیڑنے کی بجائے مشین یا استرے سے انہیں صاف کردے تو تب بھی درست ہے کیونکہ شریعت کا مقصود یہ

(۱) بخاری: کتاب اللباس: باب قص الشارب (ح ۵۸۸۹)، مسلم (ح ۳۵۷)، ابوداؤد (ح ۴۱۹۸)، ترمذی (ح ۲۷۵۶)، ابن ماجه (ح ۲۹۲)، احمد (ج ۲ ص ۲۲۹، ۲۳۹)

ہے کہ انہیں صاف کیا جائے، بڑھنے نہ دیا جائے۔ انہیں چھوڑ دینے کی مہلت زیادہ سے زیادہ چالیس دن تک ہے۔ بغلوں کے بالوں کو اُکھیڑنے کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس طرح بال بہت زیادہ نہیں آتے لیکن استرا استعمال کرنے سے ساری بغلیں بالوں سے بھر جاتی ہیں۔ بغلوں کے بال اکھیڑنے میں اگر تکلیف ہو تو اس کا حل یہ ہے کہ بغل کو گرمائش پہنچائی جائے اور پھر بال اکھیڑے جائیں تو آسانی سے اکھڑیں گے مثلاً سردی کے موسم میں دھوپ کے ذریعے یا پانی کی بھاپ کے ذریعے ایسا کیا جاسکتا ہے۔ ایک ایک دو دو بال اکھیڑنے سے یہ عمل شروع کیا جائے اور بال اُکھیڑتے وقت اچانک جھٹکا دیں تو تکلیف کم محسوس ہوگی۔

اس روایت میں زیر ناف بالوں کو مونڈنے کا کہا گیا ہے اس سلسلہ میں ایک بات تو یہ قابل وضاحت ہے کہ زیر ناف سے مراد شرمگاہ اور اس کے ارد گرد کا حصہ ہے ساری رانیں اور ناف تک کے سارے بال صاف کرنے کا نہیں کہا گیا کیونکہ بعض روایات میں حلق العانۃ کے الفاظ آئے ہیں۔ حلق مونڈنے کو کہتے ہیں جب کہ عانۃ سے مراد:

((الشعر الذی فوق ذکر الرجل وحوالیہ وکذلك الشعر الذی حول فرج المرأۃ......فیحمل من مجموع ھذا استحباب حلق جمیع ما علی القبل والدبر وحولھما))[1]

یعنی وہ بال جو عورت یا مرد کی شرمگاہ کے اگلے یا پچھلے حصہ پر ہوں یا ان کے ارد گرد ہوں۔ بعض روایات میں انہیں مونڈنے کا حکم دیا گیا ہے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں کسی بال صفا پوڈر سے بھی صاف کیا جاسکتا ہے جیسا کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

((ان النبی اِذَا اطَّلٰی بَدَءَ بِعَوْرَتِہٖ فَطَلَاھَا بِالنُّوْرَۃِ وَسَائِرَ جَسَدِہٖ اَھْلُہٗ))

''نبی اکرم ﷺ جب نورہ (بال صفا چونا) استعمال کرنا چاہتے تو اپنی شرمگاہ سے شروع کرتے، وہاں تو آپ ﷺ خود اپنے ہاتھ سے چونا لگاتے جبکہ بقیہ جسم پر آپ ﷺ کی اہلیہ چونا لگا دیتی۔''[2]

زیر ناف بال صاف کرنا اصل مقصود ہے یہ مقصود خواہ مونڈنے سے حاصل ہو یا بال صفا پوڈر سے یا کسی اور چیز سے، ساری صورتیں درست ہیں اور ان میں انسان کی اپنی سہولت کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ خود صحابہ کرامؓ بھی استرے کے علاوہ بال صفا پوڈر، چونا وغیرہ استعمال کرلیا کرتے تھے۔[3]

---

(۱) نیل الاوطار (ج ا ص ۱۲۸)، شرح مسلم از نووی (ج ۲ ص ۱۵۱)

(۲) ابن ماجہ: کتاب الادب: باب الاطلاء بالنورۃ (ح ۳۷۵۱، ۳۷۵۲)

(۳) مجمع الزوائد (ج ا ص ۲۸۳)، السنن الکبریٰ (ج ا ص ۱۵۲)

چالیس دنوں کی مہلت:

مونچھوں، بغلوں اور زیر ناف کے بالوں کے بارے میں بہتر طریقہ تو یہی ہے کہ ہر ہفتے غسل کرتے وقت ان کی بھی صفائی ستھرائی اور کٹوائی کی طرف توجہ کر لی جائے لیکن اگر کوئی شخص ہر ہفتے ان بالوں کی خبر نہ لے تو کوئی حرج بھی نہیں، البتہ چالیس دنوں تک ان کی خبر لے لینی چاہیے اور چالیس دنوں سے ایک دن بھی زیادہ نہیں ہونا چاہیے جیسا کہ گزشتہ حدیث میں ہے۔

سر، بغل اور زیر ناف بالوں کے علاوہ بال:

سر، بغلوں اور زیر ناف بالوں کے احکام تو گزشتہ سطور میں بیان ہو چکے البتہ ان کے علاوہ جسم کے دیگر حصوں مثلاً سینہ، ٹانگیں، بازو وغیرہ کے بالوں میں کاٹنے یا نہ کاٹنے کے حوالے سے کوئی صحیح حدیث موجود نہیں۔ اس لیے اس مسئلہ میں بنیادی اصول کی روشنی میں اگر دیکھا جائے تو پھر انہیں کاٹنے یا مونڈنے کی اجازت معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس کی ممانعت نہیں کی گئی۔ مرد کے لیے داڑھی کے بال مونڈنے یا عورت کے لیے سر کے بال مونڈنے کی ممانعت اور زیر ناف اور مونچھوں اور بغلوں کے بالوں کو چالیس دنوں کے اندر اندر کاٹنے کی وضاحت احادیث میں آ چکی ہے۔ ان کے علاوہ جسم کے دیگر حصے کے بالوں کے سلسلہ میں رخصت ہے۔

اگر کوئی عورت اپنے خاوند کے لیے بناؤ سنگھار کے سلسلہ میں بازو اور ٹانگوں کے بال صاف کرتی ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ جسم کے ان حصوں کے بالوں سے چھیڑ چھاڑ نہ کرنا ہی مناسب ہے۔ بالخصوص مردوں کے لیے۔ اگر سینے، بازو اور ٹانگ وغیرہ کے بال کاٹے یا مونڈے جائیں تو دوبارہ یہ پہلے سے گھنے ہو کر آتے ہیں، اس لیے ان کا بہت زیادہ گھنا ہو جانا بھی اچھا نہیں لگتا۔ جس حد تک اللہ تعالیٰ نے انہیں قدرتی شکل میں رکھا ہے اسی حد تک انہیں رہنے دیا جائے تو اسی میں خیر ہے۔

چہرے اور ابروؤں کے بال:

خوبصورتی اور فیشن کے لیے ابرو کے بال کاٹنے جائز نہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے جیسا کہ حضرت علقمہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایسی تمام عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو (جسم) گودنے والی اور گدوانے والی، چہرے کے (روئیں جیسے نرم وملائم) بال اُکھیڑنے

والی، خوبصورتی کے لیے دانتوں میں کشادگی کروانے والی، اللہ کی (فطرتی) تخلیق میں تبدیلیاں کرنے والی ہیں۔ ام یعقوب نامی ایک عورت نے ان سے کہا کہ آپ عورتوں پر کیوں اس طرح لعنت کرتے ہیں؟

ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ان پر لعنت کیوں نہ کروں جس پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی لعنت فرمائی ہے اور وہ اللہ کی کتاب (قرآن) میں بھی موجود ہے۔ وہ عورت کہنے لگی کہ اللہ کی قسم! میں نے ان دو گتوں کے درمیان جو کچھ ہے وہ سارا پڑھا ہے لیکن میں نے تو اس میں کوئی ایسی بات نہیں دیکھی۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر تم نے اس کو توجہ سے پڑھا ہوتا تو یہ آیت ضرور دیکھتی: ''جو کچھ رسول تمہیں دے دیں وہ لے لو اور جس سے رسول تمہیں منع کر دیں، اس سے رک جاؤ۔''[1]

صحیح مسلم میں ہے کہ یہ عورت بنو اسد قبیلہ سے تعلق رکھتی تھی، اس نے یہ آیت سننے کے بعد حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا:

((فَإِنِّيْ أَرٰى شَيْئًا مِنْ هٰذَا عَلٰى اِمْرَأَتِكَ الْآنَ قَالَ اِذْهَبِيْ فَانْظُرِيْ))[2]

''میرا گمان ہے کہ آپ کی بیوی نے بھی ایسا کر رکھا ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا جاؤ، دیکھ آؤ۔''

وہ عورت ان کے گھر گئی لیکن اس نے دیکھا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی نے تو ایسا کوئی کام نہیں کیا (جو اس حدیث کی وجہ سے قابلِ اعتراض ہوتا) چنانچہ وہ واپس آئی اور کہنے لگی: میں نے وہاں کوئی قابل اعتراض چیز نہیں دیکھی۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((أَمَا لَوْ كَانَ ذٰلِكَ لَمْ نُجَامِعْهَا)) ''اگر اس نے ایسا کیا ہوتا تو میں اسے طلاق دے دیتا۔''

مذکورہ حدیث میں 'نمص' کا لفظ استعمال ہوا ہے جو روئیں کی طرح اُن نرم و ملائم بالوں کے لیے بولا جاتا ہے جو عورتوں کے چہروں پر بالعموم اور مردوں کے چہروں پر بلوغت کے قریب ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ بال یا تو خود ہی جھڑ جاتے ہیں یا مزید نہیں بڑھتے۔ عورتیں انہیں مختلف کیمیکلز کے ذریعے اتارتی ہیں تاکہ جلد کی سفیدی میں مزید نکھار دکھائی دے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بالوں کو صاف کرنے سے منع فرمایا ہے۔ لیکن یہاں سوال یہ ہے کہ آیا ابروؤں کے بال اور بعض خواتین کے خلاف معمول داڑھی پر اُگنے والے بال بھی اس میں شامل ہیں یا نہیں؟ اس میں اہل علم کی دونوں طرح کی آراء موجود ہیں۔

(۱) بخاری: کتاب اللباس: باب المتنمصات (ح ۵۹۳۹)، مسلم (ح ۲۱۲۵)

(۲) مسلم: کتاب اللباس: باب تحریم فعل الواصلة والمستوصلة۔ (ح ۲۱۲۵)

میری تحقیق اس سلسلہ میں یہ ہے کہ ابروؤں کے بال تو اس تحریم میں آ سکتے ہیں لیکن داڑھی یا مونچھوں پر اُگ آنے والے بال اس میں داخل نہیں کیونکہ یہ خلافِ معمول بعض خواتین کو اُگ آتے ہیں اور جس چیز پر آنحضرت ﷺ لعنت فرما رہے ہیں، وہ خواتین کے خلافِ فطرت اُگنے والے بال نہیں بلکہ چہرے کے اَطراف میں روئیں کی طرح نرم و ملائم بال مراد ہیں جو عام طور پر بعض عورتوں کے موجود ہوتے ہیں مگر زیادہ نمایاں نہیں ہوتے۔

بعض لوگ خواتین کے داڑھی، مونچھوں کے بال کو تَغییر لِخَلْقِ اللہ قرار دے کر اسے حرام کہتے ہیں حالانکہ یہ تغییر لخلق اللہ ہرگز نہیں اس لیے کہ عورت کی فطرت و ساخت میں داڑھی مونچھوں کے بال نہیں ہیں اور نہ ہی سبھی عورتوں میں یہ بال اُگتے ہیں، البتہ شاذ و نادر بعض عورتوں میں اپنی فطرت اور ساخت کے خلاف ایسے بال اُگ آتے ہیں۔ انہیں اگر وہ کاٹ لیں تو یہ خلافِ فطرت عمل قرار نہیں دیا جا سکتا بلکہ ایسی عورتوں کو ان بالوں کے صاف کرنے کا کہنا چاہیے تاکہ ان کی مردوں سے مشابہت نہ ہو۔

صحیح مسلم کی اس روایت کی شرح میں امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی عورت کی داڑھی اور مونچھیں اُگ آئیں تو اس کے لیے ان (خلافِ معمول) بالوں کو صاف کر لینا حرام نہیں ہے بلکہ ہمارے نزدیک تو یہ مستحب ہے کہ وہ ان بالوں کو صاف کر لے۔

روزانہ کنگھی کرنا:

روزانہ کنگھی کرنے کے بارے میں دو طرح کی احادیث ہیں، ایک وہ جن میں اسے ناپسند کیا گیا ہے اور دوسری وہ جن میں اس کی اجازت کی طرف اشارہ ملتا ہے مثلاً پہلی قسم کی چند روایات یہ ہیں:

۱)..... عبداللہ بن شقیق بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے صحابہؓ میں سے ایک صحابی مصر کے گورنر تھے، انہیں ان کے ایک ساتھی ملنے آئے تو دیکھا کہ وہ (گورنر صحابیؓ) بکھرے بال اور پراگندہ حالت میں ہیں تو انہوں نے کہا آپ گورنر ہیں اور اس کے باوجود آپ کے بال پراگندہ ہیں؟ اس صحابیؓ نے جواب دیا کہ اللہ کے رسول ﷺ ہمیں اِرفاہ سے منع فرماتے تھے۔ ہم نے پوچھا کہ ارفاہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا:

((اَلتَّرَجُّلُ كُلَّ يَوْمٍ)) ''روزانہ کنگھی کرنا۔''(۱)

(۱) نسائی: کتاب الزینۃ: باب الترجل غبا (ح ۵۰۶۱)

اِرفاہ دراصل رفہ سے ہے جس کا لغوی معنی خوشحالی، آسودگی اور ناز ونعم کی حالت کی طرف اشارہ کرتا ہے یہاں اس سے مراد یہی ہے کہ حد سے زیادہ کنگھی سرمہ اور بناؤ سنگھار نہ کیا جائے۔

۲)......حمید بن عبدالرحمٰن حمیری بیان کرتے ہیں کہ میں ایک ایسے آدمی سے ملا جو حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ کی طرح چار سال اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ رہا تھا، اس صحابی نے فرمایا:

((نَهَانَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَنْ يَمْتَشِطَ اَحَدُنَا كُلَّ يَوْمٍ))

''اللہ کے رسول ﷺ ہمیں روزانہ کنگھی کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔''(۱)

روزانہ کنگھی کرنے کے جواز کی احادیث درج ذیل ہیں:

۱)......ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے بال گھنے اور کندھوں تک لمبے تھے اور انہوں نے حضورؐ سے سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((اَنْ يُحْسِنَ اِلَيْهَا وَاَنْ يَتَرَجَّلَ كُلَّ يَوْمٍ))

''بالوں کے ساتھ حسن سلوک کرو اور روزانہ کنگھی کیا کرو۔''(۲)

۲)......ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ نے اللہ کے رسول ﷺ سے عرض کیا کہ میرے بال کندھوں تک لٹکنے والے ہیں، کیا میں انہیں کنگھی کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اور ان کی تکریم کرو۔ چنانچہ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ، اللہ کے رسول ﷺ کی اس بات کے پیش نظر بعض اوقات دن میں دو دو مرتبہ بھی تیل لگا (کر کنگھی کر) لیا کرتے تھے۔(۳)

ان دونوں طرح کی احادیث میں دو طرح سے تطبیق دی گئی ہے اور دونوں ہی اپنی جگہ درست ہیں۔ ایک یہ کہ جس شخص کے بال گھنے، سخت اور لمبے ہوں، اسے چونکہ روزانہ کنگھی کی ضرورت ہوتی ہے ورنہ اس کی حالت وحشیانہ یا قابلِ نفرت دکھائی دے سکتی ہے تو اسے روزانہ کنگھی کرنے کی اجازت ہے۔ دوسری یہ کہ روزانہ کنگھی کرنا کوئی پسندیدہ کام نہیں اس لیے آپ نے ناپسند کرتے ہوئے اس سے منع کیا لیکن آپ اسے حرام نہیں کرنا چاہتے تھے اس لیے اس کے جواز کے پیش نظر آپ نے روزانہ کنگھی کرنے کی اجازت بھی دے دی۔ گویا اس ممانعت کا تعلق نہی تحریمی (حرام) سے نہیں بلکہ نہی تنزیہی (مکروہ) سے ہے۔

---

(۱) ایضاً باب الاخذ من الشارب (ح ۵۰۵۷)، الصحيحة (ج ۲ ص ۲۰)، ابوداؤد: كتاب الطهارة (ح ۲۸)

(۲) نسائی (ج ۸ ص ۱۸۴) امام شوکانی نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ نیل الاوطار (ج ۱ ص ۱۹۸)

(۳) مؤطا: كتاب الشعر: باب اصلاح الشعر (ح ۶) امام شوکانی نے اسے صحیح کہا ہے۔

علاوہ ازیں ایک دن کے ناغے سے کنگھی کرنے کا یہ معنی نہیں کہ جس دن کنگھی کرنے کی باری ہو اس دن ہر وقت کنگھی پر توجہ رہے بلکہ یہی وہ چیز ہے جس کو آنحضرت ﷺ نے ناپسند فرمایا ہے۔ البتہ عورتوں کے بال چونکہ لمبے اور گھنے ہوتے ہیں اور انہیں زیب و زینت کے حوالے سے مردوں کی نسبت کچھ زیادہ گنجائش بھی دی گئی ہے، اس لیے وہ اس رخصت سے با آسانی فائدہ اٹھا سکتی ہیں بالخصوص شادی شدہ عورتوں کو اپنے خاوندوں کی خوشی کے لیے اپنے بناؤ سنگھار کے حوالے سے قطعاً لاپروا نہیں ہونا چاہیے۔

بالوں کو رنگنے کے مسائل:

بالوں کو رنگنے یا مہندی لگانے کے بارے میں اصولی قاعدہ یہی ہے کہ جس چیز سے اسلام میں منع کر دیا گیا، اس کا استعمال تو ہرگز نہیں کیا جائے گا البتہ جن چیزوں سے منع نہیں کیا گیا ان کا استعمال جائز ہے۔ بالوں کے خضاب کے سلسلہ میں صرف خالص سیاہ رنگ استعمال کرنے سے منع کیا گیا ہے، اس کے علاوہ کسی اور رنگ کے استعمال سے منع نہیں کیا گیا۔ لہٰذا خالص سیاہ رنگ استعمال کرنا درست نہیں۔ البتہ اگر سیاہ رنگ کے ساتھ کوئی اور رنگ بھی ملا لیا جائے تو اس کی بھی احادیث سے گنجائش ملتی ہے۔ سیاہ رنگ سے بال رنگنے کی ممانعت سے متعلقہ چند احادیث یہاں پیش کی جاتی ہیں:

☆......((عن جابر بن عبداللهؓ قَالَ أُتِيَ بِأَبِي قُحَافَةَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ وَرَأْسُهُ وَلِحْيَتُهُ كَالثَّغَامَةِ بَيَاضًا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ: غَيِّرُوا هَذَا بِشَيْءٍ وَاجْتَنِبُوا السَّوَادَ))

''حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے موقع پر (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد) ابوقحافہ رضی اللہ عنہ کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لایا گیا، اس وقت ان کے سر اور داڑھی کے بال ثغامہ نامی (سفید پھول والے ایک) پودے کی طرح سفید تھے۔ آپؐ نے (ان کی بیوی) سے کہا کہ کسی رنگ کے ساتھ ان کے بال رنگ دو البتہ سیاہ رنگ سے اجتناب کرنا۔''[1]

☆......((عن ابن عباسؓ ان النبی قَالَ يَكُونُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ قَوْمٌ يُسَوِّدُونَ أَشْعَارَهُمْ لَايَنْظُرُ اللهُ إِلَيْهِمْ))

---

(۱) مسلم: کتاب اللباس: باب استحباب خضاب الشیب بصفرة وحمرة وتحریمه بالسواد (ح ۲۱۰۲)، ابوداؤد (ح ۴۲۰۴)، ابن ماجه (ح ۳۶۲۴)

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: قیامت سے پہلے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اپنے بالوں کو سیاہ خضاب سے رنگیں گے، اللہ تعالیٰ ان کی طرف نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا۔''(۱)

☆…''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ کچھ یہودی آپؐ کے پاس آئے، آپؐ نے ان کی سفید داڑھیاں دیکھ کر پوچھا کہ تم انہیں رنگتے کیوں نہیں؟ کہا گیا ان کے ہاں اسے رنگنا ناپسند کیا جاتا ہے، آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا لیکن تم انہیں رنگا کرو، البتہ سیاہ رنگ استعمال نہ کرو۔''(۲)

ان احادیث میں پوری صراحت کے ساتھ یہ بات بیان ہوئی ہے کہ خالص سیاہ خضاب کا استعمال ممنوع ہے۔ شارحینِ حدیث نے بھی ان روایات کی بنیاد پر سیاہ خضاب کے استعمال کو حرام کہا ہے۔

سیاہ خضاب کے استعمال کی استثنائی صورت:

سیاہ خضاب کے استعمال کی ایک استثنائی صورت یہ ہے کہ اگر اس کے ساتھ کسی اور رنگ کی آمیزش بھی ہو تو پھر اسے استعمال کرنا جائز بلکہ پسندیدہ ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ

''نبی اکرم ﷺ کے پاس سے ایک شخص گزرا جس نے (سر میں) مہندی لگائی ہوئی تھی آپؐ نے فرمایا یہ کتنا خوبصورت ہے۔ پھر ایک اور آدمی گزرا جس نے مہندی اور کتم (سیاہ رنگ) ملا کر لگایا ہوا تھا، آپؐ نے فرمایا یہ تو اس سے بھی خوبصورت ہے۔ پھر ایک اور آدمی گزرا جس نے زرد خضاب لگایا ہوا تھا آپ نے فرمایا کہ یہ تو ان سب سے خوبصورت لگ رہا ہے۔''(۳)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول نے فرمایا: ''بے شک جس چیز سے تم اپنی سفیدی کو بدلوان ان سب سے بہترین مہندی اور کتم (کا ملاپ) ہے۔''(۴)

کتم سے مراد یہاں سیاہ رنگ ہے یعنی مہندی اور سیاہ رنگ ملا کر لگایا جائے تو یہ نہ صرف جائز بلکہ

---

(۱) مجمع الزوائد (ج۵ص ۱۶۴)، المعجم الاوسط للطبرانی (ح۳۸۱۵) بسند جید

(۲) مجمع الزوائد (ج۵ص ۱۶۰)، امام ہیثمی نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

(۳) ابوداؤد: كتاب الترجل: باب ما جآء في خضاب السواد (۴۲۱۱)، ابن ماجه (۱۱۹۸) اس کی سند میں کلام ہے۔

(۴) ابوداؤد: ایضاً (ح۴۲۰۴)، ترمذی (ح۱۷۵۳)، ابن ماجه (ح ۳۶۲۲)، احمد (ج۵ ص۱۴۷، ۱۵۰، ۱۵۴)، مصنف عبدالرزاق (ح۲۰۱۷۴)، شرح السنة (ج۶ص ۲۰)

پسندیدہ بھی ہے۔ اس کے علاوہ خالص سیاہ خضاب کا استعمال اگر جہادی اغراض و مقاصد (مثلاً جاسوسی وغیرہ) کے لیے کیا جائے تو اس کی بھی فقہاء نے گنجائش دی ہے۔

رنگوں کا فیشن:

خالص سیاہ خضاب کی تو آنحضرت ﷺ نے ممانعت فرمادی ہے البتہ دیگر رنگوں کی ممانعت نہیں فرمائی، اس لیے ان کا استعمال جائز ہے بشرطیکہ ان میں کوئی اور قباحت نہ ہو مثلاً:

(۱) کسی کو دھوکا دینے کی نیت نہ ہو۔ (۲) مردوں کی عورتوں سے اور عورتوں کی مردوں سے مشابہت کا خطرہ نہ ہو۔ (۳) غیر مسلموں کی نقالی مقصود نہ ہو۔ (۴) عورتوں کے پیش نظر بے پردگی اور فحاشی نہ ہو۔

ہمارے ہاں رنگوں کا عجیب فیشن چلا ہوا ہے۔ پہلے سر کے اگلے بال مختلف کیمکلز سے سرخ نما کیے جاتے تھے اور اب سر کے بالوں کو سات رنگی بنانے کا فیشن کیا جاتا ہے، اس فیشن کو حرام تو اس لیے نہیں کہا جاسکتا کہ اس میں حرام والی بات کوئی نہیں لیکن اسے بے پردگی اور بے حیائی کا ذریعہ بنانا اور غیر محرموں کے سامنے اس کی نمائش کرنا کسی طرح بھی درست نہیں۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی یاد رہے کہ بالوں کو رنگنے کے لیے جو کیمیکلز استعمال کیے جارہے ہیں، ان کے انسانی بالوں اور سر کی جلد کو نقصان بھی پہنچتا ہے۔

مہندی سے سر رنگنا:

مہندی کے ذریعے سر کے بال رنگنا مرد وزن ہر ایک کے لیے جائز ہے۔ آنحضرت ﷺ نے خود بھی مہندی لگائی اور کئی ایک صحابہؓ نے بھی مہندی لگائی۔ اس سلسلہ کی بعض روایات پیچھے گزر چکی ہیں۔

ہاتھ پاؤں پر مہندی:

عورتوں کے لیے تو اس سلسلہ میں کوئی ممانعت نہیں بلکہ مستحب ہے کہ وہ مہندی کا استعمال کریں۔ البتہ مردوں کے لیے آپؐ نے یہ بات پسند نہیں فرمائی کہ وہ عورتوں کی طرح ہاتھوں وغیرہ پر پھول، بوٹے اور نقش ونگار بنائیں جیسا کہ درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے:

((عن ابی هریرةؓ أَنَّ النَّبِی أُتِیَ بِمُخَنَّثٍ قَدْ خَضَبَ یَدَیْهِ وَرِجْلَیْهِ بِالْحِنَّاءِ فَقَالَ النَّبِی مَابَالُ هٰذَا؟ فَقِیْلَ یَا رَسُولَ اللّٰه! یَتَشَبَّهُ بِالنِّسَاءِ فَامربه فَنُفِیَ إِلَی النَّقِیعِ قَالُوْا یَا رَسُولَ اللّٰه! أَلَا نَقْتُلُهُ ؟ فَقَالَ إِنِّی نُهِیتُ عَنْ قَتْلِ الْمُصَلِّینَ))

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک ہیجڑے (مخنث) نے مہندی لگا رکھی تھی، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو کہا، یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا: اللہ کے رسول! یہ عورتوں کی مشابہت کے لیے ایسا کرتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ اسے (آبادی سے باہر) مقام نقیع پر بھیج دو، بعض صحابہؓ نے کہا: اللہ کے رسول! اسے قتل نہ کر دیں؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں، مجھے نماز پڑھنے والے لوگوں کے قتل سے منع کیا گیا ہے۔''(1)

البتہ اگر کسی طبی مرض کے پیش نظر مرد بھی سر یا پاؤں وغیرہ پر مہندی لگالے تو پھر اس میں کوئی قباحت نہیں اور ویسے بھی ایسی صورت میں لگائی جانے والی مہندی نقش و نگار کے انداز پر نہیں ہوتی اور ممانعت بھی صرف اس صورت میں ہے جب نقش و نگار بنا کر عورتوں سے مشابہت کی جائے۔

ناخن، مہندی، سرخی اور نیل پالش:

ناخن بڑھ جائیں تو انہیں کاٹ دینا چاہیے۔ نہ کاٹیں تو ان میں گندگی جمع ہوتی رہتی ہے جو کھانا کھاتے وقت منہ سے معدے اور پیٹ میں جا کر مختلف بیماریوں کا باعث بنتی ہے، پھر استنجا کرنے کی وجہ سے اس گندگی میں مزید نجاست کے اثرات بھی شامل ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا ناخن جتنی جلدی کاٹ لیے جائیں، اتنا ہی بہتر ہے۔ البتہ کسی وجہ سے ناخن کاٹنے میں تاخیر ہو جائے تو زیادہ سے زیادہ چالیس دنوں تک اس تاخیر کی شریعت میں اجازت دی گئی ہے، اس سے زیادہ نہیں۔

ہمارے ہاں ناخن کے حوالے سے عجیب فیشن کیا جاتا ہے۔ لمبے لمبے ناخن رکھ کر اسلام کی مخالفت کی جاتی ہے پھر ان پر جو رنگ نیل پالش کی صورت میں لگائے جاتے ہیں وہ بھی قابل توجہ ہیں۔ ان رنگوں کو ناجائز تو نہیں کہا جا سکتا البتہ نیل پالش کی تہہ چونکہ موٹی ہوتی ہے اور نیچے ناخن تک پانی پہنچنے میں رکاوٹ بنتی ہے، اس لیے نیل پالش کی صورت میں وضو نہیں ہوتا اور جب تک صحیح وضو نہ ہو نماز قبول نہیں ہوتی۔ اس لیے نیل پالش اتار کر وضو کریں یا پھر اسے اگر مشقت سمجھیں تو نیل پالش کا استعمال ترک کر دیں اور اس کی جگہ مہندی استعمال کریں یا گڑ اور چینی وغیرہ کے عرق سے بنے محلول کو استعمال کر لیں۔ ان کے استعمال سے رنگت بھی پیدا ہوتی ہے اور پانی بھی ناخنوں کو پہنچتا ہے۔

(1) ابوداؤد: كتاب الادب: باب في الحكم في المخنثين (ح ۴۹۲۸) شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے، دیکھیے: مشكوة، بتحقيق الالبانیؒ (ح ۴۴۸۱)

بعض لوگ مہندی کو نیل پالش پر اور بعض نیل پالش کو مہندی پر قیاس کرتے ہیں، مگر یہ دونوں قیاس غلط ہیں۔ اس لیے کہ مہندی کے استعمال سے ناخن پر کوئی ایسی تہہ نہیں بنتی جو پانی کو ناخن تک پہنچنے میں حائل ہو اور نیل پالش میں وہ تہہ بن جاتی ہے لہٰذا اس سلسلہ میں درست قیاس یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو ناخن پر لگنے کے بعد پانی کو ناخن تک پہنچنے میں رکاوٹ بنے، اس کی موجودگی میں وضو صحیح نہیں ہوگا اور ہر وہ چیز جو ناخن اور پانی کے درمیان رکاوٹ نہ بنے جیسے مہندی، سرخی اور عرق وغیرہ تو اس کا استعمال جائز ہے۔

سرمہ لگانا:

((عن ابی ہریرۃ عن النبی قال :مَنِ اکْتَحَلَ فَلْیُوْتِرْ مَنْ فَعَلَ فَقَدْ اَحْسَنَ وَمَنْ لَافَلَا حَرَجَ))

''حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص سرمہ ڈالے اسے چاہیے کہ طاق تعداد کا لحاظ رکھے۔ جس نے اس کا لحاظ رکھا اس نے بہت اچھا کیا اور جس نے اس کا لحاظ نہ رکھا، اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔''[1]

خوشبو، عطریات اور کریمیں:

اللہ کے رسول ﷺ کو خوشبو بڑی پسند تھی اور اس لیے آپ ﷺ اس کا اہتمام بھی فرماتے تھے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

((کُنْتُ اُطَیِّبُ رَسُوْلَ اللّٰہِ بِاَطْیَبِ مَایَجِدُ حَتّٰی اَجِدَ وَبِیْصَ الطِّیْبِ فِیْ رَاْسِهٖ وَلِحْیَتِهٖ))[2]

''میں نبی اکرم ﷺ کو دستیاب خوشبو میں سے سب سے عمدہ خوشبو لگاتی تھی، حتی کہ میں خوشبو کی چمک کو آپ کے سر اور داڑھی میں دیکھتی تھی۔''

عطریات اور کریموں کے حوالے سے یہ بات یاد رہے کہ ان میں سے بعض چیزیں صرف عورتوں کے استعمال کی ہوتی ہیں مثلاً سرخی، نیل پالش، وغیرہ۔ مردوں کے لیے ان کا استعمال اس لیے درست نہیں کہ اس سے عورتوں کی مشابہت لازم آتی ہے اور صنفِ مخالف کی مشابہت سے آپ ﷺ نے سخت منع فرمایا ہے۔ بعض چیزیں مرد و زن دونوں کے لیے قابلِ استعمال ہوتی ہیں مثلاً کریمیں، پاؤڈر، واسلین،

---

(۱) ابوداؤد: کتاب الطھارۃ: باب الاستتار فی الخلآء (۳۵) ،ابن ماجه: کتاب الطھارۃ (ح۳۳۷)، الطب (ح۳۴۹۸) اس کی سند کمزور ہے۔

(۲) بخاری: کتاب اللباس: باب الطیب فی الرأس واللحیة (ح۵۹۲۳)، مسلم (ح ۱۱۹۰)

لوشن، عام خوشبوئیں وغیرہ۔ البتہ خوشبو کے سلسلہ میں یہ بات یاد رہے کہ اگر عورت کا گزر غیر محرموں کے پاس سے ہو یا گھر میں غیر محرم رشتہ دار بھی رہتے ہوں تو ایسی صورت میں عورت کو خوشبو لگانے سے آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ چونکہ عورتوں کو بھی کسی ضرورت کے پیش نظر کسی وقت گھر سے باہر نکلنا پڑ جاتا ہے یا گھر میں غیر محرم رشتہ داروں کی آمد ورفت ہوتی ہے تو اس لحاظ سے آنحضرت ﷺ نے ایک بنیادی بات یہ ارشاد فرمادی کہ:

((طِيبُ الرِّجَالِ مَاظَهَرَ رِيحُهُ وَخَفِيَ لَوْنُهُ وَطِيبُ النِّسَآءِ مَاظَهَرَ لَوْنُهُ وَخَفِيَ رِيحُهُ))

''مردوں کی خوشبو وہ ہے جس کی بو ظاہر ہو اور رنگ مخفی ہو جبکہ عورتوں کی خوشبو وہ ہے جس کا رنگ ظاہر اور بو مخفی ہو۔''[1]

اس کا یہ معنی نہیں کہ پھیلنے والی خوشبو عورت لیے ہر حال میں ممنوع ہے بلکہ اگر غیر محرموں کی موجودگی نہ ہو تو گھر کی چار دیواری میں عورت بھی ایسی خوشبو استعمال کر سکتی ہے۔ جبکہ چار دیواری سے باہر خوشبو لگا کر نکلنے والی عورت کے بارے میں بڑے سخت الفاظ میں سرزنش فرمائی ہے مثلاً آپ ﷺ فرماتے ہیں:

((وَالْمَرْأَةُ إِذَااسْتَعْطَرَتْ فَمَرَّتْ بِالْمَجْلِسِ فَهِيَ كَذَاوَكَذَايَعْنِي زَانِيَةً))[2]

''جو عورت خوشبو لگا کر مردوں کی جگہ سے گزرتی ہے وہ ایسی اور ایسی ہے۔'' آپ کی مراد یہ تھی کہ وہ بدکارہ اور زانیہ ہے۔ (یعنی یہ کام بدکارہ اور فاحشہ عورتوں کا ہے۔)

انگوٹھی اور زیورات سے متعلقہ مسائل:

بناؤ سنگھار میں اضافے کے لیے زیورات کا استعمال عورتوں کی فطرت میں شروع سے شامل رہا ہے۔ اسلام میں بھی زیورات کے ساتھ بناؤ سنگھار کو برقرار رکھا گیا ہے۔ زیورات خواہ سونے کے بنے ہوں یا چاندی کے یا قیمتی موتیوں اور مختلف دھاتوں کے۔ عورتوں کے لیے ان میں سے کسی نوع کی دھات اور کسی قسم کے موتی کو ناجائز قرار نہیں دیا گیا، البتہ مردوں کے لیے سونے کے استعمال کو کلی طور پر حرام قرار دیا گیا ہے اور چاندی کی انگوٹھی پہننے کی اجازت دی گئی ہے، اس میں خواہ کتنا ہی قیمتی نگینہ، کیوں نہ جڑا ہو۔ انگوٹھی

---

(۱) نسائی: کتاب الزینة: باب الفصل بین طیب الرجال وطیب النسآء (ح ۵۱۲۰)، ترمذی: کتاب الادب: باب ماجآء فی طیب الرجال (ح ۲۷۸۷)

(۲) ترمذی: کتاب الادب: باب ماجآء فی کراهية خروج المرأة متعطرة (ح ۲۷۸۶)

کے علاوہ کڑے، نتھ، بالیاں، پٹین (گلوبند) وغیرہ کا استعمال مردوں کے لیے درست نہیں خواہ یہ چاندی سے ہی کیوں نہ بنے ہوں۔ اس لیے کہ یہ چیزیں عورتوں کے لیے معروف ہو چکی ہیں۔ اگر کوئی مرد انہیں پہنتا ہے تو اس کا معنی ہے کہ وہ عورتوں کی مشابہت کر رہا ہے اور عورتوں کی مشابہت کے بارے میں بڑی سخت وعید بیان ہوئی ہے۔

عورت ہر طرح کے سونے چاندی کے زیورات پہن سکتی ہے جیسا کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أُحِلَّ الذَّهَبُ وَالْحَرِيْرُ لِإِنَاثِ أُمَّتِيْ وَحُرِّمَ عَلٰى ذُكُوْرِهَا))

''سونا اور ریشم میری امت کی عورتوں کے لیے حلال اور مردوں کے لیے حرام قرار دیا گیا ہے۔''[1]

انگوٹھی کس ہاتھ میں پہنی جائے:

انگوٹھی دائیں یا بائیں کسی بھی ہاتھ میں پہنی جاسکتی ہے۔ بائیں ہاتھ سے، چونکہ استنجا کرنا ہوتا ہے، اس لیے بہتر ہے کہ اسے دائیں ہاتھ میں پہنا جائے۔ علاوہ ازیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی اس سلسلہ میں یہی معمول تھا کہ آپ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

((أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يَتَخَتَّمُ فِيْ يَمِيْنِهِ))

''نبی کریم اپنے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے۔''[2] جبکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے۔[3]

انگوٹھی کس انگلی میں پہنی جائے؟

صحیح مسلم میں روایت ہے کہ حضرت علیؓ بیان فرماتے ہیں:

((نَهَانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ أَنْ أَتَخَتَّمَ فِيْ إِصْبَعِيْ هٰذِهِ أَوْهٰذِهِ، قَالَ: فَأَوْمَأَ إِلَى الْوُسْطٰى وَالَّتِيْ تَلِيْهَا))[4]

---

(۱) نسائی: كتاب الزينة: باب تحريم الذهب على الرجال (ح ۵۱۵۱)

(۲) ابوداؤد: كتاب الخاتم: باب ما جآء في التختم في اليمين او اليسار (ح ۴۲۲۶)، ترمذی (ح ۱۷۴۴)

(۳) ابوداؤد: ایضاً (ح ۴۲۲۸)

(۴) صحیح مسلم: كتاب اللباس والزينة: باب النهي عن التختم في الوسطى والتي تليها. (ح ۲۰۷۸)

''اللہ کے رسولؐ نے مجھے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی میں انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا۔''

بعض روایات کے مطابق انگوٹھے میں انگوٹھی پہننے کی بھی ممانعت مذکور ہے۔ان روایات کے پیش نظر بعض اہل علم ان تینوں انگلیوں میں انگوٹھی پہننے کو ممنوع اور بعض مکروہ قرار دیتے ہیں اور بعض اس کی ممانعت کو صرف مردوں تک خاص قرار دیتے ہیں۔صحیح مسلم کی گزشتہ روایت کی شرح میں مشہور شارح حدیث امام نوویؒ بیان فرماتے ہیں کہ اس روایت میں جو ممانعت کی گئی ہے اس کا تعلق حرمت (نھی تحریمی) کے ساتھ نہیں بلکہ کراہت (نھی تنزیہی) کے ساتھ ہے۔ (۱)

أعضاء کی قطع و برید:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو انتہائی اچھی اور کامل شکل پر پیدا فرمایا ہے اس کے جسم کا ایک ایک عضو اپنی جگہ پر انسان کی ضرورت پوری کرتا ہے۔دیکھنے کے لیے آنکھیں عطا کیں اور انہیں پاؤں کی بجائے چہرے کے حصہ میں فٹ کیا کیونکہ اسی جگہ سے اس کی فعالیت مفید تھی ،یہی حال باقی سب اعضا کا ہے۔ان اعضاء و اجزاء میں سے جس چیز کی کانٹ چھانٹ کی جتنی ضرورت تھی وہ اس ضرورت کے تحت بیان کر دیئے گئے ہیں بلکہ انہیں چالیس دنوں کے اندر کاٹ لینے کا وقت متعین کر دیا گیا۔یہی حال ہاتھ اور پاؤں کے ناخنوں کا ہے۔

اسی طرح فضول مادوں کے اخراج کے لیے پیشاب پاخانے کا انتظام کر دیا گیا۔بچے کے لیے ختنے کی ضرورت تھی، اس کا بھی اسلام نے حکم دے دیا۔گویا جس چیز کی جتنی اور جیسی ضرورت تھی، اس کے متعلقہ احکام میں اس ضرورت کا اسلام نے پورا پورا لحاظ رکھا۔اب اس میں مزید کوئی شخص اگر کانٹ چھانٹ کرے یا جن چیزوں میں کانٹ چھانٹ کا شریعت نے حکم دیا ہے، اس کی کانٹ چھانٹ سے لاپروائی کرے تو یہ دونوں صورتیں اسلام کی نگاہ میں قابل مذمت ہیں، اسے ہی قرآن مجید نے تغییر لخلق اللہ کہا ہے۔

بعض شاذ و نادر مثالیں دنیا میں ایسی بھی ہیں جن میں انسان کی ظاہری حالت اپنی فطرتی تخلیق سے ہٹ جاتی ہے۔کسی بیماری کی وجہ سے یا حادثے کی وجہ سے یا بغیر کسی سبب محض قدرتی اور پیدائشی طور پر کئی مرتبہ پڑھنے ، سننے اور دیکھنے میں آتا ہے کہ کسی عورت کے ہاں دوسر والا بچہ پیدا ہو گیا، یا جڑواں بچے پیدا ہوئے مگر دونوں کے جسم آپس میں جڑے ہوئے تھے، یا پانچ انگلیوں کی بجائے چھ، سات انگلیاں پیدائشی طور پر ساتھ تھیں ، یا دانت اس جگہ پر نہیں تھے جس جگہ پر عام طور پر یہ ہوتے ہیں۔اس میں شک نہیں کہ ایسی تمام

(۱) شرح مسلم: از امام نوویؒ (ج۷ص ۳۳۱)

صورتیں عیب کی حیثیت رکھتی ہیں اور اگر انسانی جان کو کسی بڑی مصیبت میں مبتلا کیے بغیر اس طرح کے عیب کو ختم یا کم کیا جانا ممکن ہو تو اس امکان پر عمل کرنا تغییر لخلق اللہ نہیں بلکہ کسی بیماری وغیرہ کی وجہ سے پیدائشی تخلیق میں جو فرق پیدا ہو گیا ہے یہ تو اس فرق کو ختم کرنے اور اس بیماری کو دور کرنے کی کوشش ہے جو اسلامی حدود کے اندر رہ کر کی جائے تو نہایت مستحسن بھی ہے۔

پیدائشی یا حادثاتی طور پر پیدا ہونے والے عیوب کی بعض شکلیں تو جان لیوا ہوتی ہیں۔ انسانی جان بچانے کے لیے ان عیوب پر قابو پانے کے لیے طبی کوششیں فرض کفایہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ لیکن بعض عیوب جان لیوا تو نہیں ہوتے مگر ان کی موجودگی انسان کے لیے تکلیف اور سضرت کا سبب ہوتی ہے، ظاہر ہے تکلیف اور ضرر دور کرنے کے لیے ان سے چھٹکارا پانے کی بھی ہر ممکنہ تدبیر اختیار کی جا سکتی ہے۔

اسی طرح سب سے آخری درجہ میں وہ عیوب آتے ہیں جن کی موجودگی باعثِ ضرر نہیں ہوتی، ایسی صورت میں انسان کو اختیار ہے کہ وہ اسے برقرار رکھے یا اس کا علاج کروالے مثلاً کسی شخص کی چھ انگلیاں ہیں اور چھٹی انگلی اسے تکلیف نہیں دیتی تو اسے اختیار ہے کہ اسے زاید ہونے کی وجہ سے کٹوا دے یا چاہے تو نہ کٹوائے۔ بعض اطباء کا کہنا ہے کہ پیدائشی طور پر رونما ہونے والی زائد چیزیں اگر تکلیف کا باعث نہیں تو پھر ان سے چھیڑ چھاڑ نہ کرنا ہی بہتر ہے کیونکہ علاج معالجہ کی غرض سے ان سے تعرض کرنے میں بسا اوقات نقصان دہ صورت پیدا ہوتی ہے۔

دانتوں کا علاج:

دانتوں کے علاج معالجہ کے کئی پہلو ہیں۔ ایک تو ان کی صفائی کا پہلو ہے۔ صفائی کے سلسلہ میں اسلام میں مسواک (برش) کی بڑی تاکید کی گئی ہے بلکہ ایک حدیث کے مطابق مسواک کے ساتھ وضو کیا ہو تو اس وضو کے بعد پڑھی جانے والی نماز کا ثواب مسواک کے بغیر کیے گئے وضو والی نماز سے ستر گناہ زیادہ ثواب رکھتی ہے۔ یہ حدیث بھی اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ دانتوں کی صفائی کی طرف خصوصی توجہ دی جائے۔ دانتوں کے درمیانی حصوں اور بالخصوص آخری دانتوں کی اندرونی بالائی اور درمیانی دیواروں کی صفائی صحیح طور پر نہیں ہو پاتی، اگر ادویات کے علاوہ مشین کے ذریعے ان کی صفائی کروائی جاتی رہے تو اس میں دینی اعتبار سے کوئی ممانعت نہیں۔ البتہ نیم حکیم سے علاج کروانا طبی لحاظ سے نقصان دہ ہے۔ داڑھوں کی بھروائی، دانتوں پر لگے داغوں کی اتروائی اور ان کی صفائی وغیرہ بھی اس میں شامل ہے۔

دانتوں کے علاج معالجہ کا ایک پہلو یہ ہے کہ دودھ کے دانتوں کے بعد آنے والا کوئی دانت اگر ٹوٹ جائے تو اس کی جگہ چونکہ نیا دانت تو پھر اُگتا نہیں، اس لیے مصنوعی دانت بھی لگوایا جا سکتا ہے۔ مصنوعی دانت منہ میں نصب (فٹ) کر دیا جائے یا اسے اُتارنے اور پھر لگا لینے کی سہولت کے ساتھ فٹ کیا جائے، دونوں صورتوں میں اس کی صفائی کی جائے گی۔ البتہ اگر دانت نصب نہ کیا ہو تو پھر وضو کے لیے اس کی جڑ تک پانی پہنچانا چاہیے۔

دانتوں کے علاج معالجہ کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اگر کسی شخص کے دانت پیدائشی یا حادثاتی طور پر اپنی جگہ پر فٹ نہ ہوں بلکہ آگے پیچھے ہوں یا منہ سے باہر کو نکلے ہوں اور بدصورت دکھائی دیتے ہوں تو ان کا علاج بھی کروایا جا سکتا ہے۔ ان کے علاج کے سلسلہ میں بعض اوقات سرجری سے کام لیا جاتا ہے اور بعض اوقات کچھ عرصہ کے لیے تاریں باندھ کر بھی انہیں سیدھا کیا جاتا ہے۔

یہ تو تھیں دانتوں کے علاج معالجہ کی وہ صورتیں جن میں شرعی اعتبار سے کوئی قباحت نہیں۔ اس کے علاوہ بعض صورتیں وہ ہیں جن میں دانت تو نارمل پوزیشن پر ہوتے ہیں مگر ان میں مزید کانٹ چھانٹ اور خراش تراش کی جاتی ہے مثلاً مزید چھوٹا یا مزید گول کرنے کے لیے انہیں رگڑا جاتا اور ترشوایا جاتا ہے یا ان میں مخصوص حد تک فاصلہ پیدا کرنے کے لیے سرجری کروائی جاتی ہے حالانکہ دانتوں کو ان چیزوں کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ انسان اپنی تسکین و اطمینان یا کسی کی مشابہت وغیرہ کی غرض سے ایسا کر رہا ہوتا ہے اور اس طرح کرنے کو وہ اپنے حسن میں اضافے کا باعث سمجھتا ہے لیکن ایسی صورت کو اسلام نے پسند نہیں کیا۔ آنحضرت ﷺ کی متعدد احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کام کو باعث لعنت کہا گیا ہے۔

حسن کے لیے پلاسٹک سرجری:

یہ ایک طریقہ علاج بھی ہے اور شکل میں تبدیلی کا ذریعہ بھی۔ اسے طریقہ علاج کی حد تک رکھا جائے اور اس سے فائدہ اٹھایا جائے تو یہ ایک نعمت ہے مثلاً کسی شخص کا حادثہ میں چہرے کا کچھ حصہ جلد سمیت متاثر ہو جائے تو اس جگہ جلد چڑھانے کے لیے مصنوعی چیزوں سے بھی مدد لی جاتی ہے اور خود انسان کے جسم کے دیگر حصوں سے مثلاً چوتڑ، ران وغیرہ سے حسبِ ضرورت جلد چھیل کر چہرے کے متاثرہ حصے کا علاج کیا جاتا ہے۔ اس علاج کے بعد چہرہ قریب قریب اسی حالت میں واپس آ جاتا ہے جس میں حادثہ سے پہلے تھا بلکہ اگر فنی مہارت سے سرجری کی جائے تو یہ محسوس ہی نہیں ہوتا کہ چہرے پر کبھی کوئی زخم ہوا تھا۔

پلاسٹک سرجری کو معالجاتی ضرورت کے علاوہ حسن میں اضافے اور شکل میں تبدیلی کے لیے بھی اختیار کیا جارہا ہے۔ جہاں تک شکل میں تبدیلی کا مسئلہ ہے تو اس کی کسی ایسی صورت میں تو شاید اجازت دی جاسکے جو جاسوسی (جہاد) وغیرہ سے متعلق ہو مگر عام حالات میں اسے محض حسن میں اضافے کے لیے اختیار کرنا تغییر لخلق اللہ اور دھوکا دفریب ہے۔ ناچ گانے کا پیشہ کرنے والی عورتیں عام طور پر پلاسٹک سرجری کے ذریعے ایسا کرتی اور کرواتی ہیں، حتیٰ کہ چہرے کی وہ جلد جو عمر اور جسمانی موٹاپے اور بڑھاپے کے ساتھ ڈھلکنا اور لٹکنا شروع ہوجاتی ہے، اسے سرجری کے ذریعے کٹوادیتی ہیں تاکہ چہرے کا حسن اور جوانی کا تاثر قائم رہے، لیکن آخر کب تک وہ اللہ کی فطرت کے خلاف جنگ کرسکیں گی؟!

جسم گدوانا:

جسم کی خوبصورتی کے لیے مہندی، کریم، پاؤڈر وغیرہ کے استعمال کی تو اجازت ہے لیکن جسم گودوانے کی اجازت نہیں دی گئی۔ آنحضرت ﷺ نے ایسی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔ اس لعنت میں مرد بھی شامل ہیں۔ اس فعل پر لعنت اس لیے کی گئی ہے کیونکہ یہ باغیانہ پن اور حد اعتدال سے تجاوز ہے۔ دورِ جاہلیت میں محبوب یا معشوق کا نام جسم میں کھدوایا جاتا تھا۔ یہ اظہارِ عشق کا ایک طریقہ تھا۔[1] آج بھی ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ لیکن اسلام نے اس سے منع فرمادیا جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

((لعن الله الواصلة و المستوصلة والواشمة والمستوشمة))

''اللہ کے رسول ﷺ نے بالوں کے ساتھ نقلی بال لگانے اور لگوانے والی اور جسم گدوانے اور گودنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔''[2]

اسی طرح حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک ایسی عورت لائی گئی جو جسم گودنے کا کام کرتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے اور (وہاں موجود صحابہؓ سے) کہا: میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کیا تم میں سے کسی نے اللہ کے رسول ﷺ سے جسم گودنے کے بارے میں کچھ سنا تھا؟ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: امیر المومنین! میں نے سنا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کیا سنا ہے؟ تو ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے یہ سنا ہے کہ:

---

(۱) فتح الباری (ج ۱۰ ص ۳۷۲)

(۲) بخاری: ایضا: باب وصل الشعر (ح ۵۹۳۳)

((لَاتَشِمنَ وَلَاتَستَوشِمنَ)) ''جسم گودنے کا کام نہ کرو اور نہ ہی جسم گدواؤ۔''[1]

لہٰذا اگر کسی شخص نے ایسا کیا تو اس کا مطلب ہے اس نے کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا۔ اسے توبہ کرنا چاہیے اور اس کو مٹانا چاہیے خواہ آسانی سے مٹے یا سرجری سے۔ البتہ اگر تکلیف برداشت سے باہر ہو یا کوئی ضرر لاحق ہونے کا اندیشہ ہو تو پھر پہلے سے بنے ہوئے نشان کو ختم نہ کرانا ایک مجبوری کی وجہ سے جائز ہے۔

عورت کی زیب وزینت سے متعلقہ چند اہم فتاوٰی

عورت کے لیے سر کے بال کاٹنے کا حکم:

سوال: میں اپنے سر کے بال سامنے سے کاٹ دیتی ہوں جو کبھی ابرو تک پہنچ جاتے ہیں۔ کیا ایک مسلمان عورت کے لیے ایسا کرنا جائز ہے؟

جواب: عورت کے لئے سر کے بالوں کو کاٹنے یا تراشنے میں کوئی حرج نہیں، صرف مونڈنا منع ہے۔ آپ کو اپنے سر کے بال مونڈنا نہیں چاہئیں مگر لمبائی یا کثرت کی وجہ سے بال کاٹنے میں کوئی عیب نہیں۔ تاہم یہ عمل اس طرح خوبصورت انداز میں ہو کہ آپ کو بھی اور آپ کے خاوند کو بھی پسند آئے اور یہ کہ ان کی کاٹ تراش خاوند کی موافقت سے ہو اور یہ عمل کسی کافر عورت سے بھی اشتباہ نہ رکھتا ہو۔ بالوں کا کاٹنا اس لئے بھی جائز ہے کہ لمبے بالوں کی صورت میں غسل اور کنگھی کرتے وقت، دِقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا اگر بال زیادہ ہوں اور کوئی خاتون لمبے یا زیادہ بال ہونے کی وجہ سے انہیں تراشوا لے تو کوئی حرج نہیں ہے اور یہ کسی طرح بھی ضرر رساں نہ ہوگا۔ ایسا کرنا اس لئے بھی جائز ہو سکتا ہے کہ کچھ بال ترشوانے میں حسن و جمال کا ایسا عنصر بھی ہے جسے عورت اور اس کا خاوند پسند کرتے ہیں۔ لہٰذا ہم اس میں کوئی وجہ ممانعت نہیں پاتے۔ جہاں تک تمام بال مونڈ دینے کا تعلق ہے تو یہ کام بیماری یا کسی علت کے علاوہ ناجائز ہے۔[2]

سوال: سعودی عرب کی افتاء کمیٹی سے دریافت کیا گیا کہ ''بعض عورتیں پیشانی کے اوپر سے کچھ بالوں کو چھوٹا کرواتی ہیں اور ان کی لٹوں کو پیشانی پر لٹکاتی ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے؟

---

(۱) بخاری: کتاب اللباس: باب المستوشمة (ح ۵۹۴۶)

(۲) فتوی از: شیخ ابن بازؒ، فتاوی المرأة، ص ۸۵. شیخ البانیؒ کی بھی یہی رائے ہے کہ عورت سر کے بال کاٹ سکتی ہے۔ دیکھئے: حجاب المرأة المسلمة للالبانیؒ، ص ۶۵

جواب: اگر اس کا مقصد کفار اور ملحد عورتوں سے مشابہت ہے تو پھر یہ حرام ہے، کیونکہ غیر مسلموں کی مشابہت حرام ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَمِنْهُمْ)) ''جس نے کسی قوم کی مشابہت کی وہ انہی میں سے ہے۔''

اور اگر اس کا مقصد مشابہت نہ ہو بلکہ یہ عورتوں کی عاداتِ جدیدہ میں سے ایک عادت ہو تو اگر یہ زینت شمار ہوتی ہو جس کے ذریعہ عورت کا اپنے شوہر کے لیے زینت اختیار کرنا ممکن ہو اور اپنی ہم عمر عورتوں کے مابین ایسی شکل وصورت میں نظر آنا مطلوب ہو جو ان کے درمیان اس کے مقام ومرتبہ کو بلند کرنے کا ذریعہ ہو تو ہمیں اس میں کوئی حرج نظر نہیں آتا۔ [فتاوى اللجنة الدائمة: ج ۵ ص ۱۸۱]

عورت کے لیے جسم کے مختلف حصوں کے بال اتارنے کا حکم:

سوال: ان چیزوں کا شرعی حکم کیا ہے: (۱) بغلوں اور زیر ناف بالوں کا ازالہ کرنا۔ (۲) عورتوں کا ٹانگوں اور بازوؤں کے بال اتارنا۔ (۳) خاوند کی فرمائش پر ابروؤں کے بال اتارنا۔

جواب: ۱۔ بغلوں اور زیر ناف حصوں کے بال اتارنا سنت ہے۔ بغلوں کے بال نوچنا (یعنی ہاتھ سے اکھیڑنا) جبکہ زیر ناف بالوں کا مونڈنا افضل ہے۔ ویسے ان بالوں کا کسی بھی طرح ازالہ کرنا درست ہے۔

۲۔ جہاں تک عورتوں کے لئے ٹانگوں اور بازوؤں کے بال اتارنے کا تعلق ہے تو اس میں کوئی ممانعت نہیں اور ہم بھی اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔

۳۔ عورت کے لئے خاوند کی فرمائش پر ابرو کے بال اتارنا، ناجائز ہے، کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے نَامِصَه اور مُتَنَمِّصَه یعنی بال اُکھاڑنے والی اور بال اُکھڑوانے والی (یا اس کا مطالبہ کرنے والی) دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔ واضح رہے کہ 'نَمَص' سے مراد ابرو کے بال اتارنا ہے۔ [فتویٰ از: شیخ ابن بازؒ، فتاوٰی برائے خواتین، ص ۳۲۷ نیز دیکھئے: مجموعہ فتاوٰی، از ابن عثیمینؒ، ج ۴ ص ۱۳۴]

چہرے کے غیر عادی بال زائل کرنا:

سوال: کیا عورت کے لئے اَبرو کے ایسے بال اتارنا یا باریک کرنا جائز ہیں جو اس کے منظر کی بدنمائی کا باعث ہوں؟

جواب: اس مسئلے کی دو صورتیں ہیں۔ پہلی تو یہ ہے کہ ابرو کے بال اکھاڑے جائیں تو یہ عمل حرام ہے

اور کبیرہ گناہ ہے کیونکہ یہ (نمص) ہے جس کے مرتکب پر نبی اکرم ﷺ نے لعنت فرمائی ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ بال مونڈ دیئے جائیں، تو اس بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ آیا یہ نمص ہے یا نہیں؟ راجح یہی ہے کہ عورت اس سے بھی احتراز کرے۔

باقی رہا غیر عادی بالوں کا معاملہ یعنی ایسے بال جو جسم کے ان حصوں پر اُگ آئیں جہاں عادتاً بال نہیں اُگتے مثلاً عورت کی مونچھیں اُگ آئیں یا رخساروں پر بال آجائیں تو ایسے بالوں کے اتارنے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ یہ خلافِ عادت ہیں اور چہرے کے لئے بدنمائی کا باعث ہیں۔ جہاں تک ابرو کا تعلق ہے تو ان کا باریک یا پتلا ہونا چوڑا اور گھنا ہونا یہ سب کچھ عادی امور سے ہے اور عادی امور سے تعرض نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ لوگوں کے ہاں اسے عیب نہیں سمجھا جاتا بلکہ ان کے کسی ایک انداز پر ہونے کو خوبصورتی میں اضافہ سمجھا جاتا ہے۔ لہذا یہ ایسا عیب نہیں کہ انسان کو اس کے ازالے کی ضرورت پیش آئے۔ [فتویٰ از: شیخ محمد بن صالح العثیمینؒ، مجموع فتاوی، از ابن عثیمینؒ، ج ۲، ص ۸۳۲]

اُبرو کے زائد بالوں میں کمی کرنے کا حکم:

سوال: اُبرو کے زائد بالوں میں کمی کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: اُبرو کے بال اتارنا یا انہیں باریک کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپؐ نے چہرے کے بال اُکھاڑنے والی اور اکھڑوانے والی عورت پر لعنت فرمائی ہے۔ جبکہ علماء نے اس امر کی وضاحت فرمائی ہے کہ ابرو کے بال اتارنا بھی اسی ضمن میں آتا ہے۔ [فتوی از: شیخ ابن بازؒ، فتاوی برائے خواتین، ص ۲۷۳]

سوال: محمد بن صالح العثیمینؒ سے سوال کیا گیا کہ اَبرو کے بال کی تخفیف کا کیا حکم ہے؟

جواب: جب تخفیف اکھاڑنے کے طریقہ سے کی جائے تو حرام ہے بلکہ گناہ کبیرہ میں سے ہے کیونکہ یہ وہی نمص ہے جس کے کرنے والے پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی، اور جب تخفیف چھوٹا کرانے یا منڈوانے سے حاصل ہو تو اس عمل کو بعض اہل علم نے مکروہ گردانا ہے، اور بعض نے اس سے منع کیا اور نمص میں داخل کیا ہے اور کہا ہے کہ نمص، صرف اکھاڑنے کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ وہ ہر اس بال کی تغییر کو شامل ہے جس کے ازالہ کا اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم نہیں دیا بشرطیکہ وہ چہرہ میں ہو، ہمارے خیال میں بھی عورت کے لیے ایسا کرنا مناسب نہیں ہے۔ مگر یہ کہ ابروؤں پر بہت زیادہ بال ہوں جو آنکھوں تک لٹکتے

ہوں اور دیکھنے میں حارج ہوتے ہوں تو جس حد تک اس میں ایذاء اور تکلیف ہے اس حد تک اس کے ازالہ میں کوئی حرج نہیں ہے۔[مجموع فتاوی ورسائل، از ابن عثیمین، ج ۴ ص ۱۳۳، بحوالہ: فتاویٰ برائے خواتین اسلام، ص ۱۴۴]

مصنوعی بالوں (وِگ) کا استعمال:

سوال: کیا عورت خاوند کے لئے وِگ (مصنوعی بال) استعمال کر سکتی ہے؟ کہیں یہ 'وصل' والی احادیث [وصل کا معنی ہے 'ملانا' یعنی وہ احادیث جن میں اصل بالوں کے ساتھ مصنوعی بال ملانے سے منع کیا گیا ہے] کے زمرے میں داخل تو نہیں؟

جواب: وِگ یعنی مصنوعی بالوں کا استعمال حرام ہے، اگر چہ یہ وصل نہیں ہے لیکن اس میں شمار ضرور ہوتا ہے۔ مصنوعی بال عورت کے سر کے بالوں کو اصل سے زیادہ لمبا کر کے دکھاتے ہیں، اس بناء پر یہ وصل کے مشابہ ہوتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے مصنوعی بال لگانے اور لگوانے والے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔ ہاں اگر عورت کے سر پر بالکل بال نہ ہوں تو وہ یہ عیب چھپانے کے لئے مصنوعی بال استعمال کر سکتی ہے، اس لئے کہ عیب کو چھپانا جائز ہے، کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے اس آدمی کو سونے کی ناک لگانے کی اجازت دی تھی جس کی ناک جنگ میں کٹ گئی تھی۔

مسئلے کی نوعیت اس سے بھی وسیع ہے۔ بناؤ سنگھار کے تمام مسائل اور اس سے متعلق دیگر تمام کاروائیوں مثلاً ناک چھوٹا کرانا وغیرہ بھی داخل ہیں۔ تحسین وتجمیل عیوب کے ازالہ کا نام نہیں۔ اگر عیوب کا ازالہ مقصود ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے مثلاً ٹیڑھی ناک سیدھی کی جاسکتی ہے۔ نشان دور کیا جا سکتا ہے اور اگر ایسا عمل ازالۂ عیوب کے لئے نہیں بلکہ کسی اور مقصد کے لئے ہو مثلاً جسم گدوانا یا چہرے کے بال نوچنا وغیرہ تو یہ ممنوع ہیں۔ مصنوعی بالوں کا استعمال اگر چہ خاوند کی اجازت اور اس کی مرضی سے ہو تب بھی حرام ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء میں کسی کی اجازت یا رضا غیر مفید ہے۔[فتویٰ از: شیخ ابن عثیمینؒ مجلہ 'المسلمون' ۵۹۰، بحوالہ: فتاوی المرأۃ المسلمۃ، مرتب: ابو محمد اشرف بن عبدالمقصود، ج ۲ ص ۵۱۸]

سوال: سعودی عرب کی افتاء کمیٹی سے دریافت کیا گیا کہ ''عوت کے لیے وگ پہننے کا کیا حکم ہے تاکہ وہ اس کے ذریعہ شوہر کے لیے بناؤ سنگار کر سکے؟

جواب: زوجین میں سے ہر ایک کے لیے یہ مناسب ہے کہ وہ دوسرے کے لیے ایسی زینت اختیار

کرے جوان کی باہمی محبت اور تعلقات کی مضبوطی واستحکام کا ذریعہ ہو،لیکن یہ عمل شریعت اسلامیہ کی حدودِ اباحت کے اندر رہ کر انجام دیا جائے نہ کہ اس طریقہ پر جسے شریعت نے حرام قرار دیا ہو، وِگ پہننے کا چلن غیر مسلمہ عورتوں کے اندر شروع ہوا اور وہ اس کے استعمال اور اس سے بناؤ سنگار کے ذریعہ مشہور ہوئیں یہاں تک کہ یہ ان کی پہچان بن گیا، لہٰذا مسلمان عورت کے لیے اس کا پہننا اور اس سے زینت اختیار کرنا درست نہیں، خواہ یہ شوہر کے لیے ہو کیونکہ ایسا کرنا کافرہ عورتوں سے مشابہت ہے اور حدیث میں ہے:

((مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ)) ''جس نے کسی قوم کی مشابہت کی تو وہ ان ہی میں سے ہے۔''

اور اس لیے بھی کہ یہ وصلِ شعر (بالوں کے جوڑنے) میں داخل ہے اور نبی اکرم ﷺ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے بلکہ ایسا کرنے والے پر لعنت کی ہے۔[مجلة البحوث الاسلامية: ج۳ص ۳۷۳]

عورت کے سر پر اگر سرے سے بال موجود ہی نہ ہوں، تو ایسی صورت میں فضیلۃ الشیخ عبداللہ الفوزان فرماتے ہیں کہ ''بعض علماء کا خیال ہے کہ جب عورت کے سر پر سرے سے بال نہ ہوں اور وہ گنجے پن کا شکار ہو تو اس عیب کو چھپانے کے لیے وگ پہن سکتی ہے، کیونکہ عیبوں کو زائل کرنا جائز ہے۔ صرف خوبصورتی کے لیے ایسا کرنا ممنوع ہے۔[زينة المرأة، للشيخ عبدالله الفوزان: ص۹۳]

بالوں کو مختلف رنگوں سے رنگنا:

سوال: بالوں کو لال، پیلا، سفید اور سنہرا کسی بھی رنگ سے مکمل رنگنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: بالوں کی سفیدی کو کالے رنگ کے علاوہ کسی اور چیز مثلاً مہندی، وسمہ (ایک پودا ہے جس سے رنگ حاصل کیا جاتا ہے)، کتم (ایک یمنی پودا جس سے کالا سرخی مائل رنگ پیدا ہوتا ہے) اور زردی وغیرہ رنگوں سے رنگنا مستحب ہے، لیکن بالوں کو کالے رنگ (خضاب) سے رنگنا جائز نہیں ہے، نبی ﷺ نے فرمایا:

((غَيِّرُوا هٰذَا الشَّيْبَ وَجَنِّبُوهُ))

''اس سفیدی کو بدل دو اور اس کو (کالے رنگ) سے دور رکھو۔''[فتوی از: فضيلة الشيخ محمد بن صالح العثيمين، مجموع الفتاوى ورسائل الشيخ ابن عثيمين: ج٤ص ١٣٦]

بالوں کو سیاہ رنگ سے رنگنا:

فضیلۃ الشیخ عبداللہ الفوزان نے عورت کے لیے اپنے بالوں کو کالے رنگ سے رنگنے کی بابت فرمایا:

عورت کا اپنے سر کو کالے رنگ سے رنگنا (ڈائی کرنا) ممنوع ہے، کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے کئی احادیث میں بالوں کو کالا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ان میں سے ایک جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، انہوں نے کہا کہ ابوقحافہ رضی اللہ عنہ کو فتح مکہ کے دن لایا گیا اوران کا سر اور داڑھی اس طرح سفید تھے جس طرح ثغامہ (ایک سفید پودا جس کا پھل اور پھول دونوں سفید ہوتے ہیں) کا پودا ہوتا ہے، انہیں دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ((غَيِّرُوا هٰذَا الشَّيْبَ وَاجْتَنِبُوا السَّوَادَ))

''ان سفید بالوں کو کسی رنگ سے بدل دو اور کالے رنگ سے اجتناب کرو۔''

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((يَكُوْنُ قَوْمٌ يَخْضِبُوْنَ فِيْ آخِرِ الزَّمَانِ بِالسَّوَادِ كَحَوَاصِلِ الْحَمَامِ لَا يَرِيْحُوْنَ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ))

''آخیر زمانہ میں ایک ایسی قوم ہوگی جو کبوتر کے (کالے) سینے کی طرح کا سیاہ خضاب استعمال کرے گی۔ یہ لوگ جنت کی خوشبو تک نہ پائیں گے۔'' [زينة المرأة للشيخ عبدالله الفوزان: ص ٧٧]

بالوں کو گھنگھریالا بنانا:

سوال: بعض نرم بالوں والی لڑکیاں مختلف طریقوں سے اپنے بالوں کو سخت اور گھنگھریالا بناتی ہیں، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: اہل علم کہتے ہیں کہ سر کے بالوں کو گنگھریالا بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور یہی درست ہے۔ لہذا عورت اگر اپنے بالوں کو اس طرح گھنگھریالا بنائے جو کافرہ وفاجرہ عورتوں سے مشابہ نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ [فتوی از: فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمینؒ، فتاوی للفتیات، ص: ٢٢]

مختلف ہیئر اسٹائل اختیار کرنے کے لیے بیوٹی پارلر جانا:

سوال: کیا عورت جدید فیشن کے مطابق ہیئر سٹائل اختیار کر سکتی ہے جبکہ اس کا مقصد کافرہ عورتوں سے مشابہت نہیں بلکہ اپنے شوہر کے لیے بننا سنورنا ہو؟

جواب: اس سلسلہ میں ہمیں جو خبر پہنچی ہے وہ یہ ہے کہ اس میں بھاری رقم خرچ کرنا پڑتی ہے، اس لیے اسے مال کا ضیاع بھی کہا جا سکتا ہے۔ میں عورتوں کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ وہ ایسی عیش وعشرت سے پرہیز کریں۔ تاہم عورت اپنے شوہر کے لیے بناؤ سنگار کرے اور ایسے طریقے سے خوبصورت بننے کی کوشش

کرے جس میں مال کا ضیاع نہ ہو، کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے مال ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے۔لیکن اگر ایک عورت کسی ایسی بیوٹی پارلر والی عورت کے پاس جائے جو معمولی اجرت پر اس کے بال سنوار دے تا کہ وہ اپنے شوہر کے لیے حسین وجمیل نظر آئے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔[فتوی از: فضیلة الشیخ محمدبن صالح العثیمین،مجمع دروس وفتاوی الحرم المکی، للشیخ ابن عثیمین: ج۳ص۲۳۷]

بغل اور زیر ناف بالوں کا ازالہ:

سوال: بغل اور زیر ناف بالوں کے ازالہ کا کیا حکم ہے؟

جواب: بغلوں اور زیر ناف بالوں کا ازالہ سنت ہے۔بغل کے بالوں کا اُکھاڑنا اور زیر ناف کا مونڈنا افضل ہے،البتہ اس کے علاوہ کسی بھی طریقہ سے انہیں زائل کیا جائے،اس میں کوئی حرج نہیں۔[فتاوی المرأة،مرتب:محمدبن عبدالعزیز،ج۲ص۱۰۱]

ناخن بڑھانے اور نیل پالش لگانے کا حکم:

سوال: ناخن بڑھانے اور ناخن پالش لگانے کا کیا حکم ہے؟ واضح رہے کہ میں ناخن پالش لگانے سے پہلے وضو کر لیتی ہوں اور چوبیس گھنٹے بعد اسے اتار دیتی ہوں۔

جواب: ناخن بڑھانا خلافِ سنت ہے، نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((الفطرۃ خمس :الختان والاستحداد ، وقص الشارب ، ونتف الابط، وقلم الاظفار))

''پانچ چیزیں فطرت سے ہیں،ختنہ کرنا،(زیر ناف بال کاٹنے کے لئے)استرا استعمال کرنا،مونچھیں کاٹنا،بغلوں کے بال اکھاڑنا اور ناخن تراشنا۔''[مسلم،کتاب الطھارۃ،باب۱۶]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

((وقت لنا رسول اللہ ﷺ فی قص الشارب ،وتقلیم الاظفار ونتف الِابط وحلق العانة،ان لا نترك شیئا من ذلك اكثر من اربعین لیلة))

''رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لیے مونچھیں کاٹنے،ناخن ترشنے بغلوں کے بال اکھاڑنے اور زیر ناف بال مونڈنے کے لئے وقت مقرر فرمایا کہ ہم چالیس دن سے زیادہ ان میں کچھ نہ چھوڑیں۔''[مسلم ایضاً]

نیز اس لئے بھی کہ ناخن بڑھانا درندوں اور کفار کے ساتھ مشابہت ہے۔جہاں تک نیل پالش کا تعلق

ہے تو وضو کے لئے اس کا اتارنا واجب ہے کیونکہ یہ ناخنوں تک پانی پہنچنے میں رکاوٹ ہے۔[فتویٰ از: شیخ ابن باز، فتاوی برائے خواتین، ص۲۷۳]

اونچی ایڑھی والی جوتی ڈالنا:

سوال: اونچی ایڑھی والی جوتی پہننے کے بارے میں اسلام کا کیا حکم ہے؟

جواب: اونچی ایڑھی کم از کم کراہت کا حکم رکھتی ہے کیونکہ اس میں یہ دھوکہ ہے کہ عورت دراز قد معلوم ہوتی ہے جبکہ وہ ایسی نہیں ہوتی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں عورت کے گرنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ ڈاکٹروں کی رائے میں ایسی جوتی پہننا صحت کے لئے نقصان دہ ہے۔[فتوی از: شیخ ابن باز، بحوالہ: فتاوی برائے خواتین، ص۲۷۵]

خوبصورتی کے لیے دانتوں کو رگڑنا اور ترشوانا:

فضیلۃ الشیخ صالح الفوزان نے عورت کے اپنے دانتوں کے درمیان گیپ کروانے سے متعلق فرمایا کہ ''مسلمان عورت کے لیے اپنے دانتوں کو کولر کے ذریعے ٹھنڈا کرواکے معمولی سا گیپ کروانا تاکہ دانتوں کی خوبصورتی سے حسن و جمال میں اضافہ ہو حرام ہے۔ البتہ جب دانت بدنما ہوں اور ان کو برابر کر کے عیب دور کرنے کی حاجت ہو، یا دانتوں میں کیڑا لگ گیا ہو اور اس کے ازالہ کی خاطر دانتوں کی اصلاح کی ضرورت ہو تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں۔ اس لیے کہ اس کا تعلق علاج اور بدنمائی دور کرنے سے ہے اور یہ عمل اسپیشلسٹ لیڈی ڈاکٹر کے ذریعہ انجام دیا جانا چاہیے۔[تنبیھات علی احکام تختص بالمومنات، از: شیخ صالح الفوزان: ص۱۱، بحوالہ: فتاویٰ برائے خواتین اسلام، ص۶۴۵]

شیخ عبداللہ الفوزان علاج و معالجہ اور عیوب کے ازالہ کی خاطر دانتوں میں گیپ کروانے کے بارے میں رقم طراز ہیں کہ ''تحسین اور کم عمری ظاہر کرنے کے لیے دانتوں سے چھیڑ چھاڑ شرعاً حرام ہے لیکن علاج و معالجہ کی غرض سے اس میں کوئی ممانعت نہیں ہے۔ لہٰذا جب کسی عورت کا کوئی زائد دانت ظاہر ہو جو اس کے لیے تکلیف دہ ہو تو اس کو اکھڑوانے میں کوئی ممانعت نہیں، کیونکہ وہ منظر اور شکل کو بدنما کرتا اور کھانے میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے اور عیوب کا ازالہ شرعاً جائز ہے، اسی طرح اگر دانتوں میں کیڑے ہوں اور اس کی وجہ سے اصلاح کی ضرورت ہو تو پھر بھی کوئی حرج نہیں۔[زینۃ المرأۃ، از شیخ عبداللہ الفوزان: ص۸۵، ایضاً]

جسم گدوانا (نشان لگوانا یا بھروائی کروانا):

سوال: ''میری والدہ کہتی ہے کہ اس نے دورِ جاہلیت میں اپنی تھوڑی (ٹھڈی) پر ایک معمولی سا نشان بنایا جو مکمل طور پر گودنے گدوانے جیسا بھی نہیں ہے، تاہم اس نے بوجہ جہالت ایسا کیا تھا، وہ نہیں جانتی تھی کہ یہ حلال ہے یا حرام۔ اور آج ہم نے سنا ہے کہ جسم گودنے اور گدوانے والی عورت ملعونہ ہے، ہمیں جواب سے نوازیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بہتر بدلہ عطا کرے۔

جواب: گودنا گدوانا جسم کے کسی بھی حصہ پر ہو، یہ حرام ہے۔ یہ عمل چاہے مکمل ہو یا غیر مکمل اور تمہاری والدہ پر گودنے کے اس نشان کا ازالہ واجب ہے بشرطیکہ ضرر لاحق ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ نیز ماضی میں جو غلطی اس سے سرزد ہوئی اس کے لیے توبہ واستغفار بھی واجب ہے۔ [فتاوی اللجنة الدائمة: ۵/۱۹۸]

عورت کے لیے زیورات پہننا:

سوال: دائرہ نما (حلقہ دار) سونے کے زیور پہننے کا کیا حکم ہے؟

جواب: عورت کے لیے ہر طرح کا سونا پہننا جائز ہے، خواہ وہ دائرہ نما ہو یا کسی اور شکل میں، کیونکہ درج ذیل آیت کے پیشِ نظر عورت کے لیے سونے کے زیورات پہننا مطلقاً جائز ہے:

﴿اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ﴾ [الزخرف: ۱۸]

''جو زیورات میں پلیں اور جھگڑے میں اپنی بات واضح نہ کرسکیں......۔''

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر کیا کہ زیورات پہننا عورتوں کی صفات میں سے ہے اور لفظ ''حِلْيَة'' عام ہے جو سونے اور دیگر دھاتوں کے زیورات کو بھی شامل ہے۔ امام احمد، ابوداؤد اور امام نسائی نے بسند صحیح حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم پکڑ کر دائیں ہاتھ میں رکھا اور سونا پکڑ کر بائیں ہاتھ میں رکھا پھر فرمایا:

((اِنَّ هٰذَيْنِ حَرَامٌ عَلٰى ذُكُوْرِ اُمَّتِيْ))......وزاد ابن ماجه: ((وَاُحِلَّ لِاِنَاثِهِمْ))

''یہ دونوں چیزیں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں۔'' [ابن ماجہ کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ]

''اور میری امت کی عورتوں کے لیے یہ حلال ہیں۔''

اسی طرح حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أُحِلَّ الذَّهَبُ وَالْحَرِيرُ لِلْإِنَاثِ مِنْ أُمَّتِي وَحُرِّمَ عَلَىٰ ذُكُورِهَا)) [رواہ احمد، ترمذی، نسائی]

''سونا اور ریشم میری امت کی عورتوں کے لیے حلال اور امت کے مردوں پر حرام کئے گئے ہیں۔'' [فتویٰ از: شیخ ابن بازؒ، بحوالہ: فتاویٰ المرأۃ، از محمد بن عبدالعزیز، ج۲ ص۸۷]

پازیب پہننا:

سوال: صرف شوہر کے سامنے پازیب پہننے کا کیا حکم ہے؟

جواب: شوہر، یا محرم رشتہ داروں یا خواتین کے سامنے پازیب پہننے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا زیور ہے جسے عورت اپنے دونوں پاؤں میں پہنتی ہے۔ [فتویٰ از: شیخ ابن بازؒ، فتاویٰ المرأۃ ۲/۸۵]

ناک میں نتھ پہننا:

سوال: حصولِ زینت کے لئے ناک میں نتھ پہننے کا کیا حکم ہے؟

جواب: عورت ہر وہ زیور پہن سکتی ہے جو عادتاً پہنا جاتا ہو۔ اس کے لئے اگر بدن میں سوراخ بھی کرنا پڑے تو کوئی حرج نہیں ہے مثلاً کانوں میں بالیاں وغیرہ پہننا۔ ممکن ہے ناک میں نتھ پہننا ایسے ہی جائز ہو جیسا کہ اونٹ کی ناک میں سوراخ کر کے نکیل ڈالنا۔ اگرچہ دونوں مثالیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ [فتویٰ از: شیخ ابن باز، بحوالہ: فتاویٰ المرأۃ المسلمہ۔ از ابو محمد، ج۱ ص۴۷۹]

پراندہ پہننے کی شرعی حیثیت:

سوال: کیا پراندہ پہننا نا جائز ہے؟

جواب: پراندہ پہننے میں کوئی حرج نہیں۔ امام لیثؒ کا فتویٰ جواز ہی کا ہے۔ ابو عبیدہؒ نے بہت سے فقہاء سے جواز نقل کیا ہے۔ امام ابوداؤدؒ نے بھی سعید بن جبیرؒ سے بسند صحیح جواز ذکر کیا ہے۔ [فتویٰ از: حافظ ثناء اللہ مدنی، بحوالہ: ہفت روزہ الاعتصام لاہور، ج۵۵ شمارہ۱۳ ص۱۳]

عورت کے لیے مہندی لگانا:

سوال: فضیلۃ الشیخ صالح الفوزان نے عورتوں کے متعلق ہاتھ اور پاؤں میں مہندی لگانے کی بابت فرمایا: دونوں ہاتھوں اور پاؤں کو مہندی سے رنگنا شادی شدہ عورتوں کے لیے مستحب ہے. اس سلسلہ میں

حدیثیں مشہور ومعروف ہیں اوراس کی طرف وہ حدیث بھی اشارہ کرتی ہے جسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ ایک عورت نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مہندی کے خضاب کی بابت دریافت کیا توانہوں نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن میں اسے ناپسند کرتی ہو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی بو پسند نہ تھی۔

اور عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے مروی ہے، کہتی ہیں کہ ایک عورت نے پردہ کی اوٹ سے اشارہ کیا، اس کے ہاتھ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کا خط تھا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا: "میں نہیں جانتا کہ یہ کسی مرد کا ہاتھ ہے یا کسی عورت کا؟" اس حدیث کو ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے۔ البتہ عورت اپنے ناخنوں پر ایسی پالش نہ کرے، جو منجمد ہو اور طہارت سے مانع ہو۔[تنبیہات علی احکام تختص بالمومنات لفضیلة الشیخ صالح الفوزان: ص ۱۱، بحوالہ :فتاوی برائے خواتین اسلام، ص ۶۷۹]

سوال: افتاء کمیٹی سے دریافت کیا گیا: کیا میرے لیے اپنے ہاتھوں اور بالوں میں ماہواری کے دوران مہندی لگانا جائز ہے؟

جواب: تمہارے لیے یہ جائز ہے کیونکہ اس سلسلہ میں "اصل" جواز ہے اور شریعت میں اس کی ممانعت پر کوئی دلیل ثابت نہیں ہے۔[ایضاً]

آرائش وزیبائش میں اسراف وتبذیر:

سوال: بعض عورتیں اپنے لباس، پوشاک اور آرائشی سامان پر بہت زیادہ مال خرچ کرتی ہیں اور دلیل دیتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی نعمت کا اثر بندوں پر دیکھنا پسند کرتا ہے۔ آپ اس سلسلہ میں کیا فرماتے ہیں؟

جواب: جسے اللہ نے حلال مال سے نوازا ہو تو یقیناً اللہ تعالیٰ نے اسے ایسی نعمت عطا فرمائی ہے جس کا شکر بجالانا اس پر واجب ہے۔ اور شکر کی ادائیگی اس مال سے صدقہ کرنے اور اسراف وتکبر سے بچتے ہوئے کھانے پینے سے ہوتی ہے۔ جو عورتیں کپڑوں کی خریداری میں بے دریغی سے کام لے رہی ہیں، یہ محض فخر ومباہات کا اظہار، اسراف وتبذیر اور مال کا ضیاع ہے۔ مسلمان عورتوں پر واجب ہے کہ اس سلسلہ میں میانہ روی اختیار کریں۔[کتاب المنتقی من فتاوی الشیخ صالح الفوزان: ج۳ص ۳۱۵، ۳۱۶]

..........*

باب۴:

عورت اور عباداتِ اسلام

ایک مسلمان عورت کا اپنے رب کے ساتھ طرزِ عمل یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے رب کی عبادت گزار بندی بن جاتی ہے۔ وہ طہارت و پاکیزگی کا اہتمام کرتی، اپنے آپ کو پاک صاف رکھتی اور اپنے رب کے لیے پانچ وقت نماز ادا کرتی ہے۔ اپنے رب کے ذکر کا اہتمام کرتی اور اپنے رب سے دعا واستغفار کرتی ہے۔ وہ عبادت کے وقت اپنی تمام تر مصروفیات چھوڑ کر رب کے حضور سجدہ ریز ہو جاتی ہے۔ دنیوی مشاغل سے قطع تعلق کر کے اپنے رب سے تعلق جا جوڑتی ہے۔ وہ اپنے رب کے لیے روزہ رکھتی اور صدقہ وخیرات کرتی ہے۔ اگر استطاعت ہو تو اپنے رب کے گھر کا عمرہ اور حج کرتی ہے۔ نیز دینِ اسلام کی سربلندی اور اشاعت کے لیے اپنی استطاعت بھر کوشش کرتی ہے۔

فصل ا:

عورت اور طہارت و پاکیزگی

ایک مسلمان عورت کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اسلام طہارت و پاکیزگی پر بڑا زور دیتا ہے۔اس لیے عورت کو چاہیے کہ اپنا جسم، لباس اور اپنی جائے رہائش کو پاک صاف رکھے۔ظاہری صفائی کے علاوہ باطنی صفائی کا بھی اہتمام کرے یعنی لباس، جگہ اور جسم کی پاکیزگی کے ساتھ اپنے قلب و دماغ کو بھی پاکیزہ بنائے اور ان تمام اخلاقی قباحتوں سے بھی اپنے آپ کو پاک رکھے جو بظاہر نظر تو نہیں آتیں لیکن دینی و اخلاقی اعتبار سے انہیں برا ہی سمجھا جاتا ہے مثلاً کفر، شرک، حسد، کینہ، فحش خیالات وغیرہ۔

نجاستیں اور ان سے طہارت:

اہل علم نے نجاستوں کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے ایک حقیقی نجاستیں اور دوسری حکمی نجاستیں۔حقیقی نجاستوں سے مراد گندگی اور نجاست کی وہ صورتیں ہیں جو بظاہر وجود رکھتی ہیں مثلاً پیشاب، پاخانہ وغیرہ جبکہ حکمی نجاست سے مراد وہ حالت ہے جس میں انسان کے جسم پر بظاہر کوئی نجاست دکھائی نہیں دیتی لیکن حکمی طور پر انسان حالتِ نجس میں ہوتا ہے۔اس حالت میں اسے عبادت کرنے کی اجازت نہیں ہوتی جب تک کہ وہ اس حالت سے پاکی حاصل نہ کر لے۔

حکمی نجاست کی آگے دو قسمیں ہیں؛ ایک کو حدثِ اصغر اور دوسری کو حدثِ اکبر کہا جاتا ہے۔حدثِ اصغر سے مراد حکمی نجاست کی وہ حالت ہے جس میں آدمی پر نماز کے لیے وضو فرض ہو جاتا ہے مثلاً پیشاب، پاخانہ کے بعد نجاست سے پاک ہونے کے لیے وضو کرنا ہو گا۔اسی طرح نیند سے بیدار ہونے کے بعد اور ہوا خارج ہونے کی صورت میں بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے اور انسان حکماً نجس شمار ہوتا ہے، یہ صورتیں حدثِ اصغر کہلاتی ہیں۔جبکہ نجاستِ حکمی کی دوسری صورت یعنی حدثِ اکبر وہ حالت ہے جب انسان پر مسنون طریقے سے غسل کرنا فرض ہو جاتا ہے مثلاً: احتلام، جماع، حیض، یا نفاس کی حالت۔

آئندہ سطور میں ہم وضو اور غسل سے متعلقہ تفصیلات قلمبند کریں گے۔ان شاء اللہ!

[۱]......عورت اور مسنون وضو

وضو سے پہلے بسم اللہ پڑھیں:

ہر اچھا کام شروع کرنے سے پہلے ''بسم اللہ'' پڑھنی چاہیے کیونکہ اس سے برکت ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا تھا: ((تَوَضَّؤُوا بِسْمِ اللّٰهِ)) ''بسم اللہ کہتے ہوئے وضو کرو۔''(۱)

وضو کے شروع میں بسم اللہ کی اہمیت اس قدر زیادہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ((لَا وُضُوءَ لِمَنْ لَمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ)) ''جو شخص بسم اللہ نہیں پڑھتا، اس کا وضو ہی (مکمل) نہیں۔''(۲)

دونوں ہاتھ تین مرتبہ دھوئیں اور انگلیوں میں خلال کریں:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو وضو کا مسنون طریقہ سکھاتے ہوئے سب سے پہلے تین مرتبہ اپنے ہاتھ کلائیوں (پہنچوں) تک دھوئے، پھر باقی وضو کرنے کے بعد لوگوں سے کہا کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو اسی طرح وضو کرتے دیکھا تھا۔(۳)

حضرت لقیط بن صبرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((أَسْبِغِ الْوُضُوءَ وَخَلِّلْ بَيْنَ الْأَصَابِعِ)) ''وضو اچھی طرح کرو اور انگلیوں کے درمیان خلال کرو۔''(۴)

اگر انگلی میں انگوٹھی پہنی ہو یا ہاتھ میں گھڑی یا چوڑیاں ڈالی ہوں، تو انہیں حرکت دے کر مطلوبہ حصے کو اچھی طرح تر کرنا چاہیے۔

نیند سے بیدار ہو کر پہلے ہاتھ دھوئیں:

اگر نیند سے بیدار ہوں تو فوراً پانی والے برتن میں ہاتھ نہ ڈالیں۔ بلکہ کسی صاف چیز (مگ وغیرہ) کے ذریعے برتن سے پانی لے کر پہلے ہاتھ دھولیں یا برتن انڈیل کر ہاتھ دھوئیں۔ پھر دھوئے ہوئے ہاتھ کو برتن

(۱) سنن نسائی: کتاب الطهارة: باب التسمية عندالوضوء (ح۷۸)، صحيح ابن خزيمه (ح۱۴۴)

(۲) ابوداؤد: كتاب الطهارة: باب التسمية على الوضوء (ح۱۰۱)، ابن ماجه (ح۳۹۹)، مسند احمد (۴۱۸/۲)، حاکم (۱۴۶/۱)، بیهقی (۴۳/۱) شرح السنة (۴۰۹/۱)، دارمی (۱۷۶/۱)

(۳) بخاری: کتاب الوضوء: باب الوضوء ثلاثا ثلاثا (ح۱۵۹)، مسلم: کتاب الطهارة: باب صفة الوضوء (ح۲۲۶)

(۴) ابوداؤد: كتاب الطهارة: باب في الاستنثار (ح۱۴۲)، ترمذی: کتاب الطهارة (ح۳۸)، نسائی (ح۱۱۴)، ابن ماجه (ح۴۰۷)، حاکم (۱۴۷/۱)

میں ڈالا جاسکتا ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِذَا اسْتَيْقَظَ اَحَدُكُمْ مِنْ نَوْمِهٖ فَلْيَغْسِلْ يَدَهُ قَبْلَ اَنْ يُدْخِلَهُ فِيْ وَضُوْئِهٖ فَاِنَّ اَحَدَكُمْ لَا يَدْرِيْ اَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ))

''جب تم میں سے کوئی شخص نیند سے بیدار ہو تو وہ اپنا ہاتھ پانی کے برتن میں نہ ڈالے یہاں تک کہ پہلے اسے دھولے کیونکہ اسے معلوم نہیں کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں گزاری۔''[1]

ممکن ہے نیند میں شرمگاہ یا جسم سے لگی کسی نجاست پر ہاتھ لگنے کی وجہ سے پلید ہو گئے ہوں اور انہیں صاف کیے بغیر برتن میں ڈال دینے سے برتن میں موجود پانی بھی پلید ہو جائے۔ پھر اس پلید اور نجس پانی سے طہارت کیسے ممکن ہے؟!

کلی اور ناک صاف کریں:

کلی کرنا اور ناک جھاڑ کر اچھی طرح صاف کرنا اگرچہ دو جدا طریقے ہیں مگر ان دونوں کی ادائیگی ایک ہی چلو کے ذریعے بھی ممکن ہے (یعنی چلو بھر کر آدھے سے کلی کریں اور آدھا ناک میں ڈال کر بائیں ہاتھ سے ناک جھاڑ لیں) اور دو الگ الگ چلو لے کر کلی الگ کرنا اور ناک الگ صاف کرنا بھی درست ہے۔ ایک ہی چلو سے کلی کرنے اور ناک میں پانی چڑھانے کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے کسی آدمی نے دریافت کیا کہ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کس طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ حضرت عبداللہ نے پانی کا برتن منگوایا اور اسے انڈیلتے ہوئے تین مرتبہ اپنے دونوں ہاتھ دھوئے پھر اس میں اپنا ہاتھ داخل کیا اور ((فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ مِنْ غُرْفَةٍ وَاحِدَةٍ)) ''ایک ہی چلو سے کلی بھی کی اور ناک بھی جھاڑ کر صاف کیا اور ایسا تین مرتبہ کیا۔''[2]

الگ چلو سے کلی کرنے اور الگ چلو لے کر ناک صاف کرنے کی دلیل یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وضو کا

---

(۱) بخاری: کتاب الوضوء: باب الاستجمار وترا (ح ۱۶۲)، مسلم: کتاب الطهارة: باب كراهة غمس المتوضی، (ح ۲۷۸)، ترمذی (ح ۲۴)، نسائی (ح ۱۶۱)، ابن ماجه (ح ۳۹۳)، ابوداؤد (ح ۹۶)

(۲) بخاری: کتاب الوضوء: باب الوضوء من التور (ح ۱۹۹)، باب من مضمض واستنشق من غرفة واحدة (ح ۱۹۱)، مسلم: کتاب الطهارة (۲۳۵)، ابوداؤد (ح ۱۱۹)، ترمذی (ح ۲۸-۳۲)، ابن ماجه (ح ۴۰۵، ح ۴۳۴)، نسائی (ح ۹۸)، مؤطا (۱/۱۸)

مسنون طریقہ سکھاتے ہوئے اس طرح کیا تھا: ((ثُمَّ مَضْمَضَ ثَلَاثًا وَاسْتَنْشَقَ ثَلَاثًا)) ''یعنی انہوں نے تین مرتبہ کلی کی اور تین مرتبہ ہی ناک جھاڑ کر صاف کیا۔''(۱)

کلی کرتے وقت مسواک بھی کر لی جائے تو اس سے منہ کی صفائی کے علاوہ نماز کا ثواب بھی بڑھ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی بھی حاصل ہوتی ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جو نماز مسواک کر کے پڑھی جائے وہ بغیر مسواک والی نماز سے 70 درجے زیادہ فضیلت والی ہو جاتی ہے۔(۲)

ناک میں پانی ڈالتے وقت یہ بات بھی واضح رہے کہ اچھی طرح ناک میں پانی چڑھائیں البتہ اگر آپ حالتِ روزہ میں ہوں تو پھر ناک میں پانی چڑھاتے وقت مبالغہ نہ کریں کیونکہ اس طرح پانی حلق میں اترنے کا خدشہ ہے۔

بائیں ہاتھ سے ناک جھاڑیں:

جس طرح بوقتِ استنجا دائیں ہاتھ سے پانی ڈالتے ہوئے بائیں سے صفائی کی جاتی ہے اسی طرح دورانِ

---

(۱) ترمذی: كتاب الطهارة: باب ما جاء في وضوء النبي كيف كان (ح ۴۸) یاد رہے کہ مذکورہ حدیث میں اگرچہ صراحت کے ساتھ یہ بات مروی نہیں کہ الگ الگ چلو لے کر کلی اور ناک صاف کرنے کا عمل کیا گیا ہے تاہم یہاں سیاقِ کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ کلی اور ناک کی صفائی کرنے میں الگ الگ چلو استعمال کیے گئے ہیں۔ فقہا و محدثین اسے ''فصل'' کی اصطلاح سے بیان کرتے ہیں جب کہ ایک ہی چلو لے کر آدھے سے کلی کرنا اور آدھے کو ناک میں ڈال کر ناک کی صفائی کرنے کو ''وصل'' کی اصطلاح سے بیان کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں بعض روایات میں صریح طور پر ''فصل'' کا ذکر موجود ہے اگرچہ ان کی اسناد پر کلام ہے۔ تاہم بعض اہل علم نے دونوں طریقوں کو جائز قرار دیتے ہوئے پہلے طریقے (وصل) کو افضل قرار دیا ہے۔ مسئلہ ہذا کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: زاد المعاد (ج ۱ ص ۱۹۱ تا ۱۹۳)، فتح الباری (ج ۱ ص ۲۴۰)، تلخیص الحبیر (ج ۱ ص ۷۹)، تحفة الاحوذی (ج ۱ ص ۱۲۱ تا ۱۲۷)، عون المعبود (ج ۱ ص ۵۳)، سبل السلام (ج ۱ ص ۵۴) علاوہ ازیں امام ترمذی رقم طراز ہیں کہ بعض اہل علم کے بقول ایک ہی چلو سے کلی اور ناک صاف کرنا کافی ہے جب کہ بعض کے بقول ان دونوں میں تفریق (فصل) بہتر ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ایک ہی چلو سے دونوں کام (کلی اور ناک میں پانی داخل کرنا) کر لیتا ہے تو یہ جائز ہے اور اگر انہیں علیحدہ علیحدہ کرے تو یہ ہمیں زیادہ پسند ہے۔ دیکھیے: ترمذی (بذیل) باب ماجاء في وضوء النبي)

(۲) شعب الایمان للبیهقی: کتاب الطهارات: باب فضل الوضوء (ح ۲۷۷۴)، احمد (۲۷۲/۶)، ابن خزیمه (ح ۱۳۷)، السنن الکبریٰ للبیهقی (۳۸/۱)، حاکم (۱۴۶/۱)

وضو مناسب یہ ہے کہ دائیں ہاتھ سے پانی ناک میں چڑھایا جائے اور بائیں ہاتھ سے ناک کو جھاڑا اور صاف کیا جائے اس کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو وضو کا مسنون طریقہ سکھانے کے لیے پانی منگوایا تو ''انہوں نے کلی کے بعد ناک میں پانی چڑھایا اور اپنے بائیں ہاتھ سے ناک کو جھاڑا (اور صاف کیا) اور ایسا تین مرتبہ کیا۔ پھر (مکمل وضو کر کے دکھانے کے بعد) فرمایا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو اسی طرح ہوا کرتا تھا۔''(۱)

چہرہ دھوئیں:

دونوں ہتھیلیوں میں پانی بھر کر اپنے چہرے پر ڈالیں اور اچھی طرح سے پورا چہرہ دھوئیں۔ واضح رہے کہ دائیں کان سے بائیں کان تک جبڑوں سمیت اور پیشانی (جہاں سے سر کے بال شروع ہوتے ہیں) سے لے کر ٹھوڑی کے نیچے تک کا حصہ حدودِ چہرہ میں داخل ہے۔

کہنیوں تک دونوں بازو دھوئیں:

اس کے بعد کہنیوں سمیت دونوں بازو اچھی طرح مل کر دھوئیں۔ اور یہ بات مدنظر رکھیں کہ پہلے دایاں بازو دھوئیں پھر بایاں۔ جیسا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے مسنون طریقہ وضو سکھاتے ہوئے پہلے دایاں ہاتھ کہنی سمیت تین مرتبہ دھویا پھر اسی طرح بایاں ہاتھ کہنی سمیت تین مرتبہ دھویا۔(۲)

یاد رہے کہ اگر کسی برتن سے وضو کر رہے ہوں تو پھر بائیں ہاتھ سے چلو بھر کر دایاں بازو دھوئیں' بعد میں دائیں چلو سے بایاں بازو دھوئیں۔ البتہ اگر ٹونٹی کھول کر وضو کر رہے ہوں تو پانی کے نیچے دایاں بازو پھیلا کر بائیں سے اچھی طرح مل لیں۔ پھر بایاں بازو پھیلا کر دائیں ہاتھ سے اسے مل کر صاف کریں۔ ٹونٹی کے نیچے تین مرتبہ بازو دھونے کی صورت میں ضروری نہیں کہ آپ چلتی ٹوٹی سے تین بار بازو ہٹا کر صاف کریں بلکہ اس طرح کرنے سے پانی کے ضیاع کا خطرہ ہے، اس لیے ایسی صورت میں مناسب یہی ہے کہ نلکے کے نیچے بازو پھیلا کر رکھیں اور اسی حالت میں تین مرتبہ بازو صاف کر لیں۔

سر کا مسح کریں:

دونوں بازو کہنیوں تک دھونے کے بعد سر کا مسح کریں۔ سر کے مسح کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھ تر کریں

(۱) نسائي: كتاب الطهارة: باب الامر بالاستنثار عند الاستيقاظ من النوم (ح ۹۱)

(۲) بخاري: كتاب الصوم: باب سواك الرطب واليابس للصائم (ح ۱۹۳۴)، مسلم: كتاب الطهارة (ح ۲۳۵)

اور سر کے اگلے حصے (پیشانی کے بالوں سے) شروع کر کے پچھلی جانب گدی تک لے جائیں پھر پیچھے (گدی) سے اسی طرح آگے پیشانی کے بالوں تک واپس لے آئیں کہ جہاں سے مسح شروع کیا تھا۔[1]

اسی طرح اگر سر پر مہندی لگی ہو تو عمامے پر قیاس کرتے ہوئے اس پر مسح کیا جا سکتا ہے۔ مہندی کو دھونے کی ضرورت نہیں۔

کانوں کا مسح کریں:

کان چونکہ سر کا حصہ ہیں اس لیے سر کے مسح کے متصل بعد دونوں ہاتھوں کی شہادت کی انگلیاں کانوں کے سوراخوں میں ڈال کر اور دونوں انگوٹھے کانوں کی پشت پر رکھ کر مسح کریں جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ((اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ مَسَحَ اُذُنَيْهِ دَاخِلَهُمَا بِالسَّبَّابَتَيْنِ وَ خَالَفَ اِبْهَامَيْهِ اِلٰى ظَاهِرِ اُذُنَيْهِ فَمَسَحَ ظَاهِرَهُمَا وَ بَاطِنَهُمَا)) ''اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے کانوں کا مسح کرتے وقت دونوں سبابہ (شہادت والی) انگلیاں اپنے کانوں میں داخل کیں اور انگوٹھے کانوں کی پشت پر رکھتے ہوئے کانوں کے اندرونی و بیرونی دونوں جانب سے مسح فرمایا۔''[2]

سر کے مسح کے بعد کانوں کے مسح کے لیے دوبارہ انگلیاں تر کرنا یا پہلے سے تر انگلیوں سے مسح کرنا دونوں ہی طرح احادیث سے ثابت ہے۔[3]

گردن اور بازوؤں کا مسح صحیح احادیث سے ثابت نہیں:

بعض حضرات سر اور کانوں کے مسح کے بعد دونوں ہاتھ الٹے کر کے گردن کا بھی مسح کرتے ہیں پھر اس کے بعد بائیں ہاتھ سے دائیں بازو اور دائیں ہاتھ سے بائیں بازو کا بھی مسح کرتے ہیں۔ اگرچہ اس سلسلہ میں کچھ روایات کتب احادیث میں موجود ہیں مگر ان میں سے کوئی ایک روایت بھی بسند صحیح ثابت نہیں۔ اس لیے گردن اور بازوؤں کے مسح سے اجتناب کیا جائے۔

---

(۱) بخاری: کتاب الوضوء: باب مسح الراس کله (ح۱۸۵)، باب غسل الرجلین الی الکعبین (ح۱۸۶)، مسلم: کتاب الطهارة: باب فی وضوء النبی (ح۲۳۵)

(۲) ابن ماجه: کتاب الطهارة: باب ما جاء فی مسح الاذنین (ح۴۳۹)، نسائی (ح۱۰۲)، ترمذی (ح۳۶)، ابن خزیمه (ح۱۴۸)، ابویعلیٰ (ح۲۴۸۶)، بیهقی (۱/۵۵)

(۳) سنن بیهقی: کتاب الطهارة: باب مسح الاذنین بماء جدید (۱/۶۵)، حاکم (۱/۱۵۱، ۱۵۴)، مؤطا (۱/۳۴)، نیل الاوطار (۱/۱۶۱-۱۶۲)، زاد المعاد (۱/۱۹۴-۱۹۵)

دونوں پاؤں دھوئیں:

سر اور کانوں کے مسح کے بعد پہلے دایاں پھر بایاں پاؤں ٹخنوں سمیت دھوئیں جیسا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے مسنون وضو کا طریقہ سکھاتے ہوئے سر کے مسح کے بعد پہلے اپنا دایاں پاؤں تین مرتبہ دھویا پھر بایاں پاؤں تین مرتبہ دھویا اور فرمایا کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح وضو فرماتے ہوئے دیکھا ہے۔[1]

پاؤں کی انگلیوں میں خلال کریں:

جس طرح ہاتھوں کی انگلیوں میں خلال کیا جاتا ہے اسی طرح پاؤں کی انگلیوں میں بھی خلال کیا جائے کیونکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اِذَا تَوَضَّأْتَ فَخَلِّلْ بَيْنَ اَصَابِعِ يَدَيْكَ وَرِجْلَيْكَ)) ''جب تم وضو کرو تو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کے درمیان خلال کرو۔''[2] پاؤں کی انگلیوں کے درمیان خلال کے لیے ہاتھ کی چھنگلی انگلی استعمال کرنا سنت ہے۔[3]

وضو اور تکرار:

دورانِ وضو سر کے مسح کے علاوہ وضو کے تمام اعضا ایک مرتبہ سے لے کر تین مرتبہ تک دھونا جائز ہے۔ خواہ تمام اعضا ایک ایک مرتبہ دھو لیے جائیں یا تمام اعضا دو دو مرتبہ دھو لیے جائیں یا پھر تمام اعضا تین تین مرتبہ دھو لیے جائیں تینوں طرح درست ہے کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تینوں طرح وضو فرمایا ہے۔[4]

یاد رہے کہ اگر دورانِ وضو بعض اعضا ایک مرتبہ، بعض دو مرتبہ اور بعض تین مرتبہ دھو لیے جائیں تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح بھی ثابت ہے۔[5]

البتہ کسی عضو کو دورانِ وضو تین بار سے زیادہ دھونے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔[6]

---

(۱) بخاری: کتاب الصوم: باب سواک الرطب واليابس للصائم (ح ۱۹۳۴)، مسلم: کتاب الطهارة: باب صفة الوضوء وكماله (ح ۲۲۶)

(۲) ترمذی: کتاب الطهارة: باب ما جاء فی تخليل الاصابع ۳۹)، ابن ماجه: کتاب الطهارة (ح ۴۴۷)

(۳) ترمذی ایضا (ح ۴۰)، ابوداؤد: کتاب الطهارة: باب غسل الرجلين (ح ۱۴۸)

(۴) دیکھیے بخاری: کتاب الوضوء: باب الوضوء مرة مرة (ح ۱۵۷)...... باب الوضوء ثلاثا ثلاثا (ح ۱۵۹)

(۵) ترمذی: کتاب الطهارة: باب ماجاء فيمن يتوضأ بعض وضوئه مرتين وبعضه ثلاثا (ح ۴۷)

(۶) ابوداؤد: کتاب الطهارة: باب الوضوء ثلاثا ثلاثا (ح ۱۳۵)، نسائی: کتاب الطهارة (ح ۱۴۰)

وضو کے بعد کی دعائیں:

وضو کے بعد درج ذیل دعائیں پڑھنا مسنون ہے:

(1)......((اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ))

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ اللہ تعالیٰ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ وضو کے بعد مذکورہ بالا دعا پڑھنے والے کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیے جاتے ہیں کہ جس دروازے سے یہ شخص چاہے جنت میں داخل ہو جائے گا۔ [1]

(2)......((اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِي مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ))

''یا اللہ! مجھے بہت زیادہ توبہ کرنے اور صفائی و پاکیزگی اختیار کرنے والا بنادے۔'' [2]

(3)......((سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ))

''یا اللہ! تو اپنی ہر طرح کی تعریف کے ساتھ (ہر نقص و عیب سے) پاک ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ میں تجھ سے بخشش طلب کرتا ہوں اور تیرے حضور توبہ کرتا ہوں۔'' [3]

وضو کے شروع میں بسم اللہ اور آخر میں مندرجہ بالا تین دعاؤں کے علاوہ دورانِ وضو دعا کرنے کی کوئی صحیح حدیث مروی نہیں۔ اس لیے دورانِ وضو مختلف اعضا دھوتے وقت ضعیف روایات میں مروی دعائیں پڑھنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔ علاوہ ازیں وضو کے بعد کسی دعا کو آسمان کی طرف نظر یا انگلی اٹھا کر پڑھنے کے بارے میں کوئی صحیح حدیث موجود نہیں۔ بعض روایات میں آسمان کی طرف نظر اٹھا کر پہلی دعا ﴿یعنی اشھد ان لا الٰہ......﴾ پڑھنا منقول ہے مگر سنداً وہ سب روایات ضعیف ہیں۔ اس لیے دورانِ دعا انگلی یا نظر آسمان کی طرف اٹھانے سے اجتناب کیا جائے۔

---

(۱) صحيح مسلم: كتاب الطهارة: باب الذكر المستحب عقب الوضوء(ح ۲۳۴)، ابوداؤد(ح ۱۶۸)، ابن ماجه (ح ۴۷۰)، نسائی(ح ۱۴۸)، ابن حبان (۳/۳۲۶)، ابن خزيمه(ح ۲۲۲)

(۲) ترمذی: كتاب الطهارة: باب فيما يقال بعد الوضوء(ح ۵۵)، ابن السنی(۲۱)، تاريخ بغداد(۵/۲۷۰)، عبد الرزاق(۱/۱۸۶-۱۸۷)

(۳) عمل اليوم والليلة للنسائی(۸۱-۸۲)، حاكم (۱/۵۶۴)، عبدالرزاق (۱/۱۸۶)، ابن ابی شيبه(۱/۱۳)، تلخيص الحبير(۱/۱۰۱-۱۰۲)

وضو کے بعد شرمگاہ پر پانی کا چھینٹا مارنا:

وضو سے فارغ ہونے پر پانی کا چلو لے کر شرمگاہ پر چھینٹا مارنا سنت ہے جیسا کہ حضرت حکم بن سفیان ثقفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کرنے کے بعد ایک چلو بھر پانی لیا اور اپنی شرمگاہ پر چھینٹ دیا۔''(۱)

یاد رہے کہ وضو کے بعد پانی کا چھینٹا مارنے کی بعض اہل علم نے یہ حکمت بیان کی ہے کہ طہارت کے بعد آدمی کو بعض دفعہ یہ وسوسہ ہوتا ہے کہ شاید شرمگاہ سے پیشاب کا کوئی قطرہ نکلا ہے۔ پیشاب نکلنے سے اگرچہ وضو ٹوٹ جاتا ہے مگر محض وسوسے اور خیال سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ اس لیے اگر پانی کا چھینٹا مار لیا جائے تو پھر ایسا وسوسہ آتے ہی یہ خیال بھی پیدا ہو جائے گا کہ پانی کے چھینٹے کی وجہ سے میرا کپڑا گیلا ہوا ہے نا کہ پیشاب کے قطرے سے۔ اس طرح سنت پر بھی عمل ہو جائے گا اور وسوسہ بھی دور ہو جائے گا۔(۲)

دورانِ وضو بعض ممنوعات:

1)...... دوران وضو کسی عضو کو تین بار سے زائد نہ دھوئیں۔

2)...... دوران وضو پانی ضائع نہ کریں۔

3)...... اعضائے وضو میں سے کوئی عضو خشک نہ رہنے پائے۔

4)...... وضو کے کسی عضو پر آٹا، مٹی یا تارکول یا اسی طرح کی کوئی اور چیز لگی ہو تو اسے کھرچ کر اتار دیں ورنہ متعلقہ عضو خشک رہ جائے گا۔ البتہ اگر کسی بیماری کی وجہ سے ایسا کیا گیا ہو تو پھر اس پر مسح کر لیں۔

5)...... ناخنوں پر پینٹ یا نیل پالش لگی ہو تو بوقتِ وضو، ریموور، وغیرہ کی مدد سے اسے اتار کر ناخن صاف کر لیں۔ کیونکہ نیل پالش سے پانی ناخن کی جلد تک نہیں پہنچتا۔ البتہ مہندی چونکہ ناخن اور پانی کے درمیان رکاوٹ نہیں بنتی، اس لیے مہندی لگے ناخنوں کے ساتھ وضو درست ہے۔ اسی طرح ہونٹوں پر سرخی لگی ہو تو پھر بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ سرخی نیل پالش کی طرح پانی اور جلد کے درمیان رکاوٹ نہیں بنتی۔ البتہ اگر کوئی سرخی اتنی موٹی تہہ والی ہو کہ پانی اور جلد کے درمیان رکاوٹ بن جائے تو پھر وضو کے لیے اسے صاف کرنا ہوگا۔

---

(۱) ابن ماجه: كتاب الطهارة: باب ماجاء فى النضح بعد الوضوء (ح ۴۶۱)، ابوداوٗد: كتاب الطهارة (۱۶۵، ۱۶۷)

(۲) ملاحظه هو تحفة الاحوذى (۱/ ۱۶۷)، معلم السنن (۱/ ۱۲۵)، عون المعبود (۱/ ۲۸۵ تا ۲۸۷)

[۲]......عورت اور مسنون غسل

مسنون غسل کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے شرمگاہ کو دھویا جائے اور جہاں کہیں نجاست لگی ہوا سے صاف کیا جائے۔ پھر وضو کیا جائے۔ البتہ دونوں پاؤں وضو کے آخر میں دھو لیے جائیں یا غسل کے آخر میں، دونوں طرح درست ہے۔ سر کے مسح کی بجائے تین مرتبہ چلو بھر کر سر میں ڈال کر بالوں کی جڑوں کو اچھی طرح تر کیا جائے۔ پھر سارے جسم پر پانی بہالیا جائے۔ غسل مسنون کا یہ طریقہ کئی ایک احادیث میں بیان ہوا ہے۔ اس سلسلہ کی ایک روات یہ ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ جب غسلِ جنابت فرماتے تو اس طرح کرتے کہ پہلے اپنے دونوں ہاتھ دھوتے پھر دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈال کر شرمگاہ دھوتے پھر اسی طرح وضو فرماتے جس طرح نماز کے لیے وضو فرماتے تھے۔ پھر ہاتھوں کی انگلیوں سے سر کے بالوں کی جڑوں کو پانی سے تر کرتے۔ پھر اپنے سر پر پانی کے تین چلو ڈالتے اور پھر سارے بدن پر پانی بہاتے، پھر اپنے دونوں پاؤں دھو لیتے۔[1]

عورت کے لیے غسل میں سر کے بال کھولنا:

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے لیے غسلِ جنابت میں سر کے بال کھولنا ضروری نہیں۔ اس مسئلہ میں اہل علم کا بھی اتفاق ہے، البتہ حیض ونفاس کے غسل کے لیے عورت سر کے بال لازماً کھولے یا نہیں، اس میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ احادیث سے قریب تر رائے یہ ہے کہ غسلِ جنابت ہو یا غسلِ حیض، دونوں طرح کے غسل میں سر کے بال کھولنا ضروری نہیں، بشرطیکہ بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچ سکتا ہو۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم ﷺ سے کہا:

((يَارَسُولَ اللّٰهِ اِنِّي اِمْرَاَةٌ اَشُدُّ ضَفْرَ رَأْسِي اَفَاَنْقُضُهُ لِلْحَيْضِ وَالْجَنَابَةِ؟ قَالَ: لَا اِنَّمَا يَكْفِيكِ اَنْ تَحْثِيَ عَلٰى رَأْسِكِ ثَلَاثَ حَثَيَاتٍ ثُمَّ تُفِيضِي عَلَيْكِ فَتَطْهُرِي))

''اے اللہ کے رسولؐ! میں اپنے سر کے بال (مینڈھیوں کی شکل میں) سختی سے باندھ لیتی ہوں، کیا میں

(۱) مسلم: كتاب الحيض: باب صفة غسل الجنابة (ح ۳۱٦، ۳۱۷)، نيز ديكهيے: بخاری: كتاب الغسل: باب الوضوء قبل الغسل (ح ۲۴۹) نيز ديكهيے: (ح ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲٦۰، ۲٦۵، ۲۷٦، ۲۸۱، ۲۸۴)

انہیں غسلِ جنابت [بعض روایات میں ہے: غسلِ حیض] کے لیے کھولا کروں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں بلکہ یہی کافی ہے کہ تم اپنے سر پر پانی کے تین چلو انڈیل لیا کرو اور پھر باقی جسم پر پانی بہا لیا کرو۔"(۱)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو پتہ چلا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ عورتوں کو غسل جنابت اور غسل حیض کے لیے سر کے بال کھولنے کا حکم دیتے ہیں تو اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ عبداللہ کو اس مسئلے کا علم ہی نہیں، وہ عورتوں کو غسل کے لیے سر کے بال کھولنے کا حکم کیوں دیتے ہیں۔ اس سے بہتر ہے کہ وہ عورتوں کو سر منڈانے کا حکم دے دیں۔ حالانکہ میں اور اللہ کے رسول ایک ہی برتن سے وضو کر لیا کرتے تھے، جبکہ میں صرف تین مرتبہ سر پر پانی ڈالتی تھی۔ (یعنی سر کے بال کھول کر دھونے کی ضرورت نہ سمجھتی تھی۔)(۲)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ عورت کے لیے غسل جنابت اور غسل حیض کے لیے سر کے بال کھولنا ضروری نہیں، البتہ عورت کے بال چونکہ گھنے ہوتے ہیں اس لیے احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ سر کے بال کھول کر غسل کیا جائے۔ تاکہ بالوں کی جڑوں تک اچھی طرح پانی پہنچ جائے۔

[۳]......عورت کی طہارت سے متعلقہ چند اہم فتاوی

اس عورت کے وضو کا حکم جس کے ناخنوں پر پالش لگی ہو:

سوال: اس عورت کے وضو کا کیا حکم ہے جس کے ناخنوں پر پالش لگی ہوئی ہو؟

جواب: ایسی عورت کے لیے ناخن پالش استعمال کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ وضو کرتے وقت پانی کے ناخن تک پہنچنے میں رکاوٹ بنتی ہے اور ہر وہ چیز جو پانی پہنچنے سے روکتی ہو، اس کا استعمال وضو یا غسل کرنے والے کے لیے جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ ﴾[المائدة: ٦] "اپنے چہروں اور ہاتھوں کو دھوؤ۔"

اور جس عورت کے ناخنوں پر پالش لگی ہو تو ناخنوں تک پانی نہ پہنچنے کی وجہ سے اس پر ہاتھوں کا دھونا صادق

(۱) صحیح مسلم: کتاب الحیض: باب حکم ضفائر المغتسلة (ح ۳۳۰)، ابوداؤد (ح ۲۵۱)، ترمذی (ح ۱۰۵)، ابن ماجه (ح ۶۰۳)، احمد (ج ۶ ص ۳۱۵)

(۲) صحیح مسلم ایضاً (۳۳۱)، احمد (ج ۶ ص ۴۳)، ابن ماجه (ح ۶۰۴)، ابن خزیمة (ح ۲۴۷)

نہ آئے گا اور اس طرح وہ وضو یا غسل کے فرائض میں سے ایک فرض کی تارک ہوگی۔البتہ جو عورت نماز نہیں پڑھ سکتی مثلاً حائضہ، تو اس کے لیے ناخن پالش استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ کوئی ایسا فعل جو کافرہ عورتوں کی خصوصیات میں سے ہو، اس کا ارتکاب کفار کی مشابہت کے سبب ناجائز ہے۔[فتاوی ورسائل شیخ ابن عثیمن : ج٤ ص ١٤٨، مرتب : فهد السليمان، بحواله :فتاوی برائے خواتین اسلام]

جس عورت کے ہاتھ پر مہندی لگی ہو، اس کے وضو کا حکم:

سوال: افتاء کمیٹی سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث روایت کی جاتی ہے جس کا معنی و مفہوم یہ ہے کہ ''انگلیوں پر گوندھے ہوئے آٹے یا ناخن پالش یا مٹی لگنے کی صورت میں وضو صحیح نہیں ہے'' لیکن میں دیکھتی ہوں کہ بعض عورتیں جو اپنے ہاتھوں اور پاؤں میں مہندی لگائے ہوتی ہیں اور ہاتھوں میں گوندھے ہوئے آٹے بھی لگے ہوتے ہیں، ایسے ہی نماز پڑھتی ہیں۔کیا ایسا عمل جائز ہے؟ واضح ہو کہ جب انہیں اس سے منع کیا جاتا ہے تو کہتی ہیں کہ یہ پاک ہے اور اس سے وضو پر کوئی اثر نہیں پڑتا؟

جواب: ہمارے علم کی حد تک مذکورہ الفاظ کے ساتھ کوئی حدیث مروی نہیں ہے۔البتہ مہندی کا رنگ ہاتھ اور پاؤں میں باقی رہنے سے کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ مہندی کا رنگ غلیظ اور موٹا نہیں ہوتا اس کے برعکس گوندھا ہوا آٹا، ناخن پالش اور مٹی چونکہ غلیظ اور موٹی ہوتی ہے جو پانی کو چمڑے تک پہنچنے سے مانع ہوتی ہے، اس لیے ان کی موجودگی میں وضو صحیح نہیں ہوگا۔اور اگر پسی ہوئی مہندی ہاتھ پاؤں میں لگی ہو تو چونکہ اس کی موٹی تہیں پانی کو چمڑے تک پہنچنے میں مانع ہوتی ہیں لہٰذا ان کا ازالہ ایسے ہی ضروری ہے جس طرح گوندھے ہوئے آٹے کا۔[ایضا، بحواله :فتاوی اللجنة الدائمة للافتاء: ج٥ ص ٢١٧]

عورت سر کا مسح کیسے کرے؟

سوال: کیا عورت بھی مرد ہی کی طرح اپنے سر کا مسح کرے گی۔یعنی سر کے اگلے حصہ سے شروع کرکے پچھلے حصہ تک ہاتھوں کو لیجائے پھر ہاتھوں کو اگلے حصہ تک واپس پلٹائے؟

جواب: ہاں، کیونکہ شرعی احکام کی اصل یہ ہے کہ جو چیز مردوں کے لیے ثابت ہے وہ عورتوں کے لیے بھی ہے اور اسی کے برعکس جو چیز عورتوں کے لیے ثابت ہے وہ مردوں کے لیے بھی ہے مگر یہ کہ استثناء کی کوئی دلیل موجود ہو۔اور سر کے مسح کی کیفیت میں مرد اور عورت کے درمیان فرق ثابت کرنے والی کوئی دلیل مجھے

معلوم نہیں ۔[مجموع فتاوی ورسائل الشیخ ابن عثیمین : ۴/ ۱۵۲]

دوپٹہ پرمسح کا حکم؟

سوال: کیا عورت کے لیے دوپٹہ پر مسح کرنا جائز ہے؟

جواب: امام احمدؒ کے مشہور قول کے مطابق عورت دوپٹہ پر مسح کرسکتی ہے بشرطیکہ وہ دوپٹہ اس کی گردن کے نیچے سے لپیٹا گیا ہو بعض صحابیاتؓ سے بھی ایسا کرنا ثابت ہے۔لہٰذا اگر دوپٹہ ہٹانے میں کوئی مشقت ہو، خواہ ٹھنڈک کے سبب یا ہٹانے اور پھر دوبارہ لپیٹنے کے سبب، تو ایسی صورت میں مسح جائز ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اگر کوئی مشقت نہ ہو تو دوپٹہ پر مسح نہ کرنا ہی بہتر ہے۔[فتاوی ورسائل الشیخ محمد بن ابراھیم : ۲/ ۶۷]

مہندی لگے بالوں پرمسح:

سوال: اگر عورت اپنے سر کے بالوں کو مہندی یا اس جیسی دوسری چیز سے چپکا لے تو کیا وہ اس پر مسح کرسکتی ہے؟

جواب: جب عورت نے سر پر مہندی لگائی ہو تو وہ اس پر مسح کرسکتی ہے، بالوں کو کھولنے اور مہندی کے اندر سے مسح کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ بحالتِ احرام سر کے بالوں کو (گوندنما مادے سے) چپکائے ہوئے تھے۔(ظاہر ہے ایسی حالت میں آپ نے جو نمازیں پڑھیں، ان میں ایسے ہی مسح کیا ہوگا) [فتوی از شیخ محمد بن ابراھیم، ایضاً : ۲/ ۶۲]

کیا ننگے مرد یا ننگی عورت کی طرف دیکھنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

سوال: کیا ننگے مرد یا ننگی عورت یا اپنی ہی شرمگاہ کو دیکھنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

جواب: ننگے مرد اور ننگی عورت کو دیکھنے سے وضو نہیں ٹوٹتا اور نہ ہی اپنی شرمگاہ کو دیکھنا وضو کو فاسد کرتا ہے کیونکہ اس طرح وضو ٹوٹنے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔[ایضا: ۵/ ۲۷۰]

کیا ہیئر کریم اور لپ اسٹک ناقض وضو ہے؟

سوال: کیا ہیئر کریم اور لپ اسٹک ناقض وضو ہے؟

جواب: بالوں پر کریم ملنے یا تیل لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا اور نہ ہی روزہ ان چیزوں سے باطل ہوتا ہے

لیکن روزہ کی حالت میں اگر ہونٹوں پر ایسی سرخی لگائی جائے جس میں ذائقہ پایا جاتا ہو اور خدشہ ہو کہ یہ ذائقہ پیٹ تک جا اترے گا، تو ایسی سرخی کا استعمال درست نہیں۔[فتاوی ورسائل الشیخ ابن عثیمین: ۲۰۱/۴]

بچوں کی نجاست دھونے سے کیا وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

سوال: میں نے وضو کے بعد اپنے بچوں کی نجاست دھوئی، کیا اس طرح میرا وضو ٹوٹ گیا ہے؟

جواب: باوضو یا بے وضو شخص کا جسم سے نجاست دھونا ناقض وضو نہیں ہے۔ ہاں اگر بچے کی شرمگاہ کو ہاتھ لگ جائے تو اس سے وضو ٹوٹ جائے گا، جس طرح اپنی شرمگاہ کو ہاتھ لگنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اسی طرح بچے کی شرمگاہ کو ہاتھ لگنے سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔[دار الافتاء کمیٹی، فتاویٰ برائے خواتین: مرتب محمد بن عبد العزیز (ص ۷۱)]

جبکہ ابن عثیمینؒ فرماتے ہیں کہ کہ بچے کی شرمگاہ کو ہاتھ لگنے سے صرف ہاتھ دھو لیے جائیں، وضو کرنا واجب نہیں کیونکہ شرمگاہ کو بغیر شہوت کے چھونا ناقض وضو نہیں اور اس میں کوئی شک نہیں عورت اپنی اولاد کو غسل کراتے ہوئے شہوت سے اس کی شرمگاہ نہیں چھوتی۔[مجموع فتاوی ورسائل لابن عثیمینؒ: ج ۴ ص ۲۰۳]

حیض و جنابت کا غسل اور عورت کا سر کے بال کھولنا؟

سوال: کیا مرد و عورت کے غسل جنابت میں کوئی فرق ہے؟ اور کیا عورت پر غسل کے لئے اپنے سر کے بال کھولنا ضروری ہے؟ کیا حدیثِ نبویؐ کی بنا پر تین لپ پانی ڈالنا ہی کافی ہے؟ نیز غسل جنابت اور غسل حیض میں کیا فرق ہے؟

جواب: مرد و عورت کے غسل میں کوئی فرق نہیں ہے اور کسی پر بھی غسل کے لیے بالوں کا کھولنا ضروری نہیں ہے، بلکہ بالوں پر تین لپ پانی ڈال کر باقی جسم کو دھو لینا کافی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا:

''میں سخت گندھے ہوں بالوں والی عورت ہوں، کیا میں انہیں غسل جنابت کے لیے کھولا کروں؟ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں تیرے لیے یہی کافی ہے کہ سر پر پانی انڈیل کر غسل کر لے۔''

رہا عورت کا غسلِ حیض، تو اس غسل میں بال کھولنے اور نہ کھولنے میں اہل علم کا اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ

غسلِ حیض میں بھی عورت پر سر کے بالوں کا کھولنا واجب نہیں ہے۔ کیونکہ صحیح مسلم میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی بعض روایات میں اس کی وضاحت ہے۔ یہ روایات اس بات پر نص ہیں کہ غسلِ حیض و جنابت میں سر کے بالوں کا کھولنا واجب نہیں لیکن احتیاط کے پیش نظر، اور اختلاف سے بچنے اور مختلف دلیلوں کو جمع کرنے کے خیال سے عورت غسل حیض میں بالوں کو کھول کر دھوئے۔ [دار الافتاء کمیٹی، بحوالہ: فتاویٰ المرأة (ص ۷٤)]

عورت کی طہارت کے بعد باقی ماندہ پانی کا حکم:

سوال: عورت کے بچے ہوئے پانی سے مرد کا طہارت حاصل کرنا کیسا ہے؟

جواب: علماء کے ہاں اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ جمہور علماء کا موقف جس کی تائید امام احمد نے بھی اپنے ایک قول میں فرمائی ہے، یہ ہے کہ عورت خواہ تنہا برتن سے پانی استعمال کرے یا مرد کے ہمراہ اور خواہ اس کی طہارت حدث کے نتیجہ میں ہو یا ناپاکی لگنے سے، بہر حال باقی ماندہ پانی سے مرد پاکی حاصل کر سکتا ہے اور یہی قول صحیح ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے غسل کرنے کے بعد ان کے بچے ہوئے پانی سے غسل کیا تھا۔ یہ حدیث منع والی حدیث یعنی: ''مرد عورت کے بچے ہوئے پانی سے طہارت حاصل نہ کرے''...... کے مقابلہ میں بلاشبہ زیادہ صحیح ہے۔ جبکہ بہت سے اہل علم منع کی روایت کی صحت کے قائل ہی نہیں ہیں، لہٰذا ایسی روایت سے دلیل پکڑنا صحیح نہیں۔ جمہور علماء کی تائید ان عمومی دلائل سے بھی ہوتی ہے جو بلا قید پانی سے پاکی حاصل کرنے کے سلسلہ میں مروی ہیں۔ لہٰذا ایسا پانی جسے نجاست نے متغیر نہ کیا ہو، وہ عام پانی کے حکم میں داخل ہے، نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا ﴾[المائدة:٦]

''یعنی، جب پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کرو۔''

اس آیت میں تیمم کا جواز پانی نہ ملنے پر موقوف کیا گیا ہے۔ اور عورت کے استعمال کے بعد بچا ہوا پانی بہر حال پانی ہے اور شارع کسی چیز سے بلا سبب منع نہیں فرماتے، نیز یہ پانی جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا: ((إِنَّ الْمَآءَ لَا يَجْنُبُ)) ''بے شک پانی ناپاک نہیں ہوتا۔'' اس کی پاکی پر دلالت کرتا ہے۔ اگر واقعتاً مرد کے لیے عورت کے بچے ہوئے پانی کا استعمال جائز نہ ہوتا تو صحیح حدیثوں میں اس کی ممانعت ضرور وارد ہوتی، کیونکہ اس طرح کی نوبت گھروں میں عام طور پر پیش آتی ہے اور اس میں مرد کے لیے

مشقت بھی ہے۔لہٰذا معلوم ہوا کہ یہی قول (یعنی جواز کا قول) صحیح ہے۔[المجموعة الكاملة لمؤلفات الشيخ ابن سعدي ج٧ص٨٨،بحواله:فتاوى برائے خواتين اسلام،ص١٢،دار الكتاب والسنة،لاهور]

کیا غسلِ جنابت یا غسلِ حیض کو طلوعِ فجر تک موخر کیا جا سکتا ہے؟

سوال: کیا غسلِ جنابت میں طلوع فجر صادق تک تاخیر جائز ہے؟ اور کیا عورتیں اپنے غسلِ حیض یا نفاس کو طلوع صبح صادق تک موخر کر سکتی ہیں؟

جواب: جب عورت فجر سے قبل پاک ہو جائے تو اس پر روزہ لازم ہے اور غسل کو طلوع فجر کے بعد تک موخر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن سورج نکلنے تک غسل کو موخر کرنا جائز نہیں ہے۔ بلکہ اس پر واجب ہے کہ سورج طلوع ہونے سے قبل غسل و نماز سے فارغ ہو جائے اور یہی حکم جنبی کا ہے، وہ سورج نکلنے تک اپنا غسل موخر نہیں کر سکتا بلکہ اس پر لازم ہے کہ طلوع آفتاب سے قبل غسل کر لے اور نماز ادا کرے، اور مرد پر غسل کرنے میں جلدی کرنا واجب ہے تا کہ فجر کی نماز باجماعت ادا کر سکے۔[فتاوى الصيام للشيخ ابن باز ص٦٥،بحواله:فتاوى برائے خواتين اسلام،ص٣٢]

کیا غسلِ جنابت کر لینا، غسلِ جمعہ اور غسلِ نفاس کے لیے کافی ہوگا؟

سوال: کیا جنابت کا غسل، غسلِ جمعہ اور غسلِ حیض و نفاس کے لیے کافی ہوگا؟

جواب: جس پر ایک سے زیادہ غسل واجب ہوں، اس کے لیے صرف ایک ہی غسل کر لینا کافی ہے۔

[فتاوى اللجنة الدائمة للافتاء:٥/٣٢٨]

کیا جنبی کا بدن غسل سے قبل ناپاک ہوتا ہے؟

سوال: جب مرد و عورت جماع کریں تو کیا ان دونوں کے لیے غسل سے قبل کسی چیز کا چھونا جائز ہے؟ اور جب وہ کسی چیز کو چھوئیں تو کیا وہ ناپاک ہو جائے گی؟

جواب: جنبی شخص کے لیے جائز ہے کہ غسل سے قبل کپڑے، برتن، دیگچی اور اس جیسی دوسری چیزوں کو چھوئے، خواہ جنبی مرد ہو یا عورت۔ کیونکہ وہ ناپاک نہیں ہے اور نہ اس کے چھونے سے کوئی چیز ناپاک ہوتی ہے۔ اور یہی حکم حائضہ اور نفاس والی عورت کا بھی ہے۔ حیض و نفاس کے سبب وہ ناپاک نہیں ہوتی، اس کا بدن اور پسینہ بھی پاک ہے، لہٰذا اس کے بھی چھونے سے کوئی چیز ناپاک نہیں ہوتی۔ حائضہ اور نفاس والی

عورت سے خارج ہونے والا خون ہی صرف ناپاک ہے۔[ایضاً:۵/۳۷۷]

کیا عمر دراز عورت مشقت سے بچنے کے لیے تیمم کر سکتی ہے؟

سوال: ایک عمر دراز عورت جس کی عمر نوے سال ہے اور وہ اٹھ نہیں سکتی اور اسے غسل اور وضو میں مشقت ہوتی ہے، خاص کر جب سردی ہو اور وضو کے لیے دور جانا پڑے۔ کیا ایسی صورت میں اسے ہر نماز کے لیے تیمم کرنے کی رخصت ہے یا متعدد اوقات کی نمازوں کو وہ ایک ہی وضو سے جمع کر سکتی ہے؟

جواب: ایسی صورت میں اس عورت کو چاہیے کہ جہاں تک ممکن ہو وضو کرے، اگرچہ پانی اس کے قریب لانا پڑے۔ اور اگر وہ بذاتِ خود یا دوسروں کے ذریعے وضو میں مشقت محسوس کرے تو اس کے لیے تیمّم جائز ہے۔

ایسی عورت کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ وہ ظہر اور عصر کی نمازوں کو کسی ایک وقت میں اکٹھا ادا کر لے۔ اور مغرب وعشاء کو بھی کسی ایک وقت میں جمع کر لے کیونکہ وہ مریض کے حکم میں ہے۔[ایضاً:۵/ ۳۵٦]

کپڑے پر بچہ پیشاب کر دے تو اسے کیسے پاک کیا جائے؟

سوال: اگر چھوٹا بچہ کپڑے پر پیشاب کر دے تو ان کپڑوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: اس مسئلہ میں صحیح فتوٰی یہی ہے کہ اگر پیشاب اس لڑکے کا ہو جو ابھی دودھ پیتا ہے (یعنی جس کی عمر دو سال سے زیادہ نہ ہو) تو اس کے پیشاب والی جگہ پر پانی کے چھینٹے مار دیئے جائیں، اتنا ہی کافی ہے، کپڑے دھونے اور اچھی طرح ملنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ احادیث میں یہ بات موجود ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس ایک شیر خوار بچہ لایا گیا جس نے آپ ﷺ کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا تو آپؐ نے پانی منگوایا اور پیشاب والی جگہ پر پانی کے چھینٹے مار دیئے اور اس کپڑے کو دھویا نہیں۔ البتہ اگر دودھ پیتی بچی کپڑے پر پیشاب کر دے تو پھر اس کپڑے کو ضرور پانی سے دھویا جائے گا محض پانی کے چھینٹے کافی نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پیشاب بنیادی طور پر نجس ہے تاہم شریعت نے بچے (لڑکے) کے پیشاب کو دھونے سے مستثنٰی کیا ہے، بچی کے پیشاب کو مستثنٰی نہیں کیا۔[فتوی از:ابن عثیمینؒ، فتاوی المراۃ المسلمۃ

مرتب :ابو محمد اشرف بن عبد المقصود(ج١ ص١٨٩، ١٩٠)]

[۴]......حائضہ عورت کے شرعی مسائل

حیض کی کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ مدت:

سوال: حیض کی کم از کم اور زیادہ سے زیادہ مدت کتنی ہے؟

جواب: اس سلسلہ میں معروف تو یہ ہے کہ حیض کی کم سے کم مدت ایک دن اور ایک رات ہے اور زیادہ سے زیادہ مدت پندرہ دن ہے۔لیکن راجح بات یہ ہے کہ اقل اور اکثر مدت کی کوئی حد مقرر نہیں ہے کیونکہ دونوں مدتوں کی تحدید و تعیین پر کوئی صحیح و ثابت دلیل موجود نہیں ہے۔امام ابن تیمیہؒ کا بھی یہی موقف ہے۔

[فتوی از فضیلة الشیخ محمد بن ابراهیم آل شیخ،بحواله:فتاوی ورسائل الشیخ محمد بن ابراهیم، ج۲ ص۷۹]

سوال: شیخ ابن عثیمینؒ سے بھی یہی سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ:

جواب: صحیح بات یہ ہے کہ حیض کی اقل اور اکثر مدت کی تعیین ثابت نہیں ہے،قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهُرْنَ ﴾[البقرة:۲۲۲]

"یعنی لوگ آپ سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں،کہہ دیجئے کہ وہ گندگی (ناپاک) ہے۔حالت حیض میں عورتوں سے علیحدہ رہو اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان کے قریب نہ جاؤ۔"

اس آیت میں حائضہ سے الگ رہنے کی کوئی مدت مقرر نہیں کی گئی بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ جب تک حیض رہے تم ان سے قربت نہ کرو،اور جب حیض ختم ہو جائے تب یہ حکم بھی ختم ہو جائے گا۔اس کے علاوہ بھی اس کی تحدید پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

حیض کے خون کی پہچان:

سوال: ایک عورت نے اپنی ماہواری کو ماہِ رمضان میں روک لیا اور اب غسل کے کچھ دنوں بعد اسے خون رک رک کر آنے لگا مگر وہ خون ماہواری کے خون کے مثل نہیں ہے اور اب وہ غسل کر کے نماز ادا کرتی اور روزہ رکھتی ہے کیا اس کی نماز اور روزہ صحیح ہے اور اگر اس کی نماز اور روزے صحیح نہیں تو اس پر کیا لازم ہے؟

جواب: اگر جاری ہونے والا خون،دمِ حیض کی صفت پر جو اپنے رنگ،بو،حرارت و تکلیف کے سبب

پہچانا جاتا ہے تو وہ حیض کا خون ہوگا اگر چہ گزشتہ حیض اور طہر کے درمیان کی مدت قلیل کیوں نہ ہو۔ اور اگر اس خون پر حیض کے اوصاف منطبق نہ ہوتے ہوں تو یہ استحاضہ کا خون ہوگا جو نماز اور روزہ سے مانع نہیں ہوتا۔ علماء نے حیض کے خون کے تین اوصاف بیان کیے ہیں: (۱) حیض کا خون بدبودار ہوتا ہے۔ (۲) رنگ کالا ہوتا ہے (۳) بہنے والا مادہ گاڑھا ہوتا ہے۔ اور بعض نے چوتھی علامت یہ بیان کی ہے کہ حیض کا خون منجمد نہیں ہوتا جبکہ حیض کے علاوہ دوسرا خون گرنے کے بعد جم جاتا ہے۔ [فتوی از: شیخ محمد بن صالح العثیمین، بحوالہ: فتاوی برائے خواتین اسلام، ص ۴۲]

پچاس سال کے بعد خون:

سوال: ایک عورت پچاس سال کی عمر کو پار کر چکی ہے اس کو خون، حیض کی معروف صفت پر آتا ہے اور اسی عمر کی دوسری عورت کو غیر معروف صفت پر خون آتا ہے یعنی اسے زردی مائل اور مٹیالے رنگ کا خون جاری ہوتا ہے، ان دونوں کا کیا حکم ہے؟

جواب: وہ عورت جس کا خون، حیض کی معلوم و معروف صفت پر آتا ہے اس کا خون، حیض کا خون ہوگا۔ یہی راجح قول کے مطابق صحیح ہے۔ کیونکہ حیض آنے کی اکثر عمر محدود نہیں ہے لہذا اس کے خون پر حیض کے خون کے معروف و مشہور احکام جاری ہوں گے یعنی وہ نماز، روزہ اور جماع سے پرہیز کرے گی اور اس پر (حیض کے بعد) غسل اور روزوں کی قضا اور اس طرح کے دوسرے احکام کی بجا آوری واجب ہوگی۔

رہا دوسری عورت کا معاملہ جسے زردی مائل اور مٹیالے رنگ کا خون آتا ہے تو اگر یہ خون اس کے ایام عادت میں جاری ہوتا ہے تو یہ حیض ہے اور اگر ایامِ حیض کے علاوہ دنوں میں آتا ہے تو یہ حیض نہیں ہے۔ اور اگر اس کا خون، حیض کا معروف خون ہو لیکن حیض آنے میں تقدیم و تاخیر ہوتی ہو تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا بلکہ وہ خون کے دنوں میں بیٹھی رہے گی اور جب خون رک جائے تو غسل کرے گی۔

یہ سب باتیں اس صحیح قول کی بنیاد پر ہیں کہ حیض جاری رہنے کی عمر متعین نہیں ہے۔ البتہ مذہب حنبلی کے مشہور قول کی بنا پر پچاس سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد جاری ہونے والا خون کالا اور فطری طور پر حیض کا خون کیوں نہ ہو، وہ حیض نہیں سمجھا جائے گا اور اس قول کی بنا پر عورت روزہ رکھے گی اور نماز ادا کرے گی اور خون بند ہونے کے بعد اس پر غسل بھی واجب نہیں ہوگا لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے۔ [ایضاً، ص ۴۱]

حیض میں بگاڑ:

سوال : شیخ ابن بازؒ سے سوال کیا گیا کہ:''میں ایک بیالیس سالہ عورت ہوں، ماہواری کے دوران میری مشکل یہ ہے کہ حیض چار دنوں تک جاری رہتا ہے پھر تین دنوں کے لیے ختم ہو جاتا اور ساتویں دن دوبارہ پہلی مرتبہ سے کم مقدار میں خون آنے لگتا ہے پھر خون کا رنگ کتھے رنگ میں تبدیل ہو جاتا ہے اور بارھویں دن تک جاری رہتا ہے۔ میں پہلے خونی بیماری میں مبتلا تھی جو الحمدللہ علاج کے بعد ختم ہو گئی۔ میں نے اپنی مذکورہ حالت کا ذکر ایک طبیب سے کیا جو اہل صلاح وتقویٰ میں سے ہیں، انہوں نے مجھے مشورہ دیا کہ چوتھے دن کے بعد میں پاکی کا غسل کرلوں اور عبادات، نماز وروزہ انجام دوں اور عملاً میں طبیب کی نصیحت پر دو سال تک قائم رہی لیکن بعض عورتوں نے مجھے مشورہ دیا کہ میں آٹھ دنوں تک انتظار کروں (یعنی حیض سمجھوں) لہٰذا آنجناب سے گذارش ہے کہ درست بات کی طرف میری رہنمائی فرمائیں۔

جواب : پہلے چار اور آخری چھ دن، حیض کے ایام ہیں پس تمہیں ان ایام میں نماز اور روزہ چھوڑ دینا چاہیے اور تمہارے شوہر کے لیے مذکورہ ایام میں تمہارے ساتھ مجامعت کرنی حلال نہیں ہے۔ تم پر لازم ہے کہ چار دنوں کے بعد غسل کرلو اور نماز ادا کرو اور چار دن اور اخیر کے چھ دن کے درمیان حاصل ہونے والی طہارت کی مدت میں شوہر کو مجامعت کے لیے اپنے پاس آنے دو اور ان ایام میں روزہ بھی رکھ سکتی ہو۔ اگر ماہ رمضان ہو تو اس درمیانی طہر میں روزہ رکھنا واجب ہے اور جب اخیر کے چھ دن کے حیض سے پاک ہو جاؤ تو غسل کرو، نماز پڑھو اور روزہ رکھو جس طرح دوسری پاک عورتیں کرتی ہیں کیونکہ حیض زیادہ اور کم ہوا کرتا ہے، اس کے ایام مجتمع اور متفرق بھی ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو اپنی رضا وخوشنودی کے کاموں کی توفیق بخشے اور ہمیں اور تمہیں اور تمام مسلمانوں کو دین کی صحیح سمجھ اور اس پر ثابت قدمی نصیب فرمائے۔ [فتویٰ از شیخ ابن بازؒ، ایضاً، ص ۴۹]

ماہواری کے ایام اور دیگر ایام میں قلیل مقدار میں آنے والا خون:

سوال: کبھی کبھار عورت خون کا معمولی اثر یا خون کے چند نقطے اور دھبے متفرق اوقات میں دیکھتی ہے کبھی تو یہ صورت ماہواری کے ایام میں ہوتی ہے حالانکہ ماہواری (کھل کر) نہیں ہوتی اور کبھی ماہواری کے علاوہ ایام میں ہوتی ہے۔ ان دونوں حالتوں میں اس کے روزے کا کیا حکم ہے؟

جواب: اگر تو خون کے یہ نقطے اور دھبے حیض کے ایام میں پائے جائیں جن کو عورت حیض کے معروف ایام شمار کرتی ہے، تو یہ بھی حیض شمار ہوں گے۔ (ورنہ نہیں) [فتوی از، شیخ ابن عثیمینؒ، ایضاً، ص ۵۲]

طہر کے بعد مسلسل زرد سیال مادہ خارج ہونا:

سوال: ایک عورت جب پاک ہوتی ہے تو اس سے خالص سفید مادہ نہیں نکلتا بلکہ زرد سیال مادہ مسلسل جاری رہتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: جب عورت اس سفید سیال مادہ کو نہ دیکھے جو طہر کی علامت ہے تو زرد پانی ہی اس کے قائم مقام ہوگا کیونکہ سفید پانی ایک علامت ہے اور علامت کسی ایک مخصوص چیز میں متعین و محصور نہیں ہوتی۔ کیونکہ مدلول کسی ایک دلیل میں منحصر نہیں ہوتا۔ ہوسکتا ہے کہ اس کی متعدد دلیلیں ہوں، اگرچہ اکثر عورتوں میں سفید پانی کا نکلنا طہر کی علامت ہے لیکن کبھی علامت اس کے سوا بھی ہوسکتی ہے اور کبھی تو عورت نہ زردی پاتی ہے اور نہ سفیدی بلکہ خشکی قائم رہتی ہے یہاں تک کہ دوسرا حیض آ جائے اور ہر عورت کے لیے اس کے مقتضائے حال کے مطابق حکم ہے۔ [فتوی از، شیخ ابن عثیمینؒ، ایضاً، ص ۵۵]

حمل کے دوران جاری ہونے والا خون:

سوال: فضیلۃ الشیخ عبدالرحمٰن سعدی سے پوچھا گیا: جب عورت کا حمل ظاہر ہو جائے پھر عادت شہریہ (ماہواری کے مقررہ ایام) میں وہ خون دیکھے تو کیا اس پر حیض کا حکم لگایا جائے گا؟

جواب: ایسی عورت جس کا حاملہ ہونا ظاہر ہو، اگر وہ حیض کے ایام میں خون دیکھے تو اس سلسلہ میں اختلاف ہے کہ حاملہ کو حیض آ سکتا ہے یا نہیں؟ پس وہ مذاہب جو بحالت حمل حیض آنے کو درست قرار نہیں دیتے، وہ حاملہ کے اس خون کو فاسد خون کہتے ہیں جس کی بنا پر عورت عبادت نہیں چھوڑے گی اور امام احمد کی دوسری روایت ہے کہ حاملہ کبھی حائضہ بھی ہوسکتی ہے اور یہ روایت صحیح ہے اور ایسا بہت دیکھا گیا ہے۔ اس بنا پر وہ حیض کا خون ہوگا اور اس کے لیے حیض کے جملہ احکام ثابت ہوں گے اور اسی رائے کو ہم بھی پسند کرتے ہیں۔ واللہ اعلم! [ایضاً، ص ۵۶]

بچہ جننے والی عورت کے خون کا حکم جبکہ بچہ آپریشن سے پیدا ہوا ہو:

سوال: بعض عورتوں کے لیے وضع حمل مشکل ہوتا ہے تو آپریشن کے ذریعہ تولید کے لیے مجبور ہونا

پڑتا ہے اور اس کے نتیجہ میں بسا اوقات بچہ کا خروج فرج کے علاوہ راستہ سے ہوتا ہے۔ نفاس کے خون کے لحاظ سے ایسی عورتوں کا کیا حکم ہے اور ان کے غسل کا شرعی حکم کیا ہے؟

جواب: مذکورہ عورتوں کا حکم نفاس والی عورتوں کا ہے جب خون دیکھیں تو بیٹھ جائیں یہاں تک کہ پاک ہو جائیں اور اگر خون نہ دیکھیں تو دوسری پاک عورتوں کی طرح روزہ اور نماز ادا کرتی رہیں۔ [ایضاً، ص ۸۸]

کیا نفاس والی عورتوں کا بدن ناپاک ہوتا ہے؟

سوال: ایک شخص کہتا ہے کہ میری بیوی کو ولادت ہوئی تو میرے ایک عزیز دوست نے میرے گھر میں داخل ہونا گوارا نہ کیا اور حجت یہ پیش کی کہ جب عورت نفاس والی ہوتی ہے تو انسان کے لیے اس کے ہاتھ کا کھانا حلال نہیں ہے۔ اور وہ ایسی عورت کو بدنی اور عملی طور پر ناپاک تصور کرتا ہے۔ اس کی اس بات نے مجھے شک میں مبتلا کر دیا ہے۔ امید ہے کہ آپ اس سلسلہ میں فائدہ پہنچائیں گے۔ میری معلومات کی حد تک نفاس والی عورتوں پر نماز، روزہ اور تلاوت قرآن ممنوع ہے۔

جواب: عورت حیض و نفاس کی وجہ سے ناپاک نہیں ہوتی۔ اس کے ساتھ کھانا اور فرج کے علاوہ جگہوں سے لطف اندوز ہونا یا چمٹنا حرام نہیں ہے البتہ ناف اور گھٹنے کے درمیان کی جگہ سے چمٹنا مکروہ ہے۔ امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

((اِنَّ الْیَھُوْدَ کَانُوْا اِذَا حَاضَتِ الْمَرْاَۃُ فِیْھِمْ لَمْ یُؤَاکِلُوْھَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِصْنَعُوْا کُلَّ شَیْءٍ اِلَّا النِّکَاحَ))

''یعنی یہودیوں میں جب کوئی عورت حائضہ ہوتی تو وہ اس کے ساتھ کھاتے پیتے نہیں تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ہر چیز کرو سوائے صحبت کے۔''

اور بخاری و مسلم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا:

((کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَاْمُرُنِیْ فَاَتَّزِرُ فَیُبَاشِرُنِیْ وَاَنَا حَائِضٌ))

''رسول اللہ ﷺ مجھے میرے حیض کے دنوں میں حکم دیتے تو میں تہہ بند باندھ لیتی پس آپ مجھ سے لگ کر سوتے۔'' لہٰذا حیض و نفاس کے دوران عورت کے لیے نماز، روزہ اور تلاوت قرآن کی حرمت کا اس کے ساتھ کھانے یا اس کے ہاتھ کا تیار کردہ کھانا تناول کرنے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ [ایضاً]

فصل ۲:

عورت اور تلاوتِ قرآن

عام طور پر انسان یا طہارت کی حالت میں ہوتا ہے یا عدم طہارت کی۔ طہارت کی حالت میں وہ قرآن کی تلاوت کرے یا نماز پڑھے اس میں تو کسی کو کوئی اختلاف نہیں۔ البتہ عدمِ طہارت میں اختلاف ہے۔ عدمِ طہارت کی تین صورتیں ہیں:

(۱)......عدمِ وضو کی حالت (۲)...... جنابت کی حالت (۳)......حیض و نفاس کی حالت۔

ان تینوں حالتوں میں دو طرح کا سوال پیدا ہوتا ہے ایک یہ کہ قرآن چھوئے بغیر زبانی طور پر قرآن کی تلاوت کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور دوسرا سوال یہ ہے کہ ان حالتوں میں قرآن مجید کو چھونا جائز ہے یا نہیں؟ اب ہم ان سوالوں کا جواب دینے کے لیے بالترتیب مندرجہ بالا تینوں صورتوں کا ذکر کرتے ہیں:

(۱)......عدم وضو کی حالت:

یعنی وہ حالت جب جنابت یا ماہواری کی حالت قائم ہوئے بغیر وضو ٹوٹا ہو، یعنی نیند سے یا ہوا خارج ہونے یا پیشاب پاخانہ وغیرہ کرنے سے۔ اس عدمِ وضو کی صورت میں قرآن مجید کو ہاتھ لگائے بغیر زبانی تلاوت کرنے کی ممانعت کی کوئی واضح دلیل قرآن وحدیث میں موجود نہیں ہے بلکہ اس حالت میں تلاوتِ قرآن مجید کے جواز کی دلیلیں موجود ہیں مثلاً ایک دلیل تو یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ کے ہاں رات گزاری، وہ فرماتے ہیں کہ

((اِسْتَيْقَظَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَجَلَسَ يَمْسَحُ النَّوْمَ عَنْ وَجْهِهٖ بِيَدِهٖ ثُمَّ قَرَأَ الْعَشْرَ الْآيَاتِ الْخَوَاتِيْمَ مِنْ سُوْرَةِ آلِ عِمْرَانَ ثُمَّ قَامَ اِلٰى شَنٍّ مُعَلَّقَةٍ فَتَوَضَّأَ مِنْهَا فَقُمْتُ فَصَنَعْتُ مِثْلَ مَاصَنَعَ ثُمَّ ذَهَبْتُ فَقُمْتُ اِلٰى جَنْبِهٖ))[۱]

''(تقریباً آدھی) رات کا وقت تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ نیند سے بیدار ہو کر بیٹھ گئے اور اپنے ہاتھ چہرے پر مل کر نیند دور کرنے لگے۔ پھر آپ ﷺ نے سورۂ آل عمران کی آخری دس آیتوں کی تلاوت

(۱) صحیح بخاری: کتاب الوضوء: باب قراءۃ القرآن بعد الحدث وغیرہ (ح ۱۸۳)، مسلم (ح ۱۲۷۴)

فرمائی۔ پھر آپ ﷺ (گھر میں) لٹکے ہوئے مشکیزے کی طرف بڑھے اور اس سے پانی لے کر وضو کیا اور بہت اچھی طرح آپ ﷺ نے وضو کیا پھر آپ نماز پڑھنے میں مشغول ہو گئے۔''

اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ بے وضو حالت میں بھی قرآن کی تلاوت جائز ہے۔ اگر یہ ناجائز ہوتی تو آنحضرت ﷺ وضو سے پہلے آل عمران کی آیت تلاوت نہ فرماتے۔ پھر آپ ﷺ کا یہ عمل آپ ہی کے ساتھ خاص بھی نہیں تھا، ورنہ جب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح وضو سے پہلے سورۂ آل عمران کی یہی آیات تلاوت فرمائی تھیں، تو آپ ﷺ انہیں بعد میں اس سے ضرور منع کر دیتے مگر آپ نے انہیں منع نہیں کیا۔ امام بخاریؒ نے بھی اس حدیث سے یہی مسئلہ اخذ کیا ہے کہ عدم وضو کی حالت میں تلاوتِ قرآن جائز ہے، اسی لیے انہوں نے اس حدیث پر یہ عنوان قائم کیا ہے:

باب قرأة القرآن بعدالحدث وغيره ''بے وضو وغیرہ ہو جانے کی حالت میں تلاوت قرآن کا بیان''

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَذْكُرُاللّٰهَ عَلٰى كُلِّ اَحْيَانِهٖ))

''اللہ کے رسول ﷺ ہر وقت اللہ کا ذکر کیا کرتے تھے۔''[1]

ظاہر ہے کہ ہر وقت باوضو رہنا مشکل ہوتا ہے۔ انسان کسی وقت بھی بے وضو ہو سکتا ہے اور جب ہر وقت اللہ کا ذکر کیا جائے گا تو لازمی بات ہے کہ اس بے وضو حالت میں بھی اللہ کا ذکر ہو گا۔ اگر اس حالت میں اللہ کا ذکر جائز نہ ہوتا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ فرماتیں کہ ''بے وضو حالت کے علاوہ ہر حال میں حضور اللہ کا ذکر فرماتے تھے۔'' مگر انہوں نے یہ الفاظ نہیں کہے۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ بے وضو حالت میں اللہ کا ذکر اور تلاوتِ قرآن جائز ہے۔

(۲)......حالتِ جنابت اور حالتِ حیض ونفاس میں تلاوت قرآن:

جنابت اور حیض ونفاس بھی بے وضوءگی (حدث اکبر) کی حالتیں ہیں، تاہم ان میں فرق یہ ہے کہ ان سے طہارت کے لیے صرف وضو نہیں بلکہ مسنون غسل کرنا ضروری ہے۔ جہاں تک ان حالتوں میں قرآن مجید کی تلاوت کا مسئلہ ہے تو اس سلسلہ میں واضح رہے کہ ان حالتوں کو بھی چونکہ بے وضووالی حالت خیال کیا جائے گا، اس لیے جب بے وضو (حدثِ اصغر) حالت میں قرآن مجید کی تلاوت اور ذکرِ باری تعالیٰ جائز

(۱) صحيح مسلم: كتاب الحيض: باب ذكر الله تعالىٰ فى حال الجنابة وغيرها.(ح ۳۷۳)

ہے،تو ان دونوں حالتوں میں بھی اسے جائز کہا جائے گا۔ بشرطیکہ ان دو حالتوں میں تلاوتِ قرآن کی الگ سے ممانعت کی کوئی دلیل موجود نہ ہو۔ جب ہم اس مسئلہ کا جائزہ لیتے ہوئے احادیث کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں اس سلسلہ میں ممانعت پر مبنی چند احادیث ضرور ملتی ہیں، مگر ان سب کی سندیں ضعیف ہیں مثلاً ایک حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

((لاتقرأ الحائض ولاالجنب شيئا من القرآن))

''حائضہ اور جنبی قرآن مجید کی تلاوت نہ کریں۔''

یہ روایت ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ میں موجود ہے مگر اس کی سند محدثین کے اصولوں کے مطابق ضعیف ہے۔ اسی طرح کی ایک روایت سنن دارقطنی وغیرہ میں موجود ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

((لايقرأ الحائض ولاالنفساء من القرآن شيئا))

''حیض اور نفاس والی عورت قرآن مجید کی کچھ بھی تلاوت نہ کرے۔''

اس روایت کی بھی جتنی سندیں ہیں، وہ سب ضعیف ہیں جیسا کہ امام شوکانی نے نیل الاوطار (ج ۱ ص ۴۴۶) میں ذکر کیا ہے۔ اسی طرح کی ایک اور روایت میں ہے:

((عن عليؓ قال كان رسول الله ﷺ يقرئنا القرآن على كل حال مالم يكن جنبا))

''حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ ہمیں جنابت کے علاوہ ہر حالت میں قرآن پڑھادیا کرتے تھے۔''[1]

امام ترمذی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور فرماتے ہیں کہ

''بے شمار صحابہ وتابعین کا بھی یہی موقف ہے، نیز فرماتے ہیں کہ ان اہلِ علم کے بقول انسان بے وضو حالت میں تلاوت تو کرسکتا ہے مگر طہارت کے بغیر قرآن مجید پکڑ کر وہ تلاوت نہ کرے۔ امام ثوری، شافعی، احمد اور اسحاق کی بھی یہی رائے ہے۔''

لیکن اس حدیث کو امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور شیخ البانیؒ وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی اس سلسلہ میں جو روایات مروی ہیں، وہ سب کمزور ہیں۔[2]

(۱) ترمذی: كتاب الطهارة: باب ما جاء في الرجل يقرأ القرآن على كل حال مالم يكن جنبا (ح ۱۴۶)

(۲) دیکھیے: تمام المنه از شیخ البانیؒ (ص ۱۰۸، ۱۱۶، ۱۱۷)

لہذا جب یہ روایتیں صحیح نہیں ہیں تو پھر ہم حیض ونفاس اور جنابت کی حالت میں تلاوتِ قرآن کی ممانعت وحرمت کا فتویٰ نہیں دے سکتے بلکہ سابقہ عنوان کے تحت قائم کیے گئے دلائل کی بنیاد پر اس کے بھی جواز ہی کا فتویٰ دیا جائے گا۔خود امام ترمذی نے بھی مذکورہ بالا حدیث کے تحت چند کبار علماء کا یہی فتویٰ درج کیا ہے۔اسی طرح امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ

''ابرہیم نخعیؒ حائضہ عورت کے لیے قرآن کی آیت کی تلاوت کر لینے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جنبی کے لیے تلاوتِ قرآن میں کوئی عیب نہیں سمجھتے تھے۔اسی طرح ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہمیں (اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے) حکم دیا جاتا کہ ہم حائضہ عورتوں کو بھی (عید گاہ کی طرف) لے کر نکلیں چنانچہ وہ حائضہ عورتیں مسلمانوں کی تکبیروں کی طرح تکبیریں کہتیں اور دعائیں مانگتی تھیں۔''[1]

(۳)......بے وضو حالتوں میں قرآن کو چھونا:

یہ تو واضح ہو گیا کہ مذکورہ بالا تینوں حالتوں (یعنی جنابت، حیض ونفاس، اور بے وضوگی) میں زبانی طور پر قرآن مجید کی تلاوت جائز ہے، اب ہم اس پہلو پر غور کرتے ہیں کہ آیا ان تینوں حالتوں میں قرآنِ مجید کو چھونا بھی جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں بعض دلائل اس نوعیت کے ہیں کہ طاہر کے سوا کوئی اور قرآن کو نہ چھوئے مثلاً قرآن مجید میں ہے: ﴿لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ﴾

اس آیت میں لا یمس کے صیغہ کی وجہ سے اس کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ یہ صیغہ نفی اور نہی دونوں معنی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اب یہاں نفی کے لیے ہے یا نہی کے لیے؟ اس میں دونوں طرح کی آراء موجود ہیں۔ بعض اہل علم کے نزدیک یہ نفی کا صیغہ ہے اور اس آیت میں فرشتوں کی طرف اشارہ ہے جب کہ ہٗ کی ضمیر قرآن مجید کی بجائے لوحِ محفوظ کی طرف لوٹتی ہے اور معنی یہ ہے کہ ''لوح محفوظ کو فرشتوں کے سوا کوئی نہیں چھوتا۔''

جب کہ اسے نہی کا صیغہ قرار دینے والے اہل علم کی رائے یہ ہے کہ اس میں قرآن مجید کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ہم انسانوں سے یہ کہا گیا ہے کہ ''اس قرآن کو طاہر لوگوں کے سوا کوئی اور نہ چھوئے۔''

اسی طرح ایک روایت میں ہے:

(۱) صحیح بخاری: کتاب الحیض: باب تقضی الحائض المناسک کلها الا الطواف بالبیت، معلقا.

((لَا یَمَسُّ الْقُرْآنَ اِلَّاطَاهِرٌ)) ''اس قرآن کو طاہر لوگوں کے سوا کوئی اور نہ چھوئے۔''[1]

اس روایت کی سند صحیح ہے اور اس میں مذکورہ بالا آیت کے مقابلہ میں واضح طور پر یہ کہا گیا ہے کہ ''طاہر کے سوا اور کوئی قرآن نہ چھوئے۔'' لیکن اس حدیث میں لفظ طاہر سے مراد کون ہے؟ اس میں بھی اہلِ علم کا اختلاف ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک اس طاہر سے مراد ہر وہ مسلمان ہے جو ناپاک اور بے وضو نہ ہو۔ گویا ان کی رائے یہ ہے کہ بے وضو، جنبی اور حیض ونفاس والی عورت چونکہ طاہر نہیں ہیں، اس لیے ان کے لیے قرآن کو چھونا اور پکڑنا جائز نہیں۔ ان کے مقابلہ میں چند ایک علماء کی رائے یہ ہے کہ طاہر سے مراد اس حدیث میں مسلمان ہے اور مطلب یہ ہے کہ مسلمان کے علاوہ کوئی اور (یعنی غیر مسلم) اس قرآن کو نہ چھوئے۔ لہٰذا مسلمان قرآن کو بے وضو حالتوں میں بھی چھو سکتا ہے کیونکہ وہ بے وضو ہونے کے باوجود نجس نہیں ہوتا، بلکہ طاہر رہتا ہے۔ اس کی دلیل وہ یہ دیتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ حالتِ جنابت میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور انہوں نے بغیر غسل کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھنا مکروہ سمجھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

((سُبْحَانَ اللهِ! اِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا یَنْجَسُ)) ''سبحان اللہ! مومن نجس نہیں ہوتا۔''[2]

اس حدیث کی بنیاد پر معروف عرب عالم دین شیخ ناصر الدین البانیؒ بھی اس رائے کے قائل تھے کہ مومن شخص ہر حال میں قرآن مجید کو چھو سکتا ہے۔[3]

راجح پہلو:

علامہ البانی وغیرہ کی رائے میں کوئی وزن معلوم نہیں ہوتا، اس لیے اس مسئلہ میں جمہور اہلِ علم کی رائے ہی درست معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ ان تینوں حالتوں میں قرآنِ مجید کو چھونا جائز نہیں، زبانی تلاوت جائز ہے۔ البتہ اگر کسی مجبوری کی وجہ سے قرآن کو چھونا پڑ جائے تو کسی صاف کپڑے وغیرہ کی آڑ لے کر چھوا جا سکتا ہے۔ کئی اہلِ علم نے اس طرح قرآن چھونے کی اجازت بھی دی ہے۔[4]

---

(۱) مؤطا: کتاب النداء للصلاة: باب الامر بالوضوء لمن مس المصحف (ح ۴۱۹)، ارواء الغلیل از البانیؒ (۱۲۲)، سنن بیهقی (ج ۱ ص ۸۷)

(۲) بخاری: کتاب الغسل: باب عرق الجنب وان المسلم لا ینجس (ح ۲۸۳)، مسلم (ح ۳۷۱)

(۳) تمام المنه از البانیؒ (ص ۱۱۶)

(۴) شرح المهذب از نوویؒ (ج ۲ ص ۷۲)

فصل ۳:

عورت اور نماز

نماز کے طریقہ کار اور اس کی شرائط وغیرہ میں مرد اور عورت کے درمیان کوئی زیادہ فرق نہیں، اس لیے ذیل میں ہم نماز سے متعلقہ وہی طریقہ پیش کر رہے ہیں جو مردوں کے لیے ہے جبکہ مرد و زن کی نماز میں فرق سے متعلقہ امور ہم آگے (''مرد و زن کی نماز میں فرق'' کے تحت) پیش کریں گے۔

نماز کا مختصر طریقۂ کار:

☆	قبلہ رخ ہو کر کھڑے ہوں۔
☆	ہاتھوں کو کندھوں یا کانوں کی لو تک بلند کر کے اللہ اکبر کہیں۔
☆	پھر انہیں سینے پر اس طرح باندھیں کہ بائیں کی پشت پر دایاں ہاتھ ہو۔
☆	جسم قدرے جھکا کر نگاہ زمین کی طرف سجدے والی جگہ کے قریب رکھیں۔
☆	دعائے استفتاح (ثنا) پڑھیں۔
☆	پھر اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھیں۔
☆	پھر سورت فاتحہ پڑھیں۔
☆	پھر کوئی اور سورت پڑھیں۔
☆	پھر رفع الیدین کرتے ہوئے اللہ اکبر کہیں۔
☆	پھر رکوع میں چلے جائیں۔
☆	حالت رکوع میں ہاتھوں سے گھٹنے تھام کر اور بازو تان کر رکھیں۔
☆	کمر بالکل سیدھی رکھیں۔
☆	سر کمر کے برابر ہو، نہ زیادہ اونچا ہو نہ زیادہ نیچا۔

☆ ...... رکوع میں کم از کم تین مرتبہ تسبیحات (سبحان ربی العظیم، وغیرہ) پڑھیں۔

☆ ...... پھر سمع الله لمن حمده پڑھتے اور رفع الیدین کرتے ہوئے سیدھے کھڑے ہو جائیں۔

☆ ...... پھر ربنا ولک الحمد پڑھیں۔ (اگر قومہ کی دیگر دعائیں یاد ہوں تو وہ بھی پڑھی جاسکتی ہیں)

☆ ...... پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدہ کے لیے جھک جائیں۔

☆ ...... سجدہ ریز ہوتے وقت پہلے ہاتھ زمین پر رکھیں پھر گھٹنے۔

☆ ...... سجدے میں کہنیاں زمین سے بلند اور رانوں اور پہلوؤں سے جدا رکھیں۔

☆ ...... پھر سجدے میں تسبیحات (سبحان ربی الاعلی، وغیرہ) پڑھیں۔

☆ ...... پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے سیدھے ہو کر بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھیں اور دایاں کھڑا کر کے اس کی انگلیاں قبلہ رخ رکھیں اور رب اغفرلی دو مرتبہ پڑھیں۔

☆ ...... پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے دوسرا سجدہ کریں۔

☆ ...... دوسرے سجدہ سے اللہ اکبر کہتے ہوئے اٹھ کر بیٹھیں پھر دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہو جائیں۔

☆ ...... دوسری رکعت کے سجدے کر کے تشہد کے لیے بیٹھیں۔

☆ ...... درمیانے تشہد میں بھی اسی طرح بیٹھیں جس طرح دو سجدوں کے درمیان بیٹھتے ہیں اور التحیات (دعائے تشہد) پڑھیں۔

☆ ...... آخری تشہد میں سرین (چوتڑ) زمین پر رکھ کر بیٹھیں۔

☆ ...... آخری تشہد میں التحیات کے ساتھ درود ابراہیمی بھی پڑھیں۔

☆ ...... حالتِ تشہد میں انگشتِ شہادت سے اشارہ کریں۔

☆ ...... پھر تشہد کی دعائیں پڑھیں۔

☆ ...... آخر میں دونوں طرف سلام پھیر دیں۔

نماز کا تفصیلی طریقۂ کار

دعائے استفتاح (ثنا):

تکبیر تحریمہ کے بعد اور سورۃ الفاتحہ سے پہلے درج ذیل دعاؤں میں سے کوئی بھی دعا پڑھی جا سکتی ہے:

(1) ......((سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ))

''یا اللہ! تو پاک ہے (ہم) تیری تعریف کے ساتھ (تیری پاکی بیان کرتے ہیں) تیرا نام بڑا بابرکت ہے، تیری شان بلند و بالا ہے اور تیرے سوا کوئی سچا معبود نہیں۔''(۱)

(2) ......((اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِيْ وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اَللّٰهُمَّ نَقِّنِيْ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَايَ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ))

''یا اللہ! میرے اور میرے گناہوں کے درمیان اس طرح دوری ڈال دے جس طرح تو نے مشرق و مغرب کے درمیان دوری ڈال رکھی ہے۔ الٰہی! مجھے گناہوں سے اس طرح پاک صاف کر دے جس طرح سفید کپڑا میل کچیل سے پاک صاف کیا جاتا ہے۔ اے اللہ! (اپنی بخشش کے) پانی، برف اور اولوں سے میرے گناہ دھو ڈال۔''(۲)

(3)......((اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَّسُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا))

''اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز سے بڑا ہے۔ ساری تعریف اللہ ہی کے لیے ہے۔ وہ (ہر عیب سے) پاک ہے۔ صبح و شام (ہم اس کی) پاکی بیان کرتے ہیں۔''(۳)

پھر تعوذ پڑھے یعنی:

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ''میں شیطان مردود (کے شر) سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں''(۴)

(۱) ترمذی: کتاب الصلاۃ: باب ما یقول عند افتتاح الصلاۃ (ح۲۴۳)، ابوداؤد: کتاب الصلاۃ: باب من رأی الاستفتاح......(ح۷۷۵–۷۷۶)، ابن ماجه (ح۸۰۶)، ابن خزیمه (ح۴۷۰)، حاکم (۱/۲۳۵)

(۲) بخاری: کتاب الاذان: باب ما یقول بعد التکبیر (ح۷۴۴)، مسلم: کتاب المساجد (ح۵۹۸)

(۳) مسلم: کتاب المساجد: باب ما یقال بین تکبیرۃ......(ح۶۰۱)

(۴) مصنف عبدالرزاق: کتاب الصلاۃ: باب متی یستعیذ (ح۲۵۸۹)

پھر تسمیہ اور فاتحہ پڑھیں:

((بِسمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ))[آمین]

''شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان، نہایت رحم کرنے والا ہے۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ بڑا مہربان، نہایت رحم کرنے والا ہے۔ قیامت کے دن کا مالک ہے۔ ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور خاص تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔ اُن لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا نہ کہ اُن لوگوں کا راستہ جن پر تیرا غضب نازل ہوا۔'' آمین![1] فاتحہ کے بعد قرآن مجید کی کوئی اور سورت مکمل یا چند آیات تلاوت کریں۔

رکوع کی تسبیحات:

رکوع کی حالت میں درج ذیل تسبیحات پڑھنا ثابت ہے:

(1)......((سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ)) ''میرا عظمت والا پروردگار (ہر عیب سے) پاک ہے۔''[2]

(2)......((سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ))

''اے اللہ! اے ہمارے رب! تو پاک ہے، ہم تیری تعریف کرتے ہیں۔ الٰہی! مجھے بخش دے۔''[3]

(3)......((سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوْحِ))

''وہ تسبیح کے لائق، ہر عیب سے پاک ہے، وہ فرشتوں اور جبریل کا رب ہے۔''[4]

اس کے علاوہ تسبیحات بھی ثابت ہیں۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ تسبیح کے الفاظ کم از کم تین مرتبہ دہرانا چاہییں، مگر یہ روایتیں ضعیف ہیں[5] جبکہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ تین سے کم مرتبہ بھی جائز ہے۔[6]

---

(۱) بخاری: کتاب الاذان: باب ما یقول بعد التکبیر (ح۷۴۳)، مسلم (۳۹۹)، ابن خزیمه (۴۹۵)، حاکم (۱/ ۲۳۲)

(۲) مسلم: کتاب صلاۃ المسافرین: باب استحباب تطویل القراءۃ...... (۷۷۲)، ابوداؤد (۸۶۹)، ترمذی (۷۶۱)

(۳) بخاری: کتاب الاذان: باب الدعاء فی الرکوع (ح۷۹۴-۸۱۷)، مسلم (ح ۴۸۴)

(۴) مسلم: ایضاً (۴۸۷)، ابوداؤد (۸۷۲)

(۵) ضعیف ترمذی (ح۴۳-۲۶۱)، ضعیف ابن ماجه (ح۱۸۷)، ضعیف ابوداؤد (ح۱۸۷-۸۹۰)

(۶) دیکھیے مسلم (ح۴۸۳-۴۸۷)، ابوداؤد (ح۸۶۹)، ترمذی (ح ۲۶۲-۲۶۳)

قومہ کی دعائیں:

رکوع سے سر اٹھاتے وقت سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ (اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف کرنے والی کی سن لی) پڑھتے ہوئے سیدھے کھڑے ہو جائیں۔ پھر درج ذیل دعاؤں میں سے کوئی دعا پڑھیں:

(1)......((رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيْهِ)) (۱)

''اے ہمارے پروردگار! آپ کے لیے ہی ساری تعریف ہے بہت زیادہ، پاکیزہ اور بابرکت تعریف''

(2)......((اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ)) [اس طرح پڑھنا بھی ثابت ہے۔] (۲)

(3)......((رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْءَ السَّمَاوَاتِ وَ مِلْءَ الْاَرْضِ وَ مِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ اَهْلَ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ اَحَقُّ مَا قَالَ الْعَبْدُ وَكُلُّنَا لَكَ عَبْدٌ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ)) (۳)

''اے ہمارے پروردگار! تیرے ہی لیے ہر طرح کی تعریف ہے۔ آسمانوں اور زمین اور ہر اس چیز کے بھراؤ برابر (تیری تعریف ہے) جو تو چاہے۔ بندے نے تیری جو حمد وثنا بیان کی تو ہی اس کا حقدار ہے اور ہم سب تیرے ہی بندے ہیں۔ یا اللہ! تو جو عطا کرے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جسے تو روک دے اسے کوئی عطا کرنے والا نہیں اور سعادت مند کو اس کی سعادت مندی تیرے ہاں فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔''

سجدے کا طریقہ:

☆......پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدہ ریز ہو جائیں۔

☆......سجدہ میں جھکتے ہوئے پہلے ہاتھ پھر گھٹنے زمین پر رکھیں۔ (۴)

☆......گھٹنے پہلے زمین پر رکھنے سے متعلقہ احادیث ضعیف ہیں لہٰذا اس سے اجتناب کریں۔ (۵)

☆......حالت سجدہ میں دونوں ہاتھ کندھوں یا کانوں کے برابر رکھیں۔ (۶)

☆......حالتِ سجدہ میں پاؤں بھی ملا کر رکھیں۔ (۷)

---

(۱) صحیح بخاری (ح۷۹۹) (۲) صحیح بخاری (ح۷۹۶)، صحیح مسلم (ح۴۰۹)

(۳) صحیح مسلم (ح۴۷۷-۴۷۸)

(۴) ابوداؤد (ح۸۳۵)، احمد (۲/۳۸۱)، بیہقی (۲/۹۹)، دارمی (۱۳۲۷)

(۵) دیکھیے صفة صلاة النبی از البانیؒ (۱۰۷) اور تمام المنة از البانیؒ (۱۹۴-۱۹۵)

(۶) ابوداؤد: کتاب الصلاة: باب افتتاح الصلاة (ح۷۳۴، ۷۲۹)، ابن خزیمه (ح۶۴۰)، ابن حبان (ح ۴۸۵)

(۷) ابن خزیمه (ح۶۵۴)، البیهقی (۲/۱۱۶)، حاکم (۱/ ۲۲۸)

☆......سجدہ میں پیشانی اور ناک دونوں زمین پر رکھیں۔ [1]

☆......سجدے میں دونوں ہتھیلیاں اور دونوں گھٹنے بھی زمین پر ٹکا کر رکھیں۔ [2]

☆......سجدے میں پاؤں کی انگلیوں کے سرے قبلہ رخ موڑتے ہوئے دونوں قدم کھڑے کریں۔ [3]

☆......سجدے میں ہاتھوں کی انگلیاں باہم ملا کر قبلہ رخ رکھیں۔ [4]

☆......سجدے میں سینہ، پیٹ اور رانیں زمین سے اونچی رکھیں اور پیٹ کو رانوں سے اور رانوں کو پنڈلیوں سے جدا کر کے رکھیں۔ [5]

☆......سجدے میں کہنیاں زمین پر نہ بچھائیں اور نہ ہی پہلوؤں اور رانوں سے ملا کر رکھیں بلکہ انہیں دونوں سے جدا اور زمین سے اونچا پھیلا کر رکھیں۔ [6]

☆......سجدے میں یہ دعا پڑھیں:

((سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی)) ''میرا عظمت والا پروردگار (ہر نقص وعیب سے) پاک ہے۔'' [7]

☆......سجدے میں اس کے علاوہ تسبیحات اور دعائیں کرنا بھی ثابت ہے۔ [8]

دو سجدوں کے درمیان جلسہ:

☆......پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدے سے سر اٹھا کر بیٹھ جائیں۔ [9]

☆......بیٹھتے وقت بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھیں اور دایاں پاؤں کھڑا رکھیں۔ [10]

☆......دائیں پاؤں کی انگلیاں قبلہ رخ کریں۔ [11]

☆......دونوں قدموں کو کھڑا کر کے ایڑیوں کے بل بیٹھنا بھی جائز ہے۔ [12]

---

(۱) صحیح بخاری (ح ۸۱۲)، مسلم (ح ۴۹۰)، دارقطنی (۱/ ۳۴۸)، ابوداؤد (ح ۷۳۴)، ترمذی (ح ۲۷۰)

(۲) ابوداؤد (ح ۸۵۹)، ابن خزیمہ (ح ۶۳۸)، احمد (۴/ ۳۴۰)

(۳) بخاری (ح ۸۲۸)

(۴) حاکم (۱/ ۲۲۷)، ابن خزیمہ (ح ۶۵۴)، بیہقی (۲/ ۱۱۲)، ابن حبان (۵/ ۲۶۰)

(۵) ابوداؤد (ح ۷۳۰ ــ ۷۳۴) ترمذی (ح ۳۰۴)

(۶) بخاری (ح ۸۲۸)

(۷) مسلم (ح ۷۷۲)

(۸) بخاری (۷۹۴ ــ ۸۱۷)، مسلم (۴۷۹ ــ ۴۸۳ ــ ۴۸۴ ــ ۴۸۵ ــ ۴۸۷)

(۹) بخاری (ح ۷۸۹)، مسلم (ح ۳۹۲) (۱۰) بخاری (ح ۸۲۸)

(۱۱) ابوداؤد (ح ۷۳۰)، نسائی (۱۱۵۸) (۱۲) مسلم (۵۳۶)، ابوداؤد (۸۴۰)

☆...... جلسہ میں دایاں ہاتھ دائیں ران اور بایاں بائیں ران پر رکھیں۔[1]

☆...... دوسجدوں کے درمیان جلسہ میں یہ دعا پڑھنا مسنون ہے: ((رَبِّ اغْفِرْلِیْ رَبِّ اغْفِرْلِیْ)) ''اے میرے رب! مجھے بخش دے۔ اے میرے رب! مجھے معاف فرما دے۔''[2]

☆...... بعض علماء کے بقول جلسہ میں یہ دعا بھی پڑھی جا سکتی ہے:

((اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَعَافِنِیْ وَاهْدِنِیْ وَارْزُقْنِیْ))

''یا اللہ! مجھے بخش دے، مجھ پر رحم فرما، مجھے عافیت، ہدایت اور رزق عطا فرما۔''[3]

دوسرا سجدہ:

اللہ اکبر کہتے ہوئے دوسرا سجدہ کریں۔ دوسرے سجدہ کی مکمل کیفیت پہلے سجدہ ہی کی طرح ہونی چاہیے۔

جلسۂ استراحت:

پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدے سے سر اٹھا کر تھوڑی دیر کے لیے اطمینان سے بیٹھیں، پھر دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہو جائیں۔[4]

دوسری رکعت:

دوسری رکعت کے لیے اٹھتے وقت زمین پر ہاتھوں کا سہارا لے کر کھڑے ہوں۔[5]

پہلی رکعت ہی کی طرح دوسری رکعت ادا کریں البتہ دوسری رکعت میں دعائے استفتاح (ثنا) نہ پڑھیں۔

درمیانی تشہد:

☆...... دوسری رکعت کے سجدے مکمل کرنے کے بعد بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ جائیں اور دایاں پاؤں کھڑا رکھیں۔[6]

☆...... دائیں ہاتھ کو دائیں اور بائیں ہاتھ کو بائیں گھٹنے پر رکھیں۔[7]

(۱) ابوداؤد (۷۳۰)

(۲) ابوداؤد (ح ۸۶۹)، ابن ماجه (ح ۸۹۷)، دارمی (ح ۱۳۲۵)، حاکم (۱/ ۲۷۱)

(۳) ابوداؤد (ح ۸۵۰)، ترمذی (ح ۲۸۴)، وفیه کلام

(۴) بخاری (ح ۸۰۳-۸۲۳)، ترمذی (ح ۲۸۷)، ابن خزیمه (ح ۶۸۶)

(۵) بخاری (ح ۸۲۴)

(۶) بخاری (ح ۸۲۷-۸۲۸) (۷) مسلم (ح ۵۷۹)

☆......دونوں ہاتھوں کو حسب ترتیب دونوں رانوں پر رکھنا بھی درست ہے۔[1]

☆......تمام انگلیاں بند کر کے شہادت والی انگلی کو قبلہ رخ کر کے التحیات میں اس کے ساتھ اشارہ کریں[2]

☆......انگوٹھے کو درمیانی انگلی پر رکھ کر شہادت والی انگلی سے اشارہ کرنا بھی درست ہے۔[3]

☆......حالتِ تشہد میں یہ دعا پڑھیں:

((اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ))

''قولی، بدنی اور مالی عبادات صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہیں۔ اے نبی! آپ پر اللہ تعالیٰ کی سلامتی، اس کی رحمت اور برکتیں نازل ہوں۔ اور ہم پر بھی اور اللہ کے دوسرے نیک بندوں پر بھی سلامتی نازل ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔''[4]

☆......یاد رہے کہ پہلے التحیات کے ساتھ درودِ ابراہیمی اور کوئی دعا پڑھنا جائز ہے۔[5]

آخری تشہد:

☆ اگر نماز تین یا چار رکعات پر مشتمل ہو تو پھر دو مرتبہ تشہد کے لیے بیٹھنا پڑتا ہے۔ پہلے اور دوسرے تشہد میں دو فرق ہیں، ایک تو یہ کہ دوسرے تشہد کے لیے بیٹھتے وقت دایاں پاؤں کھڑا کر کے بایاں پاؤں اس کے نیچے بچھاتے ہوئے دائیں پنڈلی سے باہر نکالیں اور سرین پر بیٹھ جائیں۔[6]

دوسرا فرق یہ ہے کہ دوسرے تشہد میں التحیات پڑھنے کے بعد درود (ابراہیمی) اور آخری تشہد کی دعا پڑھنا ضروری ہے۔ اگر نماز دو رکعت ہو تو پھر آخر میں ایک ہی مرتبہ تشہد کے لیے بیٹھا جائے گا اور اس کا طریقہ وہی ہوگا جو دوسرے تشہد میں اختیار کیا جاتا ہے۔ درود ابراہیمی یہ ہے:

---

(۱) مسلم (ح۵۷۹)

(۲) مسلم (ح۵۸۰)

(۳) مسلم (ح۵۷۹)

(۴) بخاری (ح۸۳۱–۸۳۵)، مسلم (ح۴۰۲)

(۵) نسائی (ح۱۱۶۳)

(۶) بخاری (ح۸۲۸)

((اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ))

''یا اللہ! رحمت نازل فرما حضرت محمدؐ پر اور ان کی آل پر جس طرح تو نے رحمت فرمائی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر۔ بے شک تو تعریف والا اور بزرگی والا ہے۔ اے اللہ! برکت فرما حضرت محمدؐ اور ان کی آل پر جس طرح تو نے برکت نازل فرمائی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر۔ بلا شبہ تو تعریف والا اور بزرگی والا ہے۔''[1]

☆..... آخری تشہد میں درود کے بعد یہ دعا بھی پڑھیں:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوذُ بِكَ مِنَ الْمَاْثَمِ وَالْمَغْرَمِ))

''یا اللہ! میں تجھ سے قبر کے عذاب سے پناہ مانگتا ہوں۔ الٰہی! میں تجھ سے مسیح دجال کے فتنے سے پناہ مانگتا ہوں اور میں تجھ سے موت و حیات کے فتنے سے پناہ مانگتا ہوں۔ اے اللہ! میں تجھ سے گناہوں اور قرض (کے بوجھ) سے پناہ مانگتا ہوں۔''[2]

☆..... اس کے علاوہ کوئی بھی پسندیدہ دعا پڑھی جا سکتی ہے مثلاً:

۱۔ ((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا كَثِيْرًا وَّلَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ))

''یا الٰہی! میں نے اپنی جان پر بہت زیادہ ظلم کیا ہے اور تیرے سوا گناہوں کو بخشنے والا کوئی نہیں لہٰذا تو اپنی جناب سے مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما کیونکہ تو ہی بخشنہار اور نہایت مہربان ہے۔''[3]

۲۔ ((رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِيْمَ الصَّلَاةِ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِیْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابِ))

---

(۱) بخاری (ح ۳۳۷۰)، مسلم (ح ۴۰۵)

(۲) بخاری (ح ۸۳۲)، مسلم (ح ۵۸۹)

(۳) بخاری (ح ۸۳۴)، مسلم (ح ۲۷۰۵)

''اے میرے رب! مجھے نماز قائم کرنے والا بنائے رکھ اور میرے اولاد کو بھی۔ اے ہمارے رب! تو دعا کو قبول فرما۔ اے ہمارے رب! مجھے بخش دے' میرے (مسلم) والدین اور تمام مسلمانوں کو بھی (اس دن) معاف فرما دے کہ جس دن حساب کتاب ہوگا۔''

سلام:

پہلے دائیں اور پھر بائیں جانب رخسار پھیرتے ہوئے ' دونوں بار یہ کہیں:

((اَلسَّلَامُ عَلَيْكُم وَرَحْمَةُ اللّٰهِ)) ''تم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی اور رحمت نازل ہو۔''[1]

نماز کے بعد اذکار:

☆ ...سلام پھیرنے کے بعد اونچی آواز سے اَللّٰه اَکْبَرُ کہیں۔[2]

☆ ...پھر تین مرتبہ اَسْتَغْفِرُ اللّٰه پڑھیں۔[3]

☆ ...33 مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰه، 33 مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰه اور 34 مرتبہ اَللّٰه اَکْبَرُ پڑھیں۔[4]

☆ ...اس کے علاوہ آیت الکرسی اور دیگر اذکار بھی مروی ہیں۔

............*

(۱) ابوداؤد (ح۹۹۶)، ترمذی (ح۲۹۵)

(۲) بخاری (ح۸۴۱)، مسلم (ح ۵۸۳)

(۳) مسلم (ح۵۹۱)

(۴) مسلم (ح۵۹۶)

[۱]......کیا مرد وزن کی نماز میں فرق ہے؟

اس مسئلہ میں ہمارے ہاں اہل علم کا اختلاف ہے۔اہل حدیث علماء کے نزدیک مرد وعورت کی ادائیگی نماز کا ایک ہی طریقہ ہے لیکن حنفی علماء چند جگہوں پر عورت اور مرد کی نماز میں فرق کے قائل ہیں۔کسی بھی اختلافی مسئلہ کے حل کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اس کے متعلقہ دونوں طرف دلائل ملاحظہ کر لیے جائیں۔جس طرف قرآن وحدیث کے دلائل مضبوط اور واضح ہوں،انصاف کا تقاضا ہے کہ پھر اسی رائے کو اپنالیا جائے۔مرد وزن کی نماز کے مسئلہ میں جہاں تک میرا مطالعہ ہے،میں یہ سمجھتا ہوں کہ شرائطِ نماز کے حوالے سے مرد وزن کے درمیان چند چیزوں میں اختلاف ہے اور یہ اختلاف قیاس کی بنیاد پر نہیں بلکہ احادیث کی بنیاد پر کیا گیا ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے تو یہ بات یاد رہے کہ نماز کے سلسلہ میں مرد اور عورت ہر ایک کے لیے آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ

((صَلُّوا كَمَا رَاَيْتُمُوْنِيْ اُصَلِّيْ)) ''نماز اس طرح پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوا دیکھتے ہو۔''(۱)

اب آپ ﷺ کی نماز کی جو کیفیت صحیح احادیث کے ذریعے ہم تک پہنچ جائے اس پر عمل کرنا ہی اتباعِ سنت ہے۔آپ ﷺ نے جو طریقہ اپنایا ہے اس میں ادائیگی نماز کی کیفیت،لباس،جسم اور جگہ سے متعلقہ شرائط سب کچھ بیان کر دیا گیا ہے۔اب ہم ان صحیح احادیث کی روشنی میں جائزہ لیتے ہیں کہ مرد وزن کی نماز میں کن کن چیزوں میں اختلاف رکھا گیا اور کن میں نہیں۔

پہلا فرق......سر ڈھانپنے میں:

مرد کے لیے نماز میں سر ڈھانپنا ضروری قرار نہیں دیا گیا،جبکہ عورت کے لیے آپ ﷺ نے سر ڈھانپ کر نماز پڑھنے کو ضروری قرار دیا ہے،جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ صَلَاةَ الْحَائِضِ اِلَّا بِخِمَارٍ))

''اللہ تعالیٰ بالغہ عورت کی نماز اوڑھنی (سر کے دوپٹہ) کے بغیر قبول نہیں فرماتے۔''(۲)

---

(۱) بخاری: كتاب الصلوٰة: باب الاذان للمسافرين اذا كانوا جماعة......(ح ۶۳۱)

(۲) ابوداؤد: كتاب الصلاة: باب المرأة تصلی بغير خمار(ح ۶۴۱)، ترمذی(ح ۳۷۷)، ابن ماجه (ح ۶۵۵)

معلوم ہوا کہ ننگے سر عورت کی نماز نہیں ہوتی لیکن مرد اگر ننگے سر نماز پڑھ لے تو اس کی نماز ہو جاتی ہے۔

دوسرا فرق...... پاؤں اور ٹخنے ڈھانپنے میں:

آنحضرت ﷺ نے جس طرح ایک عورت کے لیے حالتِ نماز میں سر ڈھانپنا ضروری قرار دیا ہے، اس طرح پاؤں ڈھانپنے کو ضروری قرار نہیں دیا، البتہ بعض کمزور درجہ کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کو حالتِ نماز میں ٹخنے اور پاؤں کے اوپر والا حصہ ڈھانپنا چاہیے جیسا کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے جب دریافت کیا کہ نماز کے وقت عورت کا لباس کیسا ہونا چاہیے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((تُصَلِّيْ فِي الْخِمَارِ وَالدِّرْعِ السَّابِغِ الَّذِيْ يُغَيِّبُ ظُهُوْرَ قَدَمَيْهَا))

''(عورت) اوڑھنی اور ایک ایسی لمبی چادر لے کر نماز پڑھے جس کے ساتھ اس کے پاؤں کا اوپر والا حصہ بھی ڈھانپا جائے۔''(۱)

اس روایت کی سند میں ضعف ہے۔ مشہور محدث شیخ ناصر الدین البانیؒ اور بعض دیگر اہل علم اس روایت سمیت اس سلسلہ میں مروی دیگر روایات کو بھی ضعیف قرار دیتے ہیں، اس لیے عورت کے لیے نماز میں پاؤں ڈھانپنے کے حوالے سے شدت اختیار نہیں کرنی چاہیے۔ عورت کے لیے اسے زیادہ سے زیادہ مستحب قرار دیا جا سکتا ہے جبکہ مرد کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ ٹخنے ننگے کر کے نماز پڑھے۔ بلکہ ایک ضعیف روایت میں تو یہاں تک ہے کہ ایک شخص اپنا تہبند ٹخنوں سے نیچے لٹکائے نماز پڑھ رہا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اسے دیکھا تو فرمایا: جاؤ وضو دوبارہ کرو۔ وہ شخص گیا اور دوبارہ وضو کر کے آیا۔ اس بار پھر آپ ﷺ نے اسے کہا جاؤ وضو دوبارہ کرو۔ وہ پھر وضو کے لیے چلا گیا۔ وہاں موجود ایک اور آدمی نے اللہ کے رسول ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ نے اسے وضو دوبارہ کرنے کے لیے کیوں حکم دیا ہے؟ آپ ﷺ کچھ دیر خاموش رہے پھر آپؐ نے فرمایا: ''یہ شخص اپنا تہبند لٹکائے ہوئے نماز پڑھ رہا تھا اور اللہ تعالیٰ اس شخص کی نماز قبول نہیں فرماتے جو تہبند لٹکا کر نماز پڑھے۔''(۲)

شیخ البانیؒ اور دیگر محدثین نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اس لیے یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ تہبند ٹخنوں

(۱) ابوداؤد: کتاب الصلاة: باب فی کم تصلی المرأة (ح ۶۳۹ - ۶۴۰)

(۲) ابوداؤد: ایضاً: باب الاسبال فی الصلاة (ح ۶۳۸)، مسند احمد (ج ۵ ص ۳۷۹)، بیہقی (ج ۲ ص ۲۴۱)

سے نیچے لٹکانے والے کی نماز نہیں ہوتی، البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ حالتِ نماز میں اسے ناپسند کیا گیا ہے کیونکہ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ اَسْبَلَ اِزَارَهُ فِيْ صَلَاتِهِ خُيَلَاءَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ جَلَّ ذِكْرُهُ فِيْ حِلٍّ وَلَا حَرَمٍ))

''جس شخص نے تکبر سے نماز میں اپنا تہبند لٹکایا وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہ حلال کام میں ہے اور نہ حرام میں۔''(1)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کی حالت میں آپ ﷺ نے تہبند ٹخنے سے نیچے لٹکانے کو پسند نہیں کیا۔

تیسرا فرق......امامت کے طریقے میں:

بعض صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت بھی عورتوں کی جماعت کرا سکتی ہے مگر وہ مردوں کی طرح اکیلی آگے ہو کر کھڑی نہیں ہوگی بلکہ مقتدی عورتوں کے ساتھ ہی صف کے درمیان میں کھڑی ہو کر امامت کرائے گی۔ اس سلسلہ میں مروی احادیث آئندہ سطور میں ''عورت کی امامت عورتوں کے لیے'' کے عنوان کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

چوتھا فرق......امام کو لقمہ دینے میں:

اگر جماعت کے دوران مرد امام بھول جائے تو اسے یاددہانی کے لیے اس کے پیچھے کھڑے مرد مقتدی سبحان اللہ کہیں گے اور اگر عورت کو یہ ضرورت درپیش ہو تو وہ سبحان اللہ نہیں کہے گی۔ بلکہ تالی کے ساتھ امام کو متنبہ کرے گی۔ اس سلسلہ میں بخاری و مسلم کی صحیح احادیث میں آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان موجود ہے کہ

((اَلتَّسْبِيْحُ لِلرِّجَالِ وَالتَّصْفِيْقُ لِلنِّسَاءِ))

''(امام کو لقمہ دیتے وقت) مردوں کے لیے سبحان اللہ کہنا ہے اور عورتوں کے لیے تالی بجانا ہے۔''(2)

کچھ مزید فرق:

اس کے علاوہ احادیث میں یہ بات بھی موجود ہے کہ مردوں کے پیچھے اگر عورتیں بھی باجماعت نماز پڑھیں تو عورتوں کے لیے افضل صف سب سے آخری ہے اور مردوں کے لیے پہلی صف افضل ہے۔ اسی طرح حیض و نفاس کی حالت میں عورتوں سے نماز ساقط ہو جاتی ہے اور ان کی قضائی لازم نہیں کی گئی جب کہ

---

(1) ابوداؤد (ح٦٣٧)

(2) صحیح بخاری: کتاب العمل فی الصلاۃ: باب التصفیق للنساء. (ح١٢٠٣)

مرد کے لیے حالتِ جنابت میں غسل کر کے نماز پڑھنا ضروری ہے۔ یہ مسائل وہ ہیں جن پر قریب قریب بیشتر علماء کا اتفاق ہے۔ البتہ اس کے علاوہ مرد و عورت کی نماز میں کچھ اور فرق بیان کیے جاتے ہیں مگر ان کی کوئی صحیح اور واضح دلیل موجود نہیں ہے مثلاً:

۱)......ایک فرق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ نماز کے لیے رفع الیدین کرتے وقت مرد حضرات کانوں تک اپنے ہاتھ اٹھائیں اور عورتیں کندھوں تک۔ اس فرق کی کوئی دلیل نہیں ہے اس لیے رفع الیدین کے سلسلہ میں جو سنت طریقہ مردوں کے لیے ہے، وہی عورتوں کے لیے ہے۔ صحیح بخاری کے مشہور شارح حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ

((لم یرد مایدل علی التفرقة فی الرفع بین الرجل والمرأة))

''رفع الیدین کے سلسلہ میں مرد اور عورت کے لیے جو فرق بیان کیا جاتا ہے، اس بارے میں کوئی حدیث (دلیل) موجود نہیں ہے۔''[۱]

۲)......اسی طرح مرد و عورت کی نماز میں ایک فرق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ مرد نماز میں اپنے ہاتھ ناف کے نیچے اور عورت اپنے ہاتھ سینے کے اوپر باندھے۔ حالانکہ یہ فرق بھی کسی صحیح حدیث میں موجود نہیں ہے لہٰذا ہاتھ باندھنے کا جو طریقہ مردوں کے لیے مسنون ہے وہی عورتوں کے لیے بھی سنت ہے۔

۳)......ایک فرق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ عورت جب سجدہ کرے تو اسے چاہیے کہ اپنا پیٹ رانوں کے ساتھ چپکا لے جبکہ مرد اپنی رانیں پیٹ سے جدا رکھے۔ اس فرق کے بارے میں اگرچہ بعض روایات موجود ہیں مگر ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں ہے مثلاً ایک روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''جب عورت سجدہ کرے تو اپنے پیٹ کو رانوں کے ساتھ چپکا لے کیونکہ یہ اس کے لیے زیادہ پردے والا طریقہ ہے۔''

یہ روایت سنن بیهقی (ج ۲ ص ۲۲۲، ۲۲۳) میں موجود ہے مگر اس کی سند ضعیف ہے اور خود امام بیہقیؒ نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ اسی طرح اس سلسلہ میں مروی دیگر روایات بھی ضعیف ہیں۔[۲]
لہٰذا جب یہ روایات ضعیف ہیں تو ہمیں دیکھنا پڑے گا کہ سجدے کا طریقہ صحیح احادیث میں کیا بیان ہوا

(۱) فتح الباری شرح صحیح بخاری۔ از حافظ ابن حجرؒ (ج ۲ ص ۲۸۷)
(۲) دیکھئے: شیخ البانیؒ کی کتاب: صفة صلاة النبی (ص ۱۸۹) اور سلسلة الاحادیث الضعیفة (ح ۲۶۵۴)

ہے۔ہم پچھلے صفحات میں وہ طریقہ بیان کر آئے ہیں، اس سلسلہ میں جو احادیث مروی ہیں، ان میں ایک تو یہ کہا گیا ہے کہ حالت سجدہ میں بازو زمین پر نہ بچھائے جائیں اور دوسری بات یہ بیان کی گئی ہے کہ ران اور پیٹ کو جدا جدا رکھا جائے۔ احادیث میں یہ حکم مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے بیان ہوا ہے۔ اس لیے عورت بھی مردوں ہی کی طرح سجدہ کرے گی۔

[۲]......عورت کی امامت

(۱)......مرد، عورتوں کی امامت کرا سکتا ہے:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں عورتیں مسجد میں حاضر ہو کر باجماعت نماز ادا کرتی تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اس سے منع نہیں فرمایا۔ اسی طرح صحیح بخاری میں روایت ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((صَلَّیْتُ اَنَاوَیَتِیْمٌ فِیْ بَیْتِنَا خَلْفَ النَّبِیِّ ﷺ وَاُمِّیْ اُمُّ سَلِیْمٍ خَلْفَنَا))

''میں نے اور ایک یتیم لڑکے نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھی اور اس وقت میری والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا ہمارے پیچھے کھڑی جماعت میں شریک تھیں۔''[۱]

(۲)......عورت، مرد کی امامت نہیں کرا سکتی:

نماز کا تعلق عبادت سے ہے اور عبادات کے بارے میں علماء کا معروف قاعدہ یہ ہے کہ ہر عبادت اسی طریقے کے مطابق انجام دی جائے گی جو قرآن و سنت سے واضح طور پر ثابت ہو۔ قرآن و سنت میں کہیں عورت کا مردوں کا امام بننا مذکور نہیں بلکہ ہر موقع پر عورتوں اور مردوں کے اختلاط سے بچاؤ کی تدابیر اختیار کی گئی ہیں۔ عورت کو اگر مردوں کے ساتھ باجماعت نماز کی اجازت دی گئی تو وہاں بھی صورت یہ رکھی گئی ہے کہ عورت مردوں سے پیچھے رہ کر نماز پڑھے۔ مردوں کے ساتھ یا مردوں کے آگے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی اسے اجازت نہیں دی گئی تاکہ نماز کی روح اور اس کا مقصود فوت نہ ہو۔ البتہ ایک حدیث سے بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوا کہ عورت مردوں کی جماعت کرا سکتی ہے۔ وہ حدیث درج ذیل ہے:

''حضرت ام ورقہ بنت نوفل رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ بدر کے لیے نکلے

(۱) بخاری: کتاب الاذان: باب المرأۃ وحدھا تکون صفا (ح ۷۲۷)

تو میں نے آپ ﷺ سے کہا کہ آپ مجھے بھی اپنے ساتھ اس غزوہ میں لے جائیں۔ میں آپ کے مریضوں کی تیمارداری کروں گی اور شاید اللہ تعالیٰ مجھے بھی شہادت کی موت عطا کردے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: تم اپنے گھر میں ٹھہری رہو۔ یقیناً تمہیں اللہ تعالیٰ شہادت سے سرفراز فرمائیں گے۔ راوی کہتا ہے کہ پھر ام ورقہ کو شہیدہ کہہ کر پکارا جانے لگا۔ اس عورت نے چونکہ قرآن پڑھا ہوا تھا اس لیے اس نے نبی اکرم ﷺ سے اپنے گھر میں ایک مؤذن مقرر کرنے کی اجازت مانگی۔ آپ ﷺ نے اسے اجازت دے دی۔ راوی کہتا ہے کہ اس عورت نے اپنے ایک غلام اور لونڈی کو مدبر بنا دیا تھا۔ [مدبر اسے کہتے ہیں جس کے بارے میں مالک نے یہ فیصلہ کر دیا ہو کہ یہ میری وفات کے بعد آزاد ہو جائے گا]

ان دونوں لونڈی، غلام نے ایک رات چادر کے ذریعے ام ورقہ کا گلا گھونٹ کر اسے قتل کر دیا اور بھاگ گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی صبح لوگوں میں اعلان کرادیا کہ جس شخص کو ان دونوں لونڈی غلام کا علم ہو وہ انہیں میرے پاس لائے۔ چنانچہ جب وہ پکڑے گئے تو ان دونوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سولی دے دی۔ راوی بیان کرتا ہے کہ مدینہ میں یہ پہلے قاتل تھے جنہیں سولی دی گئی۔''[1]

امام ابوداؤد نے اسی روایت کو ایک اور سند کے ساتھ بھی روایت کیا ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں:

((وجعل لھامؤذنایؤذن لھاوأمرھاان تؤم اھل دارھا......))[2]

''اللہ کے رسول ﷺ نے اس (ام ورقہ) کے لیے ایک مؤذن مقرر کر دیا تھا جو اذان دیا کرتا تھا اور ام ورقہ کو اجازت دی تھی کہ وہ اپنے گھر والوں کی امامت کرا لیا کریں۔'' عبدالرحمٰن جنہوں نے یہ روایت ام ورقہ سے بیان کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کا مؤذن دیکھا تھا وہ ایک انتہائی بوڑھا شخص تھا۔

اس روایت میں أَھْلَ دَارِھَا کے الفاظ سے شبہ کھا کر بعض لوگوں نے یہ رائے قائم کی ہے کہ ''جب انہیں یہ اجازت دے دی گئی کہ وہ اپنے گھر والوں کی امامت کروا لیا کریں تو ظاہر ہے گھر والوں میں صرف عورتیں ہی نہیں ہوتیں بلکہ مرد بھی ہوتے ہیں اور وہ مرد بھی اس جماعت میں شریک ہوتے ہوں گے بلکہ وہ موذن بھی وہیں جماعت میں شرکت کرتا ہوگا'' پھر اس شبہ کی تائید کے لیے یہ بھی

(۱) ابوداؤد: کتاب الصلاۃ: باب امامۃ النساء، (ح ۵۸۷) (۲) ایضاً (ح ۵۸۸)

کہا گیا کہ ''دَارْ'' کے لفظ میں گھر اور محلّہ بھی شامل ہے، لہٰذا محلے کے مرد بھی ان کے ہاں نماز پڑھتے ہوں گے۔''

حقیقت یہ ہے کہ یہ محض ایک گمان ہے اور جہاں یہ گمان ہے کہ مرد بھی ان کے پیچھے نماز پڑھتے ہوں گے وہاں یہ گمان بھی موجود ہے کہ مرد ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے ہوں گے، بلکہ وہ حضور ﷺ کی معیت میں مسجد نبوی میں جا کر نماز ادا کرتے ہوں گے۔ اب ان میں سے کون سا گمان حقیقت کے قریب تر ہے، اس کا فیصلہ مختلف قرائن سے کیا جائے گا۔ لہٰذا جب ہم مختلف قرائن کی تلاش کرتے ہیں تو ہمارے سامنے یہ چیزیں آتی ہیں:

۱)...... امام دارقطنی نے یہی روایت اپنی سنن میں بھی نقل کی ہے اور وہاں یہ وضاحت بھی موجود ہے کہ ام ورقہ صرف عورتوں کو نماز پڑھایا کرتی تھیں، اس روایت کے الفاظ یہ ہیں:

((عن ام ورقةؓ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ اَذِنَ لَهَا اَنْ يُؤَذَّنَ لَهَا وَيُقَامَ وَتَؤُمَّ نِسَاءَ هَا))

''ام ورقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے لیے اجازت دے دی تھی کہ ان کے لیے اذان کہی جائے اور اقامت کہی جائے اور یہ اپنے گھر کی عورتوں کی امامت کروائیں۔''(۱)

جس طرح قرآن مجید کا بعض حصہ بعض کی تفسیر کرتا ہے اسی طرح احادیث بھی ایک دوسرے کی وضاحت کرتی ہیں، لہٰذا دارقطنی کی اس روایت سے واضح ہو گیا کہ گھر والوں سے مراد گھر کی عورتیں تھیں، مرد نہیں تھے۔

۲)...... محدثین نے بھی اس حدیث سے یہی مسئلہ اخذ کیا ہے کہ ام ورقہ عورتوں ہی کی امامت کرواتی تھیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے اس روایت پر عورتوں کے لیے عورت کی امامت کے باب (عنوان) قائم کیے ہیں مثلاً خود امام دارقطنی اس روایت کے وہی الفاظ جو ابوداؤد میں ہیں، اپنی سنن میں ایک جگہ نقل کیے ہیں اور وہاں یہ عنوان قائم کیا ہے: باب صلاۃ النساء جماعة وموقف امامهن ''اس چیز کا بیان کہ عورتیں بھی نماز کی جماعت کرا سکتی ہیں اور اس کا بیان کہ ان کی امام کہاں کھڑی ہو''

اسی طرح امام ابوداؤد نے اس روایت پر یہ باب قائم کیا ہے: ((باب امامة النساء)) ''عورتوں کی امامت کا بیان''۔ اسی طرح اس حدیث پر امام ابن خزیمہؒ نے یہ باب قائم کیا ہے: ((باب امامة

(۱) سنن دارقطنی: باب فی ذکر الجماعة واهلها وصفة الامام (ج ۱ ص ۲۷۶، حدیث ۱۰۶۹)

المرأة النساء فی الفریضة))''فرض نماز کے لیے عورتوں کی نماز باجماعت کا بیان''
کسی بھی محدث اور فقیہ نے اس روایت کی بنا پر عورت کے لیے مردوں کی امامت کے جواز کا مسئلہ کشید نہیں کیا۔ البتہ ابن رشد نے امام طبری کی طرف اس کے جواز کی نسبت کی ہے مگر اس کی کوئی سند اور ثبوت پیش نہیں کیا۔ اس لیے یہ قول بلا دلیل ہے۔ اس کے برعکس امام ابن قدامہ حنبلیؒ فرماتے ہیں کہ

"اماالمرأة فلایصح ان یأتم بهاالرجل بحال فی فرض ولانافلة فی قول عامة الفقهاء"
''کسی عورت کے لیے کسی مرد کی امامت کرانا صحیح نہیں ہے، خواہ فرض نماز ہو یا نفل۔ فقہاء کی رائے بالعموم یہی ہے۔''(۱)

۳)..... آنحضرت ﷺ نے مردوں اور عورتوں کی نماز باجماعت کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ
((خَیْرُ صُفُوْفِ الرِّجَالِ اَوَّلُهَا وَشَرُّهَا آخِرُهَا وَخَیْرُ صُفُوْفِ النِّسَآءِ آخِرُهَا وَشَرُّهَا اَوَّلُهَا))
''مردوں کی بہترین صف وہ ہے جو سب سے آگے ہو اور بدترین صف وہ ہے جو پیچھے ہو اور عورتوں کی بہترین صف وہ ہے جو پیچھے ہو اور بدترین وہ ہے جو آگے ہو۔''(۲)

جب عام حالات میں آنحضرت ﷺ نے عورتوں کے لیے مردوں کے قریب صف بنانے کو انتہائی ناپسند کیا ہے تو پھر یہ توقع آخر کیسے کی جا سکتی ہے کہ آپ نے عورت کو مردوں کی امام بن کر آگے کھڑے ہونے کی اجازت دی ہوگی؟ لہٰذا ام ورقہ رضی اللہ عنہا کی امامت عورتوں ہی کے لیے مخصوص ہوگی، مردوں کے لیے نہیں۔

۴)..... حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:
((أَنْ لَاتَؤُمَّنَّ اِمْرَاَةٌ رَجُلًا))

(۱) المغنی (ج ۳ص ۳۲) دراصل بعض حنبلی اہل علم نے یہ رائے اختیار کی تھی کہ اگر عورت مردوں کے پیچھے (نہ کہ آگے) کھڑے ہو کر صرف نفل نماز کی امامت کرالے تو وہ جائز ہے مگر امام ابن قدامہ نے ان کے اس موقف کا بھی رد فرمایا ہے۔ البتہ امام مزنیؒ اور امام ابو ثورؒ کے نزدیک اگر کوئی شخص بھول کر کسی عورت یا جنبی، یا پاگل، یا کافر کے پیچھے نماز پڑھ لے تو اسے نماز دہرانے کی ضرورت نہیں، لیکن قصداً ایسا کرنے کے وہ بھی قائل نہ تھے۔ اس لیے معلوم یہ ہوا کہ فقہاء کی رائے یہی تھی کہ عورت مردوں کی امام نہیں بن سکتی۔
(۲) مسلم: کتاب الصلاة: باب تسویة الصفوف (ح ۴۴۰)

''کوئی عورت ہرگز کسی مرد کی امامت نہ کرائے۔''[1]

اس حدیث کی سند اگرچہ کمزور ہے تاہم دیگر قرائن کے ساتھ اسے بھی ایک قرینہ شمار کیا جائے گا۔

۵)...... مسلمانوں کا تعامل بھی بطورِ قرینہ یہی وضاحت کرتا ہے کہ عورت کبھی مردوں کی نماز کے لیے امام نہیں بنائی گئی۔حتی کہ صحابیات میں سے بعض صحابیات کو قرآن حفظ تھا مگر اس کے باوجود انہوں نے مردوں کی کبھی امامت نہیں کرائی ،خواہ وہ محرم رشتہ دار ہوں یا غیر محرم۔

۶)...... اسلام کی مجموعی تعلیمات بھی اس حقیقت کی ترجمانی کرتی ہیں کہ اسلام نے عورتوں اور مردوں کے دائرہ عمل میں تفریق کی ہے۔قیادت وسیادت اور امامت وغیرہ سے متعلقہ اجتماعی نوعیت کے مسائل میں تو بالخصوص عورتوں کو مردوں سے علیحدہ رکھا گیا ہے۔علاوہ ازیں عام حالات میں جب اسلام مردوزن کا بے قید اختلاط برداشت نہیں کرتا تو پھر نماز جیسے مقدس فرض کی تکمیل میں اسے کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ عورت مردوں کے شانہ بشانہ یا ان سے آگے کھڑے ہوکر نماز ادا کرے۔اگر اللہ کے رسول ﷺ نے عورتوں کو مردوں کی موجودگی میں نماز باجماعت پڑھنے کی اجازت بھی دی تو اس کی کڑی شرائط عائد کردیں کہ وہ مردوں سے پیچھے کھڑی ہوں،خوشبو لگا کر مسجد میں نہ آئیں،امام کو لقمہ دینے کے لیے بھی آواز نہ نکالیں پھر امام بن کر مردوں کو تلاوت سے محظوظ کرنا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟!

۷)...... ام ورقہ کی مذکورہ بالا حدیث کے بارے میں یہ بات بھی واضح رہنی چاہیے کہ بعض اہل علم کے نزدیک یہ روایت ضعیف ہے ،لہٰذا اگر یہ روایت ہی ضعیف ہے تو پھر امامتِ نسواں کے جواز کے حوالے سے اس کے گرد گھومنے والی ساری بے کار توجیہات بھی از خود باطل قرار پاتی ہیں!

(۳)...... عورت کی امامت عورتوں کے لیے:

یاد رہے کہ امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ عورتوں کی نماز باجماعت کو مکروہ قرار دیتے ہیں۔امام شافعیؒ،امام احمد بن حنبلؒ،امام اوزاعیؒ،امام ابراہیم نخعیؒ اور امام قتادہؒ کی رائے یہ ہے کہ عورت نفل نماز کی جماعت کرواسکتی ہے فرض نماز کی نہیں۔حنفی فقہاء میں سے امام ابن ہمامؒ نے امام ابوحنیفہؒ کی رائے کے برعکس یہ رائے دی ہے کہ عورتیں نماز باجماعت ادا کرسکتی ہیں اور اس میں کوئی کراہت نہیں۔

جہاں تک اس مسئلہ سے متعلقہ روایات کا تعلق ہے تو ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض صحیح روایات

(۱) ابن ماجه: کتاب اقامة الصلاة: باب فرض الجمعة(ح ۱۰۸۱)

ایسی ہیں کہ عورتیں اپنی الگ جماعت کرواسکتی ہیں خواہ نماز فرض ہو یا نفل۔ اس صورت میں عورتوں کی امام عورت بھی مقتدی عورتوں کے ساتھ ایک ہی صف میں درمیان میں کھڑی ہوگی۔ اس سلسلہ میں مروی چند روایات درج ذیل ہیں:

۱)......ابو حازم سے مروی ہے کہ ریطه حنفیہؒ بیان کرتی ہیں:

((اَنَّ عَائِشَةَ اَمَّتْهُنَّ وَقَامَتْ بَيْنَهُنَّ فِيْ صَلَاةٍ مَّكْتُوْبَةٍ))

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرض نمازوں میں عورتوں کی امامت کے فرائض انجام دیئے اور وہ ان کے درمیان میں کھڑی ہوئیں۔''[۱]

۲)......ام حسنؒ سے مروی ہے کہ

((اَنَّهَا رَاَتْ اُمَّ سَلَمَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ تَؤُمُّ النِّسَاءَ ،تَقُوْمُ مَعَهُنَّ فِيْ الصَّفِّ))

''انہوں نے دیکھا کہ ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عورتوں کی امامت کے فرائض انجام دیے اور وہ ان کے ساتھ ایک ہی صف میں کھڑی ہوئیں۔''[۲]

۳)......اسی طرح تمیمہ بنت سلمہؒ بیان کرتی ہیں کہ:

((اَنَّهَا اَمَّتِ النِّسَاءَ فِيْ صَلوٰةِ الْمَغْرِبِ فَقَامَتْ وَسْطَهُنَّ وَجَهَرَتْ بِالْقِرَاءَةِ))

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے (ایک مرتبہ) مغرب کی نماز میں عورتوں کی امامت کے فرائض انجام دیے، تو دوسری عورتوں کے درمیان کھڑی ہوئیں اور جہراً (بلند آواز سے) قراءت فرمائی۔''[۳]

۴)......حجیرہ بنت حصینؒ فرماتی ہیں:

((اَمَّتْنَا اُمُّ سَلَمَةَ فِيْ صَلوٰةِ الْعَصْرِ قَامَتْ بَيْنَنَا))

---

(۱) مصنف عبدالرزاق: كتاب الصلاة: باب المرأة تؤم النسآء (ج۳ص ۱۴۱ ح ۵۰۸۶)، دارقطنی (ج ۱ص ۴۰۴)، سنن بیهقی (ج ۳ص ۱۳۱)، تمام المنة از البانیؒ (ص ۱۵۴) اس روایت کی سند صحیح ہے، علامہ نیمویؒ نے بھی آثار السنن (ص ۵۱۴) میں اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

(۲) مصنف ابن ابی شیبه: الصلوات : باب المرأة تؤم النسآء (ج ۱ ص ۴۳۰، ح ۴۹۵۳) امام ابن حزمؒ اس روایت کے متعلق فرماتے ہیں: (هِيَ خَيْرَةٌ، ثِقَةُ الثِّقَاتِ. وَهٰذَا اِسْنَادٌ كَالذَّهَبِ) ''یہ بہترین سند ہے، اس کے سب راوی انتہائی ثقہ ہیں، یہ سند تو گویا سونے کی ایک لڑی ہے۔'' (المحلى لابن حزم (ج ۴ص ۲۲۰)

(۳) المحلى لابن حزم (ج ۴ص ۲۱۹)

''سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے نماز عصر میں ہماری امامت کے فرائض انجام دیے اور آپ ہمارے درمیان میں کھڑی ہوئی تھیں۔''(۱)

۵)......حضرت عکرمہؒ سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((تَؤُمُّ الْمَرْاَۃُ النِّسَآءَ تَقُوْمُ فِیْ وَسْطِهِنَّ))

''ایک عورت جب عورتوں کی امامت کروائے، تو وہ عورتوں کے درمیان ہی میں کھڑی ہوگی۔''(۲)

۶)......اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

((اَنَّهُ کَانَ یَأْمُرُ جَارِیَةً لَّهُ، تَؤُمُّ نِسَاءَهُ فِیْ رَمَضَانَ))

''آپ اپنی لونڈی کو حکم دیتے تھے، چنانچہ وہ ماہِ رمضان میں عورتوں کو باجماعت نماز پڑھاتی تھی۔''(۳)

اس کے علاوہ بھی کچھ روایات موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ اور صحابیات عورتوں کی نماز باجماعت کے قائل تھے۔ اس لیے عورتیں آپس میں نماز باجماعت کا اہتمام کرنا چاہیں، تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

(۴)......عورت کی اذان واقامت:

اس مسئلہ میں بعض عرب علماء کی رائے یہ ہے کہ عورت عورتوں کی جماعت تو کرواسکتی ہے مگر اس جماعت کے لیے اذان اور اقامت کہنا درست نہیں۔ اس سلسلہ میں ان علماء کا استدلال یہ ہے کہ اس بارے میں کوئی واضح حدیث موجود نہیں اور ام ورقہ کے لیے بھی جب عورتوں کو نماز باجماعت کی اجازت دی گئی تو اذان ایک بوڑھا مرد کہا کرتا تھا، خود ام ورقہ یا کوئی اور عورت اذان نہیں کہا کرتی تھی۔

اگر اس مسئلہ میں ایک دوسرے پہلو سے غور کیا جائے تو عورتوں کے لیے اذان واقامت کا جواز بھی ملتا ہے۔ وہ یہ کہ مردوں کے لیے نماز کے سلسلہ میں جو احکام ہیں وہی عورتوں کے لیے ہیں اور جہاں فرق کی کوئی ضرورت تھی وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس فرق کی صاف وضاحت فرمادی ہے۔ مردوں کے لیے نماز باجماعت کے سلسلہ میں اذان واقامت بعض فقہاء کے نزدیک سنت اور بعض کے نزدیک واجب

(۱) مصنف عبدالرزاق: کتاب الصلاۃ: باب المرأۃ تؤم النسآء (ج۳ص۱۴۰ ح۵۰۸۲)، مصنف ابن ابی شیبہ: کتاب الصلوات: باب المرأۃ تؤم النسآء (ج۱ص۴۳۰ح۴۹۵۲)

(۲) مصنف عبدالرزاق: کتاب الصلاۃ: باب المرأۃ تؤم النسآء (ج۳ص۱۴۰ح۵۰۸۳)

(۳) المحلی لابن حزم (ج۳ص۲۲۰)

ہے۔لہٰذا عورتیں اگر نماز با جماعت کا اہتمام کرنا چاہیں تو ان کے لیے بھی اسی طرح اذان و اقامت کا جواز ہونا چاہیے۔اگر اس جواز کی نفی کی جائے تو ضروری ہے کہ ایسی صحیح احادیث پیش کی جائیں جن میں اس کی نفی موجود ہو۔میرے علم کی حد تک ایسی کوئی حدیث موجود نہیں جس میں عورتوں کے لیے اذان و اقامت کی نفی کی گئی ہو بلکہ اس کے برعکس عورتوں کی اذان و اقامت کا عمل بعض روایات میں ہمیں ملتا ہے مثلاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں معروف تابعی حضرت طاؤسؒ فرماتے ہیں کہ

((كَانَتْ عَائِشَةُ تُؤَذِّنُ وَتُقِيمُ))(۱)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (عورتوں کی جماعت کے لیے) اذان اور اقامت خود ہی کہہ لیا کرتی تھیں۔''

یہی بات ایک اور تابعی حضرت عطاؒ نے اس طرح بیان کی ہے:

((انها كانت تؤذن وتؤم النسآء وتقوم وسطهن))

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اذان دیا کرتی تھیں اور عورتوں کی جماعت کرواتیں اور ان کے درمیان کھڑی ہوتی تھیں۔''(۲)

ان روایات کی بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ عورت اپنی نماز با جماعت کے لیے اذان و اقامت کا اہتمام کر سکتی ہیں، بشرطیکہ ان کی آواز چاردیواری سے باہر نہ جائے۔بالخصوص ایسی جگہ پر جہاں مسجد میں ہونے والی اذان کی آواز نہ پہنچتی ہو اور عورتیں جماعت کروانا چاہتی ہوں، تو وہاں وہ اذان دے لیں مگر اذان پست آواز کے ساتھ ہو اور غیر محرموں تک وہ آواز نہ پہنچتی ہو۔پھر جماعت کے لیے اقامت بھی کہہ لیں۔البتہ جہاں مسجد سے اذان کی آواز پہنچتی ہو، احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ وہاں اذان نہ دی جائے بلکہ صرف اقامت کہہ کر جماعت کروالی جائے۔

(۵)......عورت کا نماز کے لیے مسجد میں جانا:

اس بارے میں کوئی شک نہیں کہ عہد نبوی میں خواتین بھی نماز کے لیے مسجد میں آیا کرتی تھیں اور آنحضرت ﷺ کی اقتداء میں با جماعت نماز ادا کرتی تھیں بلکہ آنحضرت ﷺ نے یہاں تک عورتوں کے بارے میں ارشاد فرما رکھا تھا کہ

(۱) مصنف عبدالرزاق: كتاب الصلاة: باب هل على المرأة اذان واقامة (ج۳ص۱۲۶)، المحلى (ج۳ص۲۲۰)
(۲) مستدرک حاکم (ج۱ص۲۰۴)

((اِذَا اسْتَأْذَنَتْ اِمْرَاَةُ اَحَدِكُمْ فَلَا يَمْنَعُهَا)) (۱)

''جب تم سے کسی کی بیوی (مسجد میں نماز کے لیے) جانے کی اجازت مانگے تو اسے چاہیے کہ اجازت دے دے۔'' ایک اور حدیث میں ہے کہ

((لَا تَمْنَعُوْا اِمَآءَ اللّٰهِ مَسَاجِدَ اللّٰهِ)) (۲)

''اللہ کی باندیوں (یعنی عورتوں کو) مسجد جانے سے منع نہ کرو۔''

بعض روایات میں ہے کہ عورتیں صبح اور شام کی نمازیں اللہ کے رسول ﷺ کے پیچھے آ کر ادا کرتی تھیں اور نماز پڑھتے ہی واپس چلی جاتی تھیں۔ (۳)

اسی طرح حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''جب اللہ کے رسول ﷺ نماز سے سلام پھیرتے تو عورتیں اٹھ کر واپس چلی جاتیں جب کہ اللہ کے رسول ﷺ اٹھنے سے پہلے تھوڑی دیر اپنی جگہ پر اسی طرح بیٹھے رہتے اور میرا خیال ہے کہ آپ ﷺ اس لیے بیٹھے رہتے تھے تاکہ عورتیں مردوں کے اٹھنے سے پہلے ہی چلی جائیں۔'' (۴)

ان تمام احادیث کی روشنی میں اس مسئلہ کے بارے میں یہ نکات سامنے آتے ہیں:

۱)......عورت مسجد میں نماز کے لیے آ سکتی ہے بشرطیکہ پردے کا اہتمام ہو اور کسی فتنے کا خدشہ نہ ہو۔

۲)......مسجد میں آنے سے پہلے عورت کو اپنے شوہر یا سرپرست سے اجازت لینی چاہیے۔

۳)......نماز پڑھتے ہی عورت واپس چلی جائے بلاوجہ مسجد میں نہ ٹھہرے۔

۴)......عورتوں اور مردوں کی آمد و رفت کا راستہ الگ الگ ہو تاکہ اختلاط پیدا نہ ہو۔

۵)......عورتیں مردوں سے الگ (جگہ میں) ہو کر نماز پڑھیں۔

آج بھی اگر ان تمام شرائط کا لحاظ رکھا جائے تو عورت کے مسجد میں جا کر نماز پڑھنے کا فتویٰ دے دیا جائے گا اور اگر کسی جگہ واضح فتنے کا خدشہ ہو تو پھر وہاں مصلحت کی وجہ سے عورتوں کو روکا بھی جا سکتا ہے۔

(۱) بخاری کتاب الاذان: باب استیذان المرأة زوجها بالخروج الی المسجد (ح ۸۷۳) بخاری کی حدیث نمبر ۸۶۵) میں مسجد کا ذکر بھی ہے۔

(۲) بخاری: کتاب الجمعة: (باب ۱۳ ح ۹۰۰)

(۳) بخاری: کتاب الاذان: باب سرعة انصراف النسآء...... (ح ۸۷۲)، باب خروج النسآء الی المسجد...... (ح ۸۶۵)

(۴) بخاری: کتاب الاذان: باب صلاة النساء خلف الرجال (ح ۸۷۵)

[۳]......عورت اور نمازِ جنازہ میں شرکت

مردوں کی طرح عورتیں بھی فوت شدگان کی نمازِ جنازہ پڑھ سکتی ہیں جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں مروی ہے کہ جب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو انہوں نے کہا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی میت مسجد میں لائی جائے، چنانچہ وہاں آپ رضی اللہ عنہا نے بھی ان کی نمازِ جنازہ پڑھی۔''[۱]

البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے لیے یہ بات پسند نہیں فرمائی کہ وہ جنازے کے ساتھ مردوں کے پیچھے پیچھے چلیں۔ اس سلسلہ میں حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

((نُهِينَا عَنْ اِتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ وَلَمْ يُعْزَمْ عَلَيْنَا))[۲]

''ہم عورتوں کو جنازے کے ساتھ چلنے سے منع فرمایا گیا تھا، مگر اس ممانعت کے سلسلہ میں سختی نہیں کی گئی۔''

[۴]......عورت اور زیارتِ قبور

اسی طرح عورتوں کے لیے قبرستان جانے کو بھی مکروہ قرار دیا گیا ہے۔ شروع شروع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مرد وزن کے لیے قبرستان جانے سے منع فرما دیا تھا پھر بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دے دی جیسا کہ حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا))

''بے شک میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا اب تم بھی قبروں کی زیارت کرلیا کرو۔''[۳]

ایک روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((وَاسْتَأْذَنْتُهُ فِيْ اَنْ اَزُوْرَ قَبْرَهَا فَاَذِنَ لِيْ فَزُوْرُوا الْقُبُوْرَ فَاِنَّهَا تُذَكِّرُكُمُ الْمَوْتَ))[٤]

''میں نے اللہ سے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت مانگی جو مجھے مل گئی۔ تم بھی قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ تمہیں موت یاد دلائیں گی۔'' بعض روایات میں ہے کہ ''یہ تمہیں آخرت یاد دلائیں گی''

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک دن اپنے بھائی حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کی قبر کی

---

(۱) مسلم: کتاب الجنائز: باب الصلاۃ علی الجنازۃ فی المسجد (ح۹۷۳)، ابوداؤد (۳۱۸۹)، ترمذی (۱۰۳۳)

(۲) صحیح بخاری: کتاب الجنائز: باب اتباع النساء الجنائز (ح۱۲۷۸)

(۳) مسلم: کتاب الجنائز: باب استئذان النبی ربہ عزوجل فی زیارۃ قبر امہ (ح۹۷۷)، (۴) مسلم (ح۹۷۶)

زیارت کر کے واپس تشریف لا رہی تھیں تو عبداللہ بن ابی ملیکہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کرنے سے منع نہیں فرمایا؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

((نَعَمْ ثُمَّ اَمَرَبِزِيَارَتِهَا))

ہاں، مگر بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیارتِ قبور کی اجازت بھی دے دی تھی۔''[1]

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میں جب زیارتِ قبور کے لیے جاؤں تو فوت شدگان کے لیے کیا دعا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم یہ دعا کرو:

((اَلسَّلَامُ عَلٰى اَهْلِ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَيَرْحَمُ اللّٰهُ الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنَّا وَالْمُسْتَأْخِرِيْنَ وَاِنَّا اِنْ شَآءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَلَاحِقُوْنَ))

''اے قبروں والے مسلمان مردو اور مسلمان عورتو! تم پر سلامتی ہو اور اللہ تعالیٰ ہم سے پہلے فوت ہونے والوں پر بھی رحم کرے اور بعد والوں پر بھی اور بے شک اللہ نے چاہا تو ہم بھی تمہارے ساتھ آ ملیں گے۔''[2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں روایات میں آتا ہے کہ وہ ہر جمعہ اپنے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر کی زیارت کیا کرتی تھیں۔[3]

یہ تمام روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ خواتین زیارتِ قبور کے لیے قبرستان جا سکتی ہیں لیکن کثرت کے ساتھ قبرستان نہیں جانا چاہیے۔ کیونکہ کثرت کے ساتھ قبرستان جانے والی عورتوں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

((اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَعَنَ زَوَّارَاتِ الْقُبُوْرِ))

''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کثرت کے ساتھ قبرستان جانے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔''[4]

---

(۱) مستدرک حاکم (ح ۱۳۷۲)، سنن بیہقی (ج ۴ ص ۷۸)، احکام الجنائز از علامہ البانیؒ (ص ۲۳۰)

(۲) مسلم: کتاب الجنائز: باب ما يقال عند دخول القبور والدعاء لاهلها (ح ۹۷۴)، بیہقی (ج ۴ ص ۷۸)، ابن ماجہ (ح ۱۵۴۶)

(۳) مستدرک حاکم (ج ۱ ص ۳۷۷)

(۴) نیل الاوطار (ج ۳ ص ۲۳)، احکام الجنائز (ص ۲۳۵)

عورت کی نماز سے متعلقہ چند اہم فتاویٰ

حالتِ نفاس اور نماز:

سوال: نفاس والی عورتوں کی مدت نفاس کتنی ہے؟

جواب: نفاس والی عورتوں کی متعدد حالتیں ہیں:

پہلی حالت: چالیس دن پورا ہونے سے قبل خون منقطع ہو جائے اور اس کے بعد دوبارہ نہ آئے۔ ایسی صورت میں جب سے اس کا خون رک جائے، وہ غسل کرے اور نماز و روزہ کا اہتمام کرے۔

دوسری حالت: چالیس دن مکمل ہونے سے پہلے خون بند ہو جائے پھر چالیس کی مدت مکمل ہونے سے قبل دوبارہ خون آ جائے تو ایسی صورت میں پہلی مرتبہ جب خون منقطع ہو جائے تو وہ غسل کرے اور نماز و روزہ کا اہتمام کرے اور جب پھر دوبارہ خون شروع ہو تو اس کو نفاس سمجھ کر بیٹھ جائے، نہ روزہ رکھے اور نہ نماز پڑھے۔ بعد میں روزہ کی قضا کرے اور نماز کی قضا نہ کرے۔

تیسری حالت: چالیس دنوں تک مسلسل خون جاری رہتا ہے تو اس پوری مدت میں نماز و روزہ چھوڑے رہے اور جب خون بند ہو جائے تو طہارت مکمل کرے اور روزہ رکھے اور نماز ادا کرے۔

چوتھی حالت: نفاس چالیس دنوں سے متجاوز ہو، اس کی دو صورتیں ہوں گی، پہلی صورت یہ کہ چالیس دن کے بعد ماہواری اپنی عادت کے مطابق شروع ہو جائے تو اس کو چاہیے کہ ماہواری (حیض) کے ایام بغیر نماز و روزہ کے گذارے، دوسری صورت یہ ہے کہ چالیس دنوں کے بعد آنے والا خون ماہواری کے ایام عادت کے موافق نہ ہو تو عورت چالیس دن پورا کر کے غسل طہارت کرے گی اور روزہ رکھے گی اور نماز ادا کرے گی اور اگر یہی عادت تین مرتبہ لگاتار دیکھے تو خون آنے کی کل مدت اس کی عادت نفاس سمجھی جائے گی اور اس درمیان رکھے گئے روزوں کی قضا کرے گی اور نمازوں کی قضا نہ ہوگی اور اگر یہ عادت مکرر نہ ہو تو چالیس دن کے بعد آنے والے خون کا اعتبار نہ ہوگا یعنی وہ استحاضہ کا خون ہوگا۔ [فتوی از: شیخ محمد بن ابراهیم. فتاوی و رسائل الشیخ، ج ۲ ص ۱۰۲، [illegible] ص ۶۹]

حمل ساقط ہونے کی صورت میں نماز کا مسئلہ:

سوال: بعض حاملہ عورتوں کا حمل کسی عارضہ کے سبب ساقط ہو جاتا ہے اور ساقط ہونے والا بچہ کبھی ایسا

ہوتا ہے جس کی خلقت مکمل ہو چکی ہوتی ہے اور بعض اوقات مکمل نہیں ہوئی ہوتی، دونوں حالتوں میں نماز کے معاملہ کی وضاحت مطلوب ہے؟

جواب: جب عورت ایسے بچے کو ساقط کر دے جس میں انسانی خلقت ظاہر ہو چکی ہے یعنی سر یا ہاتھ یا پاؤں یا دوسرے اعضاء پیدا کر دیئے گئے ہیں تو وہ نفاس والی ہوگی اور اس کے لیے نفاس کے احکام ہوں گے۔ وہ نہ نماز ادا کرے گی نہ روزے رکھے گی اور نہ اس کے شوہر کے لیے اس سے مجامعت حلال ہوگی تا وقتیکہ وہ پاک ہو جائے یا چالیس دن مکمل ہو جائیں اور جب چالیس دن سے قبل پاک ہو جائے تو اس پر غسلِ طہارت کرنا، نماز ادا کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا واجب ہے اور اس کے شوہر کے لیے اس سے جماع کرنا بھی حلال ہے نفاس کی کم سے کم مدت کی کوئی حد نہیں ہے اگر ولادت کے بعد دس دن یا اس سے کم یا زیادہ دنوں میں عورت پاک ہو جائے تو اس پر غسل طہارت واجب ہوگا اور پاک عورتوں کے احکام جاری ہوں گے جیسا کہ پہلے گذرا، چالیس دنوں کے بعد جاری ہونے والا خون فاسد خون ہے، لہٰذا یہ مستحاضہ کی طرح روزہ رکھے گی جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فاطمہ بنت ابی حبیش کو جو مستحاضہ تھیں، فرمایا:

((تَوَضَّئِي لِوَقْتِ كُلِّ صَلَاةٍ)) ''یعنی ہر نماز کا وقت داخل ہونے کے بعد وضو کر لیا کرو۔''

اور اگر چالیس دن کی مدت گذرنے کے ساتھ حیض شروع ہو جائے یعنی ماہواری کے معتاد ایام شروع ہو جائیں تو عورت کے لیے حائضہ کا حکم ثابت ہوگا اور اس پر نماز و روزہ حرام ہوگا یہاں تک کہ وہ پاک ہو اور اس مدت میں اس کے شوہر پر اس سے مجامعت و ہمبستری کرنی حرام ہوگی۔

لیکن حمل سے ساقط ہونے والا بچہ اگر ناقص الخلقت ہو اور اس میں انسانی اعضاء تیار نہ ہوئے ہوں مثلاً گوشت کا لوتھڑا ہو جس میں کوئی انسانی ڈھانچہ یا نقشہ نہ پایا جائے یا خون کی شکل میں ہو تو ایسی عورت مستحاضہ کے حکم میں ہوگی۔ اس پر نہ نفاس کا حکم جاری ہوگا نہ حیض کا۔ اور اس پر واجب ہے کہ ہر نماز کا وقت داخل ہونے کے بعد وضو کرے اور خون سے حفاظت کے لیے روئی یا کوئی دوسری چیز استعمال کرے جس طرح مستحاضہ کرتی ہے یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائے اور اس کے لیے دو نمازوں کو اکٹھا کر کے ادا کرنا بھی جائز ہے۔ ظہر کو عصر کے ساتھ اور مغرب کو عشاء کے ساتھ ملا کر پڑھ سکتی ہے۔ [ایضاً ص ۷۵]

اگر عورت بھول کر ناپاک کپڑے میں نماز پڑھے؟

سوال: جب میں بھول چوک سے ایسے کپڑے میں نماز ادا کرنے لگوں جس میں ناپاکی لگی ہو اور دوران

نماز مجھے یاد آئے تو کیا میرے لیے جائز ہے کہ میں نماز توڑ دوں اور کپڑے بدل دوں؟ اور وہ کون کون سے مواقع ہیں جن میں نماز توڑی جا سکتی ہے؟

جواب: جس کسی نے اس حال میں نماز ادا کی کہ نجاست اس کے کپڑے یا جسم میں تھی اور وہ اس کو جانتا بھی تھا تو اس کی نماز باطل ہے اور اگر نجاست کا اسے علم نہ تھا یہاں تک کہ اس نے نماز ادا کر لی تو اس کی نماز کافی ہوگی اور اس پر اعادہ لازم نہ ہوگا اور اگر درمیان نماز ناپاکی کا علم ہو جائے اور اس کا ازالہ جلد ممکن ہو تو وہ ایسا کرے اور اپنی نماز پوری کرے کیونکہ نبی اکرم ﷺ کے عمل سے ثابت ہے کہ جب جبریل نے آپ کو خبر دی کہ آپ ﷺ کے جوتے میں گندگی لگی ہوئی ہے، تو آپ ﷺ نے اپنے جوتے نماز میں اتار دیئے۔ اور آپ ﷺ کی نماز کا اول حصہ باطل نہ ہوا۔

اسی طرح اگر کسی کے عمامہ میں گندگی لگی ہو اور جلدی سے اس کو اتار دے تو پڑھی ہوئی نماز باقی رہے گی اور باقی حصہ مکمل کر لے۔ (نماز توڑنے اور از سر نو پڑھنے کی ضرورت نہیں) لیکن اگر ناپاک کپڑے اتارنے میں کسی قدر طویل عمل درکار ہو، جیسے قمیص یا پائجامہ وغیرہ اتارنا ہو تو اسے اتارنے کے بعد از سر نو نماز پڑھنا ہوگی۔ اسی طرح اگر آدمی کو یاد آئے کہ وہ بے وضو ہے یا نماز میں بے وضو ہو گیا ہے، یا ہنس دیا ہے یا اس قسم کی کوئی ایسی حرکت کرے جو نماز کے بطلان کا سبب بنتی ہے تو وہ نماز توڑ دے اور پھر سے نماز ادا کرے۔ [ایضاً، ص ۱۲۳، بحوالہ فتاوی المرأۃ، فتوی: شیخ ابن جبرین]

ایسے کپڑے میں عورت کی نماز جس میں بچے نے پیشاب کر دیا ہو:

سوال: ہوائی جہاز سے سفر کے دوران اگر عورت کے کپڑے میں اس کے بچے کی نجاست لگ جائے اور عورت ان کپڑوں کو بدلنے پر قادر نہ ہو تو کیا وہ انہی ناپاک کپڑوں میں نماز ادا کر سکتی ہے یا وہ زمین پر اترنے اور کپڑے بدلنے تک انتظار کرے پھر نماز ادا کرے؟ خاص کر اس وقت جب اسے یقین ہو کہ وہ نماز کا وقت گذر جانے کے بعد ہی زمین پر اترے گی۔

جواب: عورت پر نماز کے وقت میں ہی نماز پڑھنا واجب ہے اگر چہ اس کے کپڑے ناپاک ہوں کیونکہ وہ ناپاکی کو دھونے یا کپڑے بدلنے سے معذور ہے اور اس پر نماز کا پلٹانا واجب نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ [التغابن:١٦] ''اللہ تعالیٰ سے طاقت بھر ڈرو۔''

اور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((إذَا أَمَرْتُكُم بِأَمْرٍ فَأْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَمَا نَهَيْتُكُم عَنْهُ فَانْتَهُوا))

''جب میں تمہیں کسی امر کے بجالانے کا حکم کروں تو اس کو طاقت بھر بجالاؤ اور اگر کسی چیز سے منع کروں تو اس سے (مکمل طور) پر باز رہو۔'' [افتاء کمیٹی ،ایضاً]

مردوں کی موجودگی میں عورت کی نماز:

سوال: جب عورت کے پاس بہت سے اجنبی مرد ہوں مثلاً مسجد حرام میں، تو وہ کس طرح نماز ادا کرے؟ اسی طرح دورانِ سفر جب کہ راستہ میں کوئی ایسی مسجد نہ ہو جس میں عورتوں کا مصلی الگ ہو تو کیا حکم ہے؟

جواب: عورت پر نماز میں اپنے پورے بدن کا سوائے چہرہ اور ہتھیلیوں کے چھپانا واجب ہے۔ لیکن جب وہ اجنبی مردوں کی موجودگی میں نماز پڑھے اور لوگ اسے دیکھ رہے ہوں تو پھر پورا بدن (بشمول چہرہ اور ہتھیلیاں) چھپانا واجب ہے۔ [فتوی از: افتاء کمیٹی ،ایضاً،ص ۱۲٤]

نماز میں دونوں ہتھیلیوں اور قدموں کے چھپانے کا حکم:

فضیلۃ الشیخ عبداللہ الفوازن نے نماز میں ہتھیلیوں اور قدموں کے چھپانے سے متعلق فرمایا:

علامہ ابن تیمیہؒ نے ذکر کیا ہے کہ ان دونوں کا چھپانا نماز میں لازم نہیں ہے کیونکہ یہ دونوں پردہ میں داخل نہیں ہیں اور ''الانصاف'' نامی کتاب میں اسی قول کو درست کہا گیا ہے۔ رہی ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کیا عورت لمبی چادر (کرتہ) اور دوپٹہ میں ازار بند کے بغیر نماز ادا کر سکتی ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إذَا كَانَ الدِّرْعُ سَابِغًا يُغَطِّي ظُهُوْرَ قَدَمَيْهَا))

''ہاں، جبکہ چادر لمبی ہو جو پاؤں کے اوپر والے حصوں کو بھی چھپا رہی ہو۔''

یہ حدیث نماز میں قدموں کے ڈھانپنے پر بطور دلیل پیش نہیں کی جا سکتی کیونکہ یہ ضعیف ہے اور اکثر و بیشتر اہل علم اسے ضعیف ہی کہتے ہیں۔ لہذا عورت کو نماز میں اپنے ہاتھوں اور قدموں کو چھپانے کا حکم دینا جبکہ اس کے پاس اجنبی مرد نہ ہوں محتاج دلیل ہے۔ عورت صرف قمیص کے ساتھ دوپٹہ استعمال کرنے کی مامور ہے لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمومی فرمان یعنی: ((اَلْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ)) ''عورت سراپا پردہ ہے'' دلالت کرتا ہے کہ ہتھیلیوں اور قدموں کا چھپانا مبنی بر احتیاط ہے۔ [ایضاً]

بغیر دوپٹہ کے عورت کی نماز کا حکم:

فضیلۃ الشیخ عبداللہ الفوازن نے بغیر دوپٹہ کے عورت کی نماز سے متعلق فرمایا:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ صَلَاةَ حَائِضٍ اِلَّا بِخِمَارٍ)) ''اللہ تعالیٰ بالغہ عورت کی نماز بغیر دوپٹہ کے قبول نہیں کرتا''

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عورت کی نماز بغیر دوپٹہ کے قبول نہیں ہے۔ حدیث کا مفہوم مخالف یہ ہوا کہ جب نابالغہ نماز پڑھے تو اسے دوپٹہ میں نماز پڑھنا لازم نہیں ہے۔ [زینة المرأة، از شیخ فوزان، ایضاً]

جب عورت عصر کے وقت پاک ہو تو کیا نمازِ ظہر ادا کرے گی؟

سوال: جب عورت حیض ونفاس سے عصر کے وقت پاک ہو تو کیا عصر کے ساتھ ظہر کی نماز بھی اس پر لازم ہوگی، یا صرف نماز عصر کی ادائیگی لازم ہوگی؟

جواب: اس مسئلہ میں راجح قول یہ ہے کہ اس کو صرف نماز عصر ادا کرنی لازم ہے کیونکہ نماز ظہر کے وجوب پر کوئی دلیل نہیں ہے اور شرعی قاعدہ 'براءۃ الذمہ' ہے (یعنی جب تک کسی چیز کی دلیل موجود نہ ہو انسان شرعاً اس کا مکلف نہیں ہے) علاوہ ازیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((مَنْ اَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْعَصْرِ قَبْلَ اَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ اَدْرَكَ الْعَصْرَ))

''یعنی جس نے سورج ڈوبنے سے پہلے نماز عصر سے ایک رکعت پالی تو یقیناً اس نے عصر پالی''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ اس نے ظہر پالی، اگر نماز ظہر واجب ہوتی تو ضرور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو بھی بیان فرمادیتے۔ نیز اس لیے بھی کہ اگر عورت نماز ظہر کا وقت داخل ہوجانے کے بعد حائضہ ہو تو اس پر صرف ظہر کی قضا لازم ہے، عصر کی نہیں۔ [فتوی از: شیخ ابن عثیمینؒ، بحوالہ: فتاوی برائے خواتین اسلام، ص ۱۲۹]

جب عورت نماز کا وقت ختم ہونے سے پہلے پاک ہو:

سوال: شیخ ابن عثیمینؒ سے سوال کیا گیا کہ: جب عورت وقتِ نماز داخل ہونے کے بعد حائضہ ہوجائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اور کیا پاک ہونے کے بعد اس کے ذمہ اس نماز کی قضا واجب ہے، اور اسی طرح جب نماز کا وقت ختم ہونے سے پہلے پاک ہو تو کیا حکم ہے؟

جواب: جب نماز کا وقت داخل ہونے کے بعد عورت کو حیض آئے اور اس نے حیض آنے سے قبل نماز

نہ پڑھی ہو تو اس پر واجب ہے کہ اس نماز کی، جس کے وقت میں حیض آیا ہے، طہارت کے بعد قضا کرے کیوں کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ((من ادرك ركعة من الصلاة فقد ادرك الصلاة))
''جس نے نماز سے ایک رکعت پالی بلاشبہ اس نے نماز پالی۔''
لہٰذا جب اس نے وقتِ نماز سے ایک رکعت ادا کرنے کی مقدار پالی پھر نماز کی ادائیگی سے قبل حائضہ ہوگئی تو جب وہ پاک ہوگی اس پر اس کی قضا لازم ہوگی۔
اور جب وقتِ نماز ختم ہونے سے پہلے عورت پاک ہوجائے تو اس پر واجب ہے کہ اس نماز کو ادا کرے، لہٰذا اگر سورج نکلنے سے ایک رکعت نماز ادا کرنے کی مقدار پہلے پاک ہوجائے تو اس پر نماز فجر واجب ہوگی اور اگر سورج ڈوبنے سے ایک رکعت نماز ادا کرنے کی مقدار پہلے پاک ہوجائے تو نماز عصر واجب ہوگی اور اگر آدھی رات گزرنے سے ایک رکعت ادا کرنے کی مقدار پہلے پاک ہوجائے تو اس پر نماز عشاء واجب ہوگی اور جب فجر کا وقت داخل ہو تو وہ نماز فجر ادا کرے گی۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:
﴿فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِیْمُوا الصَّلَاۃَ اِنَّ الصَّلَاۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتَابًا مَّوْقُوْتًا﴾[النساء: ۱۰۳]
''پس جب اطمینان حاصل ہوجائے تو نماز قائم کرو یقیناً نماز مومنوں پر مقررہ وقتوں پر فرض ہے۔''
لہٰذا یہ جائز نہیں کہ نماز کے وقت کو موخر کرے یا وقتِ نماز شروع ہونے سے پہلے نماز کو ادا کیا جائے۔

قضا نمازوں کی ادائیگی میں ترتیب:

سوال: افتاء کمیٹی سے دریافت کیا گیا کہ: جس وقت کسی آدمی کو یاد آئے کہ اس نے فجر، ظہر اور عصر کی نمازیں ادا نہیں کیں تو ان نمازوں کی قضا کی ترتیب کیا ہوگی؟

جواب: فوت شدہ نمازوں کی قضا فوراً واجب ہے اور اسی ترتیب سے یہ ادا کی جائیں گی جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہے۔ یعنی پہلے فجر، پھر ظہر، پھر عصر۔ [فتاوی اللجنة، ج٦ ص ١٥٩، بحوالہ: فتاویٰ برائے خواتینِ اسلام، ص ١٣١]

عورتوں کی نماز باجماعت کا کیا حکم ہے؟

فضیلۃ الشیخ صالح الفوازن نے عورتوں کی نماز باجماعت سے متعلق فرمایا کہ: ''عورتوں کی نماز باجماعت کے مسئلہ میں علماء کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض اسے جائز سمجھتے ہیں اور بعض جائز نہیں سمجھتے، البتہ اکثر

علماء جواز ہی کے قائل ہیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے ام ورقہ کو اپنے گھر والوں کی امامت کا حکم دیا تھا۔ بعض اہل علم اس حدیث کی روشنی میں عورت کی امامت عورتوں کے لیے مستحب قرار دیتے ہیں اور بعض نے اس کو غیر مستحب اور بعض نے مکروہ کہا ہے جبکہ بعض نفل نمازوں میں اس کے جواز کے قائل ہیں فرض میں نہیں اور راجح قول یہ ہے کہ یہ ایک مستحب عمل ہے اور جب عورت کی قرأت کو غیر محرم نہ سنتے ہوں تو پھر وہ جہری نمازوں میں جہری قرأت کرے گی۔ [التنبیهات از شیخ فوزان، ص ۲۸]

نماز کے لیے مسلمان عورت کا مسجد جانا:

سوال: افتاء کمیٹی سے دریافت کیا گیا: ایک سائل اپنی بابت کہتا ہے کہ وہ مسیحی پیدا ہوا پھر اسلام میں داخل ہوا اور اس کی بیوی بھی مسلمان ہو گئی کسی ایک جمعہ میں جب وہ اپنی بیوی کے ہمراہ مسجد جانے لگا تو اس سے کہا گیا کہ مسلمان عورت کا مسجدوں میں داخل ہونا ممنوع ہے؟ چنانچہ وہ ایک امام مسجد کے پاس گیا اور اس سے یہ مسئلہ پوچھا۔ اس امام نے جواب دیا کہ تمام عورتیں پاک نہیں ہوتیں اور مکہ مکرمہ میں بھی مسلمان عورتیں مساجد میں داخل نہیں ہوتیں اور نہ انہیں اس کی اجازت ہے۔

سائل دریافت کرتا ہے کہ کیا مذکورہ بات صحیح ہے اور کیا اس کا تعلق اسلام کے بنیادی امور سے ہے اور واضح رہے کہ مسیحی عورتیں گرجاؤں میں عبادت کے لیے جاتی ہیں۔ پھر مسلمان عورتیں دخولِ مسجد سے کیوں کر محروم ہوں گی؟

جواب: مسلمان عورت کے لیے مسجد میں نماز ادا کرنا جائز ہے، حتیٰ کہ اگر وہ شوہر سے مسجد جانے کی اجازت طلب کرے تو شوہر کے لیے اسے منع کرنا جائز نہیں بشرطیکہ وہ پردہ میں ہو اور اس کے جسم کا کوئی ایسا حصہ کھلا نہ ہو جسے دیکھنا اجنبیوں کے لیے حرام ہے، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اذااستأذنكم نساؤكم الى المساجدفأذنوالهن))وفي رواية ((لاتمنعواالنساء حظوظهن من المساجداذااستأذنكم فقال بلال وهوابن لعبدالله بن عمر،والله لنمنعهن،فقال له عبدالله:اقول لك قال رسول الله وتقول انت:لنمنعهن))[صحيح مسلم]

''یعنی جب تمہاری عورتیں مسجد جانے کی اجازت مانگیں تو انہیں اجازت دے دو۔'' ایک روایت میں

ہے کہ ''مسجد جانے کا جو حق عورتوں کو حاصل ہے، اس سے انہیں محروم نہ کرو، بشرطیکہ وہ تم سے اجازت مانگیں۔'' عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے بلال نے جب ابن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت سنی تو کہا: قسم اللہ کی! ہم انہیں ضرور روکیں گے، تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تم سے کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (کہ عورتوں کو مسجدوں سے نہ روکو) اور تم کہتے ہو کہ ہم ضرور روکیں گے!''

اگر عورت بے پردہ ہو یا خوشبو لگائے ہو تو ایسی حالت میں اس کا گھر سے باہر نکلنا ہی جائز نہیں تو پھر ایسی حالت میں نماز کے لیے مسجد جانا کیسے جائز ہو سکتا ہے کیونکہ اس صورت میں فتنہ پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ﴾ [النور: ۳۱]

''اور مومن عورتوں سے کہیے کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو ظاہر ہے اور اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیاں ڈالے رکھیں اور اپنی آرائش کو کسی کے سامنے ظاہر نہ کریں سوائے اپنے خاوندوں کے۔''

حضرت زینب رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اذا شهدت احداكن العشاء فلا تتطيب تلك الليلة)) وفي رواية ((اذا شهدت احداكن المسجد فلا تمس طيبا)) [رواهما مسلم]

''یعنی جب کوئی عورت عشاء کی نماز میں حاضر ہو تو اس رات خوشبو نہ ملے۔'' دوسری روایت میں ہے:

''جب تم میں سے کوئی عورت مسجد آئے تو خوشبو لگا کر نہ آئے۔''

عمرہ بنت عبدالرحمٰن فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا کہ انہوں نے کہا: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس چیز (یعنی بے پردگی) کو دیکھ لیتے جو ان کے بعد عورتوں نے پیدا کی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ضرور مسجد آنے سے منع فرما دیتے، جس طرح بنی اسرائیل کی عورتیں منع کر دی گئیں۔ عمرہ سے پوچھا گیا کیا بنی اسرائیل کی عورتیں مسجد سے روک دی گئی تھیں؟ تو انہوں نے کہا: ہاں! [صحیح مسلم]

مذکورہ بالا دلائل واضح طور پر اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اگر مسلمان عورت اپنے لباس میں اسلامی آداب و شرائط کو ملحوظ رکھے اور فتنہ میں ڈالنے والے بناؤ سنگھار سے اجتناب کرے تو اسے مسجد میں نماز ادا

کرنے سے روکا نہیں جائے گا۔اور اگر وہ شرپسندوں کے شر میں واقع ہونے اور مریض القلب لوگوں کے فتنہ میں پڑنے کا سبب بنتی ہو تو اسے مسجد میں داخل ہونے سے روک دیا جائے گا۔ بلکہ ایسی صورت میں گھر سے باہر نکلنے اور عام مجالس میں شریک ہونے سے بھی اسے روک دیا جائے گا۔

سوال میں مکہ مکرمہ میں عورتوں کے مسجد میں داخلہ پر پابندی کی جو بات کہی گئی ہے، وہ صحیح نہیں، کیونکہ انہیں مسجد حرام میں داخل ہونے اور نماز باجماعت ادا کرنے کی اجازت ہے، البتہ اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ عورتیں اپنی متعینہ جگہوں اور گوشوں میں بیٹھیں تاکہ مردوں کے ساتھ نماز میں ان کا اختلاط نہ ہو۔[فتاوی اللجنۃ الدائمۃ: ج ۷ ص ۳۳۰-۳۳۲]

نمازی کے آگے سے عورت کے گزرنے سے نماز ٹوٹ جائے گی:

سوال: حرم میں امام کے ساتھ یا اکیلے نماز ادا کرنے والے کے آگے سے عورت گزر جائے تو کیا اس کی نماز باطل ہو جائے گی؟

جواب: اس سلسلہ میں صحیح مسلم میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((يقطع صلاة المرء المسلم اذالم يكن بين يديه مثل مؤخرة الرحل: المرأة والحمار والكلب الاسود))

''یعنی اگر نمازی کے سامنے سترہ (رکاوٹ) نہ ہو تو عورت، گدھا اور کالا کتا اس کی نماز کو باطل کر دیتے ہیں''

اور اگر اس کے سامنے سترہ (رکاوٹ) ہو مگر عورت، اس کے اور اس کے سترہ کے درمیان سے گزر جائے تو تب بھی اس کی نماز باطل ہو جائے گی اور اس پر از سر نو نماز کی ادائیگی واجب ہوگی۔ خواہ وہ آخری رکعت ہی میں کیوں نہ ہو۔ واضح رہے کہ نمازی کے آگے سے گزرنا سخت ممنوع ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والا یہ جان لے کہ اس کا کتنا سخت گناہ ہے تو وہ نمازی کے آگے سے گزرنے کی بجائے چالیس (سال) تک انتظار کرنا بہتر سمجھے گا۔'' [دروس وفتاوی الحرم المکی للشیخ ابن عثیمین: ج ۲ ص ۲۳۳]

عورت نمازِ جمعہ ادا کر لے تو کیا نمازِ ظہر ساقط ہو جائے گی:

سوال: جب عورت جمعہ کی نماز ادا کر لے تو کیا اس سے نماز ظہر ساقط ہو جائے گی؟

جواب: جب عورت امام کی اقتداء میں نماز جمعہ ادا کر لے تو یہ نمازِ ظہر سے کفایت کر جائے گا۔ لہذا اس کے لیے اس دن کی نماز ظہر پڑھنا درست نہیں۔ یاد رہے کہ تنہا ہونے کی صورت میں نماز جمعہ نہیں ہوتی بلکہ پھر نماز ظہر ہی ادا کرنا ہوگی۔ [فتاوی اللجنة الدائمة: ج۸ص ۲۱۲]

مسلسل پیشاب میں مبتلا عورت کی نماز:

سوال: ایک حاملہ عورت حمل کے نویں مہینہ میں مسلسل پیشاب جاری ہونے کی بیماری میں مبتلا رہی اور اس ماہ اس نے نماز نہ پڑھی تو کیا یہ عمل ترکِ نماز سمجھا جائے گا اور اس عورت کو اب کیا کرنا چاہیے؟

جواب: ایسی حالت میں مبتلا کسی بھی عورت کے لیے نماز چھوڑنا درست نہیں ہے، بلکہ اس حالت میں بھی نماز ادا کرنا واجب ہے۔ ایسی عورت کو چاہیے کہ نماز کا وقت داخل ہونے کے بعد وضو کرے جس طرح مستحاضہ عورت وضو کرتی ہے اور پیشاب سے حفاظت اور بچاؤ کے لیے روئی وغیرہ کا استعمال کرے اور نماز کو اس کے وقت پر ادا کرے۔ اس کے لیے نوافل ادا کرنا بھی جائز ہے اور دو وقتوں کی نمازیں جمع کرنا بھی درست ہے، یعنی ظہر وعصر ایک ساتھ، مغرب وعشاء ایک ساتھ جیسا کہ مستحاضہ عورت کے لیے رخصت ہے۔ لہذا ایسی عورت پر لازم ہے کہ وہ متروکہ نمازوں کی قضا کرے اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے اور اپنی اس حرکت پر نادم ہو اور پختہ ارادہ کرے کہ آئندہ اس طرح کی حرکت نہیں کرے گی۔ [فتاوی الدعوة: للشیخ ابن باز: ج۱ ص ٤٤]

دورانِ نماز اگر دروازے کی گھنٹی بجے؟

سوال: دورانِ نماز اگر دروازے کی گھنٹی بجے اور گھر میں میرے سوا کوئی نہ ہو تو میں کیا کروں؟

جواب: جب آپ نفل نماز میں مشغول ہوں تو پھر اس مسئلہ میں وسعت ہے، یعنی نماز توڑنے اور گھنٹی بجانے والے کی پہچان کرنے میں کوئی مانع نہیں، لیکن اگر آپ فرض نماز میں مشغول ہوں تو پھر جلدی کرنا مناسب نہیں ہے، الا یہ کہ کوئی نہایت اہم معاملہ ہو اور اس کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ اور اگر گھنٹی بجانے والے کو 'تصفیق' (یعنی دائیں ہتھیلی کے اندرونی حصے سے بائیں ہتھیلی کے پشت پر مارنے) کے ذریعے مطلع کرنا ممکن ہو تو ایسا کیا جائے اور اگر دوری کی وجہ سے یا دروازہ پر کھڑے شخص کے نہ سننے کی وجہ

سے یہ ممکن نہ ہو تو پھر ضرورتاً نماز توڑنے میں حرج نہیں ہے۔ البتہ فرض نماز کا از سرِ نو اعادہ کیا جائے گا۔

[فتوی از: شیخ ابن باز، بحوالہ: فتاوی المرأۃ، ج۲ ص۳۵]

شوہر کی امامت:

سوال: کیا میرے لیے جائز ہے کہ میں نماز میں اپنے شوہر کی امامت کروں؟ چونکہ میں ان سے زیادہ پڑھی لکھی اور مسائل دینیہ سے واقف ہوں۔

جواب: عورت کے لیے مرد کی امامت جائز نہیں ہے خواہ وہ اس کا شوہر ہو یا بیٹا ہو یا باپ کیونکہ عورتوں کے لیے مردوں کی امامت شرعاً جائز نہیں ہے اور اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((لن يفلح قوم ولوا امرهم امرأة))

''یعنی وہ قوم ہرگز کامیاب نہیں ہوگی جس نے اپنے معاملات کا ذمہ دار عورت کو بنایا ہو۔''

چاہے عورت مرد سے زیادہ تعلیم یافتہ ہو وہ اس کی امامت نہیں کر سکتی۔ [فتاوی المرأۃ ایضاص: ۳۸]

کیا عورت ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر نماز پڑھ سکتی ہے؟

سوال: کیا عورت اپنے گھر میں ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر نماز کی قرات اور تکبیر سن کر امام کی اقتداء میں نماز ادا کر سکتی ہے؟

جواب: نہیں، ایسی صورت میں امام کی اقتداء جائز نہیں خواہ امام فرض نماز پڑھ رہا ہو یا نفل۔ اور خواہ وہ عورت امام کی قرأت و تکبیر سن رہی ہو۔ [فتوی از: افتاء کمیٹی، بحوالہ: فتاوی اللجنۃ الدائمۃ: ج۸ ص۳۱]

بغیر سر ڈھانپے سجدۂ تلاوت:

سوال: جب عورت قرآن مجید کی تلاوت کے دوران سجدہ کی آیت سے گزرے تو کیا وہ بغیر سر ڈھکے سجدۂ تلاوت کر سکتی ہے؟ اگر نہیں، تو وہ کیا کرے؟

جواب: بہتر یہ ہے کہ ایسی صورت میں عورت سر ڈھک کر سجدۂ تلاوت کرے۔ اور اگر بغیر اوڑھنی کے وہ سجدۂ تلاوت کر لے تو ہم امید کرتے ہیں کہ اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ سجدۂ تلاوت نماز کے حکم میں نہیں ہے، بلکہ یہ اسی طرح اللہ کا قرب حاصل کرنے کا ایک طریقہ ہے جس طرح دوسرے اذکار اور نیکی کے کاموں سے اللہ کا قرب حاصل کیا جاتا ہے۔ [ایضا: فتوی اللجنۃ الدائمہ: ج۷ ص۲۶۳]

دورانِ نماز حرکت، اور آئینے یا تصویر وغیرہ کے سامنے نماز:

سوال: کیا عورت حالتِ نماز میں گردن میں ہار یا ہاتھ میں انگوٹھی پہن سکتی ہے؟ اسی طرح آئینے اور تصویر کے سامنے کھڑے ہو کر نماز ادا کر سکتی ہے؟

جواب: مسلمان پر واجب ہے کہ وہ حالتِ نماز میں ہر اس چیز سے دور رہے جو اس کی توجہ نماز سے ہٹانے کا ذریعہ بنے لہٰذا یہ مناسب نہیں ہے کہ آئینے کے سامنے یا کھلے ہوئے دروازے کی طرف یا کسی اور مشغول کرنے والی اور خیالات پیدا کرنے والی چیز کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جائے۔ اسی طرح ایسی جگہ پر نماز پڑھنا بھی مناسب نہیں جہاں تصویریں لٹکائی گئی ہوں کیونکہ اس میں ایک لحاظ سے ان لوگوں سے مشابہت بھی ہے جو تصویروں کی پوجا کرتے ہیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ تصویریں نماز میں توجہ ہٹانے کا باعث بنتی ہیں۔ اسی طرح عورت کا نماز کی حالت میں زیور پہننا بھی درست نہیں کیونکہ اس سے اس کی توجہ ہٹ جاتی ہے۔ لہٰذا یہ جائز نہیں کہ بحالتِ نماز وہ کوئی ایسا عمل کرے جو نماز سے اس کی توجہ ہٹا دے، اس لیے زیور پہننے کے عمل کو نماز سے فارغ ہونے تک مؤخر کر دے، البتہ اگر نماز کی حالت میں ہی وہ کوئی ایسا زیور پہنے جس میں زیادہ وقت صرف نہ ہو تو پھر اس کی نماز صحیح ہے کیونکہ معمولی عمل سے نماز کی صحت متاثر نہیں ہوتی جیسے کپڑے یا عمامہ کو سیدھا کرنا، یا گھڑی پہننا وغیرہ۔ [فتوی از: افتاء کمیٹی، مجلة البحوث الاسلامية]



فصل ۴:

عورت اور روزہ

اسلام کے بنیادی ارکان پانچ ہیں جن میں ایک 'روزہ' بھی ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: (۱) کلمہ توحید کا اقرار (۲) نماز کی پابندی (۳) زکاۃ کی ادائیگی (۴) رمضان کے روزے (۵) بیت اللہ کا حج۔''[1]

'روزہ' اس بات کا نام ہے کہ انسان فجر صادق کے طلوع ہونے سے لے کر غروب شمس تک ہر قسم کے کھانے پینے سے رُکا رہے۔ اور شادی شدہ ہونے کی صورت میں جنسی تعلقات (جماع) سے بھی اس وقت میں گریز کرے۔ بھوکے پیاسے اور خواہشات سے دور رہنے کا یہ عمل انتہائی افضل عبادت کی شکل اختیار کر لیتا ہے بشرطیکہ اسے اللہ کی رضا کے لیے بجالایا جائے اور اسے ہی شرعی اعتبار سے 'روزہ' کہا جاتا ہے۔

روزے کی فضیلت:

رمضان المبارک کے روزوں کی بہت زیادہ فضیلت احادیث میں بیان ہوئی ہیں مثلاً:

۱)..... حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ))

''جس شخص نے حالتِ ایمان میں اور حصولِ ثواب کے لیے رمضان کے روزے رکھے، اس کے گزشتہ تمام (صغیرہ گناہ) معاف کر دیئے جاتے ہیں۔''[2]

۲)..... حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

((كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ لَهُ اِلَّا الصِّيَامُ فَاِنَّهُ لِي وَاَنَا اَجْزِي بِهِ ...... اَوْقَاتَلَهُ فَلْيَقُلْ اِنِّي امْرُؤٌ صَائِمٌ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَخُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ اَطْيَبُ عِنْدَاللهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ يَفْرَحُهُمَا اِذَا اَفْطَرَ فَرِحَ وَاِذَا لَقِيَ رَبَّهُ فَرِحَ بِصَوْمِهِ))

(۱) بخاری: کتاب الایمان: باب قول النبی ﷺ: بنی الاسلام علی خمس۔

(۲) بخاری: کتاب الصوم: باب من صام رمضان ایمانا (ح ۱۹۰۱)

''ابنِ آدم کا ہر عمل اسی کے لیے ہے سوائے روزہ کے۔ یہ (روزہ) خاص میرے لیے ہے اور میں ہی اسے اس کا اجر دوں گا...... روزہ (گناہوں کے مقابلہ میں) ڈھال ہے۔ لہٰذا جب تم میں سے کسی شخص کا روزہ ہو تو اسے چاہیے کہ گالی گلوچ اور شور وشغب نہ کرے۔ اگر کوئی اور شخص اسے گالی دے یا اس سے لڑائی جھگڑا کرے تو یہ اسے کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں۔ (اس لیے تمہیں جواب نہیں دوں گا) اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! بے شک روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کو کستوری (مشک) کی خوشبو سے بھی زیادہ پسند ہے۔ روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں۔ ایک تو روزہ افطار کرتے وقت اور دوسری اس وقت ہوگی جب وہ اپنے رب سے ملاقات کرے گا اور اپنے روزے (کے اجر) سے خوش ہوگا۔''[(۱)]

۳)..... حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ابن آدم کے ہر نیک عمل کا ثواب دس گنا سے سات سو گنا تک بڑھا دیا جاتا ہے البتہ روزے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ یہ خاص میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا اجر دوں گا کیونکہ روزہ دار میری خاطر اپنی شہوت اور کھانا پینا چھوڑتا ہے۔''[(۲)]

۴)..... حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جنت کے ایک دروازے کا نام 'ریان' ہے (یعنی اچھی طرح سیراب کرنے والا) قیامت کے روز صرف روزہ دار حضرات اس دروازے سے گزر کر جنت میں جائیں گے۔ اعلان ہوگا کہ روزہ دار کہاں ہیں؟ چنانچہ روزہ دار کھڑے ہو جائیں گے اور ان کے علاوہ کوئی اور اس دروازے سے نہیں گزرے گا۔ جب روزہ دار اس دروازے سے گزر کر جنت میں چلے جائیں گے تو یہ دروازہ بند کر دیا جائے گا۔''[(۳)]

رمضان کے روزے فرض ہیں:

رمضان المبارک کے روزے ہر عاقل، بالغ مسلمان پر فرض ہیں الا یہ کہ کوئی عذر لاحق ہو۔ عذر سے

(۱) بخاری: کتاب الصوم: باب هل یقول انی صائم اذا شتم (ح ۱۹۰۴)
(۲) مسلم: کتاب الصیام: باب فضل الصیام (۱۱۵۱-۱۱۶۴)
(۳) بخاری: کتاب الصوم: باب الریان للصائمین (۱۸۹۶)

کیا مراد ہے؟ اور عذر کی صورت میں روزے کے احکام پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟ اس کی تفصیل آ گے آ ئے گی۔ جہاں تک رمضان کے روزوں کی فرضیت کا تعلق ہے تو اس کی دلیل یہ آیت مبارکہ ہے:

﴿ يَاأَيُّهَاالَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴾

''اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تا کہ تم پرہیز گار بن جاؤ۔'' [البقرۃ:۱۸۳]

اسی طرح صحیح احادیث میں یہ بات موجود ہے کہ آپ ﷺ نے رمضان کے روزوں کو اسلام کے ارکانِ خمسہ میں سے ایک رکن قرار دیا ہے۔(۱)

صحتِ روزہ کی شرائط

روزہ کے درست ہونے کی بنیادی شرائط یہ ہیں: (۱) اخلاصِ نیت (۲) مفسداتِ روزہ سے اجتناب۔

۱)......اخلاصِ نیت:

روزہ ایک عبادت ہے اور کسی بھی عبادت کی مقبولیت کے لیے نیت کا خالص ہونا ضروری ہے۔ یعنی وہ عمل صرف اور صرف اللہ کو راضی کرنے کی نیت سے کیا جائے، ارشادِ نبوی ہے:

((إِنَّمَاالْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ)) ''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔''(۲)

واضح رہے کہ نیت کا تعلق دل سے ہے کیونکہ دل کے ارادے اور عزم کو نیت کہا جاتا ہے اور نیت کے لیے ضروری نہیں کہ زبان سے بھی انسان اپنی نیت (ارادے) کو دہرائے بلکہ روزمرہ معاملات میں کوئی شخص بھی ایسا آپ کو دکھائی نہیں دے گا جو اپنے ہر کام سے پہلے اسے زبان سے دہراتا ہو۔ اور بعض لوگوں نے روزے کی نیت کے لیے جو یہ الفاظ اختیار کر رکھے ہیں:

((وَبِصَوْمِ غَدٍ نَوَيْتُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ)) ''میں نے ماہِ رمضان کے کل کے روزے کی نیت کی۔''

تو ان الفاظ کے بارے میں یاد رکھیے کہ کسی بھی صحیح حدیث سے ان کا ثبوت نہیں ملتا۔ اس لیے اسے حدیث نبویؐ خیال کر کے پڑھنا یا بیان کرنا یا کیلنڈروں وغیرہ پر تحریر کرنا انتہائی غلط بات ہے۔

---

(۱) بخاری: کتاب الایمان (ح۸)

(۲) بخاری: کتاب بدء الوحی: باب کیف کان بدء الوحی (ح۱)

روزہ رکھنے سے پہلے دل میں اس کی نیت کرنا ضروری ہے یعنی سحری کھانے سے پہلے آدمی یہ ارادہ کرلے کہ میں روزے کے لیے سحری کھارہا ہوں کیونکہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ لَمْ يُجَمِّعِ الصِّيَامَ قَبْلَ الْفَجْرِ فَلَاصِيَامَ لَهُ))

''جس شخص نے فجر سے پہلے روزے کی نیت نہ کی اس کا روزہ نہیں ہے۔''(۱)

اگر کوئی شخص روزے کی نیت کر کے سوجائے اور سحری کے وقت اٹھ نہ سکے تو جب وہ بیدار ہو، اس وقت نہ کچھ کھائے اور نہ پیئے اور افطاری تک اپنا روزہ پورا کرے۔

۲)......مفسداتِ روزہ (یعنی روزہ توڑنے والی چیزیں):

صحتِ روزہ کے لیے دوسری شرط یہ ہے کہ روزہ دار حالتِ روزہ میں ان تمام چیزوں سے اجتناب کرے جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ روزہ توڑنے والی چیزوں کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱)......قصداً کھانا پینا:

اس بات پر علمائے امت کا اجماع ہے کہ قصداً کھانے پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ روزہ کہتے ہی اس بات کو ہیں کہ روزہ دار فجر سے لے کر غروبِ آفتاب تک بھوکا پیاسا رہے۔ البتہ اگر کوئی شخص حالت روزہ میں بھول کر کھا پی لے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((إِذَانَسِيَ فَأَكَلَ وَشَرِبَ فَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ فَإِنَّمَا أَطْعَمَهُ اللّٰهُ وَسَقَاهُ))

''جب روزہ دار بھول کر کچھ کھالے یا پی لے تو وہ اپنا روزہ پورا کرے کیونکہ اسے اللہ نے کھلایا اور اللہ نے پلایا ہے۔''(۲)

اگر روزہ دار بھول کر کھا پی رہا ہو تو دیکھنے والا شخص اسے یاددہانی کروادے۔ اور ایسا کوئی مسئلہ احادیث سے ثابت نہیں کہ اسے دیکھنے والا جان بوجھ کر خاموش رہے۔

---

(۱) ابوداؤد (ح ۲۴۵۴)، ترمذی (ح ۷۳۰)

(۲) بخاری: کتاب الصوم: باب الصائم اذا اکل وشرب ناسیا (ح ۱۹۳۳)

۲)......قصداً قے کرنا:

قصداً قے کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من ذرعه القيء وهو صائم فليس عليه قضاء وان استقاء فليقض))[1]

''جسے حالتِ روزہ میں خود بخود قے آ جائے تو اس پر قضا نہیں (کیونکہ اس کا روزہ نہیں ٹوٹا) اور اگر کوئی شخص عمداً (جان بوجھ کر) قے کرے تو وہ روزے کی قضائی دے (کیونکہ اس کا روزہ ٹوٹ چکا ہے)''

۳)......حیض ونفاس:

حالتِ روزہ میں اگر عورت کو حیض یا نفاس کا خون شروع ہو جائے تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، کیونکہ اس حالت میں روزہ رکھنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے جیسا کہ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ عید الاضحیٰ یا عید الفطر کے موقع پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے پاس سے گزرے اور فرمایا:

((اَلَيْسَ اِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ؟قُلْنَ بَلٰى))

''کیا ایسا نہیں ہے کہ عورت ماہواری کے ایام میں نہ نماز پڑھتی ہے اور نہ روزہ رکھتی ہے؟ عورتوں نے کہا ہاں، ایسا ہی ہے۔''[2]

واضح رہے کہ حالتِ حیض کی نمازیں تو عورت سے معاف کر دی گئی ہیں مگر اس حالت میں چھوڑے گئے روزے اسے معاف نہیں کیے گئے بلکہ ان روزوں کی اسے بعد میں قضائی دینا ہوگی۔

۴)......جماع:

اگر حالتِ روزہ میں میاں بیوی قصداً جماع کریں تو ایسا کرنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا اور اس فعل کی سزا کی وجہ سے مرد کو کفارہ بھی ادا کرنا پڑے گا جیسا کہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

''ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی آیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! میں ہلاک ہوگیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا ہوا؟ اس نے کہا کہ میں حالتِ روزہ میں اپنی بیوی سے جماع کر بیٹھا ہوں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم ایک غلام آزاد کرنے کی استطاعت رکھتے

---

(۱) ابوداؤد (ح ۲۳۸۰)، ترمذی (ح ۷۱۶)، ابن ماجہ (۱۶۷۶) (۲) بخاری (ح ۳۰۴)

ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ پھر آپ نے پوچھا کیا تم دو ماہ کے مسلسل روزے رکھنے کی طاقت رکھتے ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ پھر آپؐ نے پوچھا کیا تم اتنی استطاعت رکھتے ہو کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکو؟ اس نے کہا نہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ خاموش ہو گئے۔ اسی اثنا آپؐ کے پاس کھجوروں کا ایک ٹوکرہ لایا گیا، آپ نے پوچھا کہ مجھ سے سوال کرنے والا کہاں ہے؟ سائل نے کہا میں حاضر ہوں۔ آپؐ نے اس سے کہا کہ یہ کھجوریں لو اور جا کر انہیں صدقہ کر دو۔ اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہاں دو پہاڑوں کے درمیان تو کوئی گھرانہ ایسا نہیں جو میرے گھرانے سے زیادہ محتاج ہو! نبی اکرم ﷺ اس بات پر اتنا ہنسے کہ آپ کی داڑھیں نظر آنے لگیں اور آپؐ نے فرمایا: جاؤ یہ کھجوریں اپنے گھر والوں کو کھلا دو۔" (۱)

حالتِ روزہ میں مباح (جائز) امور

۱)......غسل کرنا:

حالتِ روزہ میں غسل کرنا جائز ہے جیسا کہ ابوبکر بن عبدالرحمٰن سے مروی ہے کہ انہیں نبی اکرم ﷺ کے صحابہ میں سے ایک صحابی نے بیان کیا کہ

((لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ بِالْعَرَجِ يَصُبُّ عَلٰى رَأْسِهِ الْمَاءَ وَهُوَ صَائِمٌ مِنَ الْعَطَشِ أَوْ مِنَ الْحَرِّ))

"میں نے حضور نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ روزہ کی حالت میں تھے اور گرمی یا پیاس کی وجہ سے اپنے سر پر پانی بہا رہے تھے۔" (۲)

اسی طرح اگر کوئی شخص جنبی حالت میں صبح کرے اور وقت کی کمی کی وجہ سے غسل کرنے سے پہلے روزہ رکھ لے اور بعد میں غسلِ جنابت کرے تو ایسا کرنا جائز ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ اس طرح کر لیا کرتے تھے۔ (۳)

۲)......مسواک (منجن) کرنا:

حالتِ روزہ میں مسواک کرنے میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

(۱) بخاری (ح۱۹۳۶)

(۲) ابوداؤد: کتاب الصیام (ح۲۳۶۵)

(۳) دیکھیے: بخاری: کتاب الصوم: باب الصائم یصبح جنبا، باب اغتسال الصائم

((رأیت النبی ﷺ یستاك وھو صائم مالا احصی اواعد))[1]

''میں نے حضور نبی کریمؐ کو روزہ کی حالت میں اتنی مرتبہ مسواک کرتے ہوئے دیکھا کہ گن نہیں سکتا۔''

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ((یستاك اول النھار و آخرہ))

''حضورؐ (روزہ کی حالت میں) دن کے پہلے حصہ میں بھی مسواک کرتے اور آخری حصہ میں بھی مسواک کرلیا کرتے تھے۔''[2]

محمد بن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ

''تر مسواک میں بھی کوئی حرج نہیں۔ کسی نے ان سے کہا کہ اس میں تو ذائقہ ہوتا ہے؟ آپ نے کہا ذائقہ تو پانی میں بھی ہوتا ہے جبکہ تم حالت روزہ میں اس سے کلی کرتے ہو!''[3]

اس سے معلوم ہوا کہ بعض مسواکیں ذائقہ دار ہوتی ہیں مگر ان سے دانت صاف کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اسی پر قیاس کرتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ منجن (ٹوتھ پیسٹ) کرنے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا بشرطیکہ یہ حلق سے معدہ میں نہ جائے۔

۳)......ہنڈیا کا ذائقہ (نمک، مرچ) چکھنا:

منجن کی طرح ہنڈیا سے نمک، مرچ، مسالہ (ذائقہ) چکھنے کو بھی ذائقے والی مسواک پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ علاوہ ازیں بعض صحابہؓ سے بھی اس سلسلہ میں جواز کے فتوے موجود ہیں مثلاً حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((لاباس ان یتطعم القدر اوالشیء))[بخاری:ایضاً]

''روزہ دار ہنڈیا یا کسی اور دوسری چیز کا ذائقہ چکھ لے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔''

لیکن یہ احتیاط کی جائے کہ ذائقہ معلوم کرنے کے بعد متعلقہ چیز کو منہ میں نگلا نہ جائے بلکہ اسے تھوک دیا جائے اور کلی کر لی جائے۔

۴)......قے آنا:

قصداً قے کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے مگر خودبخود قے آنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ دلیل گزر چکی ہے۔

(۱) بخاری: کتاب الصوم: باب سواک الرطب والیابس للصائم۔

(۲) بخاری: کتاب الصوم: باب اغتسال الصائم (۳) ایضاً

۵)......غیر ارادی طور پر کسی چیز کا حلق میں جانا:

اگر غیر ارادی طور پر کوئی چیز مثلاً مکھی، مچھر، پانی وغیرہ (معدہ) میں چلا جائے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا جیسا کہ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں:

((اذادخل حلقه الذباب فلاشيء عليه)) ''اگر حلق میں مکھی چلی جائے تو کوئی حرج نہیں۔''[۱]

اسی طرح اگر تالاب میں نہاتے یا وضو اور غسل کرتے ہوئے غیر ارادی طور پر پانی حلق سے معدہ میں اتر جائے تو اس سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا۔

۶)......سرمہ لگانا:

حضرت انس رضی اللہ عنہ، حسن بصریؒ، اور ابراہیم نخعیؒ سے منقول ہے کہ وہ روزہ کی حالت میں سرمہ لگانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔[۲]

۷)......تیل لگانا، کنگھی کرنا:

روزے کی حالت میں تیل لگانے اور کنگھی کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

((اذا كان يوم صوم احدكم فليصبح دهينامترجلا))

''جب تم میں سے کسی نے روزہ رکھا ہو تو اسے چاہیے کہ تیل لگا کر اور کنگھی کر کے صبح کرے۔''[۳]

۸)......میاں بیوی کی بوس و کنار بشرطیکہ:

حالتِ روزہ میں میاں بیوی کی باہمی بوس و کنار جائز ہے بشرطیکہ دونوں اپنی خواہش پر کنٹرول رکھ سکتے ہوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ

((كان النبيؐ يقبل ويباشروهوصائم وكان املكم لاربه))

''اللہ کے رسول ﷺ حالت روزہ میں اپنی بیوی سے مباشرت (بوس و کنار وغیرہ) کرتے تھے مگر وہ تم سب سے زیادہ اپنی خواہش پر کنٹرول رکھتے تھے۔''[۴]

---

(۱) بخاری: کتاب الصوم: باب الصائم اذا اكل اوشرب ناسيا

(۲) بخاری: کتاب الصوم: باب اغتسال الصائم

(۳) بخاری: ایضاً

(۴) بخاری: [illegible]

۹)......حالتِ روزہ میں اَدویات کا استعمال:

حالتِ روزہ میں جسم کے بیرونی حصہ پر کسی بھی طرح کی دوا استعمال کی جاسکتی ہے بشرطیکہ وہ حلق، معدہ اور پیٹ تک نہ پہنچے مثلاً جسم کے کسی حصہ پر زخم ہو تو اس پر دوا لگائی جاسکتی ہے۔ ورم ہو تو اس پر مالش کی جاسکتی ہے۔ لیکن اگر ناک، کان، آنکھ وغیرہ میں ایسی دوا ڈالی جائے جو حلق (معدے) تک جا پہنچے تو اس سے روزہ ٹوٹے گا یا نہیں؟ اس میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ بہتر یہی ہے کہ حالت روزہ میں ایسی ادویات کے استعمال سے گریز کیا جائے۔ [اس سلسلہ میں مزید تفصیلات کے لیے ہماری کتاب: "عبادات" کی طرف رجوع فرمائیں]

روزہ کی رخصتیں

۱)......حالتِ سفر میں روزہ رکھنا اور چھوڑنا دونوں طرح جائز ہے:

حالتِ سفر میں روزہ رکھنا اور چھوڑنا دونوں طرح درست ہے۔ البتہ روزہ چھوڑنے کی صورت میں بعد میں اس کی قضائی دینا ہوگی۔ اسی طرح اگر سفر میں روزہ رکھا ہو مگر مشقت کی وجہ سے روزہ توڑنا پڑ جائے تو اس صورت میں بھی صرف قضائی دینا ہوگی، کسی قسم کا کفارہ لازم نہیں آئے گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

((ان حمزة بن عمرو الاسلميؓ قال للنبيﷺ: أأصوم في السفر؟ وكان كثير الصيام، فقال ان شئت فصم وان شئت فافطر))

"حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ بکثرت روزہ رکھا کرتے تھے، انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا: کیا میں سفر میں روزہ رکھ سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر چاہو تو رکھ لو اور چاہو تو نہ رکھو۔"[۱]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے (حالتِ سفر میں) روزہ رکھا بھی ہے اور روزہ چھوڑا بھی۔ اس لیے تم میں سے جو چاہے (حالت سفر) روزہ رکھے اور جو چاہے نہ رکھے۔"[۲]

۲)......بیمار اور بوڑھا روزہ چھوڑ سکتے ہیں:

بیمار شخص روزہ چھوڑ سکتا ہے البتہ صحت یاب ہونے کے بعد چھوڑے ہوئے روزوں کی قضا دینا ہوگی جیسا

(۱) بخاری: کتاب الصوم: باب الصوم في السفر والافطار (ح ۱۹۴۳)

(۲) بخاری: کتاب الصوم: باب من افطر في السفر (ح ۱۹۴۸)

کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْعَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرُ﴾[البقرة:۱۸۴]

''جو شخص مریض ہو یا سفر پر ہو، اسے چاہیے کہ دوسرے دنوں میں گنتی (یعنی روزوں) کو پورا کرے۔''

اگر بڑھاپے کے ضعف کی وجہ سے روزہ رکھنا ممکن ہی نہ رہے تو ایسی صورت میں چھوڑے گئے ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو بطورِ فدیہ (کفارہ) کھانا دینا پڑے گا جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

((اَلشَّيْخُ الْكَبِيْرُ وَالْمَرْاَةُ الْكَبِيْرَةُ لَا يَسْتَطِيْعَانِ اَنْ يَّصُوْمَا فَلْيُطْعِمَانِ مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مِسْكِيْنًا))

''وہ بوڑھا مرد یا عورت جو روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے، وہ ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں۔''(۱)

اسی طرح سنن دار قطنی وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ

((رخص للشيخ الكبير ان يفطر ويطعم عن كل يوم مسكينا ولا قضاء عليه))

''بوڑھے شخص کو یہ رخصت دی گئی ہے کہ وہ ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دے اور اس پر قضا نہیں ہے۔''(۲)

اگر کسی شخص کی بیماری کی نوعیت ہی ایسی ہو کہ آخر دم تک صحت بحال نہ ہو سکے اور اس بیماری ہی میں انسان فوت ہو جائے تو اس کی طرف سے روزے کی قضا یا فدیہ بھی ضروری نہیں۔ کیونکہ اس شخص کو حالتِ صحت میں روزہ رکھنے کا وقت ہی نہیں ملا۔ اور جس چیز کا اسے وقت ہی نہیں ملا اس کی ادائیگی کا تقاضا اس سے نہیں کیا جا سکتا لہٰذا اس کے اولیاء اس کی طرف قضائی یا فدیہ کے پابند نہیں ہیں۔ البتہ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بوڑھا شخص بھی تو بیمار کی طرح معذور ہوتا ہے مگر اس کی طرف سے فدیہ کی ادائیگی ضروری ہے پھر اس پر بیمار رہ کر فوت ہونے والے شخص کو قیاس کیوں نہیں کیا جا سکتا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عبادات میں قیاس نہیں چلتا۔

(۱) بخاری: کتاب التفسیر: باب فمن شهد منكم الشهر فليصمه (ح۴۵۰۵)، دارقطنی (ج۲ ص۲۰۵)

(۲) دارقطنی (ج۲ ص۲۰۵)، حاکم (ج۱ ص۴۰۴)

۳)......حاملہ اور مرضعہ عورت بھی روزہ چھوڑ سکتی ہے:

حاملہ اور بچے کو دودھ پلانے والی عورت اگر روزے کی استطاعت نہ رکھتی ہو یا روزہ رکھنے کی صورت میں بچے کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو وہ روزہ چھوڑ سکتی ہے اور اگر وہ چاہے تو بعد میں قضائی دے لے یا چاہے تو ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا دے دے جیسا کہ حدیث نبوی ہے:

((ان الله وضع شطر الصلاة اونصف الصلاة والصوم عن المسافروعن المرضع اوالحبلى))

”اللہ تعالیٰ نے مرضعہ اور حاملہ عورت کو نماز اور روزے میں رخصت دی ہے۔“[۱]

ایک روایت میں ہے کہ ”حاملہ اور مرضعہ عورت اپنے چھوڑے ہوئے ہر روزہ کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانا دے۔“[۲]

آدابِ روزہ

۱)......جھوٹ اور گناہ سے پرہیز:

روزے کی حالت میں جھوٹ، اور برے کاموں سے اجتناب کرنا چاہیے کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ لَّمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِوَالْعَمَلُ بِهِ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِيْ اَنْ يَّدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ))

”جو شخص حالت روزہ میں جھوٹی بات اور اس پر عمل نہیں چھوڑتا، تو اس کے بھوکے پیاسے رہنے کی اللہ کو کوئی پروا نہیں۔“[۳]

۲)......لڑائی جھگڑے اور گالی گلوچ وغیرہ سے پرہیز:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((الصيام جنة واذاكان يوم صوم احدكم فلايرفث ولايصخب فان سابه احداوقاتله فليقل انى امرؤ صائم))[٤]

(۱) ابوداؤد (ح ۲۴۰۷)

(۲) سنن دارقطنی (ج ۲ ص ۲۰۷)

(۳) بخاری: كتاب الصوم: باب من لم يدع قول الزور......(ح ۱۹۰۳)

(۴) بخاری: كتاب الصوم: باب هل يقول انى صائم اذا شتم (ح ۱۹۰۴)

''روزہ (گناہوں سے بچانے والی) ڈھال ہے۔لہذا جب تم میں سے کوئی شخص روزہ رکھے تو وہ فحش گفتگو نہ کرے، بیہودہ پن کا مظاہرہ نہ کرے۔اور اگر کوئی دوسرا شخص اس روزہ دار سے گالی گلوچ کرے یا لڑائی جھگڑا کرے تو روزہ دار اسے کہے کہ (بھائی!) میں روزے سے ہوں (اس لیے تمہاری باتوں کا جواب نہیں دوں گا)''

۳)......میاں بیوی کا بغلگیر ہونے سے اجتناب:

میاں بیوی کو حالتِ روزہ میں ایک دوسرے سے بغلگیر ہونے اور بوس وکنار کرنے سے احتیاط کرنی چاہیے کیونکہ عین ممکن ہے کہ وہ خواہشات سے مغلوب ہو کر حالت روزہ ہی میں جنسی تعلق قائم کر بیٹھیں اور نوجوان شخص سے اس کی زیادہ توقع ہوتی ہے۔اسی لیے حضور نبی کریم ﷺ نوجوانوں کے لیے بوس وکنار بھی پسند نہیں فرماتے تھے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

((اِنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِیَّ ﷺ عَنِ الْمُبَاشِرَةِ لِلصَّائِمِ؟ فَرَخَّصَ لَهُ وَاَتَاهُ آخَرُ فَسَأَلَهُ فَنَهَاهُ فَاِذَا الَّذِی رَخَّصَ لَهُ شَیْخٌ وَالَّذِی نَهَاهُ شَابٌ))

''ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ سے روزے کی حالت میں بیوی سے بغلگیر ہونے کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے اسے اس کی اجازت دے دی۔پھر ایک اور آدمی آیا اور اس نے بھی وہی سوال کیا مگر آپ ﷺ نے اس کو اجازت نہ دی۔(ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) جس شخص کو آپ نے اجازت دی تھی وہ بوڑھا شخص تھا اور جس کو اجازت نہ دی وہ جوان آدمی تھا۔''[1]

۴)......کلی کرتے اور ناک صاف کرتے ہوئے احتیاط:

حالتِ روزہ میں دورانِ وضو کلی کرتے اور ناک صاف کرتے ہوئے احتیاط کرنی چاہیے اور منہ یا ناک میں اس طرح پانی نہیں ڈالنا چاہیے کہ اس کا حلق میں جا اترنے کا اندیشہ ہو جیسا کہ حضرت لقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

((قُلْتُ، یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَخْبِرْنِیْ عَنِ الْوُضُوْءِ قَالَ اَسْبِغِ الْوُضُوْءَ وَخَلِّلْ بَیْنَ الْاَصَابِعِ وَبَالِغْ فِی الْاِسْتِنْشَاقِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ صَائِمًا))[2]

(۱) ابوداؤد (ح۲۳۸۷) (۲) ابوداؤد (ح۲۳۶۶)

''میں نے کہا یا رسول اللہؐ! وضو کے بارے میں کچھ بتائیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ وضو اچھی طرح کرو۔ انگلیوں کے درمیان خلال کرو اور ناک میں اچھی طرح پانی ڈالو لیکن اگر روزہ ہو تو پھر (ناک میں پانی ڈالنے میں مبالغہ) نہ کرو۔''

آدابِ افطاری

۱) کھجور یا پانی سے روزہ کھولنا:

سنت طریقہ یہ ہے کہ روزہ یا تو کھجور سے افطار کیا جائے یا پھر سادے پانی سے۔ جیسا کہ حضرت سلیمان بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِذَااَفْطَرَاَحَدُکُمْ فَلْیُفْطِرْعَلٰی تَمْرٍفَاِنَّهُ بَرَکَةٌ فَاِنْ لَّمْ یَجِدْتَمْرًافَالْمَاءِ فَاِنَّهُ طُهُوْرٌ))[۱]

''جب تم میں سے کوئی شخص روزہ افطار کرنے لگے تو اسے چاہیے کہ کھجور سے روزہ افطار کرے کیونکہ اس میں برکت ہے اور اگر کھجور دستیاب نہ ہو تو پھر پانی سے افطار کر لے کیونکہ پانی پاک کرنے والا ہے۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول نمازِ (مغرب) پڑھنے سے پہلے چند تازہ کھجوریں کھا کر روزہ افطار کرتے۔ اگر تازہ کھجوریں نہ ہوتیں تو خشک کھجوروں سے افطار کر لیتے اور اگر وہ بھی نہ ہوتیں تو پانی کے چند گھونٹ پی (کر روزہ افطار کر) لیتے۔''[۲]

۲)......افطاری کی دعائیں:

روزہ افطار کرتے ہوئے بسم اللہ کے علاوہ درج ذیل دعائیں بھی پڑھنی چاہییں:

(۱)......((ذَهَبَ الظَّمَأُوَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُاِنْ شَاءَ اللّٰهُ))

''پیاس ختم ہوگئی، رگیں تر ہوگئیں اور اگر اللہ نے چاہا تو اجر ثابت ہوگیا۔''[۳]

(۲)......((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ))

''یا اللہ! میں نے تیرے لیے روزہ رکھا اور تیرے رزق پر اسے افطار کر رہا ہوں۔''[۴]

(۱) ترمذی (ح۶۵۸)
(۲) ابوداؤد (ح۲۳۵۶)
(۳) ابوداؤد (ح۲۳۵۷)
(۴) ابوداؤد (ح۲۳۵۸)

اس کے علاوہ دین و دنیا کی بھلائی کی کوئی بھی دعا اس وقت کی جا سکتی ہے کیونکہ یہ قبولیت کا وقت ہے۔

۳)......غروبِ آفتاب کے بعد اَفطاری میں جلدی:

غروبِ آفتاب کے ساتھ ہی چونکہ افطاری کا وقت ہو جاتا ہے، اس لیے افطاری کا وقت ہو جانے کے بعد مزید تاخیر نہیں کرنی چاہیے جیسا کہ حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((لا یزال الدین ظاھرا ما عمل الناس الفطر لان الیھود والنصاری یؤخرون))

''یہ دین ہمیشہ غالب رہے گا جب تک کہ لوگ افطاری میں جلدی کرتے رہیں گے کیونکہ یہودی اور عیسائی افطاری میں تاخیر کرتے ہیں۔''[1]

یاد رہے کہ افطاری میں جلدی کرنے کا یہ مطلب بھی نہیں کہ وقت ہونے سے پہلے ہی روزہ افطار کر لیا جائے۔



(۱) ابوداؤد (ح ۲۳۵۳)

عورت کے روزہ سے متعلقہ چند اہم فتوے

سوال: ایک لڑکی پر روزہ کب واجب ہوتا ہے؟

جواب: کسی لڑکی پر روزہ اس وقت واجب ہوتا ہے جب وہ بلوغت کی عمر کو پہنچ جائے۔ بلوغت کی علامت یہ ہے کہ یا تو وہ پندرہ سال پورے کر لے یا اس کی شرم گاہ کے اردگرد بال اُگ آئیں یا انزالِ منی ہو یا حیض آنے لگے اور استقرارِ حمل ممکن ہو۔ جب کسی لڑکی میں ان میں سے کوئی علامت پائی جائے تو اس پر روزہ لازم ہو جاتا ہے، چاہے وہ دس سال کی عمر ہی میں کیوں نہ ہو، کیونکہ بہت سے لڑکیاں دس گیارہ سال میں حائضہ ہو جاتی ہیں، لیکن ان کے گھر والے سستی کرتے ہیں اور انہیں کم سن اور نابالغ سمجھ کر روزے کا حکم نہیں دیتے حالانکہ یہ بات غلط ہے، کیونکہ لڑکی جب حائضہ ہو جاتی ہے تو وہ عورت کے حکم میں جا پہنچتی ہے اور شرعی احکام کی مکلّف ہو جاتی ہے۔ [فتاوی الصیام للشیخ عبداللہ بن جبرین، ص ۲۲۳]

سوال: میری بیٹی کی عمر تیس سال ہے، اس کے بچے بھی ہیں، لیکن گزشتہ چودہ سالوں سے وہ دماغی مرض میں مبتلا ہے۔ شروع میں اسے یہ مرض کبھی لاحق ہوتا اور کبھی ختم ہو جاتا تھا، لیکن اس مرتبہ خلافِ معمول یہ مرض طویل ہو گیا ہے۔ تقریباً تین مہینوں سے وہ اس عارضہ میں مبتلا ہے، اس وجہ سے وہ اچھی طرح نہ نماز ادا کر پاتی ہے اور نہ وضو کر سکتی ہے مگر یہ کہ کوئی اسے ہر بات بتائے۔ اس ماہِ رمضان میں اس نے صرف ایک دن روزہ رکھا اور وہ بھی اچھی طرح نہیں جبکہ بقیہ ایام کے روزے وہ نہیں رکھ سکی۔ آپ ہماری رہنمائی فرمائیں کہ مجھ پر اور میری بیٹی پر کیا واجب ہے؟ واضح رہے کہ اس وقت میں ہی اس کی ذمہ دار ہوں۔

جواب: سوال میں ذکر کردہ صورت حال کی رو سے اس پر نماز و روزہ کی ادائیگی یا اس کی قضا واجب نہیں ہے اور تمہارے لیے صرف اس کی نگہداشت کافی ہے کیونکہ تم اس کی ذمہ دار ہو۔ حدیث نبوی ہے:

((کلکم راع و کلکم مسؤول عن رعیته))

''تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور ہر ایک سے اس کی ذمہ داری کے متعلق سوال کیا جائے گا۔''

البتہ جب اسے مرض سے افاقہ ہو تو اس وقت جس نماز کا وقت ہوگا اس کی ادائیگی اس پر واجب ہوگی۔ اسی طرح رمضان میں وہ صرف انہی دنوں کے روزے رکھے گی جن دنوں میں اسے افاقہ ہوگا۔ [فتاوی الصیام للشیخ عبداللہ بن جبرین (ص ۵۹)]

سوال: جب عورت طلوعِ فجر کے بعد حیض سے پاک ہوجائے تو کیا وہ اس دن کا روزہ رکھے گی؟ یا اس کو اس دن کی قضا کرنی ہوگی؟

جواب: جب عورت طلوع فجر کے بعد پاک ہوجائے تو اس دن روزہ رکھنے کے سلسلہ میں علماء کی دو آراء ہیں۔ پہلی یہ کہ عورت اس دن کھانے پینے سے باز رہے، لیکن یہ اس کا روزہ نہ ہوگا بلکہ اسے بعد میں اس کی قضا دینا ہوگی۔ امام احمد بن حنبلؒ کا مشہور قول یہی ہے۔ اور دوسری رائے یہ ہے کہ اس پر اس دن کے بقیہ حصے میں کھانے پینے سے رکے رہنا لازم نہیں ہے کیونکہ اس کے لیے اس دن کا روزہ صحیح نہیں، کیونکہ روزے کے وقت میں وہ حائضہ ہی تھی اور حائضہ پر روزہ نہیں ہے...... اسی رائے کو ہم راجح سمجھتے ہیں۔ بہر حال دونوں صورتوں میں عورت کے ذمہ اس دن کے روزے کی قضا لازم ہوگی۔ [٥٢ سؤالا عن احكام الحيض للشيخ ابن عثيمين: ص١٠٩]

سوال: ایک عورت نے روزہ رکھا اور سورج ڈوبنے کے وقت اور اذان سے کچھ دیر قبل اس کو حیض آگیا۔ کیا اس کا روزہ باطل ہوجائے گا؟

جواب: سورج ڈوبنے سے قبل جب عورت کو حیض آجائے تو روزہ باطل ہوجائے گا اور وہ اس کی قضا کرے گی اور اگر سورج ڈوبنے کے بعد حیض آئے تو روزہ صحیح ہے اور اس پر قضا نہیں ہے۔ [فتاوى اللجنة الدائمة: فتوى از افتاء كميٹى، ج١٠ ص١٥٥]

سوال: حالتِ روزہ میں سرمہ اور زیب و زینت کی دوسری چیزوں کے استعمال کا کیا حکم ہے؟

جواب: اہل علم کے دو اقوال میں سے صحیح قول یہ ہے کہ مرد و زن کے لیے سرمہ لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا لیکن بہتر یہ ہے کہ اس کا استعمال رات کو کیا جائے۔ اسی طرح وہ اشیاء جن سے چہرے میں حسن و جمال پیدا ہوتا ہے مثلاً صابن، تیل اور کریم وغیرہ جو جلد کے اوپر استعمال ہوتی ہیں، ان کے استعمال سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ البتہ اگر یہ چیزیں چہرے کے لیے نقصان دہ ہوں تو پھر ان کا استعمال مناسب نہیں۔ [كتاب فتاوى الدعوة للشيخ ابن باز: ج٢ ص١٧٠]

سوال: کیا نماز سے پہلے اور حالتِ روزہ میں مہندی لگانا جائز ہے؟ میں نے سنا ہے کہ مہندی لگانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟

جواب: اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ مہندی لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اسی طرح حالتِ روزہ میں سرمہ

لگانا یا کان اور آنکھ میں دوا ڈالنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح مہندی لگانے سے وضو میں رکاوٹ نہیں ہوتی کیونکہ مہندی میں کوئی ایسی تہہ یا اجزاء نہیں ہوتے جو پانی کو جلد تک پہنچنے سے روکیں، بلکہ یہ تو صرف رنگ ہوتا ہے۔ البتہ کوئی ایسی موٹی اور تہ والی چیز جو پانی کو جلد تک پہنچنے سے روکتی ہو، اسے لگا کر وضو نہیں کرنا چاہیے بلکہ وضو سے پہلے اسے صاف کرنا ضروری ہے۔ [فتاوی نور علی الدرب للشیخ ابن عثیمین (ص ٤٦)]

سوال: افتاء کمیٹی سے دریافت کیا گیا کہ جو شخص اس حال میں فوت ہو کہ اس پر رمضان کے روزوں کی قضا ہو تو کیا اس کی طرف سے روزے رکھے جائیں گے یا مسکین کو کھانا دیا جائے گا؟ اور اگر اس کے ذمہ نذر کے روزے ہوں، تو پھر اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

جواب: جب کوئی شخص اس حالت میں مرے کہ اس پر رمضان کے کچھ روزے باقی ہوں تو اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں: ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اس نے اس لیے روزے نہ رکھے کہ اسے مرض سے افاقہ نہ ہو سکا یہاں تک کہ وہ فوت ہو گیا، تو ایسی صورت میں اس پر کچھ بھی واجب نہیں ہے۔ نہ اس کی طرف سے روزوں کی قضا کی جائے گی اور نہ ہی مسکین کو کھانا کھلایا جائے گا، کیونکہ وہ بیماری کے سبب روزوں کی قضا سے معذور رہا۔

دوسری صورت یہ ہوگی کہ وہ اس بیماری سے جس کے سبب اس نے روزے ترک کئے، شفایاب ہو گیا مگر اس نے روزے نہ رکھے حتی کہ دوسرا رمضان آ گیا اور دوسرے رمضان کے بعد وہ فوت ہو گیا تو ایسی صورت میں واجب ہے کہ اس کی جانب سے ہر دن کے عوض ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے، کیوں کہ اس نے قضا روزے رکھنے میں اپنی کوتاہی کے سبب اس قدر تاخیر کی کہ دوسرا رمضان آ گیا یہاں تک کہ وہ قضا کئے بغیر انتقال کر گیا۔ اس کی جانب سے فدیہ کے علاوہ روزہ رکھنے کے سلسلہ میں علماء کے مابین اختلاف ہے۔

رہا نذر اور منت کا روزہ، تو اس کی جانب سے ایسا روزہ رکھنا واجب ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من مات وعليه صوم صام عنه وليه)) ''جو شخص فوت ہو جائے اور اس کے ذمہ روزے ہوں تو اس کے اولیاء اس کی جانب سے روزے رکھیں۔'' اور ایک روایت میں ہے: ''اس (مرنے والے) کے ذمہ نذر کا روزہ ہو تو اس کی جانب سے اس کا ولی روزہ رکھے۔'' [فتاوی اللجنة الدائمة]

سوال: افتاء کمیٹی سے ایک سائل نے پوچھا کہ میری بوڑھی ماں رمضان سے کچھ دن پہلے ایسی بیمار ہوئی کہ مرض نے اسے انتہائی لاغر کر دیا۔ رمضان میں اس نے پندرہ دن روزے رکھے لیکن باقی روزے نہ رکھ سکی اور اب وہ ان چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا سے بھی عاجز ہے تو کیا اس کی طرف سے فدیہ دینا جائز ہے اور یومیہ کتنا فدیہ دینا ہوگا؟ واضح ہو کہ میں ہی اس کی کفالت کرتا ہوں تو کیا میں اس کی جانب سے فدیہ (صدقہ) ادا کر سکتا ہوں جب کہ اس کے پاس خود فدیہ دینے کے لیے کچھ نہیں ہے؟

جواب: جو کوئی بڑھاپے یا کسی ایسی بیماری کے سبب جس کے ختم ہونے کی امید نہ ہو، روزہ رکھنے سے عاجز آ جائے تو وہ روزہ چھوڑ دے اور ہر روزہ کے عوض ایک مسکین کو کھانا دے دے۔ اس سلسلہ میں قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ﴾[البقرة]

''اور ایسے لوگوں پر جن کے لیے روزہ باعثِ مشقت ہو، بطور فدیہ ایک مسکین کو کھانا دینا (لازم) ہے۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت عمر دراز بوڑھے مرد اور بوڑھی عورتوں کے لیے رخصت کے طور پر اتری ہے جو روزے نہ رکھ سکتے ہوں تو ہر دن کے عوض ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں۔ (بخاری)

لہٰذا تمہاری ماں پر واجب ہے کہ ہر چھوڑے ہوئے روزہ کے عوض ایک مسکین کو کھانا دے اور اس کی مقدار عام استعمال کی جانے والی غذا کا آدھا صاع (تقریباً سوا کیلو) ہے۔ اور اگر وہ اپنی جانب سے (بذات خود) مسکین کو کھانا دینے سے عاجز ہے تو اس پر کچھ بھی واجب نہیں ہے اور اگر تم اس کی جانب سے کھانا کھلاتے ہو تو یہ احسان ہوگا اور اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔ [فتوی از افتاء کمیٹی، بحوالہ: فتاوی اسلامیہ: ص ۵۸]

سوال: میں ایک ایسی عورت ہوں جسے اس ماہ رمضان میں ۲۵ تاریخ سے آخر ماہ تک ماہواری آتی ہے پس اگر میں ان ایام میں حائضہ ہوئی تو مجھ سے روزوں کا اجر عظیم فوت ہو جائے گا تو کیا میں حیض روکنے والی گولیاں استعمال کر سکتی ہوں؟

جواب: میں اس خاتون سے اور اس جیسی دیگر خواتین سے جنہیں رمضان میں حیض آتا ہے، یہ کہتا ہوں کہ اگر ان سے روزہ، نماز اور تلاوت فوت ہوگئی تو یہ اللہ تعالیٰ کے قضا و قدر کا نتیجہ ہے اور عورت پر لازم ہے کہ وہ صبر کرے اور یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عائشہؓ حائضہ ہوئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

((ان هذا شيء كتبه الله على بنات آدم))

''یہ ایک ایسی چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی بیٹیوں پر لکھ دیا ہے۔''

اس لیے ہم اس عورت سے کہتے ہیں کہ جو حیض اسے آیا ہے، وہ من جانب اللہ بنات آدم کے لیے مقدر ہے۔ لہٰذا اسے چاہیے کہ وہ صبر کرے اور اپنے آپ کو خطرہ میں نہ ڈالے کیونکہ میں یقینی طور پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ مانع حیض گولیاں عورت کی صحت اور رحم (بچہ دانی) پر اثر انداز ہوتی ہیں اور بسا اوقات ان گولیوں کے سبب جنین (پیٹ کے بچے) کی شکل بگڑ جاتی ہے۔ [دروس وفتاوی للشیخ ابن عثیمین ج۳ص۲۷۳]

سوال: کیا عورت حالتِ روزہ میں کھانا چکھ سکتی ہے؟

جواب: ہاں اس میں کوئی حرج نہیں جبکہ ضرورت اس کی متقاضی ہو لیکن کھانا چکھ کر تھوک دینا چاہیے۔

[۵۲ سؤالا احکام الحیض للشیخ ابن عثیمین (ص ۲۰)]

سوال: ایک عورت نے منت مانی کہ اگر وہ سلامتی کے ساتھ ولادت کے عمل سے گذری اور اس کا بچہ ایک سال تک زندہ رہا تو وہ ایک سال کے روزے رکھے گی۔ پھر اس نے واقعی سلامتی کے ساتھ بچہ جنا اور اب وہ بچہ ایک سال سے بڑا ہو گیا ہے لیکن وہ عورت کہتی ہے کہ اب میں روزے سے عاجز ہوں، ایسی صورت میں اسے کیا کرنا چاہیے؟

جواب: اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ نیک کاموں کی نذر ایک عبادت ہے، اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ یوفون بالنذر ویخافون یوما کان شره مستطیرا﴾ [سورة الدهر:۷]

''وہ اپنی نذریں پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی آفت ہر طرف پھیلی ہوگی۔''

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((من نذران یطیع الله فلیطعه ومن نذران یعص الله فلایعصه))

''جس نے اللہ کی اطاعت کی نذر مانی تو اس کو چاہیے کہ اس کی اطاعت کرے اور جس نے اللہ کی نافرمانی کی نذر مانی تو اس کو چاہیے کہ وہ اس کی نافرمانی نہ کرے۔''

ایک شخص نے نذر مانی تھی کہ وہ مقام بوانہ پر اونٹ ذبح کرے گا چنانچہ وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ نے اس سے پوچھا: کیا اس مقام (بوانہ) پر دور جاہلیت میں کسی بت کی پوجا تو نہیں ہوتی تھی؟ آپؐ سے کہا گیا: نہیں۔ پھر آپؐ نے پوچھا: کیا وہاں دور جاہلیت میں کوئی میلہ تو نہیں لگتا تھا؟ کہا گیا: نہیں، تو آپؐ نے فرمایا: تم اپنی نذر پوری کرو کیونکہ اللہ کی نافرمانی ومعصیت کی نذر پوری نہیں کی

جا سکتی اور نہ ایسی چیز کی نذر پوری کرنا لازم ہے جس کی طاقت ہی نہ ہو۔‘‘

چونکہ سوال کرنے والی عورت نے ذکر کیا ہے کہ اس نے ایک سال کے روزے رکھنے کی نذر مانی اور ایک سال کا روزہ ’صوم دھر ‘(یعنی مسلسل روزہ) ہے جس سے منع کیا گیا ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((من صام الدهر فلاصام ولاافطر))

’’جس نے ہمیشہ روزہ رکھا اس نے نہ روزہ رکھا اور نہ افطار کیا۔‘‘

اور بلا شبہ مکروہ عبادت اللہ تعالیٰ کی معصیت ہے، جسے پورا کرنا جائز نہیں۔شیخ ابن تیمیہؒ نے فرمایا کہ اگر کوئی مکروہ عبادت مثلاً پوری رات نفل ادا کرنے کی نذر مانے یا ہمیشگی کے روزوں (صوم دھر) کی نذر مانے تو اس پر اس نذر کا پورا کرنا واجب نہیں ہے۔

اس بنا پر سائلہ پر واجب ہے کہ وہ اپنی نذر چھوڑ دے اور اس کے بدلے قسم کا کفارہ ادا کرے یعنی دس مساکین کو اوسط درجہ کا کھانا کھلائے، یا اوسط درجہ کے کپڑے مہیا کرے یا ایک گردن آزاد کرے۔اگر یہ سب اس کی طاقت سے باہر ہو تو پھر تین دن لگا تار روزے رکھے۔[فتاوی اللجنة الدائمة: ص ٤٥]

سوال: شیخ عبدالعزیز بن بازؒ سے سوال کیا گیا کہ: آج کل مسلمان عورت ٹیلی ویژن، ویڈیو اور ڈش انٹینا کے پروگراموں کے سامنے بیٹھ کر، بازاروں میں مٹر گشت کر کے اور سو کر رمضان گزارتی ہے، ایسی مسلمان عورت کو آپ کیا نصیحت کرتے ہیں؟

جواب: ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ ماہِ رمضان کا احترام کرے اور اس کو اللہ کی عبادت و پرستش سے آباد رکھے اور ہمہ وقت اور بالخصوص رمضان میں اس ماہ کی حرمت و تقدس کے پیش نظر گناہوں اور برائیوں سے دور رہے۔سینما بینی، ٹیلی ویژن، ویڈیو فلم یا ڈش انٹینا کے ذریعہ پیش کیے جانے والے ڈراموں، فلموں کو دیکھنے یا لہو ولعب اور گانے سننے کے لیے شب بیداری حرام ہے جبکہ یہی کام اگر رمضان میں کیا جائے تو اس کا گناہ اور زیادہ بڑھ جاتا ہے۔اور جب اس طرح کے کاموں میں مشغول ہو کر فرائض و واجبات ضائع کیے جائیں اور نمازوں سے غفلت کا مظاہرہ کرتے ہوئے سویا جائے تو یہ بجائے خود مزید گناہوں کا ارتکاب ہے۔گناہوں کا یہی نتیجہ ہے کہ ایک گناہ دوسرے کو کھینچتا ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی عافیت میں رکھے۔

بغیر ضرورت عورتوں کا بازاروں میں نکلنا حرام ہے اور جب کسی ضرورت کے لیے نکلنا ہو تو باپردہ ہو کر اور عزت و وقار کے ساتھ نکلیں اور مردوں سے اختلاط یا ان کے ساتھ ہمکلامی سے پرہیز کریں، البتہ حسبِ

ضرورت اور فتنہ سے بچتے ہوئے بات کی جا سکتی ہے۔[مجموع فتاوی ومقالات متنوعة للشيخ ابن باز]

سوال: شیخ صالح الفوزان سے پوچھا گیا کہ: وہ اہم امور کون سے ہیں جو عورتوں کے لیے ماہِ رمضان میں اللہ کی بندگی میں مدد کرتے ہیں؟

جواب: وہ امور حسبِ ذیل ہیں:

۱)......اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا خوف اور یہ اعتقاد کہ وہ بندے کے تمام افعال، اقوال اور نیتوں پر مطلع ہے اور یہ کہ وہ ان چیزوں کا اس سے عنقریب حساب لے گا۔ جب مسلمان کو اس کا صحیح شعور ہو جاتا ہے تو وہ نیکی کے کاموں میں مشغول ہو جاتا ہے، برائیوں سے دور رہتا ہے اور معصیتوں سے جلد توبہ کر لیتا ہے۔

۲)......بکثرت اللہ کا ذکر اور قرآن کی تلاوت کرنا، کیوں کہ یہ دل کو نرم کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿الذين آمنوا وتطمئن قلوبهم بذكر الله الا بذكر اللّٰه تطمئن القلوب﴾[الرعد:۲۸]

''ایمان لانے والوں کے دل اللہ کے ذکر سے مطمئن ہو جاتے ہیں۔ یاد رکھو! دل اللہ کے ذکر سے ہی مطمئن ہوتے ہیں۔'' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿الذين اذا ذكر الله وجلت قلوبهم﴾[الانفال:۲]

''(سچے مومن وہ ہیں کہ جب ان کے سامنے) اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں۔''

۳)......اللہ کی بندگی سے پھیرنے والی چیزوں سے اجتناب کرنا جو دل میں قساوت وسختی اور اللہ سے دوری پیدا کرتی ہیں اور یہ جملہ معاصی ہیں۔ نیز برے لوگوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا، حرام کھانا پینا، اللہ عزوجل کی یاد سے اعراض کرنا اور فاسد فلمیں وغیرہ دیکھنا...... یہ چیزیں انسان کو اللہ سے دور کرتی ہیں۔

۴)......عورت کا اپنے گھر کو لازم پکڑنا، بلاضرورت گھر سے باہر نہ جانا اور حاجت پوری کر کے جلدی گھر لوٹنا۔

۵)......رات میں سونا کیونکہ یہ آخر شب میں بیدار ہونے اور تہجد ادا کرنے پر معاون بنتا ہے اور دن میں نیند کے غلبہ کو کم کرتا ہے تا کہ نمازوں کو ان کے مقررہ اوقات میں ادا کرنے پر قدرت حاصل ہو اور آدمی اللہ کی بندگی کے لیے اپنے وقت کا بھرپور استعمال کر سکے۔

۶)......غیبت، چغلی، جھوٹ اور حرام گفتگو سے زبان کی حفاظت کرنا اور اس کو ذکر الٰہی میں مشغول رکھنا۔

[كتاب المنتقى من فتاوى الشيخ الفوزان۔ بحوالہ: فتاوی برائے خواتین اسلام]

............*

فصل ۵:

عورت اور زکاۃ

’زکوٰۃ‘ اسلام کے ارکان خمسہ میں شامل ایک اہم رکن ہے جس کا تارک و منکر بلاشبہ کافر و مرتد ہے جیسا کہ قرآنِ مجید میں کافر و مشرک لوگوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ

﴿فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ﴾ (التوبہ: ۱۱)

''اگر وہ (کفر و شرک سے) توبہ کرلیں اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔'' گویا اُمتِ مسلمہ میں شمولیت اور مسلم برادری کا حصہ بننے کے لئے ضروری ہے کہ

(i) کفر و شرک سے توبہ کی جائے، (ii) نماز ادا کی جائے اور (iii) زکوٰۃ ادا کی جائے۔

زکوٰۃ ایسا اہم دینی فریضہ ہے کہ سستی اور کاہلی کی وجہ سے اگر کوئی صاحبِ نصاب شخص زکوٰۃ ادا نہ کرے تو حکومت وقت جبری طور پر اس سے زکوٰۃ وصول کرنے کی مجاز ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جب بعض قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف قتال کیا۔

شروطِ زکوٰۃ:

جمہور فقہاء نے زکوٰۃ کی فرضیت کے حوالے سے جن شروط کو متفقہ طور پر بیان کیا ہے، وہ یہ ہیں:

① زکوٰۃ سے متعلقہ مال، متعین فرد کی ملکیت ہو۔

② اس مال پر اسے ملکِ تام حاصل ہو۔

③ وہ مال 'نامی' (یعنی نشو و نما کا متحمل) ہو۔

④ وہ مال ضروریاتِ زندگی (حاجاتِ اصلیہ) سے زائد ہو۔

⑤ اس مال پر ایک سال کا وقفہ گزر چکا ہو۔

⑥ زکوٰۃ ادا کرنے میں کوئی مانع (قرض وغیرہ کی موجودگی) نہ ہو۔

⑦ وہ مال مقررہ نصاب کو پہنچ چکا ہو۔

زیورات پر زکوٰۃ:

سونے چاندی کے زیورات پر زکوۃ کے حوالہ سے اہل علم میں شروع سے اختلاف چلا آ رہا ہے اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ فقہا کی ایک بڑی تعداد نے زیورات کو زکاۃ سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ اور اس سلسلہ میں انہوں نے دو طرح سے استشہاد کیا ہے ایک تو بعض روایات سے استشہاد کیا ہے اور دوسرا اسے ذاتی استعمال کی اشیاء پر قیاس کیا ہے۔ جبکہ ان کے برعکس بعض فقہا جن میں امام ابوحنیفہ بھی شامل ہیں، زیورات پر زکاۃ کو فرض قرار دیتے ہیں اور بعض احادیث بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا مسئلہ میں راقم کی تحقیق یہ ہے کہ زیورات پر عدم زکاۃ کے حوالہ سے جن روایات سے استشہاد کیا جاتا ہے ان میں سے کوئی بھی بسند صحیح ثابت نہیں جب کہ اس کے مقابلہ میں بعض ایسی صحیح احادیث موجود ہیں جن میں زیورات پر وجوبِ زکاۃ کی صاف تائید ہوتی ہے اور ان احادیث کی موجودگی میں زیورات کو ذاتی استعمال کی اشیاء پر قیاس کر کے زکاۃ سے خارج قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس سلسلہ میں جو احادیث ملتی ہیں، ان میں سے ایک درج ذیل ہے:

"عمرو بن شعیب اپنے والد اور اپنے دادا کے حوالہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت اپنی بیٹی کو لے کر نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوئی اور اس کی بیٹی کے ہاتھوں میں سونے کے دو موٹے کنگن تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اس سے پوچھا کہ تم ان کی زکاۃ ادا کرتی ہو؟ اس نے جواب دیا: نہیں! تو آپ نے فرمایا: کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں روز قیامت ان کنگنوں کے بدلے آگ کے کنگن پہنا دیں؟ تو اس نے وہ کنگن اتار کر آپ ﷺ کی خدمت میں ڈال دیئے اور کہا کہ میں انہیں اللہ اور اس کے رسول کے لیے پیش کرتی ہوں۔" (1)

واضح رہے کہ سعودی عرب کے جید علماء کا بھی یہی فتویٰ ہے کہ زیورات پر زکاۃ دی جائے گی بشرطیکہ وہ نصاب کو پہنچ جائیں۔ فتوے کا ترجمہ آگے آ رہا ہے۔

سونے چاندی کا نصاب:

اگر پانچ اوقیہ (مساوی دو سو درہم یعنی ساڑھے باون تولہ) چاندی یا ۲۰ مثقال (تقریباً ۲۰ دینار یعنی ساڑھے سات تولہ) سونا سال بھر موجود رہے ہوں تو ان کا چالیسواں حصہ (یعنی چاندی کے پانچ درہم اور

(۱) ابوداؤد: کتاب الزکاۃ: باب الکنز ما ھو (ح ۱۵۶۳)، نسائیؒ (ح ۲۴۷۹)، احمد (۲/۱۷۸)، بیہقی (۴/۱۴۰)

سونے کا آدھا دینار) بطورِ زکوٰۃ دیا جائے گا جیسا کہ درج ذیل احادیث سے ثابت ہے:

۱)...... حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ليس فيما دون خمس اواق من الورق صدقة))

''پانچ اوقیہ (یعنی دوسو درہم) سے کم (چاندی) پر زکوٰۃ فرض نہیں۔''[۱]

۲)...... حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

''جب تمہارے پاس دوسو درہم ہوں اور ان پر ایک سال کا عرصہ گزر جائے تو ان میں سے پانچ درہم بطورِ زکوٰۃ دو اور اسی طرح اگر تمہارے پاس بیس دینار سونا سال بھر رہا ہو تو اس میں نصف دینار زکوٰۃ ہے، اگر ایسا (یعنی یہ دونوں شرائط یا ان میں سے کوئی ایک شرط پوری) نہ ہو تو پھر زکوٰۃ فرض نہیں۔''[۲]

ہیرے جواہرات وغیرہ پر زکوٰۃ کا مسئلہ:

ہیرے جواہرات وغیرہ اگر تجارت کے لئے رکھے ہوں تو پھر بلا اختلاف اموال تجارت کی طرح ان پر بھی زکوٰۃ فرض ہوگی لیکن اگر یہ ذاتی استعمال (مثلاً زیب وزینت کے لئے) یا کاروباری استعمال مثلاً آلات کے لئے ہوں تو پھر بلا نزاع ان پر کوئی زکوٰۃ نہیں، خواہ یہ کتنے ہی قیمتی کیوں نہ ہوں۔ جمہور ائمہ سلف کا یہی موقف ہے۔

زکاۃ کے سلسلہ میں خواتین کے لیے چند اہم فتوے

زیورات میں زکاۃ؟

سوال: سونے کے زیورات میں زکاۃ کا کیا حکم ہے؟

جواب: سونا اور ریشم، عورتوں کے لیے حلال کیے گئے ہیں مگر مردوں کے لیے یہ حلال نہیں ہیں جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((احل الذهب والحرير لاناث امتي وحرم على ذكورها))[احمد، نسائی، ترمذی]

(۱) مسلم: كتاب الزكاة: ليس فيما دون خمسة اوسق صدقة(ح۹۸۰)، احمد (۳/۲۹۶)

(۲) ابوداؤد: كتاب الزكاة: باب في زكاة السائمة(ح۱۵۷۳) واضح رہے کہ اس حدیث کی سند میں اگرچہ ضعف ہے تاہم یہی مسئلہ اجماعِ امت سے بھی ثابت ہے: دیکھئے: الاجماع لابن المنذر (ص ۴۴)، موسوعة الاجماع (۱/۴۸۳)

''یعنی سونا اور ریشم میری امت کی عورتوں کے لیے حلال اور مردوں کے لیے حرام کئے گئے ہیں۔''

علماء نے زیورات میں زکاۃ واجب ہونے اور نہ ہونے کے سلسلہ میں اختلاف کیا ہے۔بعض علماء کا خیال ہے کہ جن زیورات کو عورت خود پہنتی اور دوسروں کو پہننے کے لیے (ادھار) دیتی ہے، ان میں زکوۃ واجب نہیں ہے جبکہ بعض علماء زیورات پر وجوبِ زکاۃ کے قائل ہیں اور یہی موقف درست ہے یعنی زیورات جب سونے کے نصاب کو پہنچ جائیں اور ان پر ایک سال گزر جائے تو سونے پر زکاۃ سے متعلقہ عمومی دلائل کی روشنی میں اس پر زکاۃ واجب ہے۔سونے کا نصاب بیس مثقال (یعنی ساڑھے سات تولہ) اور چاندی کا نصاب ایک سو چالیس مثقال (ساڑھے باون تولہ) ہے۔

ایک عورت آپ ﷺ کے پاس آئی، اس کی لڑکی کے ہاتھ میں سونے کے دو کنگن تھے۔آپؐ نے فرمایا:

((اتعطین زکاۃ هذا)) ''کیا تم اس کی زکاۃ ادا کرتی ہو؟''

اس نے جواب دیا نہیں۔آپ نے فرمایا:

((ایسرك ان یسورك الله بهمایوم القیامة سوارین من نار))[ابوداؤد]

''کیا تم کو یہ بات پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کنگنوں کے بدلے تمہیں قیامت کے دن آگ کے دو کنگن پہنائے؟''اس حدیث کے راوی عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس نے دونوں کنگن اتار کر نبی اکرم ﷺ کے پاس ڈال دیئے اور کہا کہ یہ دونوں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے ہیں۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سونے کا پازیب پہنتی تھیں۔انہوں نے کہا یا رسول اللہ کیا یہ کنز ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

((مابلغ ان تودی زکاته فزکی فلیس بکنز))[ابوداؤد، حاکم وصححه]

''جو اس مقدار کو پہنچ جائے جس کی زکاۃ ادا کی جاتی ہو (یعنی نصاب کو پہنچ جائے) اور اس کی زکاۃ ادا کر دی جائے تو وہ کنز نہیں ہے۔''

امام ابوداؤدؒ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا: آنحضرت ﷺ میرے پاس تشریف لائے، اس وقت میرے ہاتھ میں چاندی کی انگوٹھیاں تھیں۔تو آپؐ نے فرمایا: ''اے عائشہؓ یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! انہیں میں نے بنوایا ہے تاکہ آپ کے لیے

زینت اختیار کروں، آپؐ نے فرمایا کہ تم ان کی زکاۃ ادا کرتی ہو؟ میں نے کہا: نہیں، آپؐ نے فرمایا:

((هو حسبك من النار)) ''پھر تو یہ تیرے جہنم میں جانے کے لیے کافی ہے!''

اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ جس مال کی زکاۃ نہیں نکالی جاتی وہ کنز ہے اور اس کے سبب صاحبِ مال قیامت کے دن عذاب سے دوچار ہوگا۔ العياذ بالله [مجموع فتاوى ومقالات للشيخ ابن باز، ج ٤، ص ١٢٤]

عورت اپنے زیور کی زکاۃ شوہر کو دے سکتی ہے؟

سوال: کیا عورت اپنے زیور کی زکاۃ اپنے شوہر کو دے سکتی ہے؟ واضح ہو کہ شوہر ملازمت پیشہ ہے اور اس کی تنخواہ تقریباً چار ہزار ریال ہے لیکن وہ تیس ہزار ریال کا مقروض ہے۔

جواب: اہل علم کے صحیح قول کے مطابق عورت کے لیے اپنے زیور یا اس کے علاوہ دیگر اشیاء کی زکاۃ اپنے شوہر کو دینے میں کوئی حرج نہیں ہے، بشرطیکہ وہ فقیر محتاج یا مقروض ہو اور قرض کی ادائیگی پر قادر نہ ہو۔ عمومی دلائل سے یہ بات ثابت ہے، ایک دلیل یہ ہے:

﴿انما الصدقات للفقراء والمساكين﴾ [التوبة: ٦٠]

''صدقات (زکاۃ) تو فقیروں اور مسکینوں کے لیے ہیں۔'' [فتاوى المرأة، از شیخ ابن بازؒ: ج ٢ ص ٤٣]

بہن کے بیٹے کو زکاۃ دی جاسکتی ہے؟

سوال: کیا یہ جائز ہے کہ میرا شوہر میری جانب سے زکاۃ نکالے جبکہ اسی نے مجھے مال دیا ہے اور کیا زکاۃ میری بیوہ بہن کے بیٹے کو دینی جائز ہے جو جوانی کی عمر گزار رہا ہے اور شادی کی فکر میں ہے؟

جواب: تم پر تمہارے مال میں زکاۃ واجب ہے جبکہ وہ تمہارے پاس بقدر نصاب یا اس سے زیادہ ہو خواہ سونا ہو یا چاندی یا ان دونوں کے علاوہ کوئی اور مال ہو جس میں زکاۃ واجب ہوتی ہے۔ اور اگر تمہاری جانب سے تمہارا شوہر تمہاری اجازت سے زکاۃ نکال دے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح تمہاری جانب سے تمہارے والد یا بھائی یا ان کے علاوہ کوئی تیسرا شخص تمہاری اجازت سے زکاۃ ادا کردے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ اور تمہاری بہن کے بیٹے کو اس کی شادی میں مدد و تعاون کی خاطر زکاۃ دینا جائز ہے بشرطیکہ وہ شادی کے اخراجات سے عاجز ہو۔ [ایضا: بحواله: فتاوى برائے خواتين اسلام ص ٢١٤]

ماں کو زکاۃ:

سوال: کیا سگی ماں کو زکاۃ دینا جائز ہے؟

جواب: کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ اپنی زکاۃ اپنے والدین یا اپنی اولاد پر خرچ کرے، بلکہ جب وہ خرچ کے محتاج ہوں تو اس پر واجب ہے کہ ان پر زکاۃ کے علاوہ اپنے دیگر مال میں سے خرچ کرے اور وہ ان پر خرچ کرنے کی قدرت بھی رکھتا ہو۔[ایضاً]

شادی شدہ محتاج بیٹی کو زکاۃ دینا:

سوال: کیا میں اپنی شادی شدہ محتاج بیٹی کو زکاۃ دے سکتا ہوں؟

جواب: اصول یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو استحقاقِ زکاۃ کی صفت سے متصف ہو اسے زکاۃ دینی جائز ہے۔ اس بنا پر اپنی شادی شدہ بیٹی اور اس کی اولاد (کہ جن کے اخراجات کا ذمہ دار اب باپ نہیں بلکہ لڑکی کا شوہر ہے) کو زکاۃ دے سکتا ہے۔ ویسے افضل واحوط اور برأت ذمہ کے لحاظ سے زیادہ بہتر یہ ہے کہ بیٹی کی بجائے اس کے شوہر کو زکاۃ دے۔[دروس وفتاوی الحرم المکی للشیخ ابن عثیمین (ج۲ص۳۹۷)]

سگی بہن کو زکاۃ دینا:

سوال: جب کسی کی سگی بہن غریب محتاج شخص سے بیاہ دی گئی ہو تو کیا اس کے لیے اپنے بھائیوں کی زکاۃ سے کچھ لینا جائز ہے؟

جواب: عورت کا خرچ اس کے شوہر پر واجب ہے۔لیکن شوہر فقیر محتاج ہو تو اس کی بیوی کے بھائیوں کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی بہن کو اپنے مالوں سے زکاۃ دیں تا کہ وہ اس میں سے اپنی ذات پر اور اپنے محتاج شوہر اور اس کی اولاد پر خرچ کرے۔[مجلة البحوث الاسلامية (ج۸،ص۱۵۷)]

سوال: کیا ایسی قریبی رشتہ دار شادی شدہ عورتیں (مثلاً چچازاد، ماموں زاد اور خالہ زاد بہن) جن کے شوہر تنگ دست ہوں اور ان کی بعض ذاتی ضروریات کی فراہمی میں کمی کرتے ہوں، تو کیا ان رشتہ دار عورتوں کو زکاۃ کا مال دینا جائز ہوگا؟

جواب: اس بات میں کوئی شک نہیں کہ مستحقین زکاۃ میں فقراء اور مساکین وغیرہ شامل ہیں۔ جن عورتوں کے متعلق سوال کیا گیا ہے، ان کے فقراء اور مساکین میں داخل ہونے کی تحقیق ان کے احوال کی

معرفت پر موقوف ہے۔لہذا اگر ان کی یہ ذاتی ضروریات خوراک و پوشاک سے تعلق رکھتی ہوں اور ان کے شوہر اس پر قادر نہ ہوں تو ان کو زکاۃ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اگر خاص ضرورتوں سے مراد حسن و جمال کی چیزیں خریدنا ہو مثلاً سونا یا اس جیسی دوسری چیز خریدنی ہو تو ان کو زکاۃ کی رقم دینی جائز نہ ہوگی[ایضاً ص ۷۴]

شوہر کو بتائے بغیر صدقہ کرنا:

سوال: کیا عورت کے لیے جائز ہے کہ شوہر کو بتائے بغیر اپنے ذاتی مال سے اپنے کسی مردہ رشتہ دار کی جانب سے صدقہ کرے؟ اور اگر وہ اپنے شوہر کے مال میں سے صدقہ کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: عورت کے لیے اپنے خاص مال سے اپنے فوت شدہ رشتہ داروں کی جانب سے صدقہ کرنا اللہ کی رضا و خوشنودی کے لیے جائز ہے تا کہ اس کا ثواب اور نفع ان کو حاصل ہو، کیونکہ وہ اپنے ذاتی مال میں سے تصرف کرتی ہے۔اور اللہ تعالیٰ کی مشروع و مقررہ حدود کے اندر رہ کر وہ اپنے مال میں تصرف کے لیے آزاد ہے۔صدقہ عمل صالح ہے اور اس کا ثواب اس شخص کو پہنچتا ہے جس کی جانب سے صدقہ کیا جائے جبکہ وہ بارگاہ رب العزت میں درجہ قبولیت کو پہنچ جائے۔

رہا شوہر کے مال سے عورت کا صدقہ کرنا تو اگر شوہر اس کو اس سے منع نہ کرتا ہو اور اس بات کو اس نے اپنے شوہر کی طبیعت سے معلوم کیا ہو تو اس میں کوئی مانع نہیں۔لیکن اگر شوہر اس سے منع کرتا ہو تو یہ تصرف جائز نہ ہوگا۔[ایضاً بحوالہ فتاوٰی برائے خواتین]



فصل ٦:

عورت اور حج☆

محرم کی عدم موجودگی میں عورت کے حج کا مسئلہ:

سوال: شیخ محمد بن ابراہیم سے سوال کیا گیا کہ ایک عورت کا محرم نہیں ہے جبکہ اس کا تیرہ سالہ بیٹا اس کے ساتھ ہے، کیا وہ ہمارے قافلے کے ساتھ حج کر سکتی ہے جبکہ اس قافلے میں خواتین کے علاوہ مرد بھی ہے؟

جواب: الحمدللہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ اپنا حج کا فریضہ تم لوگوں کی معیت میں ادا کرے جبکہ اس قافلہ میں ثقہ اور قابل اعتماد عورتوں کی ایک جماعت ہو اور ساتھ ہی اس کا تیرہ سالہ لڑکا بھی موجود ہو۔ اگرچہ لڑکے کے اندر محرم ہونے کی شرطیں پوری نہیں ہیں مگر اس کی تلافی ثقہ عورتوں کی ایک جماعت ساتھ ہونے سے ممکن ہے، کیونکہ اہل علم کی ایک جماعت کے نزدیک صرف قابل اعتماد عورتوں کی موجودگی ہی کافی ہے۔

[فتاویٰ ورسائل الشیخ محمدبن ابراھیم]

سوال: شیخ محمد بن ابراہیم سے ایسی عورت کے حج کے متعلق پوچھا گیا جو حج میں مامون ومحفوظ عورتوں کی ایک جماعت کے ساتھ حج کرنا چاہتی ہے، کیا وہ ایسا کر سکتی ہے؟

جواب: بعض اہل علم کے بقول [بعض حالات میں] وہ ایسا کر سکتی ہے اور حالات چونکہ بدلتے رہتے ہیں، لہٰذا حالات کے بدلنے سے احکام بھی بدل جاتے ہیں۔ موجودہ زمانے میں شر وفساد پھیلا ہوا ہے اس لیے یہ قول ادنیٰ درجہ کا بھی مستحق نہیں کیونکہ عورتیں جب کسی مرد کو اپنے درمیان مداخلت کرتا ہوا دیکھتی ہیں تو اس سے دھوکہ کھا جاتی ہیں اور اپنی غیرت کھو بیٹھتی ہیں، لیکن جب بے حیائی اور فساد کم ہو تو بعض اہل علم نے صورت مسئولہ کو جائز کہا ہے اور اس پر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی بیوی کے اکیلے مدینہ سے باہر نکلنے والے واقعہ سے دلیل پکڑی ہے اور امر واقعہ بھی یہی ہے، لیکن یہ حکم حالات کے سبب بدلتا رہتا ہے۔ [ایضاً]

---

(۱) اس حصے میں ہم سوال وجواب (فتوے) کی صورت میں صرف ایسے اہم مسائل ذکر رہے ہیں جن کا تعلق عورت کے ساتھ ہے۔ اس حصہ میں زیادہ تر ''فتاویٰ برائے خواتین اسلام'' (حصہ: کتاب الحج، طبع دار الکتاب والسنۃ، لاہور) سے استفادہ کیا گیا ہے مگر ترمیم وتہذیب کے ساتھ، مزید تفصیلات کے لیے ہماری کتاب ''عبادات'' کا مطالعہ فرمائیں۔ (مصنف)

سوال: شیخ عبدالعزیز بن بازؒ سے سوال کیا گیا: ایک بے بس عورت نے کچھ اجنبی لوگوں کے ساتھ حج کیا، اس لیے کہ اس نے اپنے قریبی محرم رشتہ داروں سے سفر حج میں چلنے کی درخواست کی مگر سب نے انکار کر دیا۔ بالآخر وہ ایک ایسے آدمی کے ساتھ گئی جس کے ساتھ دو عورتیں بھی تھیں، کیا اس کا حج صحیح ہوگا؟

جواب: اس کا حج تو صحیح ہوگا مگر وہ بلا محرم سفر کرنے کے سبب گنہگار سمجھی جائے گی، کیونکہ بے شمار دلائل سے ثابت ہے کہ سفر میں محرم کی موجودگی ضروری ہے۔ لہٰذا اس عورت پر لازم ہے کہ وہ اللہ کے حضور توبہ کرے۔ [فتاوی المرأة: ص ٤٧]

نابالغ بچہ محرم بن سکتا ہے؟

سوال: فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمینؒ سے سوال کیا گیا: جب عورت بغیر محرم کے حج کرے تو کیا اس کا حج صحیح ہے اور کیا سن شعور کو پہنچا ہوا بچہ محرم بن سکتا ہے؟

جواب: اس کا حج تو صحیح ہے لیکن محرم کے بغیر اس کا سفر کرنا حضور ﷺ کی نافرمانی ہے، آپؐ نے فرمایا:

((لاتسافر امرة الامع ذی محرم)) ''عورت سفر نہ کرے مگر محرم کے ساتھ۔''

اور نابالغ بچے کا محرم ہونا صحیح نہیں ہے، کیوں کہ وہ بچہ تو ابھی خود دوسرے کی ولایت ونگرانی کا محتاج ہے اور جس کی یہ حالت ہو وہ بھلا دوسرے کا ولی اور نگراں کیوں کر ہو سکتا ہے۔ محرم کے لیے شرط ہے کہ وہ مرد، بالغ اور عاقل ہو، اور جب وہ ان شرطوں پر پورا نہ اترتا ہو تو محرم نہیں ہو سکتا۔ اس مقام پر ایک معاملہ جو ہمارے لیے بے حد افسوس ناک ہے وہ بعض عورتوں کا بغیر محرم کے ہوائی جہاز سے سفر کرنے کی لاپروائی ہے۔ عورتیں اس معاملہ میں غفلت برتتی ہیں۔ آپ ہوائی جہاز میں تنہا عورت کو پائیں گے اور اس فعل کی علت وتوجیہ یہ بتائی جاتی ہے کہ اس کے محرم نے اس ہوائی اڈے سے اس کو رخصت کیا جہاں سے ہوائی جہاز اڑا، اور دوسرا محرم اس ہوائی اڈہ پر موجود ہوگا جہاں جہاز اترے گا حالانکہ یہ توجیہ درحقیقت کمزور ہے، کیوں کہ جس محرم نے اس کو رخصت کیا ہے وہ اس کو ہوائی جہاز میں داخل نہیں کرتا بلکہ اس کو ویٹنگ ہال تک پہنچا دیتا ہے اور بعض اوقات جہاز کے اڑان بھرنے میں تاخیر ہوتی ہے ایسی حالت میں یہ عورت بے یار ومددگار رہوتی ہے اور بعض اوقات جہاز اگلے ایئرپورٹ پر جب اترتا ہے تو اس کا محرم کسی وجہ سے وہاں موجود نہیں ہوتا مثلاً کہیں سویا رہ گیا یا بیمار ہو گیا یا بھیڑ اور رکاوٹ اس کے ایئرپورٹ پہنچنے میں حائل ہو گئی اور

اگر یہ تمام موانعات نہ بھی ہو اور جہاز اپنے وقت پر پہنچ جائے اور اس کا محرم بھی استقبال کے لیے موجود ہو تو سوال یہ ہے کہ وہ شخص جو جہاز میں اس کے بغل میں بیٹھا ہے وہ کیسا آدمی ہے؟ ہوسکتا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے بندوں سے ڈرنے والا نہ ہو۔ایسی صورت میں وہ اسے بہکائے گا اور عورت اس سے دھوکہ کھا جائے گی اور فتنے یا حرام کام کا وقوع ممکن ہو جائے گا۔لہذا عورت پر واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور بغیر محرم کے سفر نہ کرے اور مردوں پر بھی جنہیں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کا نگران بنایا ہے، واجب ہے کہ وہ اللہ سے ڈریں اور اپنے محارم کی حفاظت ونگہداشت میں کوتاہی نہ کریں تا کہ ان کی غیرت اور دین کی حفاظت ہو کیونکہ مرد اللہ کے ہاں جواب دہ ہیں اور عورتیں ان کے پاس اللہ کی امانت ہیں۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ یَاأَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا قُوْا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِیْكُمْ نَارًا وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَیْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَا أَمَرَهُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ﴾[التحریم:٦]

''اے ایمان والو! تم اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں، جس پر سخت دل مضبوط فرشتے مقرر ہیں جنہیں جو حکم اللہ تعالیٰ دیتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ جو حکم دیا جائے، اسے بجالاتے ہیں۔'' [فتاوی الحج للشیخ ابن عثیمین ص٤٨، ٤٩]

سوال: شیخ محمد بن ابراہیم سے سوال کیا گیا: جب عورت کا محرم حج میں گم ہو جائے تو وہ کیا کرے؟

جواب: اگر ظن غالب یہ ہو کہ محرم فلاں جگہ ہوگا تو اسے تلاش کیا جائے گا ورنہ وہ تنہا محرم کے بغیر ہی سفر کر لے بشرطیکہ اس کا سفر ایسا نہ ہو جو اس کے لیے خطرہ کا باعث ہو۔[ایضاً]

داماد کے ساتھ حج کرنا:

سوال: افتاء کمیٹی سے سوال کیا گیا: میں ایک شادی شدہ عورت ہوں اور حج کرنا چاہتی ہوں میں نے اپنے شوہر کے ساتھ چالیس سال زندگی بسر کی جب بھی میں ان سے حج کرنے کا ارادہ ظاہر کرتی ہوں تو وہ اس پر موافقت کرتے ہیں مگر جب حج یا عمرہ کا وقت آتا ہے تو وہ مجھے منع کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میرے مویشیوں کی دیکھ بھال کے لیے گھر میں رہوں، حالانکہ خود انہوں نے پانچ مرتبہ حج کیا ہے۔کیا میں اپنے کسی داماد کے ساتھ حج کے لیے جاسکتی ہوں؟ یاد رہے کہ میرے شوہر اس بات پر بھی راضی نہیں ہیں۔

جواب: جب تمہارا معاملہ تمہارے شوہر کے ساتھ واقعی ایسا ہی ہے جیسا کہ تم نے ذکر کیا اور تا ہنوز تم نے فریضۂ حج یا عمرہ ادا نہیں کیا تو تم پر واجب ہے کہ جن محارم (داماد) کا تم نے ذکر کیا ہے ان کے ساتھ سفر کر لو، چاہے تمہارا شوہر اس بات کی اجازت دے یا نہ دے، کیونکہ ادائیگیِ حج پر قدرت رکھنے کے باوجود تمہارا حج نہ کرنا گناہ اور خالق کی نافرمانی ہے اور خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے۔[فتاوی اللجنة الدائمة(ج۱۱، ص۱۹فتاوی نمبر:۵٦٥۹)]

طواف شروع کرنے سے پہلے حجر اَسود کو بوسہ دینا؟

سوال: سماحۃ الشیخ محمد بن ابراہیم سے سوال کیا گیا: طواف شروع کرنے سے قبل حجر اسود کو بوسہ دینے کا کیا حکم ہے؟

جواب: سنت یہ ہے کہ اس میں مزاحمت نہ کی جائے اور ویسے بھی حجر اَسود کو بوسہ دینا عورتوں کے لیے ضروری نہیں، بالکل اسی طرح جس طرح 'رَمَل' (طواف کے ابتدائی تین چکروں میں پہلوانوں کی طرح چلنے) کا حکم عورتوں کے لیے نہیں۔ اسی طرح بیت اللہ سے دور رہ کر طواف کرنا ان کے حق میں مشروع ہے، زیادہ نزدیکی سے طواف کرنا ضروری نہیں اور ایسا اس لیے ہے کہ عورتیں مردوں سے اختلاط سے دور رہیں۔[فتاوی ورسائل للشیخ محمدبن ابراهیم: ج۵ ص۲٤۱]

مقام ابراہیم کے پیچھے عورت کی نماز کا حکم؟

سوال: سماحۃ الشیخ محمد بن ابراہیم سے سوال کیا گیا: مقام ابراہیم کے پیچھے عورت کی نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب: جب بھیڑ ہو تو اس نماز کو چھوڑنا اسی طرح جائز ہے جس طرح حجر اسود کا بوسہ چھوڑنا جائز ہے۔

[فتاوی ورسائل للشیخ محمدبن ابرهیم]

کیا عورت صفا مروہ پر نہ چڑھے؟

سوال: سماحۃ الشیخ محمد بن ابراہیم سے سوال کیا گیا کہ: بعض کتابوں میں لکھا ہے: ((المرأة لاترقی الصفاوالمروة)) ''عورت صفا مروہ پر نہ چڑھے'' اس کا کیا مطلب ہے؟

جواب: اس مسئلہ میں اختلاف ہے، حنابلہ کے قول کے مطابق احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ عورت صفا مروہ میں سے کسی ایک پر چڑھے، اگرچہ ایسی چیز جس میں مشقت ہو، قابل معافی ہے۔ لیکن احتیاط کا تقاضا یہ

ہے کہ عورت کوئی ایسی چیز نہ چھوڑے، جس کے جواز کے بعض علماء قائل ہوں تا کہ اسے کوئی پریشانی اور فکر وتر دد لاحق نہ ہو، کیونکہ عامی اور جاہل شخص بعض دفعہ کسی مسنون عمل کو چھوڑ دیتا ہے تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کا حج ہی باطل ہے اور اس کا نفس خوشی واطمینان محسوس نہیں کرتا۔[...]

اگر عورت حج وعمرہ کے بعد قبر رسول کی زیارت نہ کر سکے؟

سوال: فضیلۃ الشیخ ابن عثیمین سے ایک عورت نے سوال کیا کہ: میں نے عمرہ کی نیت سے مکہ کی زیارت کی، لیکن مکہ میں ایک دن قیام کرنے کے بعد بیمار پڑ گئی اور عمرہ کے پورے ارکان وشعائر ادا نہ کر سکی۔ میں نے کعبہ کے گرد طواف کے سات چکر لگائے اور صفا ومروہ کی سات مرتبہ سعی کی مگر اس مرض کے سبب قبر رسول ﷺ کی زیارت کے لیے مدینہ نہ جا سکی اور اپنے ملک لوٹ آئی۔ اس طرح لوٹ آنے کی وجہ سے میں اضطراب محسوس کرتی ہوں، کیا میرا عمرہ معتبر اور مقبول ہے؟

جواب: جب عورت تین کام یعنی طواف، سعی اور بالوں کو کاٹنا انجام دے دے تو گویا اس نے عمرہ مکمل طور سے ادا کر لیا۔ رہی زیارت مدینہ تو یہ نہ تو عمرہ کے فرائض میں سے ہے اور نہ ہی اس کا عمرہ سے کوئی تعلق ہے۔ بلکہ مسجد نبوی کی زیارت ایک مستقل سنت ہے جسے انسان حسب سہولت حاصل کرتا ہے۔ اس عورت کے سوال کے مطابق اس کے عمرہ میں بالوں کی کٹائی باقی ہے، کیوں کہ اس نے عمرے سے فارغ ہو کر بال نہیں کاٹے۔ اور یاد رہے کہ بال کاٹنے کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے، پس اگر ابھی بھی کاٹ لے تو اس کا عمرہ مکمل ہو جائے گا اور اگر اس نے فوراً سفر نہ کیا ہو تو پھر وہ طواف وداع بھی کرے لیکن جب سعی اور تقصیر (سر کے بال کاٹنے) کے فوراً بعد وہ مکہ سے سفر کر جائے تو اس پر طواف وداع نہیں ہے۔[فتاوى الحج لفضيلة الشيخ

ابن عثيمين: ص ٣٥، ٣٦]

کیا عورت کے لیے حج وعمرہ کا کوئی مخصوص لباس ہے؟

سوال: فضیلۃ الشیخ صالح الفوزان سے سوال کیا گیا کیا یہ ضروری ہے کہ عورت مناسک حج ادا کرنے کے لیے مخصوص کپڑے پہنے؟

جواب: عورت کے لیے مناسک حج کی ادائیگی کے لیے کوئی کپڑے مخصوص نہیں، بلکہ جس طرح کے کپڑے پہننے کی پہلے سے اس کی عادت ہے ویسے ہی ساتر (بدن کو ڈھانپنے والے) کپڑے پہنے گی، اس

میں زینت اور مردوں سے مشابہت نہ ہو،البتہ احرام والی عورت کے لیے برقعہ،نقاب اور دستانے پہننا ممنوع ہے مگر اس کا یہ معنی نہیں کہ عورت کو حالت احرام میں چہرہ اور ہتھیلیاں ڈھانپنے سے مطلقاً منع کیا گیا بلکہ صرف، برقع ونقاب اور دستانوں کے ساتھ پردہ کرنے سے منع کیا گیا ہے۔[کتاب المنتقی من فتاوی الشیخ صالح الفوزان، ج۳،ص۱۷۶،۱۷۷]

سوال: فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین سے سوال کیا گیا: کیا حج کا احرام باندھنے والی عورت کے لیے جائز ہے کہ اپنا لباس جب چاہے تبدیل کر لے اور کیا احرام کے لیے کوئی متعین لباس ہے اور محرمہ کے لیے نقاب اور دستانوں کا کیا حکم ہے؟

جواب: محرمہ کے لیے ضرورتاً یا بلا ضرورت اپنے کپڑے بدل کر دوسرے کپڑے پہننا جائز ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ دسرے کپڑے بے پردگی اور بناؤ سنگھار کو مردوں کے سامنے نمایاں کرنے کا ذریعہ نہ ہوں۔ایسی صورت میں اگر عورت اپنے اس لباس کو جس میں اس نے احرام باندھا ہے تبدیل کرتی ہے تو اس پر کوئی حرج نہیں ہے۔عورت کے احرام کے لیے کوئی مخصوص لباس نہیں ہے، بلکہ جو کپڑے چاہے زیب تن کر سکتی ہے مگر نقاب اور دستانے استعمال نہ کرے۔[فتاوی الحج للشیخ ابن عثیمین (ص ۱۱)]

بھیڑ کی صورت میں عورت کی طرف سے رمی جمار کوئی اور کر سکتا ہے؟

سوال: افتاء کمیٹی سے سوال کیا گیا کہ: ایک حاجی کے ساتھ چند جوان عورتیں ہیں جو بھیڑ سے پریشانی محسوس کرتی ہیں، تو کیا وہ خود رمی جمار کی کوشش کریں گی یا سخت بھیڑ کی حالت میں اپنی طرف سے کسی قریبی آدمی کو رمی جمار کے لیے بھیج سکتی ہیں؟ اسی طرح عید کے دن کیا سورج طلوع ہونے سے پہلے وہ جمرہ عقبہ کو کنکریاں مار سکتی ہیں؟ اور بقیہ ایام میں رمی کے لیے کسی اور کو وکیل بنا سکتی ہیں؟

جواب: جو شخص رمی جمار سے عاجز ہو تو وہ اپنی طرف سے رمی کے لیے کسی کو وکیل بنا سکتا ہے اور اس حکم میں جمرہ عقبہ اور دیگر جمرات کے درمیان فرق نہیں ہے۔اور کسی ثقہ آدمی کو جو اس سال حج کر رہا ہو وکیل بنانا چاہیے۔جن جوان عورتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ اور ان جیسے دوسرے لوگوں کے لیے بھیڑ کی وجہ سے کسی اور کو اپنا وکیل بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔اسی طرح ان پر عید کی رات کے آخری حصہ میں اور عید کی صبح طلوع آفتاب سے قبل جمرہ عقبہ کو کنکریاں مارنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے کمزوروں کو اس کی اجازت دی ہے۔[فتاوی اللجنۃ الدائمۃ : ج ۱۱ ص ۲۸۶]

دورانِ حج میاں بیوی کی مباشرت؟

سوال: فضیلۃ الشیخ صالح الفوزان سے سوال کیا گیا: اس شخص کا کیا حکم ہے جس نے حج کے وقت اپنی بیوی سے اختلاط کیا؟

جواب: محرم کے لیے اپنی بیوی سے لطف اندوز ہونا، مباشرت ومجامعت کرنا یا شہوت آمیز گفتگو کرنا جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ﴾[البقرة:١٩٧]

''جو شخص ان (حج کے مہینوں) میں حج لازم کرلے تو وہ اپنی بیوی سے میل ملاپ (صحبت وجماع) کرنے، گناہ کرنے اور لڑائی جھگڑا کرنے سے بچتا رہے۔''

البتہ جب مناسک حج کی ادائیگی کے بعد مرد احرام کھول کر حلال ہوجائے یعنی جمرہ عقبہ کو عید کے دن کنکریاں مار دے اور اپنا سر منڈوالے یا بال چھوٹے کروالے اور طواف افاضہ اور اگر صفاو مروہ کی سعی طواف افاضہ کے بعد اس پر لازم ہو، کر چکے، تو ان تینوں کاموں سے فارغ ہوجانے کے بعد اس کے لیے بیوی سے لطف اندوز ہونا جائز ہے۔[كتاب المنتقى من فتاوى صالح الفوزان(ج٣،ص١٨٦، ١٨٧)]

دورانِ حج چہرے کا پردہ:

سوال: سماحۃ الشیخ محمد بن ابراہیم سے سوال کیا گیا: عورت کا اپنی پیشانی پر لکڑی یا پٹی و عمامہ باندھنا تاکہ چہرہ پر پڑی چادر یا پردہ کو اٹھا سکے، کیسا ہے؟

جواب: عورت پر لازم نہیں ہے کہ چہرہ سے پردہ ہٹانے کے لیے لکڑی یا پٹی باندھے۔ بعض عورتیں غیر مسنون اعمال کرتی ہیں مثلاً لکڑی پیشانی پر رکھتی یا سر پر عمامہ باندھتی ہیں اور یہ دونوں بدعت ہیں۔

اور بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ ''چہرے کا پردہ چہرے کو مس نہ کرے۔'' یہ بات کسی عالم یا فقیہ نے نہیں کہی اور نہ ہی اس کی کوئی دلیل ہے۔ واضح ہو کہ یہ حدیث:

((احرام المرأة في وجهها)) ''یعنی عورت کا احرام اس کے چہرہ میں ہے۔''

صحیح نہیں ہے۔ لہٰذا صحیح یہی ہے کہ پردہ جب عورت کے چہرہ سے چھو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ جب مردوں کا گزر ہو تو چہرہ چھپانا واجب ہے، چاہے پردے کا کپڑا چہرے سے مس ہوجائے۔ اس

پر کوئی فدیہ نہیں اور نہ ہی اس میں کوئی حرج ہے۔

صحیح بات یہ ہے کہ چہرہ کو ڈھانپنا مطلقاً ممنوع نہیں ہے۔ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

((کان الرکبان یمرون بنا ونحن مع رسول اللہ ﷺ محرمات فاذا حاذوا بنا سدلت احدانا جلبابها من أعلى رأسها وجهها فاذا جاوزونا كشفناه))

"یعنی سواروں کا قافلہ ہم سے گزرتا تھا اور ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ احرام میں ہوتی تھیں، پس جب وہ قافلے ہمارے مقابل آ جاتے تو ہم میں سے ہر عورت اپنی چادر سر کے اوپر سے چہرے پر لٹکا لیتی اور جب قافلے ہم سے گزر جاتے تو ہم چہرہ کھول لیتیں۔" [فتاوی ورسائل للشیخ محمد بن ابراهیم]

سوال: فضیلۃ الشیخ ابن عثیمین سے سوال کیا گیا: احرام کی حالت میں عورت کے برقع پہننے اور گھونگٹ کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: برقع سے نبی اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ محرمہ عورت نقاب نہ ڈالے، برقع بدرجہ اولیٰ ممنوع ہے، لہذا جب اس کے اردگرد اجنبی مرد ہوں تو اپنی اوڑھنی یا چادر سے اپنے چہرہ کو مکمل ڈھانپ لیا کرے اور جب اس کے اردگرد اجنبی مرد نہ ہوں تو اپنا چہرہ کھول لے، یہی افضل اور سنت ہے۔

[الفتاوى المكيه للشيخ ابن عثيمين (ص ٣٦)]

حائضہ عورت کا حج وعمرہ:

سوال: افتاء کی دائمی کمیٹی سے دریافت کیا گیا: حائضہ کے حج کا کیا حکم ہے؟

جواب: حیض، حج سے مانع نہیں ہے اور جو عورت حالتِ حیض میں احرام باندھے اس کو تمام اعمال حج ادا کرنے چاہییں، البتہ حیض ختم ہونے اور غسل کرنے تک بیت اللہ کے طواف سے رکی رہے۔ یہی حکم نفاس والی عورتوں کا ہے، پس جب وہ ارکان حج ادا کر لے تو اس کا حج صحیح ہے [فتاوی اللجنة: ج ١١ ص ١٧٢]

سوال: فضیلۃ الشیخ ابن عثیمین سے سوال کیا گیا: ایک عورت نے اپنے شوہر کے ساتھ حالتِ حیض میں احرام باندھا اور جب پاک ہوئی تو شوہر کے بغیر عمرہ ادا کیا اور عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد خون دوبارہ جاری ہو گیا، کیا وہ دوبارہ عمرہ کرے گی؟ اور اسی طرح اپنے حیض کے دوران وہ حرم کے صحن میں رہی تو کیا اس کے سبب وہ گنہگار ہو گی؟

جواب: ہم کہتے ہیں کہ اس عورت کا جو معاملہ ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جب وہ مکہ آئی تو اس کے ساتھ اس کا محرم تھا اور اس نے میقات سے بحالت حیض احرام باندھا تھا، اس کا حیض کی حالت میں میقات سے احرام باندھنا صحیح احرام ہے، اس لیے کہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مقامِ ذوالحلیفہ میں فتویٰ طلب کیا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے نفاس آ گیا ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا:

((اغتسلی واستثفری بثوب واحرمی))

''یعنی غسل کرلو اور کوئی کپڑا (شرمگاہ) پر مضبوط باندھ لو اور احرام میں آ جاؤ۔''

لہٰذا (مذکورہ عورت) کا احرام صحیح ہے اور جب وہ مکہ آئی اور پاک ہوگئی اور عمرہ بغیر محرم کے ادا کیا تو اس پر ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ وہ شہر کے وسط میں ہے۔ لیکن اس کے خون کا دوبارہ آنا اس طہارت میں اشکال پیدا کرتا ہے جسے اس نے دیکھا اور پایا ہے۔ ایسی حالت میں ہم اس عورت سے یہ کہتے ہیں کہ اگر تم نے یقینی طور پر طہر دیکھا تو تمہارا عمرہ صحیح ہے، اور اگر تمہیں اس میں شک ہے تو از سرِ نو عمرہ کا اعادہ کرلو، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ میقات جا کر احرام باندھے گی بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ بیت اللہ میں جائے اور طواف، سعی اور تقصیر (بال کاٹنے) کا عمل کرلے۔ [دروس وفتاوی لابن عثیمین ۳۔۲۳۵]

طوافِ وداع حائضہ سے ساقط ہے:

سوال: فضیلۃ الشیخ محمد بن عثیمین سے سوال کیا گیا: میں نے پچھلے سال فریضہ حج ادا کیا اور طواف افاضہ اور طواف وداع کے علاوہ تمام شعائرِ حج ادا کیے۔ ان دونوں طواف سے مجھے شرعی عذر نے روک دیا اور میں اپنے گھر مدینہ طیبہ اس ارادہ سے لوٹ آئی کہ کسی دن مکہ لوٹ کر طواف افاضہ اور طواف وداع کرلوں گی۔ اور دینی امور سے اپنی ناواقفیت کے سبب میں ہر چیز سے حلال ہوگئی اور وہ تمام کام کر لیے جو بحالت احرام ممنوع ہیں اور جب میں نے طواف کے لیے مکہ لوٹنے کے سلسلہ میں دریافت کیا تو مجھے کہا گیا کہ تمہارے لیے طواف کرنا صحیح نہیں ہے تمہارا حج فاسد ہوگیا اور تم پر اعادہ حج لازم ہے۔ یعنی آئندہ سال میں دوبارہ حج کروں اور ایک گائے یا اونٹ ذبح کروں تو کیا یہ صحیح ہے یا اس کا کوئی دوسرا حل ہے؟ کیا میرا حج فاسد ہوگیا اور مجھ پر اعادہ لازم ہے؟ مجھ پر جو چیز واجب ہے اس کی وضاحت فرمائیں۔

جواب: یہ بھی ایک مصیبت ہے جو بلا علم فتویٰ دینے سے حاصل ہوئی ہے۔ تم پر اسی حالت میں مکہ لوٹ

کر صرف طواف افاضہ کرنا واجب ہے، رہا طواف وداع تو اگر مکہ سے نکلتے وقت تم حائضہ تھی تو طواف وداع تم پر واجب نہیں ہے، کیوں کہ طواف وداع حائضہ کو لازم نہیں، ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے:

((امر الناس ان یکون آخر عهدهم بالبیت الا انه خفف عن الحائض)) وفی ابی داؤد:

((ان یکون آخر عهدهم بالبیت الطواف))

''یعنی لوگوں کو حکم دیا گیا کہ ان کا آخری عمل طواف کعبہ ہو مگر حائضہ کے لیے اس میں تخفیف کر دی گئی ہے۔''

چونکہ تم بوجہ جہالت تمام چیزوں سے حلال ہوگئی ہو اس لیے یہ تمہارے لیے کچھ نقصان دہ نہیں، کیوں کہ ناواقف شخص جب ممنوعات احرام میں سے کسی ممنوع چیز کا ارتکاب کر لے تو اس پر کچھ لازم نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ ولیس علیکم جناح فیما اخطاتم به ولکن ما تعمدت قلوبکم ﴾[الاحزاب:٥]

''اور تم سے بھول چوک میں جو کچھ ہو جائے اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے، البتہ گناہ اس پر ہے جس کا تم دل سے ارادہ کرو۔''

لہٰذا وہ تمام ممنوعات جنہیں اللہ تعالیٰ نے محرم کے لیے حرام فرمایا ہے، اگر کوئی ان کو بوجہ جہالت یا نسیان یا بحالتِ اکراہ و مجبوری کر لے تو اس پر کوئی فدیہ لازم نہیں ہے۔ لیکن جب عذر ختم ہو جائے تو اس سے باز رہنا واجب ہے۔[٥٢ سؤالا عن احکام الحیض للشیخ ابن عثیمین (ص ٣٩، ٤٠)]

سوال: سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز سے سوال کیا گیا: جب یوم ترویہ (آٹھویں ذی الحجہ) کو نفاس والی عورت کا نفاس شروع ہو اور وہ طواف و سعی کے علاوہ دیگر ارکان حج مکمل کر لے پھر دس دنوں کے بعد خیال کرے کہ وہ پاک ہوگئی ہے تو کیا وہ طہارت اور غسل کے بعد باقی ماندہ طواف افاضہ کر سکتی ہے؟

جواب: ہاں، عورت مثلاً آٹھویں ذی الحجہ کو نفاس والی ہو جائے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ حج کرے اور لوگوں کے ساتھ عرفات و مزدلفہ میں ٹھہرے اور جس طرح لوگ رمی جمار، بالوں کی تقصیر اور قربانی کا جانور ذبح کرتے ہیں، اسی طرح وہ بھی یہ تمام کام انجام دے البتہ پاک ہونے تک طواف و سعی اس کے ذمہ باقی رہے گی، جب دس دنوں کے بعد یا اس سے زیادہ یا کم مدت میں وہ پاک ہو جائے تو غسل کرے اور نماز ادا کرے، روزہ رکھے اور طواف و سعی کرے۔ نفاس کی اقل مدت محدود نہیں ہے، کبھی عورت دس دن میں

پاک ہوجاتی ہے اور کبھی اس سے کم اور کبھی زیادہ مدت میں۔لیکن نفاس کی اکثر مدت اور آخری حد چالیس دن ہے۔جب چالیس دن پورے ہوجائیں اور خون بند نہ ہو تو وہ خود کو پاک عورتوں کے حکم میں شمار کرے۔

[کتاب فتاوی الدعوة للشیخ ابن باز ١-١٣٤]

عدت کے دوران حج:

سوال: فضیلۃ الشیخ ابن عثیمینؒ سے سوال کیا گیا: جس عورت کا خاوند انتقال کر جائے، کیا وہ عدت کے دوران حج کر سکتی ہے؟ اور جو وفات کے علاوہ (طلاق کی) عدت گزار رہی ہو، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: نہیں، ایسی عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ حج کے لیے گھر سے باہر نکلے اور سفر کرے، جب تک کہ اس کی عدت پوری نہ ہو جائے کیونکہ وہ اس حالت میں حج کی مکلّف نہیں، بلکہ اس حالت میں اس کے لیے گھر میں باقی رہ کر عدت گزارنی واجب ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن بانفسھن اربعة اشھر وعشرا﴾

''تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ عورتیں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن عدت میں رکھیں۔'' [البقرۃ:۲۳۴]

پس ضروری ہے کہ وہ اپنی عدت ختم ہونے کا انتظار گھر میں رہ کر کرے۔البتہ وفات کے علاوہ عدت گزارنے والی مطلقہ رجعیہ ہو تو وہ بیوی کے حکم میں ہے، لہٰذا وہ شوہر کی اجازت کے بغیر سفر نہ کرے۔مرد پر کوئی حرج نہیں ہے کہ جب مصلحت دیکھے تو اس کو حج کی اجازت دے دے بشرطیکہ وہ اپنے محرم کے ساتھ حج کرے۔[فتاوی الحج للشیخ ابن عثیمین، ص۵۰]

والدین کی طرف سے حج:

سوال: افتاء کی دائمی کمیٹی سے دریافت کیا گیا: کیا کسی مسلمان کے لیے جائز ہے کہ اپنے والدین کی طرف سے حج وعمرہ کرے جبکہ وہ بقید حیات ہوں؟

جواب: یہ مسئلہ تفصیل طلب ہے، اگر فرض حج اور فرض عمرہ ہو تو زندہ شخص کی طرف سے ان کی ادائیگی میں نیابت جائز نہیں ہے، الا یہ کہ وہ دائمی طور پر حج وعمرہ کی ادائیگی سے عاجز ہو تو اس کی طرف سے حج ہو سکتا ہے مثلاً ایسا مریض جسے مرض نے سواری پر بیٹھنے کے لائق نہ چھوڑا ہو اور وہ بذاتِ خود اعمال حج ادا نہ کر سکتا

ہو یا بہت بوڑھا ہو جائے، تو ایسے لوگوں کی طرف سے نیابت ہو سکتی ہے۔ اس پر وہ حدیث دلالت کرتی ہے جس میں آیا ہے کہ ایک عورت نے نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ میرے والد پر اللہ تعالیٰ کا فریضۂ حج ثابت ہے مگر وہ سواری پر بیٹھنے کی طاقت نہیں رکھتے، کیا میں ان کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ نبی اکرم ﷺ نے اس سے فرمایا:

((حجی عن ابیك)) ''ہاں، تم اپنے باپ کی طرف سے حج ادا کرو۔''

اگر حج نفلی ہو تو اس میں وسعت ہے علماء کی ایک جماعت کے نزدیک استطاعت رکھنے والے کی طرف سے بھی نفلی حج کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ [فتاوی اللجنة الدائمة(ج ١١، ص ٥٥، ٥٦)]

بیوی کی طرف سے حج:

سوال: افتاء کی دائمی کمیٹی سے سوال کیا گیا: کیا میرے لیے جائز ہے کہ اپنی بیوی کی طرف سے عمرہ ادا کروں جبکہ وہ بقید حیات ہے؟

جواب: اگر حج، عمرہ اس پر فرض ہو تو اس میں نیابت جائز نہیں مگر یہ کہ جس کی جانب سے حج یا عمرہ کیا جا رہا ہے وہ بذات خود اسے انجام دینے سے عاجز ہو، خواہ درازیٔ عمر یا سخت بڑھاپے کی وجہ سے عاجز و ناتواں ہو یا ایسے دائمی مرض کے سبب جس کے ہوتے ہوئے وہ حج و عمرہ نہیں کر سکتا اور صحت یابی کی توقع بھی نہ ہو تو ایسی صورت میں اسلام کے فریضۂ حج و عمرہ کی ادائیگی اس کے لیے چونکہ مشکل ہے، لہٰذا وہ اپنی جانب سے حج و عمرہ کے لیے کسی کو نائب بنا سکتا ہے۔ البتہ نفلی حج و عمرہ میں وسعت ہے۔ پس اگر نفلی حج و عمرہ کے لیے کسی کو وکیل بنا دے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اگرچہ افضل [بلکہ بعض علماء کے نزدیک واجب] یہ ہے کہ ایسا شخص جو بذات خود حج و عمرہ کرنے پر قادر ہو خواہ نفلی حج و عمرہ ہی کیوں نہ ہو، وہ خود ہی انہیں انجام دے۔

دورانِ حج مانع حمل گولیوں کا استعمال:

سوال: فضیلۃ الشیخ ابن عثیمین سے سوال کیا گیا: فرض عمرہ یا حج کی ادائیگی کے پیش نظر مانع حمل گولیوں کے استعمال کا کیا حکم ہے؟

جواب: میں عورتوں کے لیے مانع حمل گولیوں کا استعمال مناسب نہیں سمجھتا مگر یہ کہ ضرورت اس کی

متقاضی ہو مثلاً عورت کمزور جسم یا مریضہ ہو یا اس کے مثل کوئی اور عذر ہو جو اسے ان گولیوں کے استعمال پر مجبور کر دے۔ اور جب حمل سے نقصان پہنچنے کے سبب ان گولیوں کا استعمال جائز ہو جائے تو اس کے لیے شوہر کی موافقت ضروری ہے، کیونکہ نسل میں مرد کا اسی طرح حق ہے جس طرح عورت کا حق ہے، اسی لیے علماء نے کہا ہے کہ مرد کے لیے آزاد عورت سے عزل کرنے میں اس کی رضامندی ضروری ہے، اور عزل بھی عدم حمل کے اسباب میں سے ایک سبب ہے، لہٰذا تمام عورتوں کو میری نصیحت ہے کہ اس سے پرہیز کریں۔ جب اولاد کی کثرت ہوگی تو یہ زیادہ برکت ونفع کا ذریعہ اور نبی ﷺ کے حکم کی زیادہ تکمیل ہوگی، رہا حج وعمرہ کی ادائیگی پر متمکن وقادر ہونے کے لیے گولیوں کا استعمال، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ یہ ایک وقتی اور عارضی معاملہ ہے۔ مگر ان حالتوں میں سے کسی بھی حالت میں مانع حمل گولیوں کے استعمال کے لیے طبیب کی رائے لینا ضروری ہے۔ [دروس وفتاوی الحرم المکی للشیخ ابن عثیمین (ج۳، ص۲۳۶، ۲۳۷)]

کیا عورت قربانی کا جانور خود ذبح کر سکتی ہے؟

سوال: سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز سوال کیا گیا: کیا عورت کے لیے جائز ہے کہ خود قربانی کا جانور ذبح کرے اور کیا اس کے ذبح کیے ہوئے جانور میں سے کھانا جائز ہے؟

جواب: عوت کے لیے ایسا کرنا جائز ہے۔ اس سلسلہ میں صحیح احادیث موجود ہیں۔ اور اس جانور سے کھانا بھی اس کے لیے جائز ہے بشرطیکہ وہ مسلمان ہو یا کتابیہ (یعنی یہودیہ ونصرانیہ) ہو اور جانور شرعی طریقہ سے ذبح کیا گیا ہو، اگر چہ وہاں ایسا مرد موجود ہو جو عورت کے قائم مقام ہو سکتا ہے کیونکہ عورت کا ذبیحہ حلال ہونے کے لیے مرد کی عدم موجودگی شرط نہیں ہے۔ [فتاوی الدعوۃ للشیخ ابن باز ج۲ ص۱۸۳]

............*

باب۴:

عورت کی اِزدواجی وخانگی زندگی

عورت کی زندگی کا سب سے اہم حصہ شادی کے بعد شروع ہوتا ہے۔شادی سے پہلے کی زندگی جو ایک عورت اپنے والدین اور بہن بھائیوں کے ساتھ گزارتی ہے، اسے عورت کی تربیتی زندگی کہا جا سکتا ہے جبکہ شادی کے بعد اسے ایک ذمہ دار خاتون کی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے۔اب اسے ایک ذمہ دار بیوی، ایک ذمہ دار بہو، ایک ذمہ دار ماں اور پھر ایک ذمہ دار ساس کا کردار ادا کرنا ہوتا ہے۔اگر اس کی تعلیم وتربیت ایک اچھے اور صالح ماحول میں ہوئی ہے تو وہ اپنی ان تمام ذمہ داریوں کو نہایت اچھے طریقے سے انجام دے سکتی ہے اور اگر اس کی تعلیم وتربیت میں کمی رہ گئی ہے تو اب باشعور اور ذمہ دار ہونے کی وجہ سے اسے ان کمیوں، کوتاہیوں پر قابو پا کر اپنے آپ کو کامیاب بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ہم یہاں بتائیں گے کہ ایک عورت اپنی ذمہ داری کس طرح حسنِ اسلوب سے ادا کر سکتی ہے اور دنیا وآخرت کی کامیابیاں پا سکتی ہے۔

(۱)......صالح اور خوش اخلاق شوہر کا انتخاب:

ایک مسلمان خاتون کو اس بات کا علم ہونا چاہیے کہ اسلام نے اسے یہ حق دیا ہے کہ وہ شادی کے لیے اپنی رضامندی یا عدم رضامندی کے بارے میں رائے دے سکتی ہے۔لہٰذا اگر اس کے والدین اس کے سامنے ایسا رشتہ پیش کریں جو اسے پسند نہ ہو تو وہ اس رشتے سے انکار کر سکتی ہے اور اس کے انکار پر والدین اس پر زبردستی نہیں کر سکتے۔جب ایک مسلمان عورت کو اسلام نے یہ حق عطا کیا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے اس حق کو اسلام ہی کے لیے استعمال کرے۔یعنی ایسے شخص کی بیوی بننا پسند کرے جو دیندار ہو، نمازی ہو، پرہیزگار ہو، خوش اخلاق اور صالح کردار کا مالک ہو۔

ان خوبیوں کے ساتھ اگر وہ مالدار، خوبصورت اور عالی نسب ومعزز بھی ہو تو یہ نور علیٰ نور اور سونے پر سہاگہ ہے لیکن اگر یہ ساری خوبیاں نہ ہوں مگر دینداری وخوش اخلاقی کا وصف موجود ہو تو مسلمان خاتون کو ایسا رشتہ ضائع کر کے کسی ایسے شخص کے ساتھ عقدِ نکاح نہیں باندھنا چاہیے جو خوبصورت، مالدار اور عالی نسب تو ہو مگر

دین وتقوی کا اس میں دور دور تک کوئی نام ونشان نہ ہو۔ کیونکہ ایسے شخص سے نکاح کے بعد اسے راہِ راست پر لانا بہت مشکل ہے بلکہ قوی اندیشہ ہے کہ ایسا شخص دیندار عورت کو بھی اس کے دین کے سلسلہ میں آزمائش میں ڈال دے گا۔ ہمارے سامنے ایسی کئی مثالیں موجود ہیں مثلاً میں جانتا ہوں کہ ایسے ہی ایک شخص نے اپنی نیک صالح بیوی کو محض اس وجہ سے طلاق دے دی کہ وہ اس کے کہنے پر اس کے دوستوں اور غیر محرم رشتہ داروں کے سامنے بے پردہ ہو کر نہیں آتی تھی!

اسی طرح ایک شخص کی شادی اس کے والدین نے ایک عالمہ، فاضلہ اور دیندار لڑکی سے کر دی مگر اسے نمازی، پرہیزی اور باپردہ عورت پسند نہ آئی۔ شادی کے کچھ ہی عرصہ بعد اس نے اس دیندار عورت کو طلاق دیئے بغیر چھوڑ دیا اور خود اپنے دفتر میں کام کرنے والی ایک ماڈرن اور بے دین عورت سے لومیرج کر لی۔

ایسے بے دین شوہروں کے مقابلہ میں اگر شوہر دیندار ہوگا تو وہ دیندار خاتون کی قدر بھی کرے گا اور اسے ایسا ماحول بھی مہیا کرے گا، جہاں وہ خاتون دینی تعلیمات پر پورا پورا عمل کر سکے اور اگر شوہر تو نیک صالح ہو مگر عورت دینی تعلیمات سے ناواقف ہو تو پھر بھی اسے نیک شوہر کی بیوی بننا چاہیے کیونکہ اس طرح دیندار شوہر کی رفاقت سے وہ خود بھی آہستہ آہستہ دینی تعلیمات پر عمل شروع کر دے گی۔ مجھے یاد ہے کہ ایک بہت بڑے عالمِ دین تھے مگر ان کی بیوی ماڈرن تھی۔ البتہ ایک بات تھی کہ وہ شوہر کی وفادار اور اطاعت شعاری کے وصف سے متصف تھی۔ چنانچہ نیک صالح خاوند کی رفاقت سے وہ خود بھی صالح خاتون بنیں اور آگے ان کی اولاد بھی نیک صالح ثابت ہوئی۔

(۲)......شوہر کی اطاعت گزاری:

ایک مسلمان خاتون کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کی جسمانی ساخت میں کچھ امتیازات اور نمایاں فرق رکھے ہیں۔ مرد اور عورت دونوں مل کر ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔ دونوں کے ملاپ سے ایک خاندان وجود میں آتا ہے اور اس نئے خاندان کی تعمیر وتشکیل میں دونوں اپنا اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ گھر اور اس سے متعلقہ ضروری سامان، اشیائے خورد ونوش اور دیگر نا گہانی مسائل سے نمٹنے کے لیے مرد ذمہ دار ہے اور گھر کے اندرونی معاملات یعنی گھر کی صفائی ستھرائی، بچوں کی نگہداشت اور کھانے پکانے کی ذمہ داری عورت ادا کرتی ہے۔ مرد اگر عورت کا کام سنبھال لے یا عورت مرد کا کام سنبھال لے تو گھریلو نظم ونسق تباہ وبرباد ہو کر رہ جاتا ہے، میاں بیوی کا باہمی اعتماد ختم ہو جاتا ہے، بچے

والدین کی شفقت اورتوجہ سے محروم ہو جاتے ہیں۔اس لیے مردوزن کو چاہیے کہ وہ اپنی طبعی ساخت کی مناسبت سے وہی ذمہ داری انجام دیں جوان پر عائد ہوتی ہے۔اس ذمہ داری کو بحسن وخوبی پورا کرنے کے لیے دونوں کو آپس میں ایک دوسرے پراعتماد کے ساتھ ساتھ کسی ایک کو فائنل اتھارٹی تسلیم کرنا ہو گا اور ظاہر ہے طبعی وفطرتی اعتبار سے مرد ہی اس کا اہل قرار پاتا ہے چنانچہ اسلام نے مرد کو گھریلو نظم ونسق میں سربراہ تسلیم کیا ہے اور سربراہ تسلیم کرنے کے ساتھ بیوی بچوں کی رہائش، نان ونفقہ اور دیگر اخراجات کا اسے ذمہ دار مقرر کیا ہے۔

دوسری طرف عورت کو یہ تاکید کی ہے کہ وہ اپنے خاوند کو اپنی جنت سمجھے، اس کی حددرجہ اطاعت کرے، اس کی ترقی وکامیابی کو اپنی ترقی وکامیابی اور اس کی خوشی کو اپنی خوشی سمجھے۔ظاہر ہے اگر خاوند نیک ہوگا تو وہ اپنی بیوی کو خلاف شریعت کاموں کا حکم نہیں دے گا۔اس لیے بیوی کو چاہیے کہ وہ شوہر کی اتنی اطاعت گزار بن جائے کہ شوہر کا دل جیت لے اور اسے اتنا راضی کرلے کہ وہ اپنی بیوی کے مشورے کے بغیر کوئی قدم نہ اٹھائے، اپنی بیوی سے کوئی بات نہ چھپائے، اور اپنی بیوی کی اطاعت گزاری پر اللہ کا شکر ادا کرے۔ اگر عورت اطاعت گزار بن جائے تو واقعی اس کا شوہر ایک مثالی شوہر بن سکتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ پہلے وہ مثالی بیوی بن کر دکھائے۔ایک مسلمان خاتون کے لیے اپنے شوہر کی اطاعت اور اس کی خدمت کس قدر ضروری ہے اس کے لیے ذیل میں دی گئی آیات واحادیث کا ذرا بغور مطالعہ فرمائیں:

۱)......قرآن مجید میں ہے:

﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ﴾
''مرد عورتوں پر قوام (نگران/ذمہ دار) ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالی نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے (بھی) کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں۔'' (النساء-۳۴)

خاوند کو اس کی مردانہ ساخت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے گھر کا حاکم مقرر کیا ہے، لہذا جس طرح عوام حاکم کی مطیع ہوتی ہے اسی طرح عورت اپنے خاوند کی مطیع ہے اور اگر وہ خود حاکم بن کر خاوند کو مطیع بنانے کی کوشش کرے گی تو گھر کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔جبکہ خاوند کی اطاعت سے گھر کا نظام مستقل بنیادوں پر استوار ہوتا ہے۔

۲)......خاوند کی اطاعت کرنے والی عورت کے بارے میں حدیث نبویؐ ہے کہ

((اِذَا صَلَّتِ الْمَرْأَةُ خَمْسَهَا وَصَامَتْ شَهْرَهَا وَحَصَّنَتْ فَرْجَهَا وَاَطَاعَتْ بَعْلَهَا دَخَلَتْ مِنْ اَيِّ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَآءَتْ))

''جو عورت پانچ وقت کی نماز پڑھے، رمضان کے روزے رکھے، اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے اور اپنے خاوند کی اطاعت کرے تو وہ جنت میں جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے گی۔''[1]

۳)......ایک روایت میں ہے کہ جس عورت کی وفات اس حال میں ہوئی کہ اس کا خاوند اس سے راضی تھا تو وہ عورت جنت میں داخل ہوگی۔[2]

۴)......حضرت حصین بن محصنؓ سے مروی ہے کہ مجھے میری پھوپھی نے بتایا کہ وہ کسی کام سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آنحضرتؐ نے پوچھا:

''یہ کون ہے؟ کیا شوہر دیدہ عورت ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! پھر آپؐ نے پوچھا کہ تیرا اپنے شوہر کے ساتھ رویہ کیسا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں نے کبھی اس کی اطاعت میں کمی نہیں کی، سوائے اس کے جو میری استطاعت میں نہ ہو۔ تو آنحضرتؐ نے فرمایا: (یہ دیکھو کہ) خاوند کی نگاہ میں تم کیسی ہو؟ کیونکہ وہی تمہاری جنت ہے یا جہنم!''[3]

۵)......نبی اکرمؐ سے پوچھا گیا کہ بہترین عورت کون سی ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا:

((اَلَّتِیْ تَسُرُّهُ اِذَا نَظَرَ وَتُطِيْعُهُ اِذَا اَمَرَ وَلَا تُخَالِفُهُ فِیْ نَفْسِهَا وَمَالِهَا بِمَا يَكْرَهُ))

''سب سے بہترین وہ عورت ہے کہ جب اس کا شوہر اس کی طرف دیکھے تو وہ اسے خوش کر دے، جب وہ اسے کسی بات کا حکم دے تو اس کی اطاعت کرے اور اس کے مال اور جان کے حوالے سے اس کا شوہر جس چیز کو ناپسند کرتا ہو اس میں وہ اپنے شوہر کی مخالفت نہ کرے۔''[5]

---

(۱) صحیح ابن حبان: کتاب النکاح: باب ذکر ایجاب الجنة للمرأة اذا اطاعت زوجها............(ح ۴۱۶۳)، صحیح الجامع الصغیر للالبانی (ح ۶۸۳)

(۲) ترمذی (ح ۱۱۶۱)، ابن ماجه (ح ۱۸۵۴)

(۳) مصنف ابن ابی شیبة (ج۷ص۴۷)، عشرة النساء للنسائی (۱۰۶ ـ ۱۰۹)، احمد (۴/ ۳۴۱)، ابن سعد (۸/ ۴۵۹) المعجم الاوسط (۷/ ۲۹۱) امام منذری فرماتے ہیں کہ اس روایت کو احمد اور نسائی نے جید سند سے روایت کیا۔ دیکھئے: الترغیب والترهیب (۳/ ۷۴) امام حاکم اور ذہبی نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔ مستدرک حاکم (۲/ ۱۸۹)

(۵) صحیح سنن نسائی (ح ۳۰۳۰)، مسند احمد (ج ۲ ص ۲۵۱، ۴۳۲، ۴۳۸)

۶)......ایک روایت میں ہے کہ

((خَيْرُ فَائِدَةٍ اَفَادَهَا الْمَرْءُ الْمُسْلِمُ بَعْدَ اِسْلَامِهٖ اِمْرَاَةٌ جَمِيْلَةٌ تَسُرُّهُ اِذَا نَظَرَ اِلَيْهَا وَتُطِيْعُهُ اِذَا اَمَرَهَا وَتَحْفَظُهُ فِيْ غَيْبَتِهٖ فِيْ مَالِهَا وَنَفْسِهَا))

"اسلام قبول کرنے کے بعد مسلمان شخص کے لیے سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کی بیوی (ایسی) خوبصورت ہو کہ جب وہ اس کی طرف دیکھے تو وہ اسے خوش کر دے اور جب وہ اسے حکم دے تو وہ اس کی اطاعت کرے اور اس کی عدم موجودگی میں وہ عزت اور مال کی حفاظت کرے۔"[1]

(۳)......اپنے سسرال سے حسنِ سلوک:

ایک نیک مسلمان خاتون صرف اپنے خاوند کی خدمت پر اکتفا نہیں کرتی بلکہ خاوند کے والدین یعنی اپنے سسر، ساس اور نندوں کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کا مظاہرہ کرتی ہے۔ ساس اور سسر کی خدمت اگرچہ اس پر اس طرح فرض نہیں، جس طرح بیٹا ہونے کی وجہ سے اس کے شوہر پر ہے لیکن اپنے شوہر کی اطمینانِ قلبی اور اللہ کی رضا وخوشنودی کی خاطر وہ شوہر کے تمام گھر والوں سے نیک سلوک کرتی ہے۔ بوڑھے ساس سسر کی خدمت کرتی ہے۔ ان کے آرام کا خیال رکھتی ہے۔ اپنے شوہر کو بھی اس بات پر آمادہ کرتی ہے کہ وہ اپنے والدین کے حقوق کا خیال رکھے اور اپنے بہن بھائیوں سے بھی حسنِ سلوک کرے۔

نیک صالح بیوی وہ نہیں جو خود غرضی کا مظاہرہ کرتے ہوئے شوہر کو بوڑھے والدین سے جدا کرنے کی کوشش کرے۔ شوہر کی ساری آمدنی پر قبضہ جمالے اور اسے والدین کے لیے کچھ خرچ نہ کرنے دے۔

اسی طرح نیک صالح عورت اپنی نندوں، دیورانیوں اور جٹھانیوں سے بھی اچھا سلوک کرتی ہے۔ ان کی خیر خواہ بن کر رہتی ہے۔ گھر کے تمام کام کاج میں ان کا ہاتھ بٹاتی ہے۔ ان پر طعن وتشنیع نہیں کرتی۔ طنزیہ جملے نہیں کستی اور اگر ان میں سے کوئی اسے برا بھلا کہے یا اس پر ظلم کرے تو یہ اسے اللہ کی رضا کی خاطر معاف کر دیتی ہے اور ہمیشہ ان سے محبت بھرا سلوک کرتی ہے۔

(۴)......بچوں کی تربیت:

نیک عورت اپنے بچوں کی بھی اچھی تربیت کرتی ہے۔ انہیں دین واخلاق سکھاتی ہے۔ ان سے محبت

(۱) سنن سعيد بن منصور: باب الترغيب فى النكاح (ج ۱ ص ۱۴۱)

بھر اسلوک کرتی ہے۔ان میں عدل وانصاف کرتی ہے۔ سگے اور سوتیلے کا فرق نہیں کرتی۔لڑکے اورلڑکی کا امتیاز نہیں برتتی بلکہ عدل وانصاف سے کام لیتی ہے۔ ہر بچے کو اس کا حق دیتی ہے۔اس کی صفائی ستھرائی کا خیال رکھتی ہے۔اس کے لباس اور خوراک کا اہتمام کرتی ہے۔بچوں کو یہ ادب سکھاتی ہے کہ بڑوں کا احترام کریں، دوسروں کو گالی نہ دیں، کسی سے بدتمیزی نہ کریں۔وہ اپنے بچوں کا ہر دم خیال رکھتی ہے۔ان میں کوئی بری عادت دیکھے تو ان کی اصلاح کرتی ہے۔اپنے بچوں کو اسلام کا راہی اور دین کا سپاہی بنانے کی بھرپور کوشش کرتی ہے۔

(۵)......اپنی بہو کے ساتھ مشفقانہ برتاؤ:

نیک صالح عورت ساس ہونے کے ناطے اپنی بہو کے ساتھ اچھا رویہ اختیار کرتی ہے۔بہو کے انتخاب کے وقت دین واخلاق کو ترجیح دتی ہے، بہو کو بیٹی کا درجہ دیتی ہے، بہو کی غلطیوں کو نظر انداز کرتی ہے۔بہو کو سمجھانے کے لیے ایسا مصلحانہ انداز اختیار کرتی ہے، جیسا سگی بیٹی سے کیا جاتا ہے۔بہو کی ازدواجی زندگی میں دخل نہیں دیتی۔بہو کی خوشی کا احترام کرتی ہے۔بہو کے حقوق پورا کرنے کے لیے بیٹے کو نصیحت کرتی ہے۔

(۶)......داماد کے ساتھ حسنِ برتاؤ:

نیک عورت اپنی بیٹی کے لیے بھی نیک شوہر ڈھونڈتی ہے۔نیک ودیندار شخص کو اپنا داماد بناتی ہے۔اسے اپنے بیٹوں کی طرح عزیز سمجھتی ہے۔اس کا احترام کرتی ہے۔اس سے مشفقانہ برتاؤ کرتی ہے۔اپنی بیٹی کو تاکید کرتی ہے کہ وہ اس کے ساتھ نیک بیوی بن کر رہے۔اس کے حقوق پورے کرے۔اس کی خوب اطاعت وفرمانبرداری کرے۔اس سے لڑائی جھگڑا نہ کرے۔اس کی سختیوں اور زیادتیوں کو بھی برداشت کرے۔اگر بیٹی غلطی کرے تو یہ بیٹی کو ٹوکتی اور سمجھاتی ہے۔اگر کبھی داماد اور بیٹی میں کوئی جھگڑا ہو جائے تو یہ ان میں منصفانہ طریقے سے صلح کرواتی ہے۔بیٹی کو صبر، حوصلے اور برداشت کا سبق دیتی ہے۔سسرال کے ساتھ حسنِ سلوک کا رویہ اپنانے کی تلقین کرتی ہے۔

☆......ازدواجی وخانگی احکام ومسائل کی تفصیلات چوں کہ ہم اصلاحِ خاندان کی سیریز میں شامل اپنی دوسری کتاب "هدية العروس" میں پیش کر چکے ہیں، اس لئے یہاں اسی پر اکتفا کیا جارہا ہے۔(مصنف)

باب ۵:

عورت کا دائرہ عمل اور دورِ جدید کے مسائل

عقائد وعبادات کے بعد اسلام کا ایک عورت سے اصلاً تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنے گھر کو رونق بخشے۔ خاوند کی اطاعت وخدمت کرے اور اسے پرسکون ماحول مہیا کرے۔ بچوں کی دیکھ بھال کرے اور اُمور خانہ داری بہتر طور پر انجام دے۔ جہاں تک گھر سے باہر قدم نکالنے کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں بعض معقول وجوہات کی بنا پر کچھ صورتوں میں عورت کے لیے گنجائش بھی موجود ہے۔ البتہ وہ تمام صورتیں جو فتنہ وفساد اور معاشرتی بگاڑ یا خاندانی زندگی کی تباہی کا سبب بن سکتی ہیں، ان میں اسلام عورت کو گھر سے باہر دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ آئندہ سطور میں ہم ان مختلف صورتوں پر روشنی ڈالیں گے۔

(۱)......حاجت وضرورت کے لیے باہر نکلنا:

ایک عورت کو اپنی زندگی میں بعض ایسے مسائل کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے جن میں گھر سے باہر نکلنا اس کی مجبوری اور ضرورت بن جاتا ہے مثلاً وہ بیمار ہو جائے تو دوا کے لیے ڈاکٹر کے پاس جانا، یا عزیز واقارب سے ملاقات کے لیے نکلنا یا حج اور عمرہ کے لیے سفر کرنا۔ اگر ان تمام صورتوں میں ہر عورت کو گھر میں ٹکے رہنے کا پابند کر دیا جاتا تو اس سے یا تو عورت انتہائی مشقت میں مبتلا ہو جاتی یا پھر ان پابندیوں کی کوئی پروا نہ کی جاتی۔ اسلام نے عورت کے حقوق کا خیال رکھتے ہوئے اس پر یہ احسان کیا ہے کہ ایسی ضروریات کے لیے اسے گھر سے باہر جانے کی اجازت دی ہے۔ خود صحابیاتؓ سے ثابت ہے کہ وہ عہدِ نبویؐ میں اپنی ضروریات کے لیے گھر سے باہر نکلا کرتی تھیں، اس سلسلہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

> ''پردے کا حکم نازل ہونے کے بعد حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اپنی کسی حاجت کے لیے (پردہ کرکے) گھر سے باہر نکلیں، ان کا جسم چونکہ موٹا تھا اس لیے جو انہیں پہلے سے پہچانتا تھا (پردے کے باوجود) اس کے لیے انہیں پہچاننا مشکل نہ تھا۔ چنانچہ راستے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں دیکھ لیا اور کہا اے سودہ! اللہ کی قسم! آپ تو ہم سے چھپ نہیں سکتیں، پھر آپ کیوں گھر سے باہر نکلی ہیں؟ حضرت سودہؓ الٹے پاؤں واپس آ گئیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میرے حجرہ میں تشریف فرما تھے اور رات کا کھانا تناول

فرمار ہے تھے۔آپ ﷺ کے ہاتھ میں اس وقت گوشت والی ایک ہڈی تھی۔سودہ رضی اللہ عنہا نے داخل ہوتے ہی کہا یارسول اللہ! میں اپنی کسی ضرورت کے لیے گھر سے باہر نکلی تھی اور عمرؓ نے مجھ سے یہ کہا ہے۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپؐ پر وحی کا نزول شروع ہو گیا پھر جب نزولِ وحی کی کیفیت دور ہوئی تو تھوڑی دیر بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَنَّهٗ قَدْ اُذِنَ لَكُنَّ اَنْ تَخْرُجْنَ لِحَاجَتِكُنَّ))

''اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی ضروریات کے لیے گھر سے باہر جانے کی اجازت دے دی ہے۔''[1]

البتہ گھر سے باہر نکلنے کی اسلام نے کچھ حدود متعین کی ہیں اور یہ حدود دراصل خود عورت کے تحفظ اور معاشرہ کی اصلاح کی ضامن ہیں۔اس لیے ایک مسلمان عورت کو چاہیے کہ وہ ان کی پابندی کرے۔

(۲)......گھر سے باہر نکلنے کی حدود و شرائط:

کسی ضرورت کی وجہ سے گھر سے باہر نکلتے وقت جن حدود و شرائط کو مدنظر رکھنا ایک عورت کے لیے ضروری ہے وہ یہ ہیں:

۱)......**عورت بے پردہ ہو کر باہر نہ نکلے**:اس لیے کہ ایک بے پردہ عورت کو دیکھ کر مردوں کے جذبات مشتعل ہوں گے اور معاشرے میں فحاشی پھیلے گی۔اسلام یہ نہیں چاہتا کہ فحاشی و بے حیائی کے ذرائع کو آزادانہ پنپنے دے بلکہ اسلام کا مزاج یہ ہے کہ ایسا طرزِ عمل اختیار کیا جائے جس سے برائی کا سدباب ہو اور اس کے ذرائع کی روک تھام ہو۔آنحضرت ﷺ نے عریانیت کا مظاہرہ کرنے والی عورتوں کو جہنمی قرار دیا ہے۔[2]

۲)......**عورت خوشبو لگا کر باہر نہ نکلے**:بے حجاب ہو کر گھر سے باہر نکلنا تو دور کی بات اسلام یہ بھی برداشت نہیں کرتا کہ ایک عورت اندرونِ پردہ خوشبو لگا کر باہر نکلے کیونکہ عورت جب خوشبو بکھیرتی غیر محرموں کے پاس سے گزرے گی تو لامحالہ غیر محرموں کی توجہ اس عورت کی طرف جائے گی اور جب توجہ عورت کی طرف ہوگی تو پھر ظاہر ہے اس سے مردوں کی ذہنی پاکیزگی میں خلل واقع ہوگا۔اگرچہ اس ذہنی پاکیزگی کے خلل کو اسلام گناہ شمار نہیں کرتا لیکن اس کے باوجود آپ دیکھیں کہ اسلام یہ پسند نہیں کرتا کہ عورت

---

(۱) بخاری: کتاب التفسیر: باب قوله لاتدخلوا بيوت النبي الا..........(ح۴۷۹۵)

(۲) صحیح مسلم(۲،۱۵۳)، مؤطأ(۲،۹۱۳)

اجنبی مردوں کے پاس سے خوشبو لگا کر گزرے بلکہ آنحضرت ﷺ نے تو اسے اتنا ناپسند فرمایا کہ ایک حدیث میں ایسی عورت کے بارے میں یہاں تک کہا:

((اِذَا اسْتَعْطَرَتْ فَمَرَّتْ بِالْمَجْلِسِ فَهِيَ كَذَا وَكَذَا يَعْنِي زَانِيَةً))(۱)

''وہ عورت جو خوشبو لگا کر مردوں کی جگہ سے گزرتی ہے وہ ایسی اور ایسی ہے۔ آپ کی مراد یہ تھی کہ وہ بدکارہ اور فاحشہ ہے۔'' (یعنی یہ کام بدکارہ اور فاحشہ عورتوں کا ہے۔)

۳)...... حسن کی نمائش نہ کرے: گھر سے باہر نکلنے والی خاتون کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ وہ اپنے حسن کی نمائش نہ کرتی پھرے۔ ممکن ہے آپ کے ذہن میں یہ بات آئے کہ جب ایک عورت باپردہ ہو کر اور خوشبو وغیرہ لگائے بغیر باہر نکلے گی تو پھر حسن کی نمائش کا سوال کیسے پیدا ہو سکتا ہے؟ میں سمجھتا ہوں کہ اس کے باوجود یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے۔ اس لیے کہ عورت کی یہ فطری مجبوری ہے کہ وہ دوسروں کی نگاہ میں اپنے آپ کو حسین بنانا چاہتی ہے۔ پردہ اور نقاب کرنے کے باوجود ممکن ہے کہ وہ اپنی اَداؤں اور چال ڈھال سے قصداً ایسا انداز اختیار کرے جس سے اس کے نسوانی حسن کی نمائش ہوتی ہو۔ وہ اپنے جوتے سے ایسی آواز پیدا کرے جس سے سامعین کی نگاہیں اس کی طرف اٹھتی ہوں۔ وہ اپنی گفتگو میں ایسا لہجہ اختیار کرے جس سے سامعین حلاوت محسوس کرتے ہوں۔ ایک عورت ان چیزوں میں تبھی احتیاط کر سکتی ہے جب اس کے دل میں اللہ کا خوف اور دینی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کا جذبہ موجود ہوگا۔

۴)...... سرپرست کی اجازت ہو: عورت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہ نکلے۔ ظاہر ہے غیر شادی شدہ عورت کے لیے سرپرست والد یا بھائی ہوتے ہیں اور شادی شدہ عورت کے لیے اس کا خاوند، اس لیے ضروری ہے کہ گھر سے باہر دور کہیں سفر کے لیے عورت اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر قدم نہ اٹھائے، خواہ ساتھ میں کوئی دوسرا محرم رشتہ دار موجود ہی کیوں نہ ہو۔ اگر بالفرض کوئی عورت شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نکلتی ہے تو جہاں خاندانی نظام متاثر ہونے کا خدشہ ہے وہاں شوہر کی نافرمانی سے متعلقہ روایات کی روشنی میں ایسی عورت کو ملعون بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔

(۱) ترمذی: کتاب الادب: باب ما جآء فی کراهية خروج المرأة متعطرة (ح۲۷۸۶)

۵)۔۔۔۔۔دور کے سفر میں محرم کی موجودگی: اگر کسی فتنے کا خوف نہ ہو تو عورت کچھ مسافت تک اکیلی گھر سے باہر جا سکتی ہے بشرطیکہ وہ ستر و حجاب کی مذکورہ بالا شرائط کا لحاظ رکھے۔ عہد نبویؐ میں عورتیں گھر سے قریب فصلوں میں اکیلی چلی جاتی تھیں، محلے میں دوسری عورتوں سے ملاقات کے لیے ایک دوسرے کے ہاں آتی جاتی تھیں۔ البتہ اگر ایک دن اور رات کے لیے عورت کو باہر جانا پڑ جائے یا دور کا سفر کرنا پڑے جس میں پورا دن تو صرف نہ ہو مگر راستے میں اکیلے ہونے کی وجہ سے کسی فتنے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں ضروری ہے کہ عورت اپنے کسی محرم رشتہ دار مرد کو ساتھ لے کر نکلے اور اکیلی سفر نہ کرے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے عورت کے لیے محرم کے بغیر سفر کرنے سے ممانعت فرمائی ہے۔ اس سلسلہ میں مختلف احادیث مروی ہیں بعض میں یہ الفاظ ہیں:

((لَاتُسَافِرْ اِمْرَاَۃٌ فَوْقَ ثَلَاثَ لَیَالٍ اِلَّامَعَ ذِیْ مَحْرَمٍ))[1]

''کوئی عورت اپنے محرم کے بغیر تین راتوں سے زائد کا سفر نہ کرے۔'' بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں:

((لَاتُسَافِرِ الْمَرْاَۃُ یَوْمَیْنِ اِلَّاوَمَعَهَازَوْجُهَااَوْذُوْمَحْرَمٍ))

''کوئی عورت اپنے شوہر یا محرم کے بغیر دو دن کا سفر اکیلی نہ کرے۔''[2]

بعض روایات میں ایک دن اور ایک رات کا ذکر ہے مثلاً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((لَایَحِلُّ لِامْرَاَۃٍ تُؤمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِاَنْ تُسَافِرَمَسِیْرَۃَ یَوْمٍ وَلَیْلَۃٍلَیْسَ مَعَهَاحُرْمَۃٌ))

''جو عورت اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہے اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ محرم کے بغیر ایک دن اور رات کا سفر اکیلی کرے۔''[3]

بعض روایات میں دن یا رات کی قید کے بغیر لمبی مسافت کا ذکر ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ایک روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((لَاتُسَافِرِ الْمَرْاَۃُ بَرِیْدًا اِلَّامَعَ ذِیْ مَحْرَمٍ))

---

(۱) مسلم: کتاب الحج: باب سفر المرأۃ مع محرم الی حج وغیرہ (ح۱۳۳۸)، ابوداؤد (ح۲٦ [illegible])، ترمذی (ح۱۱٦۹)، ابن ماجہ (ح۱۸۹۸)

(۲) بخاری: کتاب العمل فی الصلاۃ: باب مسجد بیت المقدس (ح۱۱۹۷)، مسلم (ح ۱۳۳۸)

(۳) بخاری: کتاب تقصیر الصلاۃ: باب فی کم یقصر الصلاۃ (ح۱۰۸۸)، (مسلم (ح۱۳۳۹)

''عورت اپنے محرم کے بغیر ایک برید بھی سفر نہ کرے۔''(۱)

واضح رہے کہ ایک برید اس دور کے بارہ میل کے برابر سمجھا جاتا تھا۔(۲)

دراصل یہ روایات مختلف مواقع کی ہیں۔ جب کسی سائل نے تین دن رات کا سوال کیا تو آپ نے تین کا عدد بول کر وضاحت فرمائی۔ جہاں دو دن یا ایک دن کا مسئلہ پیش آیا، وہاں دو اور ایک کا عدد بول کر وضاحت فرمائی جبکہ بعض روایات میں لمبی مسافت کا مطلق طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ ان سب روایات کا حاصل یہی ہے کہ لمبی مسافت کا سفر بغیر محرم کے عورت کے لیے درست نہیں۔

(۳)......تعلیمی اداروں میں خواتین کا رہائش اختیار کرنا:

یہاں یہ مسئلہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ آیا گھر سے باہر کسی تعلیمی ادارہ میں ایک خاتون کے لیے بغیر محرم کے اقامت اختیار کرنا درست ہے یا نہیں؟ اللہ کے رسول ﷺ کے دور میں اس طرح کا کوئی واقعہ ہمیں نہیں ملتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ملتا ہے کہ جنگ خندق کے موقع پر عورتوں کو ایک قلع میں جمع کر دیا گیا تھا جب کہ ان کے محرم رشتہ دار باہر جنگ میں شریک تھے اور قلع کی حفاظت کے لیے کچھ مردوں کی ذمہ داری لگا دی گئی۔ یہ اگرچہ ایک ہنگامی حالت تھی تاہم اس سے یہ استدلال کیا جاسکتا ہے کہ کسی ضرورت کے لیے خواتین محرم رشتہ داروں کے بغیر مدرسوں اور تعلیمی اداروں کے ہاسٹلوں میں رہائش اختیار کرسکتی ہیں بشرطیکہ وہاں ہر طرح کا امن وامان اور تحفظ حاصل ہو۔

بعض لوگ سفر والی حدیث پر قیاس کرتے ہوئے اس سلسلہ میں یہ رائے دیتے ہیں کہ جب ایک عورت محرم کے بغیر ایک دن رات کا سفر اکیلی نہیں کرسکتی تو پھر ہفتوں اور مہینوں بغیر محرم کے کسی مدرسہ یا ہاسٹل میں اکیلی کیسے رہ سکتی ہے؟ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مدرسہ میں رہائش کو سفر پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے کہ سفر میں غیر محرموں سے سامنا ہوتا ہے، بس، ریل یا ہوائی جہاز وغیرہ کی خرابی یا حادثہ سے خطرناک صورتحال پیدا ہوسکتی ہے، اس کے علاوہ بھی سفر میں ظن غالب یہی ہوتا ہے کہ اکیلی عورت کے لیے کوئی نہ کوئی ایسا مسئلہ ضرور پیدا ہوگا کہ جہاں اسے محرم مرد کی ضرورت ہو لیکن یہ حالات اور صورتیں مدرسہ کے ہاسٹل میں

(۱) صحیح ابن حبان (ج۵ص۱۷۶)، ابوداؤد: کتاب المناسک: باب فی المرأۃ تحج بغیر محرم (ح۱۷۲۵)، سنن بیهقی (ج۳ص۱۳۹)، مستدرک حاکم (ج۱ص۴۴۲)

(۲) النهایة فی غریب الحدیث (ج۱/ص۱۱۶)

رہائش کے دوران عام طور پر پیدا نہیں ہوتیں۔ لیکن اگر کسی جگہ ایسی کوئی صورت ہوگی تو پھر صاف ظاہر ہے کہ وہاں اس فتنہ کے پیش نظر یہ رائے بدل جائے گی۔ عام طور پر خواتین کے دینی مدارس کے ہاسٹلوں میں ایسی صورت چونکہ پیدا نہیں ہوتی بلکہ ممکنہ حد تک تحفظ فراہم کیا جاتا ہے اس لیے بیشتر اہل علم عورتوں کے لیے ان میں رہائش اختیار کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔

(۴)......ملازمت کے لیے باہر نکلنا:

اسلام نے عورت پر یہ احسان کیا ہے کہ پیدائش سے لے کر وفات تک اس کے جملہ اخراجات کی ذمہ داری اس کے سرپرستوں اور شوہر پر ڈال دی ہے۔ شادی سے پہلے اس کا باپ یا بھائی یا چچا وغیرہ اس کے اخراجات کے ذمہ دار ہیں اور شادی کے بعد اس کا شوہر۔ گویا عورت کو فکر معاش سے آزاد کر دیا گیا ہے تا کہ وہ پوری یکسوئی سے اپنے خانگی وظائف کو پورا کر سکے۔ اب ایک عورت اگر اپنی خانگی ذمہ داریوں کو حسن وخوبی سے انجام دے تو عام طور پر اس کے لیے پھر یہ ممکن نہیں ہوتا کہ وہ روزانہ آٹھ دس گھنٹے گھر سے باہر گزار کر ملازمت کی مشقت بھی اٹھائے۔ اور اگر وہ بلاناغہ اتنا وقت گھر سے باہر صرف کرے گی تو لازمی بات ہے کہ پھر وہ اپنے خانگی وظائف پورے کر سکے گی نہ شوہر کے حقوق کما حقہ ادا کر سکے گی۔ اگرچہ بعض استثنائی صورتیں ایسی بھی ہو سکتی ہیں جہاں ایک عورت گھر سے باہر ملازمت کی ذمہ داریاں بھی انجام دے لے اور خانگی فرائض کو بھی پورا کر لے لیکن عمومی نتیجہ یہ نہیں ہوگا کیونکہ ہمارے معاشرے میں تین قسم کی خواتین ہیں:

ایک قسم وہ ہے جو درمیانے طبقے سے تعلق رکھتی ہے۔ اس قسم کی خواتین کو اول تو معاشی مسائل درپیش نہیں ہوتے بلکہ شوہر کی آمدنی اتنی ہوتی ہے کہ گھر کا خرچہ بآسانی چلتا رہتا ہے۔ اس طبقہ کی خواتین کو گھر کا سارا کام کاج تقریباً خود ہی کرنا پڑتا ہے۔ شوہر کے بروقت کھانے، لباس اور دیگر چھوٹی موٹی چیزیں مہیا کرنا، بچوں کی دیکھ بھال اور خانہ داری کے چھوٹے موٹے کام کرنا ان کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ اس دوران عورت بیمار بھی ہوتی ہے، تھکاوٹ کا سامنا بھی کرتی ہے۔ دودھ پیتے بچے کو بھی اٹھائے پھرتی ہے۔ اگر اس عورت کو یہ کہا جائے کہ یہ روزانہ صرف چار گھنٹوں کے لیے تن تنہا گھر سے باہر وقت دے تو یہ اس کے لیے ممکن ہی نہیں ہوتا۔ کیونکہ ایسا کرنے سے یا تو خانگی امور سخت متاثر ہوں گے یا پھر دوہری مشقت اٹھا کر خود عورت اپنا نقصان کر بیٹھے گی۔

یاد رہے کہ ہمارے معاشرے کی بیشتر خواتین کا تعلق اسی طبقے سے ہے۔

دوسری قسم وہ ہے جو خوشحال طبقے سے تعلق رکھتی ہے۔اس قسم کی خواتین کو نہ معاشی مسائل کا سامنا ہوتا ہے اور نہ ہی گھریلو کام کاج کی زیادہ مشقت ہوتی ہے۔ کیونکہ خاوند کے وظیفۂ زوجیت اور بچوں کی نگہداشت کے علاوہ قریب قریب باقی سارے کام نوکر چاکر اور خادمائیں وغیرہ انجام دیتی ہیں۔اس طبقہ کی خواتین کے لیے ممکن ہوتا ہے کہ یہ گھر سے باہر وقت بھی صرف کرسکیں۔لیکن سوال یہ ہے کہ جب انہیں ہر طرح کی آسودگی حاصل ہے تو پھر انہیں گھر سے باہر ملازمت کرنے کی کیا ضرورت؟

میری رائے میں اس کی ضرورت صرف اور صرف حرص وجاہ اور سیر وتفریح ہے۔یعنی یہ خواتین یا تو مزید مالی لالچ کی وجہ سے ملازمت کرتی ہیں یا پھر شہرت، ریا کاری اور دکھلاوے اور سیر وتفریح کے لیے۔اس کے علاوہ دنیوی ملازمتوں کے لیے اس طبقہ کی خواتین کی شمولیت کی کوئی اور وجہ سمجھ نہیں آتی۔اگر کوئی دینی وتبلیغی نقطۂ نظر سے ایسا کرتی ہیں تو وہ بمشکل دو تین فیصد ہوں گی۔

تیسری قسم وہ ہے جو غریب طبقے سے تعلق رکھتی ہے۔اس قسم کی خواتین کو سخت معاشی مسائل کا سامنا ہوتا ہے اور پھر گھر کے تمام کاج بھی انہوں نے خود انجام دینے ہوتے ہیں۔شوہر کی آمدنی تو کم ہوتی ہے مگر گھریلو اخراجات کی فہرست طویل ہوتی ہے چنانچہ شوہر کے ساتھ بیوی کو بھی کوئی نہ کوئی ملازمت کرنا پڑتی ہے، خواہ گھر میں رہ کر وہ کرے یا گھر سے نکل کر۔حتی کہ ان کے بچے بھی بلوغت سے پہلے ہی ان کے ساتھ محنت مزدوری شروع کر دیتے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں اس طبقے کی بھی کمی نہیں ہے۔

یہ تو تھی ہمارے معاشرے کی واقعاتی صورتحال، اب ہم اسلامی نقطۂ نظر سے اس مسئلہ کا جائزہ لیتے ہیں۔

(۵)......عورت کی ملازمت اور اسلام:

اسلام نے اگرچہ عورت کے نان ونفقہ کی ذمہ داری شوہر یا شوہر کی عدم موجودگی کی صورت میں عورت کے سرپرستوں پر ڈالی ہے مگر اس کے ساتھ اسلام عورت کے مالی حقوق کا بھی قائل ہے۔عورت کو اگر تحفے، وراثت یا مہر وغیرہ کی شکل میں مال ملتا ہے تو اس پر اسی کا حقِ ملکیت ہے۔اس مال کو بڑھانے کے لیے اگر وہ کسی جائز کاروبار میں لگانا چاہے تو شرعی حدود کی پابندی کرتے ہوئے وہ ایسا بھی کرسکتی ہے۔اسی طرح اگر ایک عورت یہ سمجھتی ہے کہ وہ خانگی ذمہ داریاں پوری کرنے کے ساتھ ساتھ گھر میں رہ کر یا گھر سے باہر نکل کر کوئی کام کاج (ملازمت) بھی کرسکتی ہے تو اسے چند حدود وشرائط کے ساتھ ایسا کرنے کی یقیناً

گنجائش حاصل ہے اور وہ حدود یہ ہیں کہ

۱)......عورت ستر وحجاب کی پوری پابندی کرے۔

۲)......اپنے شوہر کی اجازت کے ساتھ ملازمت کرے۔

۳)......ملازمت کے سلسلے میں بغیر محرم کے لمبا سفر نہ کرے۔

۴)......ایسی ملازمت سے اجتناب کرے جہاں مردوں سے اختلاط رہتا ہے اور اگر بوقتِ ضرورت مردوں سے گفتگو کرنا پڑے تو لوچ دار انداز اختیار نہ کرے۔

۵)......یہ ملازمت اس کی خانگی ذمہ داریوں کو درہم برہم نہ کرے۔

عورت اگر ان حدود کی پابندی کرے تو وہ ملازمت اور تجارت وغیرہ کر سکتی ہے، اس کے چند دلائل یہ ہیں:

۱)......حضرت اسماء بنت ابو بکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

''زبیر بن عوامؓ نے مجھ سے شادی کی تو ان کے پاس ایک اونٹ اور گھوڑے کے سوا روئے زمین پر کوئی مال، کوئی غلام اور کوئی چیز نہ تھی۔ میں ہی ان کا گھوڑا چراتی، اسے پانی پلاتی، ان کا ڈول سیتی اور آٹا گوندھتی۔ میں اچھی طرح روٹی پکانا بھی نہیں جانتی تھی چنانچہ کچھ انصاری لڑکیاں جو بڑی سچی تھیں، میری روٹیاں پکا جاتی تھیں۔ زبیر رضی اللہ عنہ کی وہ زمین جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دی تھی، میں اس سے کھجور کی گٹھلیاں سر پر لاد کر لایا کرتی تھی جبکہ یہ زمین گھر سے دو میل دور تھی......اس کے بعد میرے والد (یعنی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ) نے ایک غلام ہمارے پاس بھیج دیا جو گھوڑے کی دیکھ بھال کا سب کام کرنے لگا اور میں بے فکر ہو گئی۔ گویا والد ماجد نے (غلام بھیج کر) مجھ کو آزاد کر دیا۔''[1]

۲)......حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

پردے کا حکم نازل ہونے کے بعد حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اپنی کسی حاجت کے لیے (پردہ کر کے) گھر سے باہر نکلیں، ان کا جسم چونکہ موٹا تھا اس لیے جو انہیں پہلے سے پہچانتا تھا (پردے کے باوجود) اس کے لیے انہیں پہچاننا مشکل نہ تھا۔ چنانچہ راستے میں حضرت عمرؓ نے انہیں دیکھ لیا اور کہا اے سودہ! اللہ کی قسم! آپ تو ہم سے چھپ نہیں سکتیں، پھر سوچیے آپ کیوں گھر سے باہر نکلی ہیں؟ حضرت سودہؓ الٹے

---

(۱) بخاری: کتاب النکاح :باب الغیرۃ......(ح ۵۲۲۴)، مسلم: کتاب السلام: باب جواز ارداف المرأۃ......(ح ۲۱۸۲)، احمد (۵۲۲۴)

پاؤں واپس آ گئیں۔ اللہ کے رسول ﷺ میرے حجرہ میں تشریف فرما تھے اور رات کا کھانا تناول فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ کے ہاتھ میں اس وقت گوشت کی ایک ہڈی تھی۔ سودہؓ نے داخل ہوتے ہی کہا: یا رسول اللہ! میں اپنی کسی ضرورت کے لیے گھر سے باہر نکلی تھی اور عمرؓ نے مجھ سے یہ کہا ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ پر وحی کا نزول شروع ہو گیا پھر جب نزولِ وحی کی کیفیت دور ہوئی تو تھوڑی دیر بعد آپؐ نے فرمایا:

((اَنَّهُ قَدْ اُذِنَ لَكُنَّ اَنْ تَخْرُجْنَ لِحَاجَتِكُنَّ))

''اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی ضروریات کے لیے گھر سے باہر جانے کی اجازت دے دی ہے۔''(۱)

۳)...... حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

میری خالہ کو جب تین طلاقیں ہو گئیں تو وہ (دورانِ عدت) اپنے کھجوروں کے درخت کاٹنے کے لیے گھر سے باہر چلی گئیں۔ ایک آدمی نے راستے میں انہیں دیکھا تو اس نے انہیں (دورانِ عدت) گھر سے باہر نکلنے پر منع کیا۔ چنانچہ آپ اللہ کے رسول کے پاس آئیں اور یہ بات آنحضرت ﷺ سے بیان کی۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی بات سن کر فرمایا:

((اُخْرُجِيْ فَجُدِّيْ نَخْلَكِ لَعَلَّكِ اَنْ تَصَدَّقِيْ مِنْهُ اَوْ تَفْعَلِيْ خَيْرًا))

''تم باہر (اپنے کھیت کی طرف) ضرور جا سکتی ہو شاید تم اس (درخت کے پھل سے) صدقہ کر دیا کوئی اور بھلائی کا کام کرو۔''(۲)

۴)...... حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

''ہمارے دور میں ایک صحابیہ خاتون تھی جس کا اپنا کھیت تھا اور وہ اس کی پانی کی نالیوں کے اطراف میں چقندر کی کاشت کیا کرتی تھی۔ جمعہ کے دن وہ اس چقندر کو جڑوں سے اکھاڑتی اور ایک ہنڈیا میں اسے پکاتی۔ پھر اوپر سے ایک مٹھی جو کا آٹا اس پر چھڑک دیتی۔ اس طرح یہ چقندر گوشت کی طرح ہو جاتا۔ جمعہ سے واپسی پر ہم اس کے ہاں جاتے اور اسے سلام کرتے۔ وہ یہی پکوان ہمارے آگے کر دیتی اور ہم اسے چاٹ جاتے۔ ہم لوگ ہر جمعہ اس کے اس کھانے کے آرزومند رہا کرتے تھے۔''(۳)

---

(۱) بخاری: کتاب التفسیر: باب قوله لاتدخلوا بیوت النبی الا......(ح ۴۷۹۵)

(۲) مسلم (ح ۱۴۸۳)، ابوداؤد: کتاب الطلاق: باب فی المبتوتة تخرج بالنهار (ح ۲۲۹۴)

(۳) بخاری: کتاب الجمعة: باب قول الله تعالیٰ: فاذا قضیت الصلاة فانتشروا............(ح ۹۳۸)

۵)..... حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی بعض ہنر جانتی تھی۔ ایک دفعہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس حاضر ہوئی اور کہا کہ میں ایک ہنر جانتی ہوں اس لیے میں چیزیں بنا کر فروخت کرتی ہوں۔ مگر میرے شوہر اور بچوں کا کوئی ذریعہ آمدن نہیں تو کیا میں اپنے کمائے مال سے ان پر خرچ کرسکتی ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں بلکہ تمہیں اس پر ثواب ملے گا۔ [1]

۶)..... امام ابن سعد نے اپنی کتاب 'الطبقات' میں اس طرح کے کچھ اور واقعات بھی نقل کیے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد نبویؐ میں عورتیں چھوٹے موٹے کام کاج کیا کرتی تھیں۔ بعض عورتیں عطر بنا کر فروخت کرتی تھیں۔

۷)..... اسی طرح امام بخاریؒ نے ایک روایت نقل کی ہے جس میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک لونڈی خریدی تھی۔ اس روایت پر امام بخاری نے یہ باب قائم کیا ہے: "باب الشراء والبیع مع النساء" یعنی عورتوں کے ساتھ تجارت کا بیان۔

(۶)..... عورت کی ملازمت اور ہمارا معاشرہ:

عورت کی ملازمت کے حوالے سے اصولی طور پر ہم یہ بات واضح کر چکے ہیں کہ ستر وحجاب کے احکام کا لحاظ رکھتے ہوئے ایک مسلمان عورت ملازمت یا تجارت کرسکتی ہے۔ اس اصول کا جب ہم اپنے معاشرہ پر اطلاق کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو ہمیں بڑی پریشانی ہوتی ہے اس لیے کہ پورے ملک میں اختلاط مردوزن کی ایسی لہر اٹھی ہوئی ہے کہ کوئی شعبہ بھی اس کے مضر اثرات سے محفوظ نہیں۔ یہ بات درست ہے کہ سائنس، طب، قانون، سوشیالوجی، اسلامیات اور اس طرح کے بے شمار شعبوں میں خواتین کی ضرورت ہے۔ لیکن اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے انتظامات مناسب نہیں۔ سب سے پہلے تو یہ ضروری تھا کہ مردوزن کا اختلاط روکنے کے لیے الگ الگ ادارے قائم کیے جاتے۔ خواتین کی یونیورسٹیاں الگ بنائی جاتیں۔ پھر خواتین سے متعلقہ اداروں کا انتظام وانصرام عورتوں ہی کے پاس ہوتا مگر ایسا نہیں کیا گیا اور اب بھی اسے انتہائی دشوار کہہ کر نظر انداز کر دیا جاتا ہے حالانکہ نیت درست ہو تو یہ کچھ دشوار نہیں۔ اگر خواتین کے لیے الگ یونیورسٹیاں اور دیگر ادارے بنانا ہر جگہ ممکن نہیں تو کم از کم خواتین کے شعبے ہی الگ بنا دیئے جائیں اور وہاں مردوں کے اختلاط کو ختم کر دیا جائے۔

(۱) طبقات ابن سعد (ج۸ص ۲۱۲)

(۷)...... بیوی کی کمائی پر شوہر کا حق ہے یا نہیں؟

عورت کی ملازمت کے ساتھ یہ مسئلہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ بیوی ملازمت یا تجارت وغیرہ کے ذریعے جو مال حاصل کرتی ہے اس کی وہ اکیلی مالکہ ہے یا اس کا شوہر بھی اس کا حقدار ہے؟ جہاں تک عورت کو ملازمت کے علاوہ دیگر ذرائع (مثلاً وراثت، مہر، ہبہ وغیرہ) سے حاصل ہونے والے مال کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں یہ واضح رہے کہ اس پر شوہر کا کوئی حق نہیں۔ عورت ہی اس مال کی مالک ہے۔ ہاں اگر وہ اپنی خوشی سے شوہر کو کچھ دیتی ہے تو یہ الگ بات ہے۔ البتہ اگر عورت شادی کے بعد مال کماتی ہے تو اس مال کے بارے میں سب سے پہلے تو یہ دیکھا جائے گا کہ آیا اس مال کمانے کی محنت میں شوہر کے حقوق میں کمی تو نہیں ہوئی۔ اگر شوہر کے حقوق میں کسی طرح کی کمی واقع نہیں ہوئی تو پھر اس مال پر قانونی طور پر شوہر اپنے حقِ ملکیت کا دعویٰ نہیں کر سکتا مثلاً عورت کو وراثت میں ایک مکان یا دکان ملی جسے اس نے کرائے پر اٹھا دیا ہے اور بغیر محنت یا وقت صرف کیے اس کی کمائی اسے حاصل ہو رہی ہے، تو اس کمائی پر خاوند کا قانونی طور پر کوئی حق نہیں ہے۔

اگر عورت کسی ملازمت یا دستکاری وغیرہ کے ذریعے مال کماتی ہے اور اس میں محنت اور وقت صرف کرنے کی وجہ سے خانگی ذمہ داریاں متاثر ہوتی ہیں تو صاف ظاہر ہے کہ قانوناً شوہر کو اس پر اعتراض ہوگا اور ہونا بھی چاہیے۔ اور شوہر اگر اعتراض کرے تو اس کے نتیجہ میں میاں بیوی کے درمیان کوئی ایسا معاہدہ طے کیا جائے گا جس پر دونوں رضامند ہوں۔ ایسی صورت میں خاوند اپنی بیوی کی کمائی سے کچھ حصے کا دعویٰ بھی کر سکتا ہے اور اس ملازمت کو چھوڑنے پر اسے مجبور بھی کر سکتا ہے۔ اور اگر بالفرض خاوند ایسا کوئی اعتراض نہ کرے تو الگ بات ہے۔ پھر بھی اخلاقی طور پر عورت کو چاہیے کہ اپنے اس مال سے خاوند کے ساتھ تعاون کرے۔

یہ تو تھا اس مسئلے کا قانونی حل، لیکن ضروری نہیں کہ ہر مسئلے کو قانونی انداز سے دیکھا جائے بالخصوص میاں بیوی کے درمیان جو رشتہ ہے وہاں صرف قانونی تقاضوں ہی کو اگر مدِنظر رکھا جائے تو یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ اکثر شادیاں ناکام ہو جائیں اور خاندانی زندگی کا امن و سکون تباہ و برباد ہو جائے۔ اِزدواجی زندگی میں قانونی پہلوؤں کے ساتھ اخلاقی پہلوؤں کا کردار نہایت بنیادی ہے۔ ان اخلاقی پہلوؤں کی رعایت کرتے ہوئے میاں بیوی میں سے ہر ایک کو اپنے شریکِ حیات کا خیرخواہ بن کر رہنا چاہیے۔ مردانِ

ونفقہ کا ذمہ دار ہے لیکن اس کی معاشی حالت اگر کمزور ہے اور بیوی کی معاشی حالت اچھی ہے تو بیوی کو از خود خاوند کی مدد کرنی چاہیے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا مالدار تھیں اور شادی کے بعد انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جس طرح اپنے مال سے دل کھول کر مدد کی، وہ قابلِ اتباع ہے۔ اور اگر بیوی بھی غریب ہو تو پھر اسے خاوند کے ساتھ صبر وشکر کی زندگی گزارنی چاہیے۔

دراصل ہمارے معاشرے میں یہ سوالات پہلے نہیں تھے۔ مغربی تہذیب کے اثرات قبول کرنے کی وجہ سے یہ پیدا ہو رہے ہیں۔ مغربی دنیا میں میاں بیوی کا تعلق باہمی وفاداری اور عفت وعصمت کے تحفظ پر چونکہ قائم نہیں ہوتا اور آئے دن شادیاں ٹوٹتی رہتی ہیں، اس لیے عورت کی ملازمت کا مسئلہ بھی انہی حالات کی پیداوار ہے اور ملازمت کے سلسلہ میں عورت کی کمائی پر خاوند کا جھگڑا اسی کا نتیجہ ہے۔

(۸)......دعوت وتبلیغ کے لیے گھر سے باہر نکلنا:

اسلامی تعلیمات پر خود عمل کرنا اور اسے دوسروں تک پہنچانا ہر مسلمان پر اس کی استطاعت کے مطابق فرض ہے۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ اس سلسلہ میں قرآن مجید میں اکثر جگہ مذکر کے صیغوں کے ساتھ یہ بات بیان ہوئی ہے، جمہور اہل علم کے نزدیک ان میں عورتیں بھی شامل ہیں جیسے سورۃ العصر میں ہے اور بعض جگہ پر مذکر اور مؤنث کے الگ الگ صیغوں کے ساتھ یہ بات بیان ہوئی ہے مثلاً مومن مردوں اور مومن عورتوں دونوں کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكَاةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ وَعَدَاللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَاالْاَنْهَارُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا﴾ [التوبة: ۷۰،۷۱]

''مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں، وہ بھلائیوں کا حکم دیتے اور برائیوں سے روکتے ہیں، نمازوں کو پابندی سے بجالاتے ہیں، زکاۃ ادا کرتے ہیں، اللہ کی اور اس کے رسول کی بات مانتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ بہت جلد رحم فرمائے گا، بے شک اللہ غلبے والا اور حکمت والا ہے۔ ان ایمان دار مردوں اور عورتوں سے اللہ نے ان جنتوں کا وعدہ فرمایا ہے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، جہاں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔''

عہدِ نبویؐ میں صحابیات اور ازواج مطہراتؓ کے طرزِ عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ انفرادی طور پر دعوت و تبلیغ کا کام کیا کرتی تھیں۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے کوئی الگ تنظیم تو نہیں بنائی تھی اور نہ ہی دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں وہ دور دراز کا سفر اکیلے کیا کرتی تھیں۔ لیکن ان باتوں کا یہ مطلب نہیں کہ ایسا کرنا اب غیر شرعی ہوگا کیونکہ اُس وقت تو ان چیزوں کی ضرورت ہی پیدا نہ ہوئی تھی۔ آج اگر ان چیزوں کی ضرورت ہے تو اس کے لیے ستر و حجاب کی حدود کا لحاظ رکھتے ہوئے عورتوں کی تبلیغی و اصلاحی انجمنیں بھی بنائی جا سکتی ہیں اور محرم کی معیت میں ایک عورت درس و تدریس کے لیے ایک شہر سے دوسرے شہر کا سفر بھی کر سکتی ہے۔ لیکن اس بات کا خیال رکھتے ہوئے کہ ان دینی کوششوں سے عورت کی خانگی ذمہ داریاں متاثر نہ ہوں۔

اگر عورت مذکورہ شرائط پوری نہ کر پائے تو پھر بھی انفرادی طور پر دعوتِ دین کی ذمہ داری بقدرِ استطاعت اس پر فرض رہے گی۔ لہٰذا ایک مسلمان خاتون کو چاہیے کہ وہ اپنی اولاد، اپنے شوہر، اپنے قریبی رشتہ دار اور محلّہ دار عورتوں کو اپنے علم و استطاعت کی حد تک وعظ و نصیحت کرتی رہے۔ جہاں دین سے دوری اور بے عملی دیکھے وہاں اصلاح کی ممکنہ کوشش کرے۔ افسوس ہے کہ ہمارے مذہبی گھرانوں سے بھی دین کے لیے محنت کا جذبہ ختم ہی ہوتا چلا جا رہا ہے۔ نہ مرد اس سلسلہ میں اپنی ذمہ داری انجام دیتا ہے اور نہ عورت اپنی اس ذمہ داری کا احساس کرتی ہے۔ اللہ ہمیں ہدایت دے اور دین کے لیے محنت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

(۹)......سیاسی سرگرمیوں کے لیے باہر نکلنا:

سیاسی سرگرمیوں سے میرے نزدیک کسی معروف روایتی سیاسی نظام یا پارٹی کی سرگرمیاں مراد نہیں اور نہ ہی سیاست سے مراد میرے پیشِ نظر اس کا عرفی مفہوم ہے بلکہ میرے نزدیک اس کا وسیع تر مفہوم ہے جس میں اقامتِ دین اور سیاست مدن دونوں شامل ہیں۔ اقامتِ دین کی ذیل میں دعوت و تبلیغ، نفاذِ شریعت، امر بالمعروف ونھی عن المنکر وغیرہ اور سیاست مدن کی ذیل میں اصلاحِ معاشرہ، عدل و انصاف کا قیام، ملکی و ملی استحکام وغیرہ کے تمام پہلو داخل ہیں۔ اس وسیع تر مفہوم میں جب یہ سوال اٹھایا جائے گا کہ آیا عورت سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لے سکتی ہے یا نہیں تو ظاہر ہے اس سوال کا جواب پھر صرف ہاں یا نہ میں نہیں دیا جا سکتا بلکہ اس کی تفصیلات کو پیش کرتے ہوئے ایک ایک پہلو پر رائے قائم کرنا ضروری ہے، اختصار کے پیشِ نظر میں اس مسئلہ میں چند اصولی باتیں پیش کرتا ہوں۔

امر بالمعروف ونھی عن المنکر ،دعوت وتبلیغ اور اقامتِ دین کے لیے جدوجہد ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔اس سلسلہ میں جہاں مردوں کے لیے کچھ شرائط ہیں وہاں عورتوں کے لیے بھی کچھ حدود ہیں اور وہ یہ ہیں:

عورتیں ستر وحجاب کے احکام کی پابندی کریں،ان کا دائرہ عمل بنیادی طور پر خواتین تک محدود ہو،ان کی خانگی ذمہ داریاں متاثر نہ ہوں،دور کے سفر کے لیے محرم ساتھ ہو۔

اگر سیاسی سرگرمیوں کو اپنے وسیع تر تناظر میں دیکھا جائے تو جہاد میں عورت کی شرکت بھی اس قبیل میں شمار کی جائے گی۔لہٰذا اگر کسی مسلم ملک پر دشمن حملہ آور ہو جائے تو ایسے ہنگامی حالات میں دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے عورتوں کو بھی اپنی حیثیت واستطاعت کے مطابق جہاد میں حصہ لینا ہوگا کیونکہ ایسی صورت میں اس ریاست کے ہر شہری پر جہاد فرض عین ہو جاتا ہے۔یہ تو تھی دفاعی جہاد کی مثال،جہاں تک اقدامی جہاد کا تعلق ہے تو اس میں بھی عورت شرکت کرسکتی ہے۔بشرطیکہ اسے شوہر کی اجازت حاصل ہو اور فوجی قافلے میں شرکت کے لیے محرم رشتہ دار موجود ہو اور ضروری تحفظات بھی حاصل ہوں۔آنحضرت ﷺ کے دور میں اقدامی اور دفاعی دونوں طرح کے جہاد میں عورتوں کی شرکت عملاً ثابت ہے۔بطورِ مثال چند روایتیں پیش کی جاتی ہیں۔

۱)......حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا،اللہ کے رسول ﷺ کی رضاعی خالہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی خالہ تھیں اور ماں کی طرح آپؐ پر شفقت فرمایا کرتی تھیں۔یہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں،فرماتی ہیں ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ ہمارے ہاں تشریف لائے ،میں نے کھانا پیش کیا پھر آپؐ سو گئے اور میں آپؐ کے سر سے جوئیں نکالنے لگی۔آپ ﷺ نیند سے بیدار ہوئے تو مسکرا رہے تھے۔میں نے آپؐ سے مسکرانے کی وجہ پوچھی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((نَاسٌ مِنْ أُمَّتِیْ عُرِضُوْا عَلَیَّ غُزَاةً فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یَرْكَبُوْنَ ثَبَجَ هٰذَا الْبَحْرِ مُلُوْكًا عَلَی الْاَسِرَّةِ اَوْمِثْلُ الْمُلُوْكِ عَلَی الْاَسِرَّةِ))

"میری امت کے کچھ لوگ میرے سامنے پیش کیے گئے کہ وہ اللہ کے راستے میں جہاد کے لیے سمندر کے سینے پر اس طرح سوار ہیں جس طرح بادشاہ تخت پر سوار ہوں۔میں نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ اللہ سے دعا فرمائیں کہ وہ مجھے بھی انہیں میں شامل فرمادے۔چنانچہ آپ ﷺ نے میرے لیے دعا

فرمادی۔ پھر آپ اپنا سر رکھ کر سو گئے۔ کچھ دیر بعد پھر بیدار ہوئے تو آپ ؐ مسکرا رہے تھے۔ میں نے پوچھا: یارسول اللہ! اب کس بات پر مسکرا رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میری امت کے کچھ لوگ میرے سامنے اس طرح پیش کیے گئے کہ وہ اللہ راہ میں جہاد کے لیے جا رہے ہیں۔ جس طرح آپ ﷺ نے پہلے لوگوں کے متعلق فرمایا تھا۔ میں نے پھر عرض کیا یارسول اللہ! دعا فرمائیں اللہ مجھے بھی ان میں شامل کردے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم پہلی فوج کے ساتھ ہوگی۔ (اس دوسری کے ساتھ نہیں، راوی بیان کرتا ہے) چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں آپ ؓ بحری جنگ میں شریک ہوئیں اور واپسی پر اپنی سواری سے نیچے گرنے کی وجہ سے فوت ہوئیں۔''[۱]

۲)..... حضرت ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

((كُنَّا نَغْزُوْ مَعَ النَّبِيِّ فَنَسْقِي الْقَوْمَ وَنَخْدُمُهُمْ وَنَرُدُّ الْقَتْلٰى وَالْجَرْحٰى اِلَى الْمَدِيْنَةِ))

''ہم نبی اکرم ﷺ کے ساتھ جہاد میں شریک ہوتی تھیں اور ہم مجاہدین کو پانی پلاتیں، ان کی خدمت کرتیں اور شہید اور زخمی ہونے والوں کو مدینہ لوٹاتی تھیں۔''[۲]

۳)..... ایک روایت میں ہے کہ حضرت ربیع فرماتی ہیں کہ

((وَنُدَاوِي الْجَرْحٰى))

''ہم زخمیوں کی مرہم پٹی کیا کرتی تھیں۔''[۳]

۴)..... حضرت انس رضی اللہ عنہ جنگ احد کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں کہ'' میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا (یہ حضرت انس ؓ کی والدہ تھیں) کو دیکھا کہ یہ اپنے ازار سمیٹے ہوئے تھیں اور (تیز چلنے کی وجہ سے) پانی کے مشکیزے چھلکاتی ہوئی لئے جا رہی تھیں اور یہ مشکیزے انہوں نے اپنی پشتوں پر اٹھا رکھے تھے۔ اور یہ مجاہدین کو اس میں سے پانی پلاتی تھیں، پھر واپس پلٹتیں اور مشکیزے بھر کر لے جاتیں اور مجاہدین کو پانی پلاتیں۔''[۴]

۵)..... حضرت ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ'' میں نے اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ سات

(۱) بخاری: کتاب الجهاد: باب الدعاء بالجهاد والشهادة للرجال والنسآء (ح ۲۷۸۸، ۲۷۸۹)

(۲) بخاری: کتاب الجهاد: باب رد النسآء الجرحىٰ والقتلىٰ (ح ۲۸۸۳)

(۳) ایضاً (ح ۲۸۸۲)

(۴) بخاری: کتاب الجهاد: باب حمل النسآء القرب الى الناس فى الغزو (ح ۲۸۸۱)، مسلم (ح ۱۸۱۱)

غزوات میں شرکت کی۔ میں مجاہدین کے سامان کی حفاظت کرتی، ان کے لیے کھانا تیار کرتی، زخمیوں کی مرہم پٹی اور بیماروں کی تیمارداری کرتی تھی۔‘‘(۱)

مندرجہ بالا سطور میں ہم نے بخاری اور مسلم کی چند روایات پیش کی ہیں ورنہ اس سلسلہ میں بے شمار روایات موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں حربی و عسکری سرگرمیوں میں شریک ہوتی تھیں لیکن ان کی شرکت کا دائرہ مریضوں اور زخمیوں کی مرہم پٹی، مجاہدین کا کھانا تیار کرنے اور اس نوعیت کے دیگر کاموں تک محدود تھا۔ عہد نبوی یا عہد خلفائے راشدین میں کبھی کسی عورت کو 'کمانڈر' کی حیثیت نہیں دی گئی اور آج بھی ضرورت کے پیش نظر چند شرائط کے ساتھ عورت کو جنگی و عسکری معاملات میں شریک تو کیا جاسکتا ہے مگر اسے فوج کا سربراہ نہیں بنایا جاسکتا۔

(۱۰)......عورت کی سربراہی کا مسئلہ:

سربراہی دو طرح کی ہوتی ہے ایک پورے ملک کی سربراہی اور ایک ہے کسی ادارے اور شعبے کی سربراہی۔ جہاں تک کسی شعبے کی سربراہی کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں واضح رہے کہ کہ اگر وہ شعبہ عورتوں ہی سے تعلق رکھتا ہے تو اس کا عملہ بھی عورتوں پر مشتمل ہونا چاہیے اور عملہ کی سربراہی بھی عورت ہی کے پاس ہونی چاہیے۔ لیکن اگر وہ شعبہ مردوں سے متعلق ہو تو اس کا انتظام و انصرام اور سربراہی مردوں کے پاس ہی ہونی چاہیے، ایسے شعبے میں کسی عورت کی سربراہی کی کوئی ضرورت نہیں۔

اگر کسی شعبے کا تعلق مردوں اور عورتوں دونوں سے ہو تو اس میں تفریق کر کے مردوں سے متعلقہ امور مردوں کو اور عورتوں سے متعلقہ امور عورتوں کو تفویض کر دینے چاہئیں۔ اس کے باوجود اگر کچھ پہلو اشتراک کا تقاضا کریں تو اس میں سربراہی مردوں کو دی جائے گی کیونکہ انتظامی معاملات میں مرد فطری، جسمانی اور شرعی ہر اعتبار سے عورت سے زیادہ اہلیت رکھتا ہے۔

مذکورہ بالا تقسیم کی بنیاد اس شرعی اصول پر ہے کہ عورت اور مرد کا اختلاط کم سے کم ہو اور ستر و حجاب کی حدود کا اہتمام زیادہ سے زیادہ ہو اور ظاہر ہے ایک ہی جگہ مرد و زن کو لا گھسیڑنے سے یہ اصول پامال ہوتا ہے۔

جہاں تک تعلق ہے ایک ملک کی سربراہی کا تو اس میں کوئی شک نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے عورت کے لیے سربراہِ مملکت بننے کو سخت ناپسند کیا ہے۔ اس سلسلہ میں صحابی رسول حضرت ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

(۱) مسلم: کتاب الجهاد: باب النساء الغازيات يرضخ لهن...... (ح ۱۸۱۲)

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((لَنْ يُفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا أَمْرَهُمْ إِلَى امْرَأَةٍ))

''وہ قوم کبھی فلاح یاب نہیں ہوگی جس نے اپنے امور کسی عورت کے سپرد کر دیئے۔''[1]

صحیح بخاری کی اسی روایت میں یہ وضاحت بھی ہے کہ یہ بات آنجناب ﷺ نے اس وقت فرمائی تھی جب آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ اہل فارس (ایرانیوں) نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا سربراہِ مملکت مقرر کر لیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ روایت صحیح بخاری کے علاوہ اور کتبِ احادیث میں بھی موجود ہے اور محدثانہ اصولوں کے مطابق اس کی سند و متن میں کسی قسم کا شبہ نہیں۔ متن و سند کے اعتبار سے بھی یہ بالکل صحیح ہے اور اپنے معنی و مفہوم کے اعتبار سے بھی اس میں کوئی ابہام نہیں کہ اس میں عورت کی سربراہی کو سخت ناپسند کیا گیا ہے۔

آنحضرت ﷺ کو جب ایرانیوں کے بارے میں یہ خبر ملی تو آپ نے صرف ان کے لیے یہ نہیں کہا کہ وہ فلاح نہیں پائیں گے بلکہ آپ نے عمومی انداز میں یہ ارشاد فرمادیا کہ جو قوم بھی عورت کو سربراہ بنائے گی وہ ناکامی کا سامنا کرے گی۔ اس حدیث کے پیش نظر اہل علم کا اس بات پر ہمیشہ اتفاق رہا ہے کہ ایک مسلم ملک کی سربراہی عورت کے سپرد کرنا حرام ہے۔ ماضی قریب میں بعض تجدد پسندوں نے اس مسئلہ میں اختلاف رائے کا اظہار کیا اور مغربی نظریہ مساوات مرد وزن سے متاثر ہو کر اس حدیث نبوی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ ان کا نقطۂ نظر معلوم کرنے کے لیے اس موضوع پر لکھی گئی کتابوں کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ یہاں ہم اس مسئلہ کے بارے میں سعودی عرب کے نامور مفتی شیخ ابن باز ؒ کا ایک فتویٰ پیش کر رہے ہیں:

شیخ ابن باز ؒ کا فتویٰ:

سوال:...... اگر کوئی خاتون ملک کی وزیر اعظم، وزارت یا کسی اور بڑے منصب کے لیے بنفسِ نفیس خود کو پیش کرے تو اسلام کا اس سلسلے میں کیا موقف ہے۔ از راہِ کرم جواب دے کر ممنون فرمائیں؟

جواب:...... کسی خاتون کا ملک کا وزیر اعظم بننا یا بنایا جانا یا کسی اور بڑے منصب پر تعین، اسلام میں جائز نہیں ہے۔ اس سلسلے میں قرآن حکیم، سنت نبی کریم ﷺ اور اجماع کی وضاحتیں بصراحت موجود ہیں۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ اس آیت میں حکم عام ہے۔ مرد کو اللہ تعالیٰ نے قوام بنایا ہے۔ خاندان میں بھی، ریاست

(۱) بخاری: کتاب المغازی: باب کتاب النبی الی کسری وقیصر (ح ۴۴۲۵)

میں بھی۔اس آیت کریمہ سے صاف واضح ہے کہ مرد کو اللہ تعالیٰ نے عورت پر افضلیت عطا فرمائی ہے۔اس میں عقل کی ،رائے کی اور ہر طرح کی افضلیت شامل ہے......اور ذخیرہ حدیثِ نبویؐ سے ہمیں صحیح بخاری کی یہ حدیث ملتی ہے کہ "وہ قوم تباہ و برباد ہوئی جس نے عورت کو اپنا حاکم اور سربراہ بنایا۔"

اس صحیح حدیث کے بعد اس بات میں کوئی شک نہیں رہتا کہ کسی خاتون کو صاحبِ امر بنانا یا اس کی تولیت میں مملکت کی زمامِ کار دے دینا،احکامِ رسول کریم ﷺ کی کتنی بڑی خلاف ورزی اور جسارت کی بات ہے۔اس حدیث کی خلاف ورزی میں کئی ایسی حدیثوں کا متن بھی شامل ہو جاتا ہے جن میں بتایا گیا ہے کہ جانتے بوجھتے سنتِ رسول کا بطلان کفر کی حدوں تک پہنچتا ہے اور صورتِ حال سے واقف ہونے کے بعد کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ احکامِ رسول کی خلاف ورزی کرے۔

اجماع کے سلسلے میں عرض ہے کہ خلفائے راشدینؓ اور ان کے بعد کی تین صدیوں تک علمائے کرام کا یہی عمل رہا کہ کسی خاتون کو امارت یا عہدہ قضا پر مامور نہیں کیا گیا۔اس دور کی خواتین میں اکثر ایسی تھیں جنہوں نے کتاب وسنت کی روشنی میں خود اس بات کی وضاحت فرمائی کہ خواتین کے لیے یہ مناصب مناسب نہیں۔

اس کے علاوہ بھی شرعی احکام واضح ہیں۔حکامِ وقت کا بیشتر وقت دیگر مردوں اور اعمال حکومت سے گفت وشنید،دوروں،ملاحظوں،افواج کی قیادت واجتماعات میں شرکت اور ان کی رہبری ورہنمائی اور خطبات و تقاریر میں گزرتا ہے۔انہیں دیگر ممالک کے دورے بھی کرنے ہوتے ہیں۔مختلف ممالک سے معاہدے (Pact) ہوتے ہیں اور دوسرے ملکوں کے صدور ووزراء اور سفراء سے معانقے،دعوتیں،غرض ایسے بے انتہا کام ہیں جن میں وزیر اعظم ،صدر مملکت یا ملک کے اہم مناصب پر فائز لوگوں کو دن رات مشغول رہنا ہوتا ہے۔اس لیے دینی،عقلی اور علمی کسی بھی طرح مناسب نہیں کہ کسی خاتون یا خواتین کو ایسے مناصب دیے جائیں جو ان کے لیے مناسب نہیں ہیں۔

مزید برآں اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی عقل کی روشنی میں بھی یہ بات بالکل واضح ہے کہ عورت کے مقابلہ میں مرد کی عقل،فہم،حسنِ تدبیر اور دیگر سارے قوائے جسمانی زیادہ بہتر ہیں۔لہذا ملک کے متذکرہ بالا اعلیٰ مناصب کے لیے مرد ہی زیادہ مناسب ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں دینِ حنیف اور سنتِ رسول ﷺ کی پیروی کی توفیق عطا فرمائے۔(۱)

(۱) مجلة "المجتمع" (کویت) تلخیص وترجمه، هفت روزه "تکبیر" کراچی

باب ۶:

عورت کے بارے میں چند شبہات اور ان کا ازالہ

عورت ہمیشہ افراط وتفریط کا شکار رہی ہے۔کہیں تو اس کے ساتھ حیوانوں سے بھی بدتر سلوک کیا جاتا اور کہیں اسے مردوں سے بھی اونچا بٹھا دیا جاتا۔ اسلام نے عورت کے مقام ومرتبہ اور حقوق وفرائض کے حوالے سے انتہائی متوازن رائے قائم کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب تک اسلام سربلند رہا اور مسلم معاشروں میں اسلامی تعلیمات کے مطابق عمل ہوتا رہا تب تک عورت کی طرف سے کبھی حق تلفی کا شکوہ نہیں کیا گیا۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ عورتوں نے اپنے حقوق کے لیے انجمنیں (Ngo_s) بنا کر واویلا کیا ہو اور مردوں کے خلاف احتجاج کیا ہو۔ اس لیے کہ عورت کے حقوق وفرائض کے حوالے سے اسلام کی دی گئی تعلیمات پر عمل کرنے سے کبھی ان چیزوں کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوسکتی۔

لیکن اسلامی تعلیمات سے روگردانی اور مغرب کی الحادی تہذیب کے اثرات کی وجہ سے اب صورتحال بدل چکی ہے۔ مغربی دنیا میں عورت ہمیشہ ظلم وستم کا نشانہ رہی تھی اور پچھلے دو سو سال سے اس کا ردعمل یہ سامنے آیا کہ عورت کو ہر میدان میں مردوں کے ساتھ اب یکساں طور پر شریکِ کار تسلیم کرلیا گیا ہے۔ اسے مرد کے مقابلہ میں ایک عورت تسلیم کرنے کی بجائے مرد ہی سمجھا جارہا ہے۔ اسے گھر میں رہ کر بچے پالنے اور گھر سنبھالنے کی بجائے اپنی فطرت کے منافی امور سونپے جارہے ہیں۔ گویا عورت کو اب ایک دوسری انتہا پر پہنچا دیا گیا ہے اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے نقصانات سے چشم پوشی کی جارہی ہے بلکہ الٹا یہ دلائل دیئے جارہے ہیں کہ عورت کے لیے گھر کی چاردیواری تک محدود رہنے سے اس کی حق تلفی ہوتی ہے اور مردوں کے شانہ بشانہ نہ چلنے سے معاشرتی ترقی میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ پھر اس سے آگے بڑھ کر اسلام کے خلاف یہ اعتراضات اٹھائے جارہے ہیں کہ اسلام نے عورتوں کو کمتر درجہ دیا ہے۔ انہیں گھر کی چاردیواری میں قید کرکے ان کی آزادی چھین لی ہے۔ انہیں مردوں کے تابع بنا کر ان کی حق تلفی کی ہے۔ انہیں مرد کے مقابلہ میں آدھی مخلوق کہا ہے۔ انہیں وراثت، دیت اور شہادت ہر جگہ مردوں کے مقابلہ میں آدھا درجہ دے کر ان پر ظلم کیا ہے۔ مغربی تہذیب سے مرعوب ہمارے بعض متجددین مغربی نقطہ نظر کی

کمزوری سمجھنے کی بجائے الٹا ان کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں اور معذرت خواہانہ انداز اختیار کر کے اسلام کی غلط تعبیر پیش کر رہے ہیں۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے ہمیں یہ سمجھنا چاہیے کہ ہر تہذیب کے پیچھے ایک فکر ہوتی ہے اس فکر پر ایک نظام قائم ہوتا ہے اور اس نظام کے جملہ اجزاء اس فکر کو تقویت دیتے ہیں۔ ایسے اجزاء اس نظام میں نہیں ٹھہر سکتے جو اس کی بنیادی فکر سے ہم آہنگ نہ ہوں۔ یا تو یہ اجزاء تقویت پا کر آہستہ آہستہ اس فکر کو مردہ بنا دیں گے یا پھر اس تصادم میں خود مردہ ہو جائیں گے۔ فکر و نظام کے اس عملی مظہر کو 'تہذیب' کہا جاتا ہے گویا یہ نظریہ و عمل کے اشتراک ہی کی ایک صورت ہوتی ہے۔

موجودہ مغربی تہذیب کی بنیاد مادہ پرستی (Materialism) پر ہے۔ اس میں مذہب کی بنیادی تعلیمات (یعنی خوفِ خدا، فکرِ آخرت وغیرہ) کی بجائے صرف اسی کام کو وَقعت دی جاتی ہے جو مادی اعتبار سے مفید ہو۔ گویا افادیت پسندی (Utilitarianism) اس تہذیب کی روح ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی تہذیب ایک بالغ شخص کو ہر طرح کی کھلی چھٹی دینے کی قائل ہے۔ وہ حیوانیت پر اتر آئے اور اَخلاقی قدروں کی پامالی کرے تو یہ اس کا حقِ آزادی شمار کیا جاتا ہے۔ وہ حلال و حرام کی پروا کیے بغیر مال کمائے تو یہ اس کا معاشی حق تسلیم کیا جاتا ہے۔ عورت مردوں کے شانہ بشانہ کام کرے تو یہ اس کا تمدنی حق سمجھا جاتا ہے۔ مرد وزَن بے راہ روی پر اتر آئیں تو یہ ان کا جنسی حق تسلیم کیا جاتا ہے۔ مغربی جمہوریت میں بھی یہی سوچ کارفرما ہے۔ یعنی معاشرے کی اکثریت اپنی کسی لذت اور خواہش کی تکمیل کے لیے ایک ناجائز کام کو جائز کروانا چاہے تو حقِ جمہوریت کی رو سے وہاں یہ بھی ممکن ہے۔

مغربی تہذیب کی انہی فکری بنیادوں پر جب عملدرآمد ہوا تو معاشرے میں بے شمار بگاڑ پیدا ہوئے۔ میں ان کی تفصیلات یہاں پیش کرنا نہیں چاہتا البتہ آپ خود غور کر لیں کہ ہر فرد کو اپنی ہر خواہش کی تکمیل کی اگر کھلی چھٹی دے دی جائے اور اس پر قانونی بندشوں کو ختم کر کے اخلاقی و مذہبی پابندیاں بھی اٹھا دی جائیں تو پھر یہ کیسے توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ بہیمیت پر نہ اترے۔ آپ اپنے محلے کے ایک اَوباش کو ذرا کھلی چھٹی دے کر دیکھ لیں۔ نہ کسی کی عزت محفوظ رہے گی اور نہ مال اور جان!

مغرب نے سیاسی اور معاشی طور پر پوری دنیا میں بہیمیت پھیلا رکھی ہے اور سماجی طور پر تو وہ خود بھی محفوظ نہیں رہا۔ وہاں خاندان کا ادارہ تباہ و برباد ہو چکا ہے۔ نوجوانی میں تو ہر کوئی عیش کر لیتا ہے مگر بڑھاپے میں

اولاد بھی اٹھا کر اولڈ ہاؤس پھینک آتی ہے۔ خاندانی نظام کی تباہی کی وجہ سے عورت کو اپنا معاش خود تلاش کرنا پڑتا ہے۔ اپنے اخراجات کے ساتھ بچوں کے اخراجات بھی عام طور پر عورت ہی پورے کرتی ہے۔ ان حالات میں اگر عورت کو وراثت میں سے آدھا حصہ دیا جائے، تنخواہ بھی مردوں سے کم ہو اور ملازمت کے دروازے بھی بند ہوں تو یقیناً اسے اپنی حق تلفی کا رونا رونا چاہیے۔ مگر یہ مغربی تہذیب کی ضرورتیں ہیں۔ اسلامی تہذیب کے ساتھ انہیں قیاس کرنا ہمارے 'روشن خیالوں' کی جہالت کا نتیجہ ہے۔

اسلامی تہذیب میں تو عورت کو اتنی بڑی رعایت حاصل ہے کہ ساری زندگی اسے فکرِ معاش سے آزادی مل جاتی ہے۔ بچپن میں اس کا والد، یا بھائی، یا چچا وغیرہ اس کی کفالت کے ذمہ دار ہوتے ہیں اور شادی کے بعد اس کا شوہر۔ اگر بالفرض کسی عورت کا کوئی کفیل نہ ہو تو حکومتِ وقت اس کی کفالت کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ اس کے باوجود اگر اسے وراثت میں سے کچھ مل جاتا ہے تو یہ اس پر مزید احسان ہے نہ کہ اس کی حق تلفی۔ اسے حق تلفی وہی سمجھے گا جو اسلامی تہذیب کے مبادیات سے نا آشنا ہے یا اس پر اس کا دل مطمئن نہیں ہے۔

یہاں یہ بات بھی واضح رہنی چاہیے کہ مغربی تہذیب کا مسلمانوں کی موجودہ صورتحال سے تقابل درست نہیں۔ اس لیے کہ آج بھی اگرچہ مسلمانوں کے پاس اپنی تہذیب کی بنیادیں تو موجود ہیں مگر مسلمانوں کے عمل کی عمارت پوری طرح ان بنیادوں پر قائم نہیں ہے جبکہ موجودہ مغربی تہذیب اپنے فکر و عمل کے پورے اشتراک کے ساتھ کھڑی ہے۔ اس لیے اس کے نتائج و اثرات کا تقابل اگر کیا جاسکتا ہے تو اسلام کے اس دور کے ساتھ جب اسلام بھی اپنے فکر و عمل کے اشتراک کے ساتھ قائم تھا۔ کیونکہ تقابل تو تبھی ہوگا جب دو طرفہ برابری ہو۔ اس لیے مغربی تہذیب کا اگر اسلام کے خلافتِ راشدہ سے تقابل کیا جائے، یا اسلامی تاریخ کے خیر القرون سے تقابل کیا جائے، یا اموی اور عباسی دورِ حکومت کے ساتھ تقابل کیا جائے تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ اپنے اپنے میسر وسائل کے ساتھ کس نے زیادہ ترقی کی، کس کی بنیادیں گہری ہوئیں، کس کی سیاست عادلانہ اصولوں پر قائم ہوئی، کس کا سماج اخلاقی قدروں کا محافظ بنا، کس کی معیشت مضبوط ہوئی، کس کا علمی رسوخ زیادہ ہوا۔

آج بھی اگر مسلمان اپنی تہذیب اپنی اسلامی بنیادوں پر قائم کر لیں، ان بنیادوں پر اٹھنے والی دیواروں کے جھول درست کر لیں، ان میں پڑنے والے شگاف دور کر لیں تو پورے یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ

پھر یہی مسلمان پوری دنیا کو عادلانہ نظام اور منصفانہ تہذیب وتمدن دے سکتے ہیں۔ان شاء اللہ!

مسلمان عورت کے حوالے سے اٹھائے جانے والے شبہات واعتراضات کے سلسلہ میں سب سے پہلے یہ غور کرنا چاہیے کہ ان اعتراضات کی حقیقت کیا ہے؟ بطورِ اعتراض جو بات کی جارہی ہے اس کا کوئی وجود ہے بھی یا نہیں؟ جس بات پر اعتراض کیا جارہا ہے قرآن وسنت میں اس سلسلہ میں کوئی بات کہی گئی ہے یا وہ مسلمانوں کے اپنے طرزِ عمل سے پیدا ہوئی ہے؟ بہت سارے اعتراضات تو ایسے ہیں جن کا ہماری دینی تعلیمات کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔یعنی یا تو وہ بالکل بے بنیاد ہیں یا پھر بعض مسلمانوں کے غلط طرزِ عمل کا نتیجہ ہیں۔ظاہر ہے ان اعتراضات کی کوئی حیثیت نہیں۔مسلمانوں نے اپنے طرزِ عمل سے اگر اعتراض کا موقع دیا ہے تو انہیں اپنا طرزِ عمل بدلنا چاہیے اور اگر خدانخواستہ مسلمان اپنا طرزِ عمل نہیں بدلتے تو پھر بھی اسلام ان اعتراضات سے پہلے ہی سے بری ہے۔

البتہ بعض اعتراضات وہ ہیں جو اسلامی تعلیمات کی بنیاد پر اٹھائے جاتے ہیں۔اس سلسلہ میں ہمیں سب سے پہلے تو یہ تحقیق کرنی چاہیے کہ جس بات پر اعتراض کیا گیا ہے کیا قرآن وسنت میں وہ موجود ہے؟ مثلاً قرآن مجید کی اگر کسی آیت پر اعتراض کیا گیا ہے تو یہ دیکھنا چاہیے کہ کیا اس آیت کا وہی مفہوم ہے جو اعتراض کرنے والا پیش کررہا ہے۔کیا ہمارے مفسرین نے اس سے وہی مراد لیا ہے یا کچھ اور۔اسی طرح اگر کسی حدیث پر اعتراض کیا گیا ہے تو ہمیں پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ محدثین کے ہاں وہ حدیث صحیح اور حسن درجہ کی ہے یا ضعیف اور موضوع۔اگر حدیث صحیح اور قابل اعتماد ہے تو آیا اس کا مفہوم وہی ہے جو اعتراض کرنے والا پیش کررہا ہے یا کچھ اور۔ہمارے محدثین وشارحین نے اس کا وہی مفہوم پیش کیا ہے یا کچھ اور۔

بہت سارے شبہات تو اسی تحقیق کے دوران رفع ہوجائیں گے اور اگر کچھ باقی رہ جائیں گے تو آپ پہلے یہ یقین کرلیجیے کہ واقعی قرآن وحدیث میں وہ بات موجود ہے جو اعتراض کرنے والے نے اٹھائی ہے۔

اگر ہے تو ایسی صورت میں بحیثیتِ مسلمان آپ کا یہ ایمان ہونا چاہیے کہ یہ بات اِس کائنات کے خالق ومالک نے یا تو خود فرمائی ہے یا وحی کے ذریعے اپنے محبوب پیغمبر کی زبان پاک سے کہلوائی ہے۔دونوں صورتوں میں یہ خدا ہی کی طرف سے کہی گئی ہے اور جو بات خالقِ کائنات کی طرف سے آئی ہو وہ ہی حق ہے۔اگر سائنسی تجربات ومشاہدات اور انسانی دل ودماغ اسے تسلیم نہیں کرتے تو سمجھ لیجیے کہ ان سبھی ذرائع میں ابھی نقص ہے۔سائنس اور مشاہدے کو ابھی مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔دل ودماغ کو ابھی مزید غور وفکر

کی ضرورت ہے۔ پھر یہ بات بھی یاد رکھیے کہ خالقِ کائنات نے جو کہہ دیا اور جس کا تقاضا کر دیا ہے اسی کو اپنانے اور اسی پر عمل پیرا ہونے میں ہماری دنیوی واخروی کامیابی ہے۔ اس سے روگردانی اس دنیا میں بھی ہمیشہ برے نتائج پیدا کرے گی اور آخرت میں بھی عذاب میں مبتلا کرنے کا باعث ثابت ہوگی۔ ان بنیادی باتوں کے بعد ہم عورت کے حوالے سے پیدا کیے جانے والے شبہات واعتراضات کا جائزہ لیتے ہیں۔

(۱)......کیا عورت کی عقل آدھی ہے؟

عورت کی عقل کے حوالے سے اسلام پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اسلام عورت کی آدھی عقل کا قائل ہے اور یہ عورت کی توہین ہے کہ اس کی عقل کو مرد کی عقل سے کمتر سمجھا جائے۔

اس سلسلہ میں جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آیا قرآن وحدیث میں کوئی ایسی بات بیان ہوئی ہے یا نہیں، تو صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ایک مستند حدیث ہمارے سامنے آتی ہے جسے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ عیدالاضحیٰ یا عیدالفطر کا موقع تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ عیدگاہ تشریف لائے۔ جب آپ عورتوں کے پاس سے گزرے تو آپؐ نے ان سے یہ ارشاد فرمایا:

((يَـامَـعْشَرَ النِّسَآءِ تَصَدَّقْنَ فَإِنِّيْ أُرِيْتُكُنَّ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ، فَقُلْنَ وَبِمَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ، وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ، مَارَأَيْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَدِيْنٍ أَذْهَبَ لِلُبِّ الرَّجُلِ الْحَازِمِ مِنْ إِحْدَاكُنَّ، قُلْنَ: وَمَانُقْصَانُ دِيْنِنَا وَعَقْلِنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ أَلَيْسَ شَهَادَةُ الْمَرْأَةِ مِثْلَ نِصْفِ شَهَادَةِ الرَّجُلِ؟ قُلْنَ: بَلٰى، قَالَ: فَذٰلِكَ مِنْ نُقْصَانِ عَقْلِهَا، أَلَيْسَ إِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ؟ قُلْنَ: بَلٰى، فَذٰلِكَ مِنْ نُقْصَانِ دِيْنِهَا))

''اے عورتوں کی جماعت! تم (کثرت سے) صدقہ کیا کرو، اس لیے کہ (جب مجھے جہنم دکھائی گئی تھی تو) میں نے دیکھا کہ جہنمیوں کی اکثریت تم عورتوں پر مشتمل ہے۔ عورتوں نے کہا، اللہ کے رسول! ایسا کیوں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس لیے کہ تم لعن طعن زیادہ کرتی ہو اور خاوند کی ناشکری کرتی ہو۔ عقل اور دین میں کم ہونے کے باوجود سمجھدار آدمی کی عقل کو ماؤف کرنے والا تم سے بڑھ کر کسی اور کو میں نے نہیں دیکھا۔ عورتوں نے پوچھا: اللہ کے رسول! ہمارے دین اور ہماری عقل میں کیا کمی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا عورت کی گواہی مرد کی گواہی سے آدھی نہیں؟ عورتوں نے کہا ہاں! کیوں

نہیں۔آپؐ نے فرمایا یہ عورت کی عقل کی کمی ہے۔(پھر آپ ﷺ نے فرمایا) کیا ایسا نہیں ہے کہ جب عورت کے ایام حیض شروع ہوتے ہیں تو وہ نماز پڑھتی ہے نہ روزے رکھتی ہے؟ عورتوں نے کہا، ہاں! کیوں نہیں۔آپؐ نے فرمایا: پس یہ اس کے دین کی کمی ہے۔''(۱)

یہ بخاری و مسلم کی صحیح حدیث ہے اس لیے اس بات میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا کہ عورت کی عقلی و ذہنی صلاحیت میں مرد کے مقابلہ میں نقص و کمی پائی جاتی ہے۔آنحضرت ﷺ نے اپنی بات کی تائید میں سائنسی ومشاہداتی دلائل پیش کرنے کی بجائے قرآن مجید کے اس حکم کی طرف اشارہ کر دیا، جس کی رو سے عورت کی گواہی مرد کے مقابلہ میں آدھی ہے۔گویا آپ ﷺ یہ فرمانا چاہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی عقل مردوں کے مقابلہ میں کم رکھی ہے اور یہ اللہ کا فیصلہ ہے جسے تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں۔

دراصل آنحضرت ﷺ نے ایک بہت بڑی حقیقت کو بیان فرمایا ہے۔اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے آپ پہلے مردوں کے بارے میں ذرا غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ہر آدمی سائنس دان، ڈاکٹر، انجینئر نہیں بن سکتا۔ ہر آدمی میں جج بننے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ ہر شخص کے لیے ماہر نفسیات بن جانا ممکن نہیں۔ ہر شخص کے لیے آسان نہیں کہ وہ ماہر ریاضی دان بن جائے۔گویا کسی مرد کی عقل زیادہ ہے کسی کی کم۔کسی کا دماغ فلکیات میں کام کرتا ہے تو کسی کا طب میں۔کوئی قائدانہ صلاحیتیں رکھتا ہے اور کوئی شاعرانہ۔اگر ہر شخص قائدانہ صلاحیتوں کا مالک ہوتا اور لیڈر بننا ہی پسند کرتا تو ملکی نظم ونسق کیسے چلتا؟ اگر ساری قوم طب میں چلی جاتی تو انجینئر کہاں سے آتے؟ یہ دماغی وعقلی صلاحیتوں کی کمی بیشی دراصل اس کارخانۂ فطرت کے نظام کو خوبصورتی سے چلانے کے لیے رکھی گئی ہے۔

گویا مردوں میں بھی تمام مردوں کی عقل کا معیار ایک جیسا نہیں اور یہ اللہ حکیم ودانا کا فیصلہ ہے۔یہی صورتحال عورتوں کی بھی ہے۔بعض عورتیں حکمت ودانش میں دوسری عورتوں سے آگے ہوتی ہیں حتی کہ بعض عورتیں مردوں سے بھی زیادہ دانا ہوتی ہیں لیکن مجموعی طور پر جب مردوں اور عورتوں کا تقابل کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مردوں کا معیارِ عقل عورتوں سے بلندتر ہے اور یہ فطری طور پر ہے۔اللہ تعالیٰ نے بے شمار حکمتوں کی وجہ سے ایسا کیا ہے۔وہ حکمتیں ہمیں سمجھ آجائیں تو بہت اچھا، نہ سمجھ آئیں تو پھر بھی کیا ہم اللہ تعالیٰ پر اعتراض

---

(۱) صحیح بخاری: کتاب الحیض: باب ترک الحائض الصوم (ح۳۰۴)، صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب بیان نقصان الایمان بنقص الطاعات.........(ح۸۹)

شروع کر دیں گے؟ کیا ہم اللہ کو ظالم و جابر سمجھتے ہیں کہ اللہ کو یہ فرق نہیں کرنا چاہیے تھا؟ (معاذ اللہ!)

ان حکمتوں پر غور کرنے سے پہلے واقعات کی دنیا میں نظر دوڑا کر یہ بھی دیکھ لیجیے کہ دنیا کی تاریخ میں جتنے انبیاء ورسل آئے وہ سب مرد تھے۔ جتنے بڑے بڑے فلسفی گزرے ہیں، وہ سب مرد تھے۔ دنیا میں جتنے سائنس دان ہوئے، ان کی واضح اکثریت مردوں پر مشتمل تھی۔ دنیا میں جتنے حکمران، بادشاہ، لیڈر اور کمانڈر گزرے، ان کی بڑی تعداد مرد تھی۔ انسانی تاریخ میں ہمیشہ مردوں کو ذہنی تفوق حاصل رہا ہے اور آج بھی صورتحال ایسے ہی ہے۔ چند ملکوں کے علاوہ باقی ہر جگہ مرد حکمران ہیں۔ انگلی پر گنی جانے والی چند عورتوں کے سوا باقی سب سائنس دان، کمانڈان، قانون دان، دانشور، حکیم، ڈاکٹر، وغیرہ مرد ہیں۔

اب تو سائنسی تحقیقات نے بھی یہ بات ثابت کر دی ہے کہ مجموعی طور پر مردوں میں ذہنی صلاحیتیں عورتوں سے زیادہ ہیں اور یہ فرق حیاتیاتی بنیادوں پر ہے جسے تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ بطورِ مثال امریکہ کے ہفتہ وار میگزین 'ٹائم' (۲۰ مارچ ۱۹۷۲ء) اور 'نیوز ویک' (۱۸ مئی ۱۹۸۱ء) وغیرہ میں شائع ہونے والی مفصل تحقیقی رپورٹیں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔ اسی طرح ماہر نفسیات ڈاکٹر ہارڈنگ (M.Esther Harddings) کی کتاب The way of all women بھی اس حقیقت کی ترجمانی کرتی ہے۔ گویا یہ ایک سائنسی حقیقت تھی کہ عورتوں کی ذہنی صلاحیتیں مردوں سے کم ہوتی ہیں اور آنحضرت ﷺ نے وحی الٰہی کی بنیاد پر اس حقیقت کو چودہ صدیاں پہلے ہی بیان کر دیا۔ اب کیا آنحضرت ﷺ کی احادیث پر اس بنیاد پر اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ ان میں یہ حقیقت کیوں بیان کی گئی ہے؟ اگر کسی کو اعتراض ہے تو وہ اس حقیقت کو بدل دکھائے۔ کم از کم اپنی عورتوں کو مردوں سے زیادہ ذہین ثابت کر دکھائے!

جہاں تک میں سمجھتا ہوں اس فرق میں اللہ تعالیٰ کی بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ عورت کو اگر ذہنی صلاحیتیں اس قدر دے دی جاتیں کہ وہ سائنسی، ریاضی اور طبی تحقیقات میں تخلیقی کارنامے انجام دے سکتی تو پھر خاندان کا ادارہ کیسے چلتا؟ بچوں کی دیکھ بھال کون کرتا؟ خاوند کی تھکاوٹ دور کرنے اور راحت مہیا کرنے کی ذمہ داری کون انجام دیتا؟ عورت کو اللہ تعالیٰ نے وہ ذہنی صلاحیت ضرور عطا کی ہے جو ایک گھر کو جنت کا نمونہ بنا دے۔ جو ایک بچے کو کامیاب لیڈر بنا دے۔ جو ایک بچی کو کامیاب بیوی اور مثالی ماں بنا دے۔ یہ کام جس حسن وخوبی سے ایک عورت انجام دے سکتی ہے، اس طرح دنیا کا کوئی مرد یہ کام انجام نہیں دے سکتا۔

ذہنی تفاوت کی وجہ سے عورت میں بھول چوک مرد کی نسبت زیادہ ہے اور یہ نقص بھی دراصل عورت ہی کے فائدے کے لیے ہے۔ یہ بھول چوک ہی ہے جو اسے خاوند کی سختی برداشت کر کے پھر سے اسے خاوند کی اطاعت وخدمت پر آمادہ کر دیتی ہے۔ یہ بھول چوک ہی ہے جو اسے ایک بچے کی پیدائش وتربیت کی ساری مشقتیں بھلا کر پھر سے ایک بچے کی پیدائش وتربیت کے لیے تیار کر دیتی ہے۔ پھر یہ بھول چوک ہی ہے جو اس میں ماں کی ممتا اور بیوی کا پیار پیدا کرنے میں مدد دیتی ہے۔

(۲)......کیا عورت ٹیڑھی ہوتی ہے؟

ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ اسلام نے عورت کو ٹیڑھا یعنی کج رو اور کج مزاج قرار دیا ہے جو اس کی توہین ہے۔

پچھلے اعتراض کی طرح یہ بھی اپنے اندر کوئی وزن نہیں رکھتا کیونکہ یہاں بھی وہی صورتحال ہے کہ ایک حقیقت کو اسلام نے بیان کر دیا ہے پھر بیان ہی نہیں کیا بلکہ یہ تاکید بھی کی ہے کہ عورت کے اس مزاج کی رعایت کرتے ہوئے اس سے حسنِ سلوک کا برتاؤ کرو۔ اس سلسلہ میں پہلے ہم عورت کے ٹیڑھ پن سے متعلقہ روایات پر غور کریں گے پھر ان کا مفہوم ومدعا واضح کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس سلسلہ میں دو چیزیں لائق بحث ہیں، ایک حضرت حواؑ کی تخلیق کا مسئلہ اور دوسری تمام عورتوں کے مزاج سے متعلقہ روایات۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی بیوی حضرت حواؑ کو کس طرح پیدا فرمایا، تو اس بارے میں قرآن وسنت میں صریح معلومات نہیں ملتیں، تاہم قرآن مجید کی درج ذیل آیت سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ حضرت حوا کی تخلیق آدمؑ ہی سے ہوئی تھی، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَّنِسَاءً﴾[النساء۔۱]

”اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا فرمایا اور اسی جان سے اس کی بیوی (حواؑ) کو پیدا فرمایا (پھر) ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں۔“

مذکورہ آیت کے یہ الفاظ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا میں مِنْهَا سے مراد متقدم مفسرین (مثلاً ابن کثیرؒ، قرطبیؒ، شوکانیؒ وغیرہ) کے نزدیک حضرت آدمؑ ہیں کیونکہ ان کے بقول اس 'ھا' (ضمیر) کا مرجع اسی

آیت میں مذکور لفظ 'نفس' ہے اور مراد یہ ہے کہ حضرت حوا کو حضرت آدمؑ کی پسلی سے پیدا کیا گیا جبکہ بعض مفسرین (مثلاً مولانا اصلاحیؒ) کے بقول اس 'ھا' ضمیر کا مرجع نفس نہیں بلکہ 'جنس' ہے، اور مراد یہ ہے کہ جو جنس آدمؑ کی تھی، اسی جنس سے حواؑ کو پیدا کیا گیا ہے، نہ کہ حضرت آدم کے وجود اور ان کی پسلی سے۔ پہلی رائے کی تائید میں کئی روایات سے اشارہ بھی ملتا ہے مثلاً ایک صحیح حدیث میں یہ بات مذکور ہے کہ

((اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَآءِ فَاِنَّ الْمَرْاَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ وَاَنَّ اَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلَعِ اَعْلَاهُ فَاِنْ ذَهَبْتَ تُقِيْمُهُ كَسَرْتَهُ وَاِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ اَعْوَجَ فَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَآءِ))

''عورتوں کے بارے میں میری وصیت کا ہمیشہ خیال رکھنا کیونکہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے۔ پسلی میں بھی سب سے زیادہ ٹیڑھا اوپر کا حصہ ہوتا ہے، تم میں سے اگر کوئی شخص اسے بالکل سیدھا کرنے کی کوشش کرے گا تو نتیجۃً اسے توڑ بیٹھے گا (ایک روایت میں ہے کہ اسے توڑنے سے مراد طلاق ہے) اور اگر اسے یونہی چھوڑ دے گا تو پھر یہ ہمیشہ ٹیڑھی ہی رہے گی۔ لہٰذا عورتوں کے بارے میں میری نصیحت مانو، عورتوں سے اچھا سلوک کرو۔''[1]

اس حدیث کے پیشِ نظر مفسرین کی ایک تعداد کا یہ کہنا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے حوا کو پیدا کیا گیا تھا اور اس حدیث میں پسلی سے عورت کی تخلیق سے مراد تخلیق حواؑ ہی کی طرف اشارہ ہے۔ بعض اسرائیلی روایات میں بھی یہ بات ملتی ہے کہ حضرت حوا کو حضرت آدم کی دائیں جانب کی تیرہویں پسلی سے پیدا کیا گیا تھا۔

بعض اہل علم اس حدیث کو حقیقت کی بجائے تشبیہ پر محمول کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس حدیث میں عورت کی طبیعت کی اس کجی کی طرف اشارہ ہے جسے بدلنا نہایت مشکل ہے۔ گویا حضرت حوا کے بارے میں اہل علم کا اس بات پر تو اختلاف ہے کہ وہ حقیقی طور پر حضرت آدمؑ کی پسلی سے پیدا کی گئیں یا یہ محض تمثیل ہے لیکن اس بات پر تقریباً سب کا اتفاق ہے کہ دیگر عورتوں کے مزاج کی کجی کی طرف بعض اَحادیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کی تائید جن احادیث سے ہوتی ہے ان میں اس طرح کے الفاظ بیان ہوئے ہیں:

۱)......((اِنَّمَا الْمَرْاَةُ كَالضِّلَعِ))[2]

''عورت پسلی کی طرح ہے۔'' یعنی عورت کا مزاج بالعموم اس طرح ٹیڑھا ہوتا ہے جس طرح پسلی ٹیڑھی

(۱) بخاری: کتاب احادیث الانبیاء: باب خلق ادم وذریته(ح ۳۳۳۱)، مسلم: کتاب الرضاع: باب الوصیة بالنساء(ح ۵۹) (۲) بخاری: کتاب النکاح: باب المداراة مع النساء

ہوتی ہے۔ اس حدیث میں کاف تشبیہ کے لیے ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا مقصود عورت کے کج رو ہونے کی طرف ہے۔

۲)......((اِسْتَوْصُوْابِالنِّسَآءِ خَیْرًا فَاِنَّهُنَّ خُلِقْنَ مِنْ ضِلَعٍ))

''میں تمہیں عورتوں کے بارے میں بھلائی کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ یہ پسلی سے پیدا کی گئی ہیں۔''(۱)

عورت کے ٹیڑھا ہونے کا مطلب:

معلوم ہوا کہ احادیث کی رو سے یہ بات ثابت ہے کہ مجموعی طور پر عورت کے مزاج میں کج روی پائی جاتی ہے اور ہمارا مشاہدہ بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ لیکن ایسا کیوں ہے، اس کی حکمتیں ہمیں نہیں بتائی گئیں۔ تاہم غور کرنے سے اس کی کئی حکمتیں نمایاں ہوسکتی ہیں مثلاً ایک حکمت تو یہ سمجھ آتی ہے کہ ایک عورت میں ماں کی ممتا اور شوہر کی محبت پیدا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے عورت کا مزاج ایسا بنایا ہے کہ وہ بہت جلد جذباتی ہو جاتی ہے۔ اور اس کے جذبات میں جو شدت ہوتی ہے وہ عام طور پر مرد کے مزاج میں نہیں ہوتی۔ جذبات کی یہ شدت عورت کو ایک اچھی ماں بنانے میں گہرا کردار ادا کرتی ہے۔ لیکن دوسری طرف ظاہر ہے فرطِ جذبات سے متاثر ہو کر ایک نارمل آدمی بھی کوئی نہ کوئی غلطی کر بیٹھتا ہے۔ چنانچہ فرطِ جذبات سے پیدا ہونے والے اس رویے کو عورت کی کج مزاجی سے تعبیر کیا گیا ہے اور مرد کو تلقین کی گئی کہ وہ عورت کے اس مزاج کی ضرورت کو سمجھے اور اس کی کج روی کو مار پیٹ سے نہیں بلکہ حکمت و دانش سے کنٹرول کرنے کی کوشش کرے۔

معلوم ہوا کہ عورت پر احسان کرتے ہوئے اسلام نے مردوں کو یہ ہدایت کی ہے کہ وہ عورتوں کی نفسیاتی اور فطری کمزوری کو یاد رکھیں اور ہمیشہ ان سے درگزر سے کام لیں۔ ایک باپ، بیٹے کی ن پر جس طرح کی سختی کرتا ہے اس طرح کی سختی اگر وہ بیٹی پر بھی کرے گا تو نقصان ہوگا۔ بیٹی اور ماں پر سختی کرنے سے ان کا دل ٹوٹ جائے گا اور بیوی پر سختی کرنے سے ازدواجی زندگی کی گاڑی تباہ ہو جائے گی۔

(۳)......عورت کی وراثت آدھی کیوں؟

اسی طرح اسلام پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اسلام نے عورت کو مرد کے مقابلہ میں آدھی وراثت دے کر اس سے غیر منصفانہ سلوک کیا ہے۔ حالانکہ اسلامی تہذیب کے مجموعی نظام کی روشنی میں اگر اس مسئلہ

(۱) بخاری: ایضا: باب الوصاة بالنساء (ح۵۱۸۶)

پر غور کیا جائے تو اس میں کسی قسم کی غیر انصافی کی بات دکھائی نہیں دے گی۔سب سے پہلے ہم اس مسئلہ کی شرعی حیثیت دیکھتے ہیں۔

وراثت کے سلسلہ میں قرآن مجید نے عام صورتوں میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ مرد کو جتنا حصہ ملے گا عورت کو اس سے نصف دیا جائے گا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيٓ أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ﴾[النساء:۱۱]

''اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں یہ وصیت کرتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے۔''

بعض صورتیں ایسی بھی ہیں جہاں مرد اور عورت کو برابر حصہ ملتا ہے مثلاً میت کے ماں باپ ہوں اور اولاد اور بیوی بھی ہو تو ایسی صورت میں ماں اور باپ کو برابر درجے میں چھٹا چھٹا حصہ ملتا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ﴾[النساء:۱۱]

''اس (میت) کے ماں اور باپ میں سے ہر ایک کے لیے اس کے چھوڑے ہوئے مال میں سے چھٹا حصہ ہے بشرطیکہ میت کی اولاد بھی ہو۔''

بعض صورتیں ایسی بھی ہیں جن میں ورثا میں سے عورت کا حصہ مرد سے زیادہ ہو جاتا ہے مثلاً ایک شخص فوت ہو جائے اور پیچھے صرف ایک بیٹی اور دو بھائی زندہ ہوں تو اس صورت میں بیٹی کو کل مال کا آدھا ملے گا اور باقی آدھا دونوں بھائیوں میں تقسیم ہوگا۔میت کی اولاد چونکہ زیادہ حقدار ہوتی ہے اور یہاں اولاد میں سے صرف بیٹی ہے اور ایسی صورت میں بیٹی کو قرآن مجید نے نصف حصہ کا حقدار بنا دیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ﴾[النساء:۱۱]

''اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کے لیے نصف حصہ ہے۔''

جن صورتوں میں عورت کو مرد کے مقابلہ میں نصف حصہ دیا گیا ہے، ان میں عورت کے ساتھ ناانصافی نہیں بلکہ عین احسان واکرم کیا گیا ہے کیونکہ عورت کو معاشی ذمہ داریوں سے آزاد کیا گیا ہے۔اس کی معاشی کفالت باپ، بھائی، شوہر اور بیٹوں وغیرہ کے ذمہ ہے جب کہ ان میں سے کسی کی کفالت کا بوجھ عورت پر نہیں ہے۔پھر ان تمام رشتوں میں عورت ان کی وراثت میں بھی مفت کی حصہ دار بنادی گئی ہے۔

پھر مہر کی صورت میں شادی کے موقع پر خاوند کی طرف سے بھی وہ مال وصول کرتی ہے جب کہ شادی کے

انتظام والنصرام کی ذمہ داری اور اخراجات بھی اس کے سرپرستوں پر فرض کیے گئے ہیں۔

دوسری طرف مرد کی صورتحال یہ ہے کہ اسے شوہر ہونے کے ناطے بیوی، باپ ہونے کے ناطے بچوں اور بیٹا ہونے کے ناطے والدین کے نان ونفقہ کی ذمہ داریاں پوری کرنا ہوتی ہیں۔ اس لیے اسے ان ذمہ داریوں کے عوض وراثت میں زیادہ حصہ دیا گیا اور عورت کو ان ذمہ داریوں سے بری ہونے کی وجہ سے تھوڑا حصہ دیا گیا ہے۔ اگر ذمہ داریوں کی اس تقسیم کے ساتھ مرد وعورت کے حصے برابر مقرر کر دیے جاتے تو یقیناً عورت بہت فائدے میں رہتی مگر دوسری طرف مرد سخت نقصان سے دوچار ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے کمال حکمت سے ایسی تقسیم کر دی کہ کسی پر بھی ظلم نہ ہونے پائے۔

(۴)......عورت کی دیت آدھی کیوں؟

اگر کسی شخص سے غلطی کی وجہ سے دوسرا شخص مارا جائے تو اس غلطی کے تاوان میں قاتل سے بطور دیت کچھ تاوان لے کر مقتول کے ورثا کو دیا جاتا ہے۔ اگر ورثا معاف کر دیں تو یہ الگ بات ہے۔ اگر غلطی سے قتل ہونے والا مرد ہے تو اس کی دیت میں پانچ مختلف قسم کے سو اونٹ یا ان کی قیمت دینا ہوگی اور اگر مقتول عورت ہے تو پھر پچاس اونٹ اس کی دیت میں دینا ہوں گے۔ اگر کوئی شخص عمداً دوسرے کو قتل کر دے تو اس کے بدلہ میں قاتل کو بطور قصاص قتل کی سزا دی جائے گی بشرطیکہ مقتول کے ورثا معاف نہ کریں۔

اس سزا میں قاتل اور مقتول کے درمیان اسلامی تعلیمات کی رو سے مرد اور عورت کا فرق کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ قاتل مرد ہو یا عورت ہر صورت میں قصاص میں قتل ہی کی سزا جاری کی جائے گی۔ البتہ جہاں تک قتلِ خطا میں عورت اور مرد کے درمیان دیت کی کمی بیشی کا سوال ہے تو ظاہر ہے اگر یہ کمی بیشی قرآن وحدیث کے واضح دلائل سے ثابت ہوئی ہو تو اس میں ضرور کوئی نہ کوئی خالقِ کائنات کی حکمت کارفرما ہوگی!

جہاں تک اس فرق کے دلائل کا ذکر ہے تو اس سلسلہ میں ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((عَقْلُ الْمَرْأَةِ مِثْلُ عَقْلِ الرَّجُلِ حَتّٰى يَبْلُغَ الثُّلُثَ مِنْ دِيَتِهَا))

''عورت کی دیت مرد کی دیت کی طرح ہے یہاں تک کہ وہ اپنی دیت کے ثلث کو پہنچ جائے۔''[۱]

یعنی ثلث (تہائی) کے بعد پھر عورت کے لیے مرد کی طرح برابر دیت نہیں ہوگی۔ ثلث کے بعد کتنی دیت

(۱) نسائی: کتاب القسامة: باب عقل المرأة (ح ۴۸۰۹)

ہوگی اس کی وضاحت دیگر روایتوں میں موجود ہے مثلاً ایک روایت میں ہے کہ ''عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے۔''(۱)

ان دونوں روایات میں کچھ نہ کچھ اسنادی کمزوری پائی جاتی ہے تاہم کچھ اور روایات کی بنیاد پر اہل علم ان روایات کو حسن اور قابل استدلال تسلیم کرتے ہیں مثلاً ماضی قریب کے مشہور محدث شیخ ناصر الدین البانیؒ نے ان روایات کی سندوں کو کمزور کہا ہے مگر دیگر آثار کی بنیاد پر اس مسئلہ کو صحیح قرار دیا ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے۔ ان آثار میں سے ایک روایت انہوں نے یہ ذکر کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((فَدِيَةُ الْمَرْأَةِ عَلَى النِّصْفِ مِنْ دِيَةِ الرَّجُلِ))

''عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے۔''(۲)

عورت کی دیت مرد سے نصف رکھنے میں قریب قریب وہی حکمتیں ہیں جو وراثت میں نصف حصہ مقرر کرنے میں کارفرما ہیں۔ ایک مرد کے فوت ہو جانے سے اس کا پورا خاندان معاشی اعتبار سے سخت مسائل سے دوچار ہوتا ہے اس لیے اس کی دیت زیادہ رکھی گئی تا کہ اس کی بیوہ اور بچوں کی معاشی اعتبار سے جتنی زیادہ سے زیادہ دلجوئی ممکن ہو، کی جائے۔ لیکن ایک عورت کے قتل ہونے پر ایسے مالی مسائل بالعموم پیدا نہیں ہوتے۔ کیونکہ عورت پر تو پہلے ہی معاشی کفالت کا بوجھ نہیں ڈالا گیا۔ اس کے مرنے کے بعد بھی اس کے بچوں کی کفالت باپ کے ذمہ ہے۔ اس لیے عورت کے قتلِ خطا میں زیادہ دیت مقرر کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

(۵)......عورت کی شہادت آدھی کیوں؟

عورت کی گواہی (شہادت) کے سلسلہ میں بھی اسلام پر خواہ مخواہ اعتراضات کیے جاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ہم اسلامی تعلیمات کا خلاصہ درج کرتے ہیں۔

سب سے پہلے تو یہ بات یاد رہے کہ گواہی ایک ذمہ داری ہے۔ گواہی کی بنیاد پر کسی پر سزا (حد) جاری کی جا سکتی ہے، کسی پر تاوان لاگو کیا جا سکتا ہے، گواہی کے غلط ہونے پر کسی پر بہت بڑا ظلم ہو سکتا ہے حتیٰ کہ گواہی کسی کی جان لینے کی بنیاد بھی بن سکتی ہے۔ اسلام نے گواہی کے سلسلہ میں عورت پر زیادہ بوجھ نہیں

(۱) السنن الکبریٰ للبیهقی: کتاب الدیات: باب دیة المرأة (ج۸ص۹۵)

(۲) ارواء الغلیل: ج۷ص۳۰۷ (بذیل حدیث ۲۲۵۰)، ابن ابی شیبه (ج۱۱ص۲۱۸)

ڈالا اور اگر گواہی کا کہیں تقاضا کیا ہے تو اس کی جسمانی، فطری اور ذہنی صلاحیتوں کو مدنظر رکھ کر کیا ہے۔ اس لحاظ سے عورت کی گواہی کی تین صورتیں، ہمارے سامنے آتی ہیں:

۱) دیوانی معاملات میں گواہی

۲) فوجداری معاملات میں گواہی اور

۳) عورتوں سے متعلقہ مخصوص مسائل میں گواہی۔

ان تینوں قسم کی گواہیوں کی تفصیلات میں ہمارے علماء وفقہاء کا اختلاف رہا ہے۔ جس کا حاصل ہم یہاں پیش کرتے ہیں۔

۱)......پہلی قسم کی گواہی: اسلام نے دیوانی مقدمات میں دو مرد گواہوں کی گواہی کو ضروری قرار دیا ہے۔ اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ضروری ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰهُمَا الْاُخْرٰى ﴾[البقرۃ:۲۸۲]

''اور اپنے میں سے دو مرد گواہ رکھ لو، اگر دو مرد نہ ہوں تو پھر ایک مرد اور دو عورتیں، جنہیں تم گواہوں میں سے پسند کر لو، تا کہ ایک کی بھول چوک کو دوسری یاد دلا دے۔''

یہ قرآن مجید کا ایک واضح حکم ہے اور مالی معاملات کے پس منظر میں بیان ہوا ہے، اس لیے فقہاء کی اکثریت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ایک مرد اور دو عورتیں ہوں تو گواہی پوری ہو جاتی ہے۔ لیکن آگے یہ اختلاف ہے کہ پہلے ہی دو مرد گواہ لانا ضروری ہے اور مرد نہ ملنے کی صورت میں عورتوں کی گواہی قبول ہو گی یا اگر دو مرد گواہ موجود ہوں تو انہیں چھوڑ کر بھی چار عورتیں گواہ لائی جا سکتی ہیں؟ بہر صورت اتنی بات طے ہے کہ مرد نہ ہو تو ایک مرد کی جگہ دو عورتیں پیش کرنا ضروری ہے۔

۲)......دوسری قسم کی گواہی: دوسری صورت یہ ہے کہ فوجداری مقدمات (حدود وقصاص) میں بھی گواہی کی مذکورہ بالا صورتیں قابل قبول ہیں یا نہیں؟ بیشتر فقہاء اس بات کے قائل ہیں کہ فوجداری مقدمات میں عورت کی گواہی بالکل قبول نہیں کی جائے گی خواہ مرد موجود ہوں یا نہ۔ اس سلسلہ میں ان کی ایک دلیل یہ ہے کہ حدود وقصاص کے سلسلہ میں قرآن مجید نے چار مرد گواہوں کا ذکر کیا ہے، عورتوں کا نہیں۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ بعض کمزور روایات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اور تیسری دلیل یہ ہے کہ عورت

چونکہ ذہنی صلاحیتوں میں کمزور ہے اور جرائم میں تو بہت اندیشہ ہے کہ وہ واقعہ کو صحیح طور پر دیکھ ہی نہ پائے، اس لیے اس کی گواہی سے مزید اُلجھنیں پیدا ہوں گی جبکہ حدود و قصاص میں شبہات کی بنیاد پر فیصلہ جاری کرنے سے روکا گیا ہے۔ لہٰذا حدود و قصاص میں عورت کی گواہی کو غیر معتبر قرار دینے میں ہی بہتری ہے۔

البتہ بعض اہل علم حدود و قصاص میں بھی گزشتہ اصول کی روشنی میں یہ رائے رکھتے ہیں کہ عورتوں کی دوگنا تعداد کے ساتھ ان کی گواہی لی جاسکتی ہے۔ بالخصوص ایسے موقع پر جہاں صرف عورتیں ہی موجود ہوں، مرد موجود نہ ہوں اور کوئی جرم پیش آ جائے۔ ایسے موقع پر موجود خواتین کی تعداد اگر گواہی کے مطلوبہ معیار تک پہنچ جائے تو ان کی گواہی کو محض عورت ہونے کے ناطے رد نہیں کیا جاسکتا۔ یاد رہے کہ امام ابن تیمیہؒ، امام ابن قیمؒ، امام ابن حزمؒ وغیرہ کی بھی یہی رائے ہے۔

۳)...... تیسری قسم کی گواہی: جہاں تک تیسری قسم کی گواہی کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں یہ یاد رہے کہ جمہور فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ مسائل جو خاص عورتوں سے متعلق ہوں ان میں عورت کی گواہی کو قبول کیا جائے گا بلکہ اگر ایک عورت بھی کسی ایسے مسئلے کی گواہی دے دے تو اس ایک عورت کی گواہی پر فیصلہ کیا جائے گا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ خود آنحضرت ﷺ نے ایسے بعض خاص مسائل میں ایک عورت کی گواہی پر بھی فیصلہ کیا ہے جیسا کہ حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ام یحییٰ بنت ابی اہاب رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو ایک عورت آئی اور اس نے کہا کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا تھا (یعنی تم دونوں رضاعی بہن بھائی ہو) تو عقبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی اکرم ﷺ کے پاس گیا اور یہ بات آپ کے سامنے پیش کی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((كَيْفَ وَقَدْ قِيلَ؟))

''جب اس عورت نے تم دونوں کے رضاعی رشتے کی خبر دی ہے تو پھر کیسے تم اسے نکاح میں رکھ سکتے ہو؟'' چنانچہ عقبہ نے اسے طلاق دے دی اور بعد میں اس عورت نے کسی اور مرد سے شادی کر لی۔[1]

اب دیکھیے نکاح جیسے اہم ترین مسئلے میں آنحضرت ﷺ نے صرف ایک ثقہ عورت کی گواہی پر میاں بیوی میں جدائی کرادی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گواہی کے سلسلہ میں عورت کے ساتھ غیر منصفانہ سلوک نہیں کیا گیا بلکہ جہاں عورت کی گواہی کی ضرورت تھی وہاں اس کی گواہی کا اعتبار کیا گیا اور جہاں عورت کے مقابلہ میں مرد گواہ موجود تھے وہاں عورت کو گواہی کی ذمہ داری سے بچانے کی کوشش کی گئی۔

(۱) بخاری: کتاب الشهادات: باب شهادة المرضعة (ح ۲۶۵۹، ۲۶۶۰)، ابوداؤد (ح ۳۶۰۴)، احمد (ج ۴ ص ۸)

ہم یہ واضح کر چکے ہیں کہ عورت کی ذہنی صلاحیت مرد سے کم ہوتی ہے اور بھول چوک کا مادہ عورت میں زیادہ ہوتا ہے، اس لیے عام حالات میں دو عورتوں کی گواہی کو ایک مرد کی گواہی کے برابر قرار دیا گیا اور خود قرآن مجید نے بھی اس فرق کا یہی جواب دیا ہے۔

(۶)......عورت کے بغیر ترقی ؟

عورت کے حوالے سے ایک بڑا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ عورت کو اگر گھر میں بٹھا دیا جائے تو کل آبادی کا تقریباً نصف حصہ ملک کی تعمیر وترقی سے علیحدہ ہو جائے گا اور ملکی ترقی کی رفتار کم از کم پچاس فیصد کم ہو جائے گی، لہٰذا اس تنزلی کے دور میں عورت کو مرد کے شانہ بشانہ لے کر ملکی وملی خدمات میں شرکت ضروری ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مغرب نے تبھی ترقی کی جب عورت بھی مرد کے شانہ بشانہ کھڑی ہوئی۔

ملک کی تعمیر وترقی میں عورت کو بھی حصہ لینا چاہیے یا نہیں؟ اس سوال کا جواب کوئی بھی دانشور نفی میں نہیں دے گا۔ اور عملاً یہ ممکن بھی نہیں کہ عورت کی شکل میں موجود نصف آبادی ملکی تعمیر وترقی سے کٹ جائے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ ملکی تعمیر وترقی میں عورت کی شرکت کی نوعیت کیا ہوگی؟ کیا وہ اپنی گھریلو ذمہ داریاں چھوڑ کر مردوں کے ساتھ باہر میدانِ عمل میں نکل آئے یا باہر کے کاموں کے ساتھ گھریلو ذمہ داریاں بھی سنبھال کر دگنی محنت کرے؟

دگنی محنت تو عورت کے لیے ممکن نہیں اور گھر بار چھوڑ کر ملکی سرگرمیوں میں شرکت سے گھریلو نظام کی تباہی بھی یقینی ہے۔ پھر مردوں کے ساتھ آزادانہ اختلاط سے اخلاقی قدروں کی جو پامالی ہوگی، وہ بھی مخفی نہیں۔ مغرب نے یقیناً عورت کو ملکی تعمیر وترقی میں مردوں کے ساتھ یکساں طور پر شریک کرنے کی پوری کوشش کی ہے مگر اس کے جو نتائج لازمی طور پر نکلنا تھے، وہ اب مغرب بھگت رہا ہے۔ جہاں تک سوال ہے مغرب کی ترقی کا تو اس کی وجہ یہ ہرگز نہیں کہ مرد وزَن کے آزادانہ اختلاط سے ایسا ہوا ہے بلکہ مغرب کی معاشی وسائنسی ترقی تو ایک زوال کے ردِعمل میں پیدا ہونے والے جذبات اور ان کے نتیجہ میں کی جانے والی مسلسل انتھک محنت سے ممکن ہوئی اور یہ تاریخی حقیقت ہے کہ مغربی دنیا میں ترقی کی بنیادیں تو اس وقت ہی مستحکم ہو چکی تھیں جب وہاں ابھی تک عورت کو ووٹ کا حق بھی نہیں ملا تھا۔ اس کے باوجود اگر یہ کہا جائے کہ مغرب کی ترقی مرد وزَن کے شانہ بشانہ کام کرنے سے ممکن ہوئی ہے، تو یہ تاریخی حقائق سے جہالت کا ثبوت ہوگا۔

دراصل ترقی معاشرتی ارتقاء کی ایک کامیاب شکل کا نام ہے۔ جب کوئی معاشرہ ترقی کرتا ہے تو اس کے تمام شعبے اس ترقی میں شریک ہوتے ہیں۔ ہر شعبہ اپنی ذمہ داریوں کو انجام دے تو یہ کامیاب ترقی ہوتی ہے اور اگر تمام شعبے کسی ایک ہی پہلو پر اپنی توجہ مرکوز کر دیں تو اس پہلو سے ترقی تو یقیناً ہو سکتی ہے مگر دیگر پہلو لازمی طور پر تنزلی کا شکار ہو جائیں گے۔ یہی حال مغرب کا ہے۔ وہاں سارا زور معاشی ترقی پر ہے۔ عورت بھی معاشی ترقی میں شریک ہے اور نتیجۃً خاندانی ادارہ شکست وریخت کا شکار ہو چکا ہے۔ آپ خود غور کیجیے کہ جب خاندانی ادارہ مسلسل انتشار کا شکار ہے تو نئی نسل کی تربیت کون کرے گا؟ مستقبل میں مطلوبہ رجال کار کہاں سے آئیں گے؟ جب مستقبل میں نسل ہی تباہ و برباد اور منتشر ہو جائے گی تو پھر ایسی معاشی ترقی کا کیا فائدہ ہو گا؟!

میں سمجھتا ہوں کہ ملک کی تعمیر و ترقی کی بہترین صورت تبھی پیدا ہو گی جب ہر شخص اپنی بنیادی ذمہ داری کو محنت، خلوص اور جذبے کے ساتھ پورا کرے گا۔ عورت کی ذمہ داری خاندان کی تربیت و خدمت ہے۔ عورت اگر بچوں کی پرورش کی ذمہ داری صحیح طور پر انجام دے اور معاشرے کو صالح رجال کار فراہم کرتی رہے تو یقیناً وہ معاشرے کی ترقی میں شریک سمجھی جائے گی۔ اسی طرح عورت جب خاوند کی خدمت گزار بن کر رہے، اسے راحت و سکون مہیا کرے اور ہر صبح نئے حوصلے کے ساتھ اسے میدانِ عمل میں روانہ کرے تو کون کہہ سکتا ہے کہ معاشرہ ترقی نہیں کرے گا۔ ہاں البتہ عورتیں اپنی ذمہ داریوں کو بخوبی پورا کرنے کے ساتھ ساتھ اگر گھروں میں رہ کر مختلف ہنر اختیار کریں تو اس ترقی کو چار چاند لگ جائیں گے۔

چند عشرے قبل یہی صورت جاپان نے اپنائی تھی۔ آج بھی وہاں کا معاشرہ مرد و زن کے اختلاط سے کسی حد تک بچا ہوا ہے۔ گھر سے باہر کی ذمہ داریاں مرد ادا کرتے ہیں اور عورتیں گھروں میں رہ کر خاندانی ذمہ داری کے ساتھ دستکاری اور صنعت و حرفت سے متعلقہ پیشے اختیار کرتی ہیں۔ یوں ان کا خاندانی ادارہ بھی ایک حد تک مستحکم ہے اور ترقی کی معراج یہ ہے کہ پوری دنیا میں جاپانی مصنوعات کی مانگ ہے۔ تاہم یہ صورتحال امریکہ، یورپ کو گوارا نہیں اور وہ جاپان کی صنعتی ترقی کے توڑ کے لیے اپنے روایتی حربے بھرپور طور پر استعمال کر رہے ہیں۔ اس لیے شاید مستقبل میں اس کی مثال بھی پیش نہ کی جاسکے!

............*

باب ۷:

خاتونِ اسلام اور اخلاقِ فاضلہ

اَخلاق کیا ہے؟

اَخلاق دراصل اس برتاؤ کا نام ہے جو ایک شخص دوسرے کے ساتھ کرتا ہے۔ یہ برتاؤ اچھا ہو تو اسے اخلاقِ حسنہ اور اگر برا ہو تو اسے اخلاقِ سیئہ کہا جاتا ہے۔ دوسروں کے ساتھ بول چال، لین دین اور دیگر تعلقات میں اچھا رویہ اختیار کرنا اصلاً انسان کی فطرتِ سلیمہ میں داخل ہے۔ مجموعی طور پر اگر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ لوگوں کی اکثریت سچائی، دیانت، شجاعت، سخاوت، ایثار وغیرہ کو ہمیشہ سے پسند کرتی اور جھوٹ، خیانت، بزدلی، بخیلی، کمینگی وغیرہ کو ناپسند کرتی رہی ہے۔ یہ تب تک ہے جب تک انسان کی فطرت، اپنی اصل حالت پر قائم اور سلامت رہتی ہے اور جب انسان کی یہ فطرتِ سلیمہ مسخ ہو جائے تو اخلاقیات کا معاملہ اُلٹ جاتا ہے۔

اسلام فطرتی حقائق کو صرف تسلیم ہی نہیں کرتا بلکہ انہیں معاشرے میں فروغ دینے کی ترغیب بھی دلاتا ہے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے اسلام اخلاقِ حسنہ کو باعثِ اَجر و ثواب اور اخلاقِ سیئہ کو باعثِ گناہ و عذاب قرار دیتے ہوئے مسلمانوں سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ ہمیشہ اَخلاقِ حسنہ کو اختیار کریں۔ گویا اسلام اخلاقِ حسنہ پر زور دیتا ہے، اور اخلاقِ سیئہ سے اجتناب کی تلقین کرتا ہے۔

ہمارا کردار:

افسوسناک صورتِ حال یہ ہے کہ اسلام نے جن فطری اخلاقیات کی حوصلہ افزائی کی اور انہیں اپنانے کی ترغیب دلائی، آج امتِ مسلمہ کی اکثریت ان سے تہی دامن ہو چکی ہے جبکہ غیر مسلم اَقوام ان اخلاقی اَقدار کو اپنا کر دنیوی فوائد حاصل کر رہی ہیں۔

مردوں کے مقابلہ میں عورتوں کے اَخلاقی بگاڑ کا معاملہ زیادہ سنگین ہے کیونکہ عورت اپنے ماحولیاتی مزاج کی وجہ سے بہت جلد اَخلاقی بیماریوں مثلاً بدزبانی، ناشکری، لعن طعن وغیرہ میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ مشاہداتی

دلائل کے علاوہ خود نبی اکرم ﷺ کی ایک حدیث بھی اس پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((یَا مَعْشَرَ النِّسَآءِ تَصَدَّقْنَ فَاِنِّیْ اُرِیْتُکُنَّ اَکْثَرَ اَھْلِ النَّارِ فَقُلْنَ وَبِمَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ؟ قَالَ: تُکْثِرْنَ اللَّعْنَ وَتَکْفُرْنَ الْعَشِیْرَ))

''اے عورتو! صدقہ خیرات کیا کرو کیونکہ میں نے (معراج کی رات) دیکھا ہے کہ تم عورتیں ہی جہنم میں بکثرت ہو۔ عورتوں نے کہا اللہ کے رسولؐ! اس کی کیا وجہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم لعن طعن بہت کرتی ہو اور خاوندوں کی ناشکری کرتی ہو''۔ (۱)

مسلمان خاتون کا اخلاق:

ایک مسلمان خاتون کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اپنے اخلاق و کردار کو درست کرے۔ اس درستگی کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے رویے کو اسلامی تعلیمات کے تابع کر دے۔ جب وہ اپنے رویے، کردار اور گفتار کو اسلامی تعلیمات کے تابع کر کے چلے گی تو وہ خود بخود اخلاقِ حسنہ کی مالک بن جائے گی۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ اسلام کس طرح کے اخلاق و کردار اپنانے کا حکم دیتا ہے اور کس طرح کے اخلاق و رویہ سے منع کرتا ہے☆۔

خاتونِ اسلام اچھے اخلاق کی حامل ہوتی ہے:

ایک سچی مسلمان عورت ہمیشہ خوش اخلاق، نرم خو اور نرم زبان ہوتی ہے۔ وہ اخلاق کے سلسلہ میں اسلامی تعلیمات پر عمل کرتی ہے اور اپنے پیارے نبی ﷺ کا اسوہ اختیار کرتی ہے کیونکہ آپ ﷺ کے بارے میں آپ کے خادم حضرت انس رضی اللہ عنہ، جو دس سال آپ کی خدمت میں رہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ

((کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اَحْسَنَ النَّاسِ خُلُقًا))

''آپ ﷺ اخلاق کے معاملے میں سب لوگوں سے بہتر تھے''۔(۲)

---

(۱) بخاری: کتاب الحیض: باب ترک الحائض الصوم(ح ۳۰۴)، مسلم: کتاب الایمان (ح ۱۳۲)

(۲) بخاری: کتاب الادب: باب الکنیة للصبی وقبل ان یولد للرجل (ح ۶۲۰۳)، مسلم: کتاب الادب (ح ۲۱۵۰)

☆ آئندہ سطور میں دکتور محمد علی ہاشمی کی دو معروف کتابوں ''شخصیة المرء المسلم، شخصیة المرأة المسلمة'' کے آخری ابواب کی تلخیص پیش کر رہے ہیں۔ ترجمہ کے ضمن میں ہم نے رضی ندوی صاحب سے بھی استفادہ کیا ہے۔

یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی جانب سے کوئی مبالغہ آمیز بات نہ تھی، نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی وجہ سے انہوں نے مبالغہ آرائی کی کیونکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اَخلاق کا ایسا مشاہدہ کیا تھا جیسا نہ کبھی دیکھنے میں آیا نہ کبھی سننے میں۔ آیئے ہم انہی کی زبانی اسلام کے عظیم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اَخلاق حسنہ کے ایک پہلو کے بارے میں سنیں۔ وہ فرماتے ہیں:

((لَقَدْ خَدِمْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَشْرَ سِنِيْنَ ،فَمَاقَالَ لِیْ قَطُّ: اُفٍّ ،وَلَاقَالَ لِشَیْءٍ فَعَلْتُهُ ،لِمَ فَعَلْتَهُ ؟ وَلَالِشَیْءٍ لَمْ اَفْعَلْهُ :اَلَافَعَلْتَ کَذَا؟))

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال خدمت کی آپؐ نے کبھی مجھے ''اُف'' تک نہیں فرمایا اور اگر میں نے کوئی کام کیا تو آپؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ ''ایسا کیوں کیا؟'' اور اگر کوئی کام نہیں کر سکا تو اس پر آپؐ نے باز پرس نہیں کی کہ ''فلاں کام کیوں نہیں کیا؟''[1]

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق سب سے بلند تر تھا، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سہواً یا قصداً کبھی فحش بات منہ سے نہیں نکالتے تھے۔ آپ کے حسنِ اخلاق کے بارے میں خود اللہ تعالیٰ نے یہ گواہی دی:

﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾[القلم :٤]

''اور بے شک آپؐ اخلاق کے بڑے بلند مرتبے پر ہیں۔''

اسلام میں حسنِ اخلاق کو نہایت بلند تر مقام حاصل ہے حتی کہ روزِ قیامت بھی ایک انسان کے میزان میں سب سے بھاری چیز حسنِ اخلاق ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے حسن اخلاق کی بہت اہمیت بیان فرماتے تھے۔ اس سے آراستہ و پیراستہ ہونے پر انہیں اُکساتے تھے اور اپنے اقوال وافعال سے مختلف اسالیب کے ذریعے اسے پسندیدہ بنا کر پیش کرتے تھے کیونکہ آپ کو پوری طرح احساس تھا کہ طبیعتوں کی درستگی، نفوس کے تزکیہ اور انسان کی آراستگی میں حسنِ اخلاق کا کردار نمایاں ہے حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اپنے لیے یہ دعا کرتے رہتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ اَحْسَنْتَ خَلْقِیْ فَاَحْسِنْ خُلُقِیْ))

''اے اللہ! تو نے میری بناوٹ اچھی کی ہے، تو میرے کردار میں بھی درستگی فرما۔''[2]

---

(۱) بخاری: کتاب الادب: باب حسن الاخلاق والسخاء(ح ٦٠٣٦)، مسلم (ح ٢٣٠٩)

(۲) مسند احمد(ج٦ ص٦٨)

حسنِ اَخلاق کے بارے میں آپ ﷺ کے چند فرامین یہاں درج کیے جاتے ہیں:

☆......((اِنَّ مِنْ خِیَارِکُمْ اَحْسَنَکُمْ اَخْلَاقًا))

''تم میں سب سے بہتر لوگ وہ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہوں۔''(۱)

☆......((اِنَّ الْفُحْشَ وَالتَّفَحُّشَ لَیْسَا مِنَ الْاِسْلَامِ فِیْ شَیْءٍ وَاِنَّ اَحْسَنَ النَّاسِ اِسْلَامًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا))

''فحش اور بہ تکلف بے ہودہ گوئی کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ لوگوں میں سب سے بہتر مسلمان وہ لوگ ہیں جن کے اَخلاق اچھے ہوں۔''(۲)

☆......((اِنَّ مِنْ اَحَبِّکُمْ اِلَیَّ وَاَقْرَبِکُمْ مِنِّیْ مَجْلِسًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ اَحَاسِنَکُمْ اَخْلَاقًا، وَاِنَّ اَبْغَضَکُمْ اِلَیَّ وَاَبْعَدَکُمْ مِنِّیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ الثَّرْثَارُوْنَ وَالْمُتَشَدِّقُوْنَ وَالْمُتَفَیْهِقُوْنَ قَالُوْا: یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ،قَدْعَلِمْنَا الثَّرْثَارُوْنَ وَالْمُتَشَدِّقُوْنَ فَمَا الْمُتَفَیْهِقُوْنَ ؟قَالَ : اَلْمُتَکَبِّرُوْنَ))

''قیامت کے دن مجھے تم میں سے سب سے زیادہ محبوب اور مجھ سے سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے جن کے اخلاق اچھے ہیں اور مجھے سب سے زیادہ مبغوض اور لائق نفرت اور مجھ سے سب سے زیادہ دور وہ لوگ ہوں گے جو زیادہ باتونی، چرب زبان، تصنع اور تکبر کرنے والے ہوں۔''(۳)

صحابیاتؓ اور صحابہ کرامؓ رسولِ کریم ﷺ کی اس بلند اخلاقی تعلیم کو سنتے تھے اور اپنی آنکھوں سے اس عظیم اخلاق کا مشاہدہ کرتے تھے جس سے آپ ﷺ لوگوں سے پیش آتے تھے۔ چنانچہ وہ آپ کے ارشادات پرعمل کرتے اور آپ ﷺ کا اُسوہ اختیار کرتے تھے۔ اسی طرح ایک ایسا مثالی معاشرہ وجود میں آیا جس کی ہمسری تاریخ انسانی میں کوئی معاشرہ نہیں کر سکا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''نبی کریم ﷺ بڑے رحم دل تھے، آپ کی خدمت میں اگر کوئی شخص کوئی ضرورت لے کر آتا تو آپ اس سے وعدہ کرتے اور اگر آپ ﷺ کے پاس کچھ ہوتا تو آپ اُس کی ضرورت پوری فرماتے۔''(۴)

(۱) بخاری: کتاب المناقب: باب صفة النبی ﷺ (ح ۳۵۵۹)، مسلم: کتاب الفضائل: باب کثرة حیاء النبی ﷺ (ح ۲۳۲۱)

(۲) مسند احمد (۸۹/۵)

(۳) ترمذی: کتاب البر والصلة: باب ما جاء فی معالی الاخلاق (ح ۲۰۱۸)

(۴) ترمذی ایضاً (ح ۲۰۱۸)

رسول اللہ ﷺ ایک اَخلاقی معاشرہ تعمیر کر رہے تھے اور اپنے عمل و کردار کے ذریعے مسلمانوں کو یہ تعلیم دے رہے تھے کہ ایک مسلمان کو اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہیے۔ اس سلسلہ میں آپ ان کے سامنے اپنے قول و عمل سے اَخلاقی اصول بیان فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کا ایک ارشاد ہے:

☆......((مَامِنْ شَیْءٍ أَثْقَلُ فِی مِیْزَانِ الْعَبْدِ الْمُؤمِنِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ وَاِنَّ اللّٰهَ یُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِیْءَ))

''قیامت کے دن مومن بندہ کے میزان میں اچھے اخلاق سے زیادہ وزنی کوئی چیز نہ ہوگی۔ بے شک اللہ تعالیٰ فحش بکنے والے اور بدزبان شخص سے نفرت کرتا ہے۔''(۱)

یہی نہیں بلکہ اسلام نے حسنِ اخلاق کو کمالِ ایمان میں سے شمار کیا ہے، ارشاد نبویؐ ہے

☆......((اَکْمَلُ الْمُؤمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا))

''مومنوں میں کامل ترین ایمان اس شخص کا ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔''(۲)

اس طرح سب سے اچھے اخلاق رکھنے والے شخص کو آنحضرت ﷺ نے اللہ کا سب سے زیادہ محبوب بندہ قرار دیا ہے جیسا کہ حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

☆......((کُنَّا جُلُوْسًا عِنْدَ النَّبِیِّ ﷺ کَاَنَّمَا عَلٰی رُؤُوْسِنَا الطَّیْرُ مَا یَتَکَلَّمُ مِنَّا مُتَکَلِّمٌ اِذْ جَاءَهُ نَاسٌ فَقَالُوْا: مَنْ أَحَبُّ عِبَادِاللّٰهِ اِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی؟ قَالَ اَحْسَنُهُمْ اَخْلَاقًا))

''ایک مرتبہ ہم نبی ﷺ کی خدمت میں اس طرح خاموش بیٹھے تھے کہ گویا ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں کہ کچھ لوگ آئے اور عرض کیا: ''اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب بندہ کون ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔''(۳)

رسول کریم ﷺ دعا کیا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اخلاق اچھے بنا دے۔ یہ اس بات کی زبردست دلیل ہے کہ آپ حسنِ اخلاق کا خصوصی اہتمام فرماتے تھے اور آپ کی یہ دلی خواہش تھی کہ جس طرح آپؐ دعا کے ذریعے اپنے اخلاق میں مزید بہتری چاہتے ہیں، اسی طرح تمام مسلمان بھی اپنے اخلاق کی مزید درستگی کی کوشش کریں۔

---

(۱) ترمذی: کتاب البر والصلة: باب ما جاء فی حسن الخلق (ح ۲۰۰۲)

(۲) ابوداؤد: کتاب السنة: باب الدلیل علی زیادة الایمان ونقصانه (ح ۴۶۸۲)

(۳) ابن ماجه: کتاب الطب: باب ما انزل اللّٰه داء الا انزل له شفاء (ح ۳۴۳۶)، احمد (۴/۲۷۸)

حسنِ اخلاق ایک جامع لفظ ہے جس کے تحت ہر وہ نیک خصلت آتی ہے جس سے انسان کے کردار میں حسن آتا ہے، اس کا تزکیہ ہوتا ہے اور اس کو رفعت و بلندی حاصل ہوتی ہے جیسے حیا، بردباری، نرمی، عفوودرگذر، رواداری، فراخ دلی، خوش طبعی، سچائی، امانت داری، خیرخواہی، ثابت قدمی، پاک طینتی اور دیگر مکارمِ اخلاق۔ آئندہ سطور میں ہم ان میں سے اہم خصائل کا تذکرہ کریں گے۔

خاتونِ اسلام ہمیشہ سچ بولتی ہے:

اخلاقِ حسنہ میں سچائی کو مرکزی مقام حاصل ہے۔ اگر کوئی سچ کو اپنا لے تو وہ بہت جلد باقی اخلاقِ فاضلہ کا بھی مالک بن جاتا ہے۔ ایک مسلمان خاتون دوسروں کے ساتھ ہمیشہ سچائی کا معاملہ کرتی ہے، اس لیے کہ اسلام اسے یہ تعلیم دیتا ہے کہ سچائی تمام فضائل کی جڑ اور مکارمِ اخلاق کی بنیاد ہے۔ نیز سچائی نیکی کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ جبکہ جھوٹ گناہ کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ جہنم میں پہنچا دیتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

((اِنَّ الصِّدْقَ یَهْدِیْ اِلَی الْبِرِّ وَاِنَّ الْبِرَّ یَهْدِیْ اِلَی الْجَنَّةِ وَاِنَّ الرَّجُلَ لَیَصْدُقُ حَتّٰی یُکْتَبَ عِنْدَاللّٰهِ صِدِّیْقًا وَاِنَّ الْکَذِبَ یَهْدِیْ اِلَی الْفُجُوْرِ وَاِنَّ الْفُجُوْرَ یَهْدِیْ اِلَی النَّارِ وَاِنَّ الرَّجُلَ لَیَکْذِبُ حَتّٰی یُکْتَبَ عِنْدَاللّٰهِ کَذَّابًا))

''سچائی نیکی کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور نیکی جنت کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ آدمی ہمیشہ سچ بولتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ سچے لوگوں میں لکھ لیا جاتا ہے۔ اور جھوٹ گناہ کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ جہنم کی طرف لے جاتا ہے۔ اور آدمی ہمیشہ جھوٹ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اسے جھوٹے لوگوں میں لکھ لیا جاتا ہے۔''[1]

اس لیے خاتونِ اسلام ہمیشہ سچ بولتی ہے، وہ اپنے قول و فعل میں سچائی کی روش اختیار کرتی ہے اور یقیناً یہ بڑا معزز مقام ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں 'سچا' لکھ لیا جائے!

خاتونِ اسلام کبھی جھوٹ نہیں بولتی:

ایک سچی، دیندار اور صاحبِ شعور خاتونِ اسلام کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولتی، اس لیے کہ

(۱) بخاری: کتاب الادب: باب قول اللّٰه تعالیٰ: یا ایھاالذین امنوا اتقوااللّٰه وکونوا مع الصدقین۔(ح۶۰۹۴)
مسلم :کتاب البروالصلة: باب قبح الکذب وحسن الصدق وفضله(ح۲۶۰۷)

جھوٹ بولنا حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ ﴾[الحج: ۳۰] ''جھوٹی باتوں سے پرہیز کرو۔''

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے نیک لوگوں کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَإِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا﴾[الفرقان: ۷۲]

''اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو جھوٹ کے گواہ نہیں بنتے اور کسی لغو چیز پر ان کا گزر ہو جائے تو شریف آدمیوں کی طرح گزر جاتے ہیں۔''

جھوٹ جیسے گناہ کی مضرت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گناہوں کی فہرست میں اس کا شمار دوسب سے بڑے گناہوں (یعنی شرک اور والدین کی نافرمانی) کے بعد کیا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

((أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ؟ قُلْنَا: بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ،قَالَ :اَلْإِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ ، وَكَانَ مُتَّكِئًا فَجَلَسَ ،فَقَالَ :أَلَا وَقَوْلُ الزُّوْرِ ،فَمَازَالَ يُكَرِّرُهَا حَتّٰى قُلْنَا:لَيْتَهُ سَكَتَ))

''کیا میں تمہیں سب سے بڑے گناہوں کے بارے میں نہ بتلاؤں؟ صحابہؓ نے عرض کیا: کیوں نہیں اے اللہ کے رسولؐ! تو آپؐ نے فرمایا: ''اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، والدین کی نافرمانی کرنا، (آپ ٹیک لگائے ہوئے تھے، کہ اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا) سن لو اور تیسرا گناہ جھوٹ ہے۔ پھر آپ بار بار اس کو دہرانے لگے یہاں تک کہ ہم تمنا کرنے لگے، کاش! آپ خاموش ہو جائیں۔''[۱]

مسلمان خاتون دوسروں کے لیے 'خیر خواہ' ہوتی ہے:

ایک سچی مسلمان خاتون نہ صرف یہ کہ جھوٹ، دھوکا بازی، غدر، حسد و کینہ اور منافقت جیسی بری صفات سے مبرا و منزہ ہوتی ہے، بلکہ وہ تعمیری اور ایجابی صفات سے بھی آراستہ ہوتی ہے مثلاً: وہ اپنے معاشرے میں ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرتی اور دوسروں کے لیے اچھے جذبات رکھتی ہے کیونکہ وہ یہ ایمان رکھتی ہے کہ اس کا دین تو دوسروں کے ساتھ بھلائی اور خیر خواہی کا نام ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ قَالَ الصَّحَابَةُ رضي الله عنهم: لِمَنْ؟ فَقَالَ: لِلّٰهِ ، وَلِكِتَابِهٖ ، وَلِرَسُوْلِهٖ ، وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَعَامَّتِهِمْ))

---

(۱) بخاری: كتاب الشهادات: باب ما قيل في شهادة الزور (ح ۲۶۵۴)، مسلم: كتاب الايمان (ح ۸۷)

”دین خیر خواہی کا نام ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: کس لیے؟ فرمایا: اللہ کے لیے، اس کی کتاب کے لیے اور اس کے رسول کے لیے اور مسلمانوں کے ائمہ اور عوام کے لیے۔“(۱)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز، زکوۃ اور ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی پر بیعت کیا کرتے تھے، جیسا کہ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((بَایَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلٰی اِقَامِ الصَّلَاةِ وَاِیْتَاءِ الزَّکَاةِ وَالنُّصْحِ لِکُلِّ مُسْلِمٍ))

”میں نے نماز قائم کرنے اور زکوۃ ادا کرنے اور ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرنے پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی۔“(۲)

روزِ آخرت ایک مسلمان کے انجام کا فیصلہ کرنے میں خیر خواہی کی اہمیت اس وقت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب وہ مسلمانوں کے کسی معاملہ کا ذمہ دار ہو۔ اس وقت ”خیر خواہی“ جنت میں داخلہ کی کنجی کی حیثیت اختیار کر جاتی ہے کہ جس کے بغیر جنت میں داخلہ ناممکن ہو جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((مَامِنْ عَبْدٍ یَسْتَرْعِیْهِ اللّٰهُ رَعِیَّةً یَمُوْتُ یَوْمَ یَمُوْتُ وَهُوَ غَاشٌّ لِرَعِیَّتِهٖ اِلَّا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ الْجَنَّةَ))

”کوئی بھی بندہ جسے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا ذمہ دار بناتا ہے، اگر وہ اس حال میں مرتا ہے کہ اس نے رعایا کے ساتھ (خیر خواہی کی بجائے) دغابازی کی، تو اس پر جنت حرام ہو جائے گی۔“(۳)

ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں:

((فَلَمْ یَحُطْهَا بِنُصْحِهٖ لَمْ یَجِدْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ))

”وہ رعایا کے ساتھ خیر خواہی نہ کرے، تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گا۔“(۴)

معلوم ہوا کہ اسلام میں حاکمِ وقت اور ہر اس شخص کی ذمہ داری بہت بڑی ہے جو مسلمانوں کے کسی بھی

(۱) مسلم: کتاب الایمان: باب بیان ان الدین النصیحۃ (ح۵۵)

(۲) بخاری: کتاب الایمان: باب قول النبی ﷺ: الدین النصیحۃ (ح۵۷)، مسلم: کتاب الایمان (ح۵۶)

(۳) بخاری: کتاب الاحکام: باب من استرعی رعیۃ فلم ینصح (ح۷۱۵۱)، مسلم: کتاب الایمان (ح۱۴۲)

(۴) بخاری: کتاب الجمعۃ: باب الجمعۃ فی القریٰ والمدن (ح۸۹۳)، مسلم: کتاب الامارۃ: باب فضیلۃ الامیر العادل وعقوبۃ الجائر (ح۱۸۲۹)

معاملہ کا ذمہ دار بنایا گیا ہو، اور روزِ قیامت اس ذمہ داری کے بارے میں اس کا خصوصی طور پر محاسبہ کیا جائے گا۔ اور یہ بات یاد رہنی چاہیے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے ہر شخص کسی نہ کسی معاملے کا ذمہ دار ہوتا ہے جیسا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

((كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْؤُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ))

''تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور ہر شخص اپنے متعلقین کے بارے میں جواب دہ ہوگا۔''[1]

خاتونِ اسلام خیر کی طرف رہنمائی کرتی ہے:

ایک سچی مسلمان خاتون دوسروں کی ہمیشہ خیر و بھلائی اور نیک اعمال کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ وہ کسی سے خیر و بھلائی کو روکنے کی کوشش نہیں کرتی اور نہ کوئی ایسی بات پوشیدہ رکھتی ہے جس میں لوگوں کی منفعت ہو۔ اس لیے کہ اس نے دینی تعلیمات سے یہ سیکھا ہے کہ جو شخص خیر کی طرف رہنمائی کرتا ہے، اسے بھی اتنا ہی ثواب ملتا ہے جتنا کہ اس پر عمل کرنے والے کو ملتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ دَلَّ عَلٰی خَيْرٍ فَلَهُ أَجْرُ فَاعِلِهِ))

''جس نے خیر کی طرف رہنمائی کی اسے اس پر عمل کرنے والے کے مثل اجر ملے گا۔''[2]

اس حدیث کو پڑھ لینے کے بعد ایک دیندار خاتونِ اسلام خیر و بھلائی کو محض اپنے نفس تک محدود نہیں رکھتی، بلکہ اس کے نزدیک خیر پر خود عمل کرنا اور دوسرے کی اس طرف رہنمائی کر دینا، دونوں برابر ہیں، اس لیے کہ دونوں حالتوں میں اسے اجر ملتا ہے۔ اس طرح معاشرے میں بھی خیر و بھلائی کا دور دورہ ہو جاتا ہے اور ہر شخص بغیر ایک دوسرے پر فخر و مباہات کے خیر و بھلائی کے کام انجام دیتا ہے۔

مسلمان خاتون دغا بازی اور دھوکا وفریب کا ارتکاب نہیں کرتی:

جب ایک مسلمان عورت سچائی جیسے بلند تر مقام و مرتبہ پر فائز ہو جاتی ہے، تو پھر وہ دغا بازی سے کام نہیں لیتی، نہ کسی کو دھوکا دیتی ہے اور نہ ہی غداری کرتی ہے، اس لیے کہ سچائی کا تقاضا ہی یہ ہے کہ انسان خیر خواہی کرے، صاف دلی سے پیش آئے، انصاف کرے اور وفاداری کا معاملہ برتے، دغا بازی سے بچے، دھوکا نہ دے، فریب کاری نہ کرے نہ ہی بے جا کسی کی حمایت اور طرف داری کرے۔ سچی اور ذکی الحس خاتونِ

---

(۱) بخاری: کتاب النکاح: باب المرأة راعية في بيت زوجها (ح ۵۲۰۰)

(۲) مسلم: کتاب الامارة: باب فضل اعانة الغازی فی سبیل اللہ بمرکوب وغیرہ (ح [illegible])

اسلام کا وجدان دغابازی کو برداشت نہیں کرسکتا بلکہ ایسا خیال آتے ہی وہ لرزہ براندم ہو جاتی ہے اور اس پر ارتعاش کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، اس لیے کہ وہ اس کے ارتکاب میں اسلام کی طرف نسبت سے محرومی دیکھتی ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا وَمَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا))

''جو ہم پر ہتھیار اٹھائے وہ ہم سے نہیں اور جو ہم سے دغابازی کرے، وہ بھی ہم میں سے نہیں ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ اناج کے ایک ڈھیر کے پاس سے گزرے اور اس میں اپنا دستِ مبارک ڈالا تو انگلیوں کو کچھ تری محسوس ہوئی۔ آپؐ نے اس اناج کے مالک سے فرمایا:

((مَاهٰذَا يَاصَاحِبَ الطَّعَامِ؟))قَالَ اَصَابَتْهُ السَّمَاءُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ :اَفَلَا جَعَلْتَهُ فَوْقَ الطَّعَامِ حَتّٰى يَرَاهُ النَّاسُ اَمَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا))

''یہ کیا؟'' اس نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ! بارش کی وجہ سے ایسا ہو گیا ہے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو پھر اس بھیگے ہوئے اناج کو تو نے اوپر کیوں نہ کر دیا کہ لوگ اسے دیکھ لیتے۔ سنو! جو دھوکا دے، وہ ہم میں سے نہیں۔''[۲]

مسلمانوں کا معاشرہ ایک ایسا معاشرہ ہوتا ہے جس پر محبت اور خیر خواہی کو فضا چھائی رہتی ہے اور جس کے افراد پر نیکی، سچائی اور وفاداری کا غلبہ ہوتا ہے۔ چنانچہ ایسے معاشرے میں دغاباز، دھوکا باز، فریب کار، مکار اور چالباز، ناشکرے اور غدار شخص کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ رسول اللہ ﷺ نے دغابازی، دھوکا دہی اور غداری کی زبردست مذمت فرمائی ہے بلکہ آپ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ غداری کرنے والا ہر شخص قیامت کے روز اس حال میں اٹھایا جائے گا کہ اس کے ہاتھ میں اس کی غداری کا جھنڈا ہوگا اور ایک منادی کرنے والا حشر کے بڑے میدان میں اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لوگوں کو اس کی غداری کی طرف متوجہ کرے گا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

((لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُقَالُ :هٰذِهٖ غَدْرَةُ فُلَانٍ))

''روزِ قیامت ہر غدار کا ایک جھنڈا ہوگا اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں کی غداری ہے۔''[۳]

(۱) مسلم: کتاب الایمان: باب قول النبی ﷺ: من غش فلیس منا(ح۱۰۱)

(۲) مسلم ایضاً(ح۱۰۲)

(۳) بخاری: کتاب الادب: باب ما یدعی الناس بآبائھم(ح۶۱۷۷)، مسلم: کتاب الجھاد: باب تحریم غدر(ح۱۸۳۵)

سوچیے! اس دن غداروں کو کتنی شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے گا جنہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ زمانے نے ان کی غداری پر پردہ ڈال دیا ہے مگر قیامت کے دن علی الاعلان لوگوں کے سامنے ان کی غداریاں ظاہر ہو جائیں گی اور وہ اپنی اپنی غداری کا جھنڈا اپنے ہاتھوں میں اٹھائے ہوں گے۔ قیامت کے دن ان کی ندامت وشرمندگی میں اس وقت مزید اضافہ ہو جائے گا جب وہ رسول اللہ ﷺ کو (جن سے اس پر ہیبت مقام پر شفاعت کی توقع اور امید ہوگی) اپنا حریف دیکھیں گے، اس لیے کہ انہوں نے کھلی ہوئی غداری کے جرم کا ارتکاب کیا ہوگا اور یہ بہت بڑا جرم ہے جو اللہ کی رحمت اور اس کے رسول کی شفاعت سے محروم کر دیتا ہے۔ حدیثِ قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((ثَلَاثَةٌ اَنَا خَصْمُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ :رَجُلٌ اَعْطٰى بِيْ ثُمَّ غَدَرَ وَرَجُلٌ بَاعَ حُرًّا فَاَكَلَ ثَمَنَهُ وَرَجُلٌ اِسْتَأْجَرَ اَجِيْرًا فَاسْتَوْفٰى مِنْهُ وَلَمْ يُعْطِهِ اَجْرَهُ))

"تین شخص ایسے ہیں کہ قیامت کے دن میں ان کا حریف ہوں گا۔ ایک وہ شخص جس نے میرا واسطہ دے کر عہد کیا پھر اس کو وفا نہ کیا، دوسرا وہ شخص جس نے کسی آزاد کو بیچ کر اس کی قیمت ہڑپ کی اور تیسرا وہ شخص جس نے کسی کو مزدور رکھا اور اس سے پورا کام لیا مگر اس کی اجرت نہ دی۔"[1]

ایک سچی مسلمان خاتون جس کے احساسات کو اسلام نے تیز کر دیا ہے اور جس کے نفس میں بصیرت کے دریچے کھول دیئے ہیں، وہ فریب، دھوکا، دغا، غدر، جھوٹ اور تمام برائیوں سے نفرت کرتی ہے، خواہ ان سے کتنے ہی منافع کی امید اور مفادات متوقع ہوں۔ اس لیے کہ اسلامی تعلیمات نے اس قسم کی صفات رکھنے والے لوگوں کو منافقوں میں شمار کیا ہے اور منافقین جہنم میں سب سے نچلے درجے میں ہوں گے:

﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا﴾[النساء:۱۴۵]

"بے شک منافق جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں جائیں گے اور تم ان کا کسی کو مددگار نہ پاؤ گے۔"

منافقانہ خصائل کے بارے میں حدیثِ نبویؐ ہے:

((اَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا، وَمَنْ كَانَتْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتّٰى يَدَعَهَا :اِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ، وَاِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا عَاهَدَ غَدَرَ، وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ))

"چار بری صفتیں جس کے اندر پائی جائیں، وہ خالص منافق ہے اور جس کے اندر ان میں سے کوئی ایک

(۱) بخاری: کتاب البیوع: باب اثم من باع حرا (ح ۲۲۲۷)

صفت پائی جائے، اس میں نفاق کی ایک علامت ہوگی جب تک کہ وہ اسے ترک نہ کردے۔ [وہ بری صفات یہ ہیں:] جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔ جب گفتگو کرے تو جھوٹ بولے۔ جب کوئی وعدہ کرے تو اسے پورا نہ کرے اور جب جھگڑا کرے تو گالی گلوچ کرے۔''[1]

مسلمان عورت وعدہ خلافی نہیں کرتی:

ایک سچی مسلمان عورت جس کا نفس اور وجود اسلامی تعلیمات میں ڈھل چکا ہو وہ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتی، بلکہ ہمیشہ ایفائے عہد جیسے ایجابی اور پسندیدہ خصلت سے آراستہ رہتی ہے۔ یہ کہنے میں کوئی مبالغہ نہیں کہ یہ خصلت معاشرے میں انسان کی کامیابی کے اہم عوامل میں سے ایک ہے اور اس سے انسان کی عظمت، اس کے مقام کی بلندی اور اس کے معاشرتی معیار کی رفعت پر دلالت ہوتی ہے۔ مسلمان کا شماران عظیم لوگوں میں ہوتا ہے جو ایفاءِ عہد سے متصف ہوتے ہیں۔

اخلاقیات میں ایفاءِ عہد کا شمار بنیادی خصائل میں ہوتا ہے، اسی لیے بکثرت احادیث میں اس خصلت کے اختیار کرنے پر اُکسایا گیا ہے، اسے ایمان کی علامت کہا گیا ہے اور جو لوگ اس خصلت سے عاری ہوں، ان کی مذمت کی گئی اور اس خصلت کے اختیار نہ کرنے کو علامتِ نفاق قرار دیا گیا۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿ يَاأَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ﴾[المائدة :١]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! معاہدوں کی پوری پابندی کرو۔''

﴿ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ﴾[النحل :٩١]

''وعدہ کی پابندی کرو۔ بے شک عہد کے بارے میں جواب دہی ہوگی۔''

معلوم ہوا کہ ''وعدہ'' کوئی ہوائی کلمہ نہیں کہ محض زبان کی حد تک وعدے پر وعدہ کرلیا جائے اور اسے پورا کرنا ضروری نہ سمجھا جائے جیسا کہ آج بہت سے مسلمان کرتے ہیں بلکہ یہ ایک ذمہ داری ہے جس کا حساب لیا جائے گا جبکہ وعدہ خلافی اور عہد شکنی بہت بری اور قابلِ نفرت چیز ہے اور اسے اللہ تعالیٰ نے مؤمن بندوں کے لیے ناپسند کیا ہے۔ علاوہ ازیں رسول اللہ ﷺ نے اسے منافقوں کی علامت قرار دیا ہے:

((آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ :اِذَاحَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَاوَعَدَ أُخْلَفَ وَاِذَااؤْتُمِنَ خَانَ))[2]

(۱) بخاری: کتاب الایمان: باب علامات المنافق (ح ۳۴)، مسلم: کتاب الایمان: باب خصال المنافق (ح ۵۸)

(۲) بخاری: ایضاً (ح ۳۳) مسلم: ایضاً (ح ۵۹)

''منافق کی تین نشانیاں ہیں (۱) جب گفتگو کرے تو جھوٹ بولے (۲) جب وعدہ کرے تو پورا نہ کرے (۳) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔'' ایک روایت میں یہ اضافہ ہے:

((وَإِنْ صَامَ وَصَلّٰى وَزَعَمَ أَنَّهُ مُسْلِمٌ))

''(وہ منافق ہے) خواہ روزے رکھے، نماز پڑھے اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھے!''[۱]

ایک مسلمان خاتون کے اسلام کی حسن وخوبی یہ نہیں کہ وہ نماز، روزہ، حج اور دیگر عبادات کا اہتمام کرنے والی ہو بلکہ ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو مکمل طور پر اسلامی تعلیمات اور اخلاقِ حسنہ سے مزین کرلے۔ اس کا ہر قول اور ہر فعل اللہ کی رضا کے تابع ہو جائے، نہ وہ وعدہ خلافی کرے، نہ عہد شکنی کیونکہ یہ اسلامی اخلاق کے منافی ہے اور منافقین ہی ان چیزوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔

مسلمان خاتون منافقانہ رویہ اختیار نہیں کرتی:

ایک سچی خاتونِ اسلام نفاق، مداہنت، چاپلوسی، بے جا خوشامد کرنے اور دوسروں کی جھوٹی تعریف کرنے سے دور رہتی ہے۔ دینی تعلیمات پر عمل کرنے کا جذبہ خاتونِ اسلام کو اس ہولناک کھائی میں گرنے سے بچا لیتا ہے، جبکہ بہت سے لوگ اس گھناؤنے مرض میں مبتلا ہو کر نفاق کے مہلک گڑھے میں جا گرتے ہیں اور انہیں اس کا احساس بھی ہونے نہیں پاتا۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لیے نفاق اور مداہنت کی اس دلدل سے محفوظ رہنے کے کچھ نقوشِ راہ متعین کیے ہیں مثلاً ایک بار جب بنو عامر نے آپ ﷺ کی مدح وتعریف کرتے ہوئے کہا: ''آپ تو ہمارے سردار ہیں۔'' تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((السید الله وقالوا: وافضلنا فضلا واعظمنا طولا فقال: قولوا بقولكم اوبعض قولكم ولا يستجرينكم الشيطان انى لااريد ان ترفعونى فوق منزلتى التى انزلنيها الله تعالىٰ انا محمد بن عبدالله عبده ورسوله))

''سردار تو اللہ ہے۔'' لوگوں نے عرض کیا: ''آپ ہم میں سب سے افضل اور سب سے زیادہ داد و دہش کرنے والے ہیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو چاہو کہو مگر خیال رکھو کہ شیطان تمہیں اپنا ایجنٹ نہ بنانے پائے اور تمہیں بہکا نہ دے، میں بالکل نہیں چاہتا کہ تم مجھے اس مقام سے بلند کرو جو مجھے اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے۔ میں محمد ہوں، عبداللہ کا بیٹا، اللہ کا بندہ اور اس کا رسول۔''[۲]

---

(۱) مسلم: ایضاً (ح ۵۹) (۲) مسند احمد (ج ۳ ص ۲۴۹)

جولوگ رسول اللہ ﷺ کی تعریف کر رہے تھے اور آپ کو سرداری، فضل اور عطاء و بخشش کی اعلیٰ صفات سے متصف قرار دے رہے تھے، آپ ﷺ نے ان کو مدح سے منع فرما دیا حالانکہ آپ ﷺ بلا شک وشبہ مسلمانوں کے سردار اور ان میں سب سے عظیم اور صاحب فضل تھے۔لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے لوگوں کی تعریف و مدح میں غلو و مبالغہ کرنے کا راستہ ہی بند کر دیا۔اس لیے کہ آپ ﷺ کو اچھی طرح معلوم تھا کہ تعریف و مدح کے دروازے کو اگر دونوں پٹ کھول دیا گیا تو اس سے نفاق کا خطرناک دروازہ کھل جاتا ہے، جو اسلام کی صاف شفاف اور پاکیزہ روح کے منافی ہے۔اسی لیے رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کسی کے منہ پر تعریف کرنے سے منع کرتے تھے تاکہ ایک طرف تعریف کرنے والا نفاق کی گندگی میں مبتلا نہ ہو اور دوسری طرف تعریف کیا جانے والا غرور، گھمنڈ، تکبر اور خود پسندی کا شکار نہ ہو۔

امام بخاری، اور امام مسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، انہوں نے کہا: ایک شخص نے نبی ﷺ کی موجودگی میں کسی کے سامنے ہی اس کی تعریف کی، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((ویلك اقطعت عنق صاحبك قطعت عنق صاحبك ثلاثا ـثم قال من كان منكم مادحا اخاه لامحالة فليقل :احسب فلانا، والله حسيبه ولايزكى على الله احدا احسب كذاوكذا ان كان يعلم ذلك منه))

''تم پر افسوس! تم نے تو اپنے بھائی کی گردن کاٹ ڈالی (ایسا آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا پھر فرمایا) اگر کسی کو اپنے بھائی کی تعریف کرنا ہی ہو تو اسے یوں کہنا چاہیے:''میں اسے ایسا ایسا سمجھتا ہوں (یعنی اچھا سمجھتا ہوں بشرطیکہ واقعی اس میں وہ خوبیاں پائی جائیں) تاہم اس کی اصل حقیقت تو اللہ ہی جانتا ہے۔''[1]

اگر کسی کی تعریف کرنا ضروری ہی ہو تو وہ مبنی بر حقیقت اور واقعہ کے عین مطابق ہونی چاہیے۔نیز تعریف کرنے والے کو اعتدال اور احتیاط سے کام لینا چاہیے اور غلو، مبالغہ اور بے جا تعریف سے بچنا چاہیے۔اگر اسے یہ خدشہ ہو کہ تعریف سننے والا تکبر اور غرور میں مبتلا ہو جائے گا تو پھر اسے اس کے منہ پر اس کی تعریف نہیں کرنی چاہیے۔اس طرح ہی معاشرے سے نفاق، جھوٹ، دھوکا دہی، چاپلوسی اور ریاکاری جیسی برائیوں کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے۔

---

(۱) بخاری: کتاب الشهادات: باب اذا زكى رجل رجلا كفاه (ح ۲۶۶۲)

امام احمدؒ نے حضرت رجاء بن محجن اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ: ''رسول اللہ ﷺ اور محجن دونوں مسجد میں تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو نماز میں مصروف رکوع وسجود کرتے ہوئے دیکھا تو ان سے پوچھا: یہ کون ہے؟ محجن اس شخص کی خوب تعریف کرتے ہوئے کہنے لگے: ''اللہ کے رسول! یہ اہل مدینہ میں سب سے اچھا آدمی ہے (یا کہا کہ) یہ اہل مدینہ میں سب سے زیادہ نمازیں پڑھنے والا ہے۔'' تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((لاتسمعه فتهلكه ۔مرتين اوثلاثا ۔انكم امة اريد بكم اليسر))

''خاموش ہو جاؤ، اور اس طرح اونچی نہ کہو کہ وہ سن لے ورنہ تم اسے ہلاک کردو گے۔ (ایسا آپ ﷺ نے دو یا تین مرتبہ فرمایا) تم لوگ ایسی امت ہو جس کے ساتھ نرمی کا معاملہ برتا گیا ہے۔''[1]

رسول اللہ ﷺ نے کسی کی اس کے منہ پر تعریف کرنے کو ہلاکت سے تعبیر فرمایا، اس لیے کہ اس سے نفسِ انسانی پر گہرے نفسیاتی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ممدوح اپنی تعریف سن کر اپنے کو لوگوں سے بڑا سمجھنے لگتا ہے. اپنی ناک اونچی کر لیتا ہے اور تکبر سے گردن ٹیڑھی کر کے بات کرتا ہے۔ اور جب منافق، جھوٹے، مکار اور دھوکا باز مداحوں کی طرف سے بار بار اس کا اظہار ہوتا ہے، بالخصوص ان لوگوں کی طرف سے، جو صاحبِ اقتدار اور صاحبِ اثر ورسوخ لوگوں کے اردگرد رہتے ہیں، چنانچہ اپنی تعریفیں سننا ممدوح کی عادت بن جاتی ہے، پھر وہ کسی کی نصیحت یا تنقید سننا گوارا نہیں کرتا بلکہ ہمیشہ مدح وثنا اور تعریف ہی کا خواہاں رہتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم دیا تھا کہ اگر کسی کو کسی کے منہ پر تعریف کرتے ہوئے دیکھیں تو اس کے منہ میں مٹی جھونک دیں تاکہ معاشرہ میں ایسے لوگوں کی تعداد میں اضافہ نہ ہو، کیونکہ اگر ایسے لوگ بڑھ گئے تو نفاق عام ہو جائے گا، اور ہر طرف چاپلوسی کا دور دورہ ہوگا۔ بخاری ومسلم میں روایت ہے کہ ایک شخص کسی خلیفہ کے سامنے اس کی تعریف کرنے لگا تو حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے اس کے منہ میں مٹی ڈالتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے:

((اذارايتم المداحين فاحثوافي وجوههم التراب))

''جب تم تعریف کرنے والوں کو دیکھو تو ان کے منہ میں مٹی جھونک دو۔''[2]

---

(۱) مسند احمد (ج ۴ص ۳۳۸، ج ۵ ص ۳۲)

(۲) مسلم: كتاب الزهد: باب النهي عن المدح اذا كان فيه افراط (ح ۳۰۰۲)

اسی لیے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم لوگوں سے اپنی تعریفیں سننا ناپسند کرتے تھے حالانکہ وہ اس کے مستحق اور اہل ہوتے تھے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ اس سے ہلاکت اور گمراہی کا اندیشہ رہتا ہے اس لیے وہ اس سے بچتے تھے، جیسا کہ حضرت نافع ؒ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو یوں مخاطب کیا:

((خیر الناس اوابن خیر الناس ! فقال ابن عمر: ماانابخیر الناس ولاابن خیر الناس ، ولکنی عبد من عباداللہ ،ارجو اللہ تعالیٰ واخافہ واللہ لن تزالوا بالرجل حتی تھلکوہ))

''اے لوگوں میں سب سے بہتر شخص (یا اے لوگوں میں سب سے بہتر شخص کے بیٹے) تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں نہ لوگوں میں سب سے بہتر ہوں اور نہ سب سے بہتر شخص کا بیٹا ہوں۔ میں تو اللہ کے بندوں میں سے ایک بندہ ہوں، اور اس کے رحم وکرم کی امید رکھتا ہوں اور اس کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ اللہ کی قسم! تم آدمی کی اتنی تعریف کرتے ہو کہ اسے ہلاک کر کے چھوڑتے ہو۔''[1]

یہ ایک ایسے جلیل القدر صحابی کا حکمت سے معمور ارشاد ہے جس کی اسلامی حس بیدار تھی اور جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کرنے والا اور آپ ؐ کے اسوہ حسنہ کو اپنی زندگی میں کھلے چھپے ہر حال میں نافذ کرنے والا تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ انہی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کچھ لوگوں نے عرض کیا: ''ہم جب بادشاہوں کے پاس جاتے ہیں تو کچھ اور باتیں کرتے ہیں اور جب باہر نکلتے ہیں تو کچھ اور کہتے ہیں۔'' تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((کنانعد ھذانفاقا علی عھد رسول اللہ ﷺ))

''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اسے نفاق شمار کرتے تھے۔''[2]

خاتونِ اسلام شرم وحیا سے متصف ہوتی ہے:

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ سچی اور حقیقی خاتونِ اسلام شرم وحیا سے متصف ہوتی ہے کیونکہ شرم وحیا ایک عورت کا طبعی وفطری خاصا ہے۔ شرم وحیا سے میری مراد یہ ہے کہ ہر قبیح حرکت کو ترک کر دیا جائے اور کسی کا حق نہ مارا جائے۔ اس سلسلہ ایک مسلمان خاتون نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ اختیار کرتی ہے کیونکہ آپ ؐ حیاء کا اعلیٰ نمونہ تھے جیسا کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

(۱) حلیۃ الاولیاء (ج ۱ ص ۳۰۷)

(۲) بخاری: کتاب الاحکام: باب ما یکرہ من ثناء السلطان واذا خرج قال غیر ذلک (ح ۷۱۷۸)

((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَشَدَّ حَيَاءً امِنَ الْعَذْرَاءِ فِي خِدْرِهَا، فَاِذَا رَاى شَيْئًا يَكْرَهُهُ عَرَفْنَاهُ فِيْ وَجْهِهٖ))

''رسول اللہ ﷺ میں پردہ نشین لڑکیوں سے بھی زیادہ حیا تھی، جب آپ کوئی بات ناپسند کرتے تھے تو ہمیں آپؐ کے چہرے سے آپ کی ناپسندیدگی کا اندازہ ہو جاتا تھا۔''(۱)

حیاء (جیسا کہ علماء نے تعریف کی ہے) ایک اچھی اور پاکیزہ خصلت ہے، جو ہمیشہ بری چیزوں کے ترک پر اُکساتی ہے اور حقداروں کا حق ادا کرنے میں کوتاہی سے باز رکھتی ہے، اس لیے متعدد احادیث میں آنحضرت ﷺ نے اس کی تعریف کی ہے مثلاً:

☆......حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْحَيَاءُ لَايَاْتِيْ اِلَّا بِخَيْرٍ)) ''حیاء سوائے خیر کے اور کچھ نہیں لاتی۔''(۲)

☆......صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے:

((اَلْحَيَاءُ خَيْرٌ كُلُّهُ)) ''حیاء سراسر خیر ہے۔''(۳)

☆......حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَلْاِيْمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُوْنَ اَوْبِضْعٌ وَسِتُّوْنَ شُعْبَةً فَاَفْضَلُهَاقَوْلُ لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَاَدْنَاهَا اِمَاطَةُ الْاَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْاِيْمَانِ))(۴)

''ایمان کی ستر سے زائد (یا فرمایا: ساٹھ سے کچھ زائد) شاخیں ہیں، ان میں سب سے افضل درجہ لا الٰہ الا اللہ کہنے کا ہے اور ادنیٰ درجہ راستہ سے تکلیف دہ چیز ہٹانے کا ہے اور حیا بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔''

سچی اور متقی خاتونِ اسلام باحیا، مہذب، خوش خلق، نرم رو اور ذکی الحس ہوتی ہے، اس سے کوئی ایسا فعل سرزد نہیں ہوتا جس سے لوگوں کو اذیت ہو اور نہ ہی وہ کسی حق دار کا حق ادا کرنے میں کوتاہی کرتی ہے کیونکہ حیاء کی خصلت اس کو ان تمام کاموں سے روکتی ہے۔ صرف لوگوں ہی سے شرم و حیاء کی وجہ سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ سے بھی حیاء کی وجہ سے، اور اس خوف سے کہ کہیں اس کے ایمان میں ''ظلم'' کی آمیزش نہ ہو جائے

(۱) بخاری: کتاب المناقب: باب صفة النبی ﷺ (ح ۳۵۶۲) مسلم: کتاب الفضائل: باب کثرة حیاء النبی ﷺ (ح ۲۳۲۰)

(۲) بخاری: کتاب الادب: باب الحیاء (ح ۶۱۱۷)، مسلم: کتاب الایمان: باب بیان عدد شعب الایمان (ح ۳۷)

(۳) مسلم: کتاب الایمان: باب بیان عدد شعب الایمان (ح ۳۷)

(۴) بخاری: کتاب الایمان: باب امور الایمان (ح ۹)، مسلم: کتاب الایمان: ایضاً (ح ۳۵)

کیونکہ حیاء ایمان کی شاخوں میں سے ایک شاخ ہے، اور حیاء سے متصف ہونا وہ بلند مقام ہے جس سے بڑھ کر کوئی مقام نہیں۔

خاتونِ اسلام فضول اور لایعنی چیزوں میں نہیں پڑتی:

ایک صاحبِ فہم، باشعور اور رب کی خوشنودی چاہنے والی مسلمان عورت لایعنی اور فضول چیزوں میں نہیں پڑتی۔ نہ لوگوں کے نجی معاملات میں دخل اندازی کرتی ہے اور نہ ان کے بارے میں اڑائی ہوئی لغو اور نامعقول باتوں کی طرف کان لگاتی ہے، بلکہ وہ ان چیزوں سے اجتناب کرتے ہوئے یہ اعتقاد رکھتی ہے کہ اسلام کے پاکیزہ اخلاق نے انسان کو ان لچر اور بے ہودہ باتوں، ان نامعقول اور غیر سنجیدہ حرکتوں اور لایعنی باتوں سے بہت بلند رکھا ہے، کیونکہ حدیث نبویؐ ہے:

((مَنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَالَا يَعْنِيهِ))

''آدمی کے اسلام کی خوبی اس میں ہے کہ وہ لایعنی چیزوں میں نہ پڑے۔''(۱)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَرْضٰى لَكُمْ ثَلَاثًا وَيَكْرَهُ لَكُمْ ثَلَاثًا يَرْضٰى لَكُمْ :أَنْ تَعْبُدُوْهُ وَلَاتُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَأَنْ تَعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَلَاتَفَرَّقُوْا وَيَكْرَهُ لَكُمْ :قِيْلَ وَقَالَ وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ وَإِضَاعَةَ الْمَالِ))

''اللہ تعالیٰ تمہارے لیے تین چیزیں پسند کرتا ہے اور تین چیزیں ناپسند کرتا ہے۔ وہ یہ پسند کرتا ہے کہ تم اس کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور اس کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ پیدا نہ کرو، اور وہ ناپسند کرتا ہے فضول باتیں، بے تکے سوالات کی کثرت اور مال کا ضیاع۔''(۲)

اسلام کے زیر سایہ جو مسلم معاشرہ وجود پاتا اور پروان چڑھتا ہے، اس میں قیل وقال، (فضول باتوں) کثرتِ سوال اور لوگوں کے نجی معاملات میں دخل اندازی کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی، اس لیے کہ اس معاشرہ کے افراد اپنے دائروں میں اس سے کہیں زیادہ اہم کام میں مشغول رہتے ہیں۔ وہ زمین پر اللہ کا کلمہ نافذ کرنے، خطۂ ارض پر اس کا جھنڈا لہرانے اور لوگوں کے درمیان اس کے دین کی اشاعت کرنے میں ہم۔

(۱) ترمذی: کتاب الزھد (باب ۱۱۔حدیث ۲۳۱۷)، ابن ماجه: کتاب الفتن: باب کف اللسان (ح ۳۹۷۶)

(۲) مسلم: کتاب الاقضیة: باب النهی عن کثرة المسائل من غیر حاجة (ح ۱۷۱۵)

تن مشغول رہتے ہیں۔اور جو لوگ اتنا عظیم کام انجام دے رہے ہوں انہیں بھلا ان فضول کاموں میں پڑنے کا وقت کیونکر مل سکتا ہے!

دوسروں کی بے عزتی اور عیب جوئی سے دور رہتی ہے:

سچی مسلمان خاتون کی ایک نمایاں خصلت یہ ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کی بے عزتی اور عیب جوئی سے ہمیشہ دور رہتی ہے، دوسرں کے عیوب کی پردہ پوشی کرتی ہے اور نہیں چاہتی کہ اسلامی معاشرہ میں برائیاں اور فواحش عام ہوں یا ان کی تشہیر ہو۔ وہ قرآن کریم اور سنتِ مطہرہ کی ان تعلیمات وارشادات کو پیش نظر رکھتی ہے جن میں شر وفساد پھیلانے والوں، لوگوں کی عزت وآبرو سے کھیلنے والوں اور ان کے عیوب کی تشہیر کرنے والوں کو دنیا وآخرت دونوں میں عذاب سے ڈرایا گیا ہے، مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾

”جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں کے گروہ میں فحاشی پھیلے وہ دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب کے مستحق ہیں۔“ [النور:۱۹]

یہی وجہ ہے کہ معاشرہ میں بری باتیں پھیلانے والا اور برے کام کرنے والا دونوں گناہ میں برابر ہیں جیسا کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

((اَلْقَائِلُ الْفَاحِشَةَ وَالَّذِيْ يَشِيْعُ بِهَا فِي الْإِثْمِ سَوَاءٌ))

”بری بات کہنے والا اور اسے لوگوں میں عام کرنے والا، دونوں گناہ میں برابر ہیں۔“(۱)

خاتونِ اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو ہمیشہ اپنے پیش نظر رکھتی ہے:

”میری امت کے تمام لوگوں کو معاف کر دیا جائے گا سوائے ان لوگوں کے جو برائیوں کی تشہیر کرتے ہیں۔ تشہیر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی رات کو کوئی گناہ کرے، وہ ڈھکا چھپا رہے پھر وہ صبح اٹھ کر لوگوں میں اعلان کرتا پھرے اور کہے: ”اے فلاں میں نے گذشتہ رات فلاں فلاں کام کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی اس برائی پر پردہ ڈال دیا تھا مگر وہ صبح اٹھ کر خود اللہ کے پردے کو چاک کر دے۔“(۲)

---

(۱) الادب المفرد (ج ۱ ص ۴۱۹)

(۲) بخاری: کتاب الادب: باب ستر المومن علی نفسه (ح ۶۰۶۹)، مسلم: کتاب الزهد: باب النهی عن هتك الانسان ستر نفسه (ح ۲۹۹۰)

ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَایَسْتُرُ عَبْدٌ عَبْدًا فِی الدُّنْیَا اِلَّا سَتَرَهُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ))

''جو بندہ دوسرے بندے کی دنیا میں پردہ پوشی کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔''(۱)

لوگوں کے عیوب کا علاج ان کے عیوب ومعاصی کی تشہیر کر کے، ان کو رسوا کر کے اور سر عام بدنام کر کے نہیں ہوتا بلکہ اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ حق کو ان کے سامنے پیش کیا جائے ۔ اطاعت الٰہی کو خوشنما اور پسندیدہ بنا کر اور معصیت الٰہی کو ناپسندیدہ بنا کر ان کے سامنے لایا جائے اور اس سلسلہ میں صراحت سے یا سختی کے ساتھ کہنے کی بجائے حکمت ومصلحت سے بات پہنچائی جائے۔ نرمی، حکمت اور خوش اسلوبی ہی سے دلوں کے بند دروازے کھلتے ہیں، اعضاء وجوارح اطاعت کرتے ہیں اور نفوس نرمی قبول کرتے ہیں ۔ اسی لیے اسلام نے تجسس اور مسلمانوں کے عیوب کی ٹوہ میں لگنے سے منع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَا تَجَسَّسُوْا﴾ [الحجرات:۱۲] ''تجسس نہ کرو۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے پاس ایک آدمی کو لایا گیا اور ان کو بتلایا گیا کہ ''اس کی داڑھی سے شراب ٹپک رہی ہے۔'' آپ نے فرمایا:

((اِنَّا قَدْ نُهِیْنَا عَنِ التَّجَسُّسِ وَلٰکِنْ اِنْ یَظْهَرْ لَنَا شَیْءٌ نَاْخُذْ بِهٖ))

''ہمیں عیب کی جستجو اور ٹوہ میں لگنے سے منع کیا گیا ہے لیکن اگر عیب خود ہمارے سامنے ظاہر ہو جائے تو اس پر گرفت کریں گے۔''(۲)

مسلمانوں کے عیوب کی جستجو کرنے اور ان کی ٹوہ میں لگنے، ان کی کمزوری اور کوتاہی کے پہلوؤں کو تلاش کرنے اور لوگوں میں اسے تشہیر کرنے سے ان کو اذیت پہنچے گی اور ساتھ ہی وہ سوسائٹی بھی متاثر ہوگی جس میں یہ لوگ رہتے بستے ہیں ۔ چنانچہ جس معاشرہ میں بھی بے حیائی اور بدکاری عام ہو جاتی ہے اور اس کے افراد میں بدکلامی فحش گوئی کی کثرت ہو جاتی ہے، تو وہ زوال کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس میں معصیت وبرائی کا ارتکاب آسان ہو جاتا ہے، بغض ونفرت عام ہو جاتی ہے، مکر وفریب کا دور دورہ ہو جاتا ہے، کینہ وحسد کا

(۱) بخاری: کتاب المظالم .باب لایظلم المسلم المسلم ولا یسلمه (ح ۲۴۴۲)، مسلم: کتاب البر (ح ۲۵۸۰)

(۲) ابوداوٗد: کتاب الأدب: باب فی التجسس (ح ۴۸۹۰)

چلن ہو جاتا ہے اور فتنہ وفساد پھیل جاتا ہے۔ انہی چیزوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّكَ اِنِ اتَّبَعْتَ عَوْرَاتِ الْمُسْلِمِيْنَ اَفْسَدْتَهُمْ اَوْكِدْتَ اَنْ تُفْسِدَهُمْ))[1]

''اگر تم مسلمانوں کے عیوب کی ٹوہ میں لگو گے تو یا تو ان کو برا کردو گے یا برائی سے قریب کردو گے۔''

اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو لوگوں کی عزت وآبرو میں پڑنے اور ان کے عیوب کی جستجو کرنے پر سخت تنبیہ فرمائی ہے اور ان کو ڈرایا ہے کہ اگر کوئی ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کا پردہ چاک کردے گا اور اسے اس کے گھر کے اندر ذلیل وخوار کردے گا۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((لَاتُؤْذُوْا عِبَادَاللّٰهِ وَلَاتُعَيِّرُوْهُمْ وَلَاتَطْلُبُوْا عَوْرَاتِهِمْ فَاِنَّهُ مَنْ تَطَلَّبَ عَوْرَةَ اَخِيْهِ الْمُسْلِمِ طَلَبَ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ حَتّٰى يَفْضَحَهُ فِيْ بَيْتِهِ))

''اللہ کے بندوں کو تکلیف نہ پہنچاؤ، انہیں عار نہ دلاؤ اور ان کے عیوب کے پیچھے نہ پڑو، جو اپنے مسلمان بھائی کے عیب کی ٹوہ میں لگے گا، اللہ تعالیٰ اس کے عیب کو ظاہر کردے گا اور اسے اس کے گھر میں ذلیل وخوار کردے گا۔''[2]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ خطبہ دیا جسے پردہ نشین خواتین نے بھی پردہ کے پیچھے سے سنا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((يَامَعْشَرَ مَنْ آمَنَ بِلِسَانِهِ وَلَمْ يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ قَلْبَهُ ،لَاتُؤْذُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا تَتَّبِعُوا عَوْرَاتِهِمْ ،فَاِنَّهُ مَنْ تَتَبَّعَ عَوْرَةَ اَخِيْهِ الْمُسْلِمِ هَتَكَ اللّٰهُ سِتْرَهُ وَمَنْ يَتَتَبَّعُ عَوْرَتَهُ يَفْضَحْهُ وَلَوْ فِيْ جَوْفِ بَيْتِهِ))

''اے لوگو! جو صرف زبان سے ایمان لائے ہو اور ابھی دل میں ایمان داخل نہیں ہوا، اہل ایمان کو اذیت نہ پہنچاؤ اور ان کے عیوب کی ٹوہ میں نہ لگو۔ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی عیب جوئی کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے عیب کو ظاہر کردے گا اور اللہ تعالیٰ جس کے عیب کی ٹوہ میں لگ جائے، اسے ذلیل خوار کر چھوڑتا ہے، خواہ وہ اپنے گھر کے اندر ہی کیوں نہ بیٹھا ہو۔''[3]

(۱) ابوداؤد: کتاب الادب: باب فی التجسس (ح۴۸۸۸)

(۲) مسند احمد(۵/ ۲۷۹)، ترمذی: کتاب البر والصلة: باب ما جاء فی تعظیم المؤمن(ح۲۰۳۲)

(۳) المعجم الکبیر للطبرانیؒ (ج ۱۱ص۱۸۶،ح ۱۱۴۴۴)

اس سے معلوم ہوا کہ لوگوں کی عزت وآبرو پر حملہ کرنا اوران کے عیب تلاش کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ اگرچہ لوگ اسے معمولی سمجھتے ہیں مگر اللہ کے نزدیک یہ معمولی نہیں۔

ریاکاری اور فخر ومباہات سے دور رہتی ہے:

حقیقی اور سچی مسلمان عورت ریاکاری سے کوسوں دور رہتی ہے، اس لیے کہ ریاکاری سے اجر ضائع ہو جاتے ہیں، نیک عمل باطل ہو جاتے ہیں اور ریا کرنے والے کو قیامت کے دن جبکہ لوگ رب العالمین کے روبرو کھڑے ہوں گے، ذلت ورسوائی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ دین اسلام کا جوہر اور لبِ لباب یہ ہے کہ ہر قول وعمل اللہ تعالیٰ کے لیے خالص ہو۔ دنیا میں جن وانس کے پیدا کیے جانے کا مقصد عبادت الٰہی ہے ،جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ ﴾[الذاريات :٥٦]

''میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا کہ وہ میری بندگی (عبادت) کریں۔''

اور یہ عبادت اسی وقت شرف قبولیت حاصل کرسکتی ہے جب اخلاص کے ساتھ کی جائے اور اس سے صرف اللہ کی خوشنودی مقصود ہو کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَاءَ ﴾[البينة :٥]

''ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اللہ کی بندگی کریں اپنے دین کو اس کے لیے خالص کرتے ہوئے، بالکل یکسو ہوکر۔''

لیکن اس عبادت میں ریا، خودنمائی کی خواہش اور شہرت کی آرزو کا شائبہ بھی پایا گیا تو یہ باطل اور بے کار جائے گی اور اس کا کچھ ثواب نہیں ملے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اپنے عذاب سے ڈرایا ہے جو غریبوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں اور پھر ان پر احسان جتاتے ہیں کہ انہوں نے ان کو مال دیا، ان کی مفلسی ومحتاجی میں مدد کی اور ان کی ضروریات پوری کیں۔ اس طرح احسان جتلا کر غریبوں کی عزت وشرافت کو داغ دار کرتے ہیں، اور اس عبادت میں ریاکاری بھی کرتے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ [البقرة:٢٦٤]

''اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتلا کر اور دکھ دے کر اس شخص کی طرح خاک میں نہ ملا دو جو اپنا مال محض لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے اور نہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے نہ آخرت پر۔ اس کے خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چٹان تھی جس پر مٹی کی تہہ جمی ہوئی تھی، اس پر جب زور کا مینہ برسا تو ساری مٹی بہہ گئی اور صاف چٹان کی چٹان رہ گئی۔ ایسے لوگ اپنے نزدیک خیرات کر کے جو نیکی کماتے ہیں، اس سے کچھ بھی ان کے ہاتھ نہیں آتا اور کافروں کو سیدھی راہ دکھانا اللہ کا دستور نہیں ہے۔''

مندرجہ بالا آیتِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ فقراء پر احسان جتاتے ہوئے کہا جانے والا ایک فقرہ صدقات وخیرات کے ثواب کو اس طرح ضائع اور ختم کر دیتا ہے جس طرح چکنے پتھر پر پانی ڈالنے سے اس پر پڑا گرد وغبار صاف ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں اس آیت کے آخر میں بہت ہی خوفناک اور ہولناک خبر دی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ریا کاری کرنے والے لوگ اللہ کی ہدایت کے مستحق نہیں اور اس عمل میں ان کا شمار کافروں کے زمرہ میں ہوگا۔ اس لیے کہ ان ریا کاروں کا مقصد لوگوں کے سامنے اپنے نیک عمل کا دکھاوا کرنا ہے۔ اللہ کی رضا حاصل کرنا ان کے پیش نظر نہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی اس حالت کو یوں بیان فرمایا ہے:

﴿ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾[النساء:۱۴۲]

''محض لوگوں کو دکھاوا کرتے ہیں اور اللہ کو کم ہی یاد کرتے ہیں۔''

اسی لیے ان کا عمل نا قابل قبول اور مردود ہے، کیوں کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک کر لیا اور اللہ تعالیٰ صرف وہ عمل قبول کرتا ہے جو اس کے لیے خالص ہو اور صرف اسی کی خوشنودی کے حصول کے لیے کیا گیا ہو، جیسا کہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

((انا غنی الشر کاء عن الشرك من عمل عملا اشرك فيه معی غيری تر كته وشر كه))

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں تمام شرکاء سے زیادہ شرک سے بے نیاز اور بے پرواہوں۔ جو کوئی شخص ایسا عمل کرے جسے صرف میرے لیے نہ کرے بلکہ میرے ساتھ کسی اور کو بھی شریک کرے، تو میں اسے اور اس کے شرکیہ کام کو چھوڑ دیتا ہوں۔''[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز کو پوری شرح وبسط کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور بتلایا ہے کہ حشر کے دن جب مال ودولت اور اہل وعیال کوئی کام نہ آئیں گے اور صرف وہی شخص کامیاب ہوگا جو قلبِ سلیم کے ساتھ اللہ

---

(۱) مسلم: كتاب الزهد: باب تحريم الرياء(ح۲۹۸۵)

کی بارگاہ میں حاضر ہوگا تو اس وقت ریاکاروں کو انتہائی شرمناک ذلت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''قیامت کے دن سب سے پہلے ایک ایسے شخص کا فیصلہ کیا جائے گا جو دنیا میں شہید ہوا ہوگا، اسے بلایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے سامنے اپنی ایک ایک نعمت گنائے گا اور وہ ان سب کا اقرار کرے گا پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''تو نے ان نعمتوں کے شکر میں کیا کیا؟'' وہ عرض کرے گا: ''میں نے تیری راہ میں جہاد کیا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔'' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''تو جھوٹا ہے، تو نے تو صرف اس لیے جہاد کیا تھا کہ تجھے بہادر کہا جائے۔ وہ تجھے کہا جا چکا۔'' پھر اسے جہنم میں لے جانے کا حکم دیا جائے گا اسے منہ کے بل گھسیٹ کر لے جایا جائے گا اور جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

پھر ایک شخص کو بلایا جائے گا جس نے دنیا میں خود بھی علم حاصل کیا ہوگا دوسروں کو بھی علم سکھایا ہوگا اور قرآن پڑھایا ہوگا۔ اس کے سامنے اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں گنائے (شمار کرے) گا، وہ ان کا اعتراف کرے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو نے ان نعمتوں کے شکر میں کیا کیا؟ وہ عرض کرے گا: ''میں نے علم حاصل کیا اور دوسروں کو علم سکھایا اور تیرے لیے قرآن پڑھا۔'' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''تو نے جھوٹ کہا، تو نے تو اس علم کو اس لیے حاصل کیا تھا کہ تجھے عالم کہا جائے اور قرآن کی تلاوت اس لیے کرتا تھا تاکہ قاری کہلایا جائے وہ (تو دنیا میں تجھے) کہا جا چکا۔'' پھر اسے جہنم میں لے جانے کا حکم دیا جائے گا۔ اسے گھسیٹ کر لے جایا جائے گا اور جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

پھر ایک ایسا شخص بلایا جائے گا جسے اللہ تعالیٰ نے فراخی وکشادگی عطا فرمائی تھی اور ہر قسم کے مال و دولت سے نوازا تھا، اللہ تعالیٰ سے اپنی نعمتیں یاد دلائے گا اور وہ ان کا اعتراف کرے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''تو نے ان نعمتوں کے شکر میں کیا کیا؟'' وہ عرض کرے گا: ''میں نے تیری خوشنودی کے ہر راستے میں صرف تیرے ہی لیے مال خرچ کیا۔'' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''تو جھوٹ بولتا ہے، تو نے تو اس لیے مال خرچ کیا تاکہ تجھے سخی کہا جائے (تو دنیا میں تجھے) وہ کہا جا چکا۔'' پھر اسے جہنم کی طرف لے جانے کا حکم دیا جائے گا اور اسے منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔''[1]

اس حدیث میں ان کاموں کی نشاندہی کی گئی ہے جن میں عام طور سے لوگ فخر ومباہات کرتے ہیں اور

(۱) مسلم: کتاب الامارۃ: باب من قاتل للریاء والسمعة استحق النار (ح۱۹۰۵)

ڈینگیں مارتے ہیں یعنی شجاعت، علم اور سخاوت۔ اور یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایسا کرنے والوں کو قیامت کے دن کیسی رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا جب وہ برسرِ عام اس عزت وشرف سے عاری قرار دیئے جائیں گے جس کی وہ ان اعمال کے ذریعے آرزو کرتے ہوں گے۔ اسی طرح حدیث میں یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ وہ قیامت کے دن کتنے زبردست خسارے کا سامنا کریں گے جب انہیں اس تمام ثواب سے محروم کر دیا جائے گا جس کا اللہ تعالیٰ نے ان عظیم اعمال کے بدلے میں وعدہ کیا ہے اور انہیں ابدی جنت میں لے جانے کی بجائے منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا!

ایک سچی خاتونِ اسلام وہ ہوتی ہے جو اپنے تمام اعمال میں ریاکاری سے دور رہتی ہے، اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اس کے تمام اعمال محض رضائے الٰہی کے لیے ہوں۔ وہ ہمیشہ اپنے پیشِ نظر رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد رکھتی ہے:

((مَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللّٰهُ بِهِ وَمَنْ يُرَائِيْ يُرَائِي اللّٰهُ بِهِ))

''جو سنوائے اللہ اس کو سنوا دے گا اور جو دکھلاوا کرے اللہ اس کا دکھلاوا کر دے گا۔''(1)

یعنی جو شخص کوئی نیکی اس غرض سے کرے گا کہ لوگ سنیں اور اس کی شہرت ہو۔ اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اسے رسوا کر دے گا اور اس کی برائی کو مشہور کر دے گا۔ اور جو کوئی لوگوں کو دکھا کر کوئی عمل کرے گا تا کہ لوگ اسے بڑا کہیں، تو اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کو لوگوں پر ظاہر کر دے گا۔

فیصلہ کرنے میں انصاف سے کام لیتی ہے:

بعض اوقات حالات ایک مسلمان عورت کو اس مقام پر پہنچا دیتے ہیں کہ وہ رائے دینے یا فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں ہوتی ہے۔ اس وقت اس کا ایمان، رشد وہدایت اور تقویٰ مزید نکھر کر سامنے آتا ہے۔ کیونکہ جب وہ فیصلہ کرتی ہے تو عدل وانصاف کو ملحوظ رکھتی ہے اور جادۂ حق سے انحراف نہیں کرتی، خواہ کیسے ہی حالات ہوں، کیونکہ ظلم سے بچنا اور انصاف کی راہ اختیار کرنا، اس کے دین وعقیدے کے بنیادی اجزاء میں سے ہے۔ قرآن مجید اور حدیث شریف کی قطعی نصوص میں اس کا حکم دیا گیا ہے اور اس میں رخصت یا اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(1) بخاری: کتاب الرقاق: باب الرياء والسمعة (ح ٦٤٩٩)، مسلم: کتاب الزهد: باب تحريم الرياء (ح ٢٩٨٧)

﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلٰى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ﴾[النساء:٥٨]

''اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں، امانت داروں کے سپرد کر دو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو۔''

خاتونِ اسلام جس عدل سے واقف ہے وہ بے لوث اور ذاتی مفاد سے پاک ہوتا ہے۔ دوستی یا دشمنی سے اس میں کوئی فرق نہیں آتا اور نہ ہی رشتے ناطے اس پر اثر انداز ہوتے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا كُونُوا قَوّٰمِينَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰى أَلَّا تَعْدِلُوا اِعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ [المائدة:٨]

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو، کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ تم انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو، یہ تقویٰ (اللہ تعالیٰ سے ڈرنے) کے بہت قریب ہے۔ اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے اس وقت عدل کی ایک اعلیٰ مثال قائم کر دی جب حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ، آپ کی خدمت میں ایک مخزومی عورت (جس نے چوری کی تھی اور رسول اللہ ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ فرمایا تھا) کی سفارش لے کر آئے۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا:

((أَتَشْفَعُ فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللّٰهِ يَا أُسَامَةُ؟ وَاللّٰهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا))

''اے اسامہ! کیا تم اللہ کی حدود میں سفارش کر رہے ہو؟ اللہ کی قسم! اگر محمد (ﷺ) کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی، تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔''(١)

یہ ہے وہ عدل جو ہر بڑے چھوٹے، امیر فقیر، مسلم غیر مسلم پر یکساں نافذ ہوتا ہے۔ اس کی گرفت سے کوئی شخص آزاد نہیں۔ عدل کا یہی وہ مقام ہے جس سے اسلامی معاشرہ اور دیگر معاشروں کے راستے مختلف ہوتے ہیں۔ تاریخ نے عدل کے جن زریں واقعات کو محفوظ رکھا اور زمانہ گذرنے کے ساتھ ساتھ عدل کی

---

(١) بخاری: کتاب الحدود: باب کراهية الشفاعة فی الحد اذا رفع الی السلطان (ح٦٧٨٨)، مسلم: کتاب الحدود: باب قطع السارق الشریف وغیره (ح١٦٨٨)

محفلوں نے جن کی طرف بڑے احترام کے ساتھ کان لگایا ہے، ان میں سے ایک امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ قاضی شریح کے سامنے اپنے حریف یہودی کے پہلو میں، جس نے ان کی زرہ چوری کی تھی، کھڑے ہوتے ہیں۔ امیر المومنین کا احترام واکرام قاضی شریح کو یہودی کے زرہ چوری کرنے پر گواہ طلب کرنے سے باز نہیں رکھتا اور جب امیر المومنین کوئی گواہ نہیں پاتے تو قاضی یہودی کے حق میں اور امیر المومنین کے خلاف فیصلہ صادر کر دیتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ عدل کی اس اعلیٰ مثال کو دیکھ کر وہ یہودی وہیں مسلمان ہو جاتا ہے۔(۱)

تاریخ اسلام ایسی بے شمار مثالوں سے پر ہے جو اسلامی معاشرہ میں حق وعدل کی حکمرانی پر دلالت کرتی ہیں۔ اس لیے ایک سچی مسلمان خاتون کو چاہیے کہ وہ اپنے اقوال وافعال میں عدل وانصاف سے کام لے کیونکہ عدل وانصاف اس کی میراث ہے اور اس سے روگردانی اس کی شریعت میں حرام ہے۔

وہ کسی پر ظلم نہیں کرتی:

ایک سچی مسلمان عورت جس طرح عدل وانصاف پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہتی ہے، اسی طرح وہ ظلم سے بھی بہت دور رہتی ہے، اس لیے کہ ظلم کا نتیجہ گھٹاٹوپ تاریکیاں ہیں جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((اتقواالظلم فان الظلم ظلمات يوم القيامة))

''ظلم سے بچو، کیونکہ ظلم کا نتیجہ قیامت میں گھٹاٹوپ تاریکیاں ہیں۔''(۲) حدیث قدسی ہے:

((ياعبادى انى حرمت الظلم على نفسى ،وجعلته بينكم محرما ،فلاتظالموا))

''اے میرے بندو! میں نے اپنے آپ پر ظلم کو حرام کرلیا ہے اور اسے تمہارے درمیان بھی حرام قرار دیا ہے۔ اس لیے باہم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔''(۳)

مندرجہ بالا حدیث قدسی میں کتنی خوب صورتی کے ساتھ ظلم سے منع کیا گیا ہے، چنانچہ ظلم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر بھی حرام کرلیا جبکہ وہ خالق و مالک، شہنشاہ، عزیز، زبردست، جبار اور بڑائی والا ہے۔ اسی طرح اس نے اسے بندوں کے درمیان بھی حرام قرار دیا ہے۔ کیا اس کے بعد بھی ممکن ہے کہ ظلم کا صدور کسی ایسی

---

(۱) حلية الاولياء (ج ۴ ص ۱۳۹، ۱۴۰)

(۲) مسلم: كتاب البروالصلة: باب تحريم الظلم (ح ۲۵۷۸)

(۳) مسلم: ایضاً (ح ۲۵۷۷)

خاتونِ اسلام سے ہو جو اللہ کے دین کی مضبوط رسی کو تھامے ہوئے ہو؟!

نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا۔ خود پیغمبرِ زماں ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک سچا مسلمان کبھی ظلم کا ارتکاب نہیں کرتا خواہ کیسے ہی اسباب و محرکات ہوں اور کیسے ہی حالات ہوں۔ آپ ؐ کا فرمان ہے:

((المسلم اخو المسلم لا یظلمه ،ولا یسلمه ،ومن كان فی حاجة اخیه كان الله فی حاجته ،ومن فرج عن مسلم كربة فرج الله عنه كربة من كربات یوم القیامة ومن ستر مسلما ستره الله یوم القیامة))

''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اسے رسوا کرتا ہے۔ جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت پوری کرے گا۔ جو شخص مسلمان سے کوئی تکلیف دور کرے گا، اللہ تعالیٰ روز قیامت کی تکلیفوں میں سے اس کی ایک تکلیف دور فرمائے گا۔ جو کسی مسلمان کی ستر پوشی کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی ستر پوشی فرمائے گا۔''[۱]

رسول اللہ ﷺ نے سچے مسلمان سے صرف ظلم کی نفی پر اکتفا نہیں فرمایا کہ اس کا تو اس سے تصور بھی نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس سے آگے بڑھ کر اپنے بھائی کو رسوا کرنے کی بھی آپ ؐ نے نفی فرمائی ہے کیونکہ اس کی رسوائی میں بھی ایک طرح کا ظلم ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اس کی ضرورتیں پوری کرنے، اس کی تکلیفوں کا ازالہ کرنے اور اس کی ستر پوشی کرنے پر بھی اکسایا ہے، گویا کہ آپ اشارہ فرما رہے ہیں کہ ان فضائل سے پہلو تہی اور اعراض، ظلم و تقصیر ہی ہے اور اس اُخوت کی نفی ہے جو مسلمانوں کے درمیان باہم پائی جاتی ہے۔

کسی کی مصیبت پر خوشی نہیں مناتی:

ایک سچی مسلمان عورت دوسروں کی مصیبت پر خوش ہونے، ان کی ہنسی اڑانے اور انہیں حقیر سمجھنے سے احتراز کرتی ہے۔ اس لیے کہ کسی کی مصیبت پر خوش ہونا ایک گھٹیا، پست، تکلیف دہ اور اذیت ناک خصلت ہے جس سے اسلام نے منع کیا ہے اور اس میں مبتلا ہونے سے ڈرایا ہے۔ سچی اور خدا پرست خاتونِ اسلام کے دل میں 'کسی کی مصیبت پر خوشی' کی کوئی جگہ نہیں ہوتی بلکہ اگر کوئی شخص کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاتا ہے تو وہ اس کے ساتھ مہربانی اور شفقت سے پیش آتی ہے، اس کی تعزیت کرتی ہے اور اس کی مصیبت کو ہلکا

(۱) بخاری: کتاب المظالم: باب لا یظلم المسلم ولا یسلمه (ح ۲۴۴۲)، مسلم: ایضاً (ح ۲۵۸۰)

کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ دوسروں کی مصیبت پر خوشی کا اظہار تو وہ لوگ کرتے ہیں جو اسلام کی روح اور اس کی تعلیمات سے کوسوں دور رہتے ہیں اور جن کی پرورش ہی انتقام، مکروفریب، عیب جوئی، غیبت اور تکلیف دہی کی بنیادوں پر ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کو اللہ کے رسول ﷺ کا یہ فرمان یاد رکھنا چاہیے:

((لاتظهر الشماتة لاخيك ،فيرحمه الله ويبتليك))

''اپنی ساتھی کی تکلیف پر خوشی نہ مناؤ، ورنہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر رحم کردے اور تمہیں اس تکلیف میں مبتلا کردے۔''(۱)

بدگمانی سے بچتی ہے:

سچی خاتونِ اسلام کی ایک خصلت یہ ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کے بارے میں بدگمانی نہیں کرتی اور ان کے بارے میں خیالات وتصورات کے گھوڑے نہیں دوڑاتی کیونکہ اس طرح ان کی جانب عیوب منسوب ہوتے اور تہمتیں لگتی ہیں حالانکہ وہ فی الواقع وہ ان سے بری ہوتے ہیں۔ ایک مسلمان عورت اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل کرتی ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ﴾ [الحجرات:۱۲]

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو، کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔''

نبی ﷺ کے ارشادات میں بدگمانی کرنے، لوگوں کے بارے میں قیاس آرائیاں کرنے اور حقیقت ویقین سے کوسوں دور بے سروپا باتیں منسوب کرنے سے سختی سے ڈرایا گیا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ))

''بدگمانی سے بچو، بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے۔''(۲)

نبی ﷺ نے بدگمانی کو سب سے جھوٹی بات قرار دیا ہے۔ ایک حقیقی اور سچی خاتونِ اسلام کی خصلت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی زبان پر کوئی ایسی بات نہیں لاتی جس سے ذرا بھی جھوٹ کی بو آتی ہو۔ پھر بھلا وہ سب سے بڑے جھوٹ یعنی بدگمانی میں کیسے مبتلا ہوسکتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے بدگمانی سے بچنے کی تاکید کرکے اور اسے سب سے جھوٹی بات قرار دے کر مسلمانوں کو یہ تعلیم دی ہے کہ وہ لوگوں کے ظاہری اعمال پر فیصلہ

(۱) ترمذی: کتاب صفة القيامة: باب ۵۴

(۲) بخاری: کتاب الادب: باب ما ینهی عن التحاسد والتدابر (ح ۶۰۶۴)، مسلم: کتاب البر والصلة (۲۵۶۳)

کریں اور ان کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے، شک وشبہ میں مبتلا ہونے، بے سروپا باتیں منسوب کرنے اور اَوہام وخرافات کے دام میں گرفتار ہونے سے بچے رہیں۔

خاتونِ اسلام کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ دوسروں کے بھید معلوم کرتی پھرے، ان کی نجی زندگی کی ٹوہ میں رہے اور ان کی عزت وآبرو خاک میں ملانے کے لیے عیب تلاش کرتی رہے، کیوں کہ بھیدوں کو جاننا، ان کا افشاء کرنا اور ان پر محاسبہ کرنا صرف اسی معبودِ حقیقی کا حق ہے جو بھیدوں سے واقف ہے۔ انسان صرف ظاہری اعمال کا جواب دہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عتبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

((إِنَّ نَاسًا كَانُوا يُؤْخَذُونَ بِالْوَحْيِ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَإِنَّ الْوَحْيَ قَدِانْقَطَعَ وَإِنَّمَا نَأْخُذُكُمُ الْآنَ بِمَا ظَهَرَ مِنْ أَعْمَالِكُمْ فَمَنْ أَظْهَرَ لَنَا خَيْرًا آمَنَّاهُ وَقَرَّبْنَاهُ وَلَيْسَ إِلَيْنَا مِنْ سَرِيرَتِهِ شَيْءٌ اَللّٰهُ يُحَاسِبُهُ عَلَى سَرِيرَتِهِ وَمَنْ أَظْهَرَ لَنَا شَرًّا لَمْ نَأْمَنْهُ وَلَمْ نُصَدِّقْهُ وَإِنْ قَالَ: إِنَّ سَرِيرَتَهُ حَسَنَةٌ))

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں وحی کے ذریعے کسی کے بارے میں کوئی حکم لگایا جاتا تھا لیکن وحی کا سلسلہ اب منقطع ہوگیا ہے، اس لیے اب ہم تمہارے ظاہری اعمال دیکھ کر فیصلہ کریں گے، جو شخص بظاہر اچھے اعمال کرے گا اس کا اہم اعتبار کریں گے اور اسے اپنے قریب کریں گے، اس کے باطن کو جاننا ہمارا کام نہیں، بلکہ باطن کا محاسبہ تو اللہ تعالیٰ ہی کرے گا۔ اور جو شخص ظاہراً بُرے اعمال کرے گا ہم نہ اس سے مطمئن ہوں گے، نہ اسے سچا سمجھیں گے، خواہ وہ کتنا ہی کہتا رہے کہ "میرا باطن اچھا ہے۔"" (۱)

اس لیے ایک متقی، باشعور، نیک اور سچی خاتونِ اسلام سوچ سمجھ کر ہی اپنی مسلمان بہنوں کے بارے میں کوئی بات زبان سے نکالتی ہے اور اگر کوئی بات کرتی ہے تو پورے ثبوت کے ساتھ کرتی ہے، اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ ارشاد ہمہ وقت اس کے سامنے رہتا ہے:

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا﴾ [الاسراء:٣٦]

"کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہ ہو۔ یقیناً آنکھ، کان اور دل سب ہی کی باز پرس ہوگی۔"

(۱) بخاری: کتاب الشهادات: باب الشهداء العدول (ح ۲۶۴۱)

چنانچہ وہ اس پرحکمت تنبیہ کو ہمیشہ ملحوظ رکھتی ہے، بغیر علم کے کوئی بات نہیں کہتی اور بغیر یقین کے کوئی حکم نہیں لگاتی۔ عیب جوئی اور بدگمانی کے گناہ میں مبتلا ہونے کا اسے اس وقت مزید خوف اور اندیشہ طاری ہو جاتا ہے جب وہ اپنے دل کی آنکھ سے، اللہ کی طرف سے اس کی نگرانی پر مقرر فرشتے کو دیکھتی ہے جو اس کی زبان سے نکلنے والے ہر لفظ اور ہر بات کو نوٹ کر لیتا ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ مَايَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ﴾ [سورة ق:١٨]

''کوئی لفظ اس کی زبان سے نہیں نکلتا ہے جسے محفوظ کرنے کے لیے ایک حاضر باش نگران موجود نہ ہو۔''

ایک مسلمان خاتون اپنی زبان سے نکلنے والے ہر لفظ کی جواب دہی کا احساس کر کے خوف سے کانپنے لگتی ہے، اس لیے تم اسے دیکھو گے کہ وہ سوچ سمجھ کر کوئی بات کہتی ہے اور بولنے سے پہلے اپنی بات کو تولتی ہے، کیونکہ وہ جانتی ہے کہ زبان سے نکلی ہوئی ایک بات اسے اللہ کی خوشنودی کے اعلیٰ مقام پر بھی پہنچا سکتی ہے اور اس کے غیظ وغضب کے پست ترین مقام تک بھی گرا سکتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((اِنَّ الرَّجُلَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ رِضْوَانِ اللّٰهِ مَاكَانَ يَظُنُّ اَنْ تَبْلُغَ مَابَلَغَتْ يَكْتُبُ اللّٰهُ لَهُ بِهَا رِضْوَانَهُ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَاهُ وَاِنَّ الرَّجُلَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ سَخَطِ اللّٰهِ مَاكَانَ يَظُنُّ اَنْ تَبْلُغَ مَابَلَغَتْ يَكْتُبُ اللّٰهُ لَهُ بِهَا سَخَطَهُ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ))

''آدمی اللہ کی خوشنودی کا کوئی کلمہ زبان سے نکالتا ہے جبکہ اس کے حاشیہ خیال میں بھی یہ نہیں ہوتا کہ اسے کتنا بلند تر درجہ حاصل ہوگا چنانچہ اس کلمہ کی بدولت اللہ تعالیٰ قیامت تک کے لیے اس کی قسمت میں اپنی خوشنودی لکھ دیتا ہے۔ اسی طرح آدمی اپنی زبان سے (لا پروائی میں) اللہ کو ناراض کرنے والا کوئی کلمہ نکالتا ہے۔ اسے گمان بھی نہیں ہوتا کہ اس کا یہ نتیجہ ظاہر ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس کلمہ کی وجہ سے قیامت تک کے لیے اس کے نامۂ اعمال میں اپنا غضب لکھ دیتا ہے۔''[1]

غور کرنے کا مقام ہے، زبان سے نکالے ہوئے الفاظ کی کتنی وقعت واہمیت ہے اور یاوہ گوئیوں اور فضول باتوں کے کیسے مہلک اثرات مرتب ہوتے ہیں؟!

بے شک ایک نیک نیت، باشعور اور متقی خاتونِ اسلام لوگوں کی بے ہودہ اور مہمل باتوں کی طرف کان نہیں

(١) مؤطا: كتاب الكلام: باب ما يؤمر به من التحفظ فى الكلام (ح٥)، سنن ابن ماجه: كتاب الفتن: باب كف اللسان فى الفتنة (ح٣٩٦٩)، جامع ترمذى: كتاب الزهد: باب ما جاء فى قلة الكلام (ح٢٣١٩)

لگاتی اور نہ ان اَوہام وخرافات،افواہوں اور بدگمانیوں کی طرف متوجہ ہوتی ہے جو آج کل ہمارے معاشرے میں بہت عام ہوچکی ہیں۔اور نہ ہی وہ ان افواہوں اور بدگمانیوں کو بغیر توثیق وتحقیق کیے کسی سے بیان کرتی ہے، اس لیے کہ اسے علم ہوتا ہے کہ ہر سنی ہوئی بات کو اس کی صحت کی تحقیق کرنے سے پہلے نقل یا بیان کرنا 'جھوٹ' ہے جس کے حرام ہونے کی رسول اللہ ﷺ نے اس طرح تصریح کی ہے:

((كَفَى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَاسَمِعَ))

''آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات لوگوں سے کہتا پھرے۔''(۱)

غیبت سے دور رہتی ہے:

ایک سچی، دیندار، ہر حال میں اللہ سے ڈرنے والی مسلمان عورت غیبت اور چغل خوری سے کوسوں دور رہتی ہے تاکہ کہیں اس کا رب اس سے ناراض نہ ہوجائے۔ چونکہ اس کی پرورش وپرداخت اسلامی اَقدار و اَخلاق پر ہوتی ہے، اس لیے وہ فضول، لچر اور بے معنی باتوں سے اجتناب کرتی اور عظیم کاموں کو اپنے پیشِ نظر رکھتی ہے۔ وہ قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ ارشاد پڑھتی ہے:

﴿ وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ﴾[الحجرات:۱۲]

''اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے، کیا تمہارے اندر کوئی ایسا ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے؟ دیکھو! تم خود اس سے گھن کھاتے ہو، اللہ سے ڈرو، اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے۔''

ایک مسلمان خاتون جب یہ ارشاد باری تعالیٰ پڑھتی یا سنتی ہے تو اس کے دل میں غیبت سے سخت نفرت اور کراہیت پیدا ہوجاتی ہے کیونکہ وہ اس آیت میں غیبت کرنے والے کو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے والے کی شکل میں دیکھتی ہے، چنانچہ وہ فوراً توبہ واستغفار کی طرف لپکتی ہے جس کا اسی آیت کے آخر میں حکم دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں وہ نبی ﷺ کے اس ارشاد کو بھی غور سے سنتی ہے کہ جب ایک شخص آپ ﷺ سے سوال کرتا ہے: ''اے اللہ کے رسول! سب سے افضل مسلمان کون ہے؟'' تو آپ ﷺ جواب دیتے ہیں:

((مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ))

---

(۱) مسلم: المقدمة: باب النهى عن الحديث بكل ما سمع (ح۵)

''جس کی زبان اور ہاتھ کے شر سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔''[1]

اس ارشاد عالی اور پر حکمت تعلیم پر عمل کرتے ہوئے خاتونِ اسلام نہ کسی کی پیٹھ پیچھے اپنی زبان سے اس کی برائی کرتی ہے اور نہ معاشرہ میں کسی کو اپنے ہاتھ سے تکلیف پہنچاتی ہے بلکہ اس سے آگے بڑھ کر اگر کہیں کسی کی غیبت ہو رہی ہوتی ہے تو اس سے روکتی ہے اور غیبت کیے جانے والے کا غائبانہ دفاع کرتی ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان اس کے مدنظر ہوتا ہے کہ

((مَنْ ذَبَّ عَنْ عِرْضِ اَخِيْهِ بِالْغِيْبَةِ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُعْتِقَهُ مِنَ النَّارِ))

''جو شخص اپنے بھائی کی عدم موجودگی میں اس کی عزت و آبرو کا دفاع کرتا ہے، اللہ پر اس کا حق قائم ہو جاتا ہے کہ وہ اسے جہنم سے خلاصی دے دے۔''[2]

چغلی سے دور رہتی ہے:

ایک متقی اور دیندار مسلمان خاتون دوسروں کی چغل خوری بھی نہیں کرتی کیونکہ دینی تعلیمات سے واقفیت کی بنا پر وہ جانتی ہے کہ چغلی کھانے والا انسان اُن لوگوں کے زمرہ میں شامل ہو جاتا ہے جن کا مقصد صرف لوگوں کے درمیان فساد پھیلانا اور دوستوں کے درمیان محبت و الفت کا رشتہ ختم کرنا ہوتا ہے۔ فساد پیدا کرنے والے چغل خور کی دنیا میں بھی رسوائی ہے اور آخرت میں بھی جنت سے محرومی ہے، حدیثِ نبویؐ ہے:

((لَايَدْخُلُ الْجَنَّةَ نَمَّامٌ)) ''جنت میں چغل خور نہیں جائے گا۔''[3]

خاتونِ اسلام کو علم ہوتا ہے کہ چغل خور کو قبر میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے سخت عذاب ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کا دو قبروں کے پاس سے گذر ہوا تو آپؐ نے فرمایا:

((اَمَا اِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ وَمَايُعَذَّبَانِ فِيْ كَبِيْرٍ اَمَّا اَحَدُهُمَا فَكَانَ يَمْشِيْ بِالنَّمِيْمَةِ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَكَانَ لَايَسْتَبْرِءُ مِنْ بَوْلِهٖ))

''ان دونوں قبر والوں کو عذاب ہو رہا ہے اور یہ دونوں کسی بڑے گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں بھگت رہے

---

(۱) بخاری: کتاب الایمان: باب ای الاسلام افضل (ح ۱۱)، مسلم: کتاب الایمان: باب بیان تفاضل الاسلام وای امورہ اُفضل (ح ۴۲)

(۲) مسند احمد (۶/ ۴۶۱)

(۳) بخاری: کتاب الادب: باب ما یکرہ من النمیمة (ح ۶۰۵۶)، مسلم: کتاب الایمان: باب بیان غلظ تحریم النمیمة (۱۰۵)

(بلکہ) ان میں سے ایک تو چغل خوری کرتا تھا اور دوسرا پیشاب کرتے وقت اس کی چھینٹوں سے احتیاط نہیں برتتا تھا۔''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر آپ نے ایک تازہ ٹہنی (شاخ) منگوائی اور اس کے دو ٹکڑے کیے پھر دونوں کو ان قبروں پر الگ الگ گاڑ دیا اور فرمایا: ''شاید ان کے سوکھنے تک ان دونوں کے عذاب میں تخفیف کر دی جائے۔'' (یہ آپ کا معجزہ تھا ورنہ کسی درخت کی شاخ میں یہ خاصیت ہرگز نہیں کہ وہ قبر میں ہونے والے عذاب کو روک دے)[1]

گالی گلوچ اور بدزبانی سے اجتناب کرتی ہے:

جب ایک مسلمان عورت غیظ وغضب کے وقت اپنے آپ کو اس خصلت کا پابند بنالیتی ہے تو ظاہر ہے پھر اس کی زبان سے گالی گلوچ، بے ہودہ، ناپسندیدہ اور فحش کلمات کبھی نہیں نکلتے۔ کیونکہ اسے معلوم ہوتا ہے کہ گالی گلوچ، بدزبانی اور بدگوئی سے اس کا دین سخت منع کرتا ہے۔ اس لیے ایک مسلمان عورت کسی اور کی زبان سے ان چیزوں کو سننا بھی گوارا نہیں کرسکتی۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ))

''مومن کو گالی دینا فسق اور اس سے لڑائی جھگڑا کرنا کفر ہے۔''[2]

ایک حدیث میں ہے:

((اِنَّ اللّٰهَ لَايُحِبُّ كُلَّ فَاحِشٍ مُّتَفَحِّشٍ))

''اللہ تعالیٰ کسی بھی بدزبان اور بہ تکلف بدگوئی کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔''[3]

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی يُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِيْءَ))

---

(۱) بخاری: کتاب الوضوء: باب من الکبائر ان لا یستتر من بوله (ح ۲۱۶)، مسلم: کتاب الطهارة: باب الدلیل علی نجاسة البول ووجوب الاستبراء منه (ح ۲۹۲)

(۲) بخاری: کتاب الایمان: باب خوف المؤمن من ان یحبط عمله وهو لا یشعر (ح ۴۸)، مسلم: کتاب الایمان: باب قول النبی ﷺ سباب المسلم فسوق وقتاله کفر (ح ۶۴)

(۳) مسند احمد (ج ۵ ص ۲۰۲)، ابوداؤد: کتاب الادب: باب فی التجاوز فی الامر (ح ۴۷۹۲)

''اللہ تعالیٰ فحش بکنے والے اور بدزبانی کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔''[1] ایک اور حدیث میں ہے:

((لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا اللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِيءِ))

''مومن طعن کرنے والا، لعنت کرنے والا، فحش بکنے والا اور بدزبانی کرنے والا نہیں ہوتا۔''[2]

یہ بری صفات ہیں اور کسی مسلمان خاتون کے یہ شایانِ شان نہیں کہ وہ ان مذموم صفات کو اختیار کرے بلکہ وہ ان سے ہمیشہ دور رہتی ہے، اس کے دل میں اس وقت ان صفات سے مزید دوری اور نفرت پیدا ہوتی ہے جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو بہترین نمونہ سمجھ کر مطالعہ کرتی ہے اور اسے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے پوری زندگی کبھی اپنی زبان سے ایک لفظ بھی ایسا نہیں نکالا جس سے سننے والے کو ناگواری ہو، اس کے احساسات مجروح ہوں، یا اس کی عزت وکرامت پر حرف آئے، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَاحِشًا، وَلَا لَعَّانًا، وَلَا سَبَّابًا، كَانَ يَقُوْلُ عِنْدَ الْمَعْتَبَةِ : مَالَهُ ؟ تَرِبَ جَبِيْنُهُ))

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ فحش کلامی کرتے تھے نہ لعن طعن کرتے تھے اور نہ گالی دیتے تھے۔ اگر کسی کو سرزنش کرنا ہوتی تو فرماتے اسے کیا ہو گیا ہے؟ اس کی پیشانی خاک آلود ہو!''[3]

یہ ہی نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کافروں پر لعنت بھیجنے سے بھی عموماً اجتناب فرماتے۔ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسولؐ! مشرکوں پر بددعا کیجیے'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنِّيْ لَمْ اُبْعَثْ لَعَّانًا وَلٰكِنْ بُعِثْتُ رَحْمَةً))

''میں لعنت کرنے کے لیے نہیں بھیجا گیا ہوں بلکہ میں تو رحمت بنا کر مبعوث ہوا ہوں۔''[4]

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

''ایک شخص نے شراب پی، اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حکم دیا: ''اسے سزا دو۔'' چنانچہ ہم میں سے کوئی ہاتھ سے، کوئی جوتے سے، کوئی کپڑے سے، اسے مارنے لگا، پھر جب وہ واپس ہوا تو کسی نے کہا: اللہ تجھے رسوا کرے۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) ترمذی: کتاب البر والصلۃ: باب ما جاء فی حسن الخلق (ح ۲۰۰۲ نحو المعنی)

(۲) ترمذی کتاب البر والصلۃ: باب ما جاء فی اللعنۃ (ح ۱۹۷۷)

(۳) بخاری: کتاب الادب ما ینھی من السباب واللعن (ح ۶۰۴۶)

(۴) مسلم: کتاب البر والصلۃ: باب النھی عن لعن الدواب وغیرھا۔ (ح ۲۵۹۹)

((لَاتَقُوْلُوْاهٰذَا لَاتُعِيْنُوْا عَلَيْهِ الشَّيْطَانَ))

''اس طرح کی بات کہہ کر اس کے (اور اپنے) خلاف شیطان کی مدد نہ کرو۔''[۱]

غور کرنے کا مقام ہے کہ رسول اللہ ﷺ کتنے رحیم وشفیق تھے، چنانچہ آپ ﷺ نے لوگوں کی عزت و آبرو پر زبان کھولنے والے شخص کے بھیانک انجام کی تصویر کشی کر کے لوگوں کے دلوں سے شر، برائی اور حقد وکینہ کی جڑوں کو اکھاڑ پھینکا۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دریافت فرمایا:

''تمہیں معلوم ہے مفلس کون ہے؟'' صحابہؓ نے عرض کیا: ''ہم تو مفلس اس کو سمجھتے ہیں جس کے پاس روپیہ پیسہ اور مال ومتاع نہ ہو۔'' تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ اُمَّتِيْ مَنْ يَأْتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلَاةٍ وَّصِيَامٍ وَّزَكَاةٍ يَأْتِيْ وَقَدْ شَتَمَ هٰذَا وَقَذَفَ هٰذَا، وَاَكَلَ مَالَ هٰذَا وَسَفَكَ دَمَ هٰذَا وَضَرَبَ هٰذَا فَيُعْطٰى هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ، وَهٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ، فَاِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهُ قَبْلَ اَنْ يُقْضٰى مَا عَلَيْهِ اُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ))

''میری امت میں مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ اور زکوۃ کے ساتھ آئے گا۔ مگر اس نے کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر بہتان لگایا ہوگا، کسی کا مال ہڑپ کیا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا، کسی کو مارا ہوگا۔ چنانچہ اس نے جن جن لوگوں کی حق تلفی کی ہوگی انہیں اس کی نیکیاں دے دی جائیں گی پھر ان لوگوں کے گناہ لے کر اس پر لاد دیئے جائیں گے اور اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔''[۲]

اس لیے کوئی تعجب کی بات نہیں کہ سچی خواتینِ اسلام کی زندگیاں ان بے بنیاد اور سطحی چیزوں سے خالی ہوتی ہیں اور حقیقی اسلامی معاشرہ میں جہاں اعلیٰ اقدار کی حکمرانی رہتی ہے اور لوگوں کی زندگی پر بلند اخلاقی تعلیمات چھائی رہتی ہیں، وہاں گالی گلوچ تک پہنچا دینے والے جھگڑے شاذ ونادر ہوتے ہیں۔ ایک حقیقی اسلامی معاشرہ میں ایک خاتونِ مسلم اپنے دل کی گہرائیوں سے یہ محسوس کرتی ہے کہ وہ اپنے منہ سے جو لفظ بھی نکالتی ہے اس کا حساب لیا جائے گا اور اگر زندگی کی سختیوں اور تکالیف کی بنا پر اس نے لڑائی جھگڑے کیے تو اس پر بھی اس کی گرفت ہوگی۔ چنانچہ وہ اپنی ناراضگی کو قابو میں رکھتی اور اپنے اعصاب پر کنٹرول رکھتی ہے

(۱) بخاری: کتاب الحدود: باب ما یکرہ من لعن شارب الخمر (ح ۶۷۸۰)

(۲) مسلم: کتاب البر والصلة: باب تحریم الظلم (ح ۲۵۸۱)

اور اسے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہمیشہ یاد رہتا ہے:

((اَلْمُتَسَابَّانِ مَاقَالَافَعَلَى الْبَادِئ مِنْهُمَا حَتّٰى يَعْتَدِىَ الْمَظْلُوْمُ))

''دو شخص آپس میں ایک دوسرے کو گالی دیتے ہیں تو دونوں کا گناہ ابتداء کرنے والے پر ہے یہاں تک کہ مظلوم زیادتی کرنے لگے (یعنی بدلہ کی حد سے تجاوز کر جائے)۔''(۱)

خاتونِ اسلام اپنی اسلامی اخلاقی قدروں کا معیار فوت شدگان کے بارے میں بھی قائم رکھتی ہے چنانچہ وہ ان کو برا بھلا نہیں کہتی جیسا کہ جاہل، نادان اور بے وقوف لوگ کرتے ہیں کہ وہ زندہ لوگوں کو گالی گلوچ بکنے پر اکتفا نہیں کرتے ہیں بلکہ اس سے آگے بڑھ کر مُردوں کو بھی برا بھلا کہنے لگتے ہیں جبکہ ایک دیندار خاتون نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد پر عمل کرتی ہے:

((لَاتَسُبُّوا الْاَمْوَاتَ فَاِنَّهُمْ قَدْ اَفْضَوْا اِلٰى مَاقَدَّمُوْا))

''مُردوں کو برا بھلا نہ کہو کیوں کہ انہوں نے جو بھی اعمال کیے ہیں، ان کا بدلہ پالیا ہے۔''(۲)

کسی کا مذاق نہیں اڑاتی:

وہ مسلمان خاتون جس کے دل میں عاجزی وانکساری راسخ ہو جاتی ہے، وہ لوگوں کو حقیر سمجھنے، ان کا تمسخر کرنے اور مذاق اڑانے سے گریز کرتی ہے، اس لیے کہ قرآنی تعلیمات نے عاجزی وانکساری اور تواضع وفروتنی کی محبت راسخ کرنے اور تکبر و گھمنڈ سے دور رہنے کا حکم دینے کے ساتھ ساتھ لوگوں کا مذاق اڑانے اور انہیں حقیر سمجھنے سے بھی منع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَايَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَانِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَاتَلْمِزُوْا اَنْفُسَكُمْ وَلَاتَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ [الحجرات:۱۱]

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں، ہوسکتا ہے کہ (جن کا مذاق اڑایا جا رہا ہے) وہ ان (مذاق اڑانے والوں) سے بہتر ہوں اور نہ ہی عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ آپس میں ایک دوسرے پر لعن وطعن نہ کرو اور نہ ایک

(۱) مسلم: کتاب البر والصلة: باب النهي عن السباب(ح۲۵۸۷)

(۲) بخاری: کتاب الجنائز: باب ما ينهى من سب الاموات(ح۱۳۹۳)

دوسرے کو برے القاب سے یاد کرو۔ایمان لانے کے بعد فسق میں نام پیدا کرنا بہت بری بات ہے جولوگ اس روش سے باز نہ آئیں، وہ ظالم ہیں۔"

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((بحسب امری ء من الشر ان یحقر اخاه المسلم))

"آدمی کے لیے اتنی ہی برائی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔"(۱)

کسی پر ناحق فسق یا کفر کی تہمت نہیں لگاتی:

ایک سچی خاتون اسلام اپنے آپ کو ہر طرح کے جھوٹ سے مبرا رکھتی ہے، اس لیے وہ کسی پر ناحق فسق اور کفر کی تہمت نہیں لگاتی۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کو جو بے قصور اور بے گناہ پر تہمت لگائے، یہ وعید سنائی ہے کہ وہ تہمت خود اس پر لوٹ آئے گی اور اس کا گناہ اس کے سر ہوگا، ارشاد فرمایا:

((لَا یَرْمِیْ رَجُلٌ رَجُلًا بِالْفِسْقِ اَوِالْکُفْرِ اِلَّا ارْتَدَّتْ عَلَیْهِ اِنْ لَمْ یَکُنْ صَاحِبُهٗ کَذَالِكَ))

"کوئی کسی کو فسق یا کفر کی تہمت نہ لگائے اس لیے کہ جس شخص کو تہمت لگائی ہے، اگر وہ ایسا نہیں تو یہ بات تہمت لگانے والے ہی پر پلٹ آئے گی۔"(۲)

لوگوں کے ساتھ نرمی سے پیش آتی ہے:

ایک حقیقی مسلمان عورت دوسروں کے ساتھ ہمیشہ نرمی، لطف و ہمدردی، سنجیدگی اور وقار کے ساتھ پیش آتی ہے مگر اس کا یہ سلوک بے محل اور بے موقع نہیں ہوتا بلکہ وہ موقع و محل کی رعایت کرتے ہوئے ایسا کرتی ہے۔ نرمی اور ہمدردی پسندیدہ خصلتیں ہیں جنہیں اللہ اپنے مومن بندوں میں دیکھنا چاہتا ہے۔ اس لیے کہ یہ خصلتیں انسان میں خوش اخلاقی، نرم مزاجی اور حسنِ معاشرت پیدا کرتی ہیں، فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ وَمَا یُلَقّٰهَا اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَمَا یُلَقّٰهَا اِلَّا ذُوْحَظٍّ عَظِیْمٍ ﴾[حم سجده: ۳۴،۳۵]

"نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں، تم بدی کو اس نیکی سے دفع کرو جو بہترین ہو، تم دیکھو گے کہ (اس طرح

(۱) مسلم: کتاب البر والصلة: باب تحریم ظلم المسلم وخذله واحتقاره (ح ۲۵۶۴)

(۲) بخاری: کتاب الادب: باب ما ینهی من السباب واللعن (ح ۶۰۴۵)

کرنے سے) تمہارے ساتھ جس کی عداوت پڑی ہوئی ہے، وہ بھی (تمہارا) جگری دوست بن جائے گا۔ یہ صفت نصیب نہیں ہوتی مگران لوگوں کو جو صبر کرتے ہیں اور یہ مقام حاصل نہیں ہوتا مگران لوگوں کو جو بڑے نصیب والے ہیں۔''

بہت سی احادیث ایسی ہیں جو نرمی کو پسندیدہ قرار دیتی ہیں، اسے اختیار کرنے پر اُکساتی ہیں اور اسے ایک ایسی عظیم خصلت گردانتی ہیں جسے مسلمانوں کے معاشرہ پر چھا جانا چاہیے اور اس معاشرہ میں رہنے والے، احکامِ دین سے واقفیت رکھنے والے اور اس کی روشن تعلیمات سے رہنمائی حاصل کرنے والے ہر مسلمان کو اس سے متصف رہنا چاہیے۔ ایک مسلمان کے لیے تو یہی جاننا کافی ہے کہ نرمی اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کے بندے تمام کاموں میں نرمی اختیار کریں:

((إِنَّ اللّٰهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْأَمْرِ كُلِّهِ))

''بے شک اللہ نرم ہے اور تمام معاملات میں نرمی چاہتا ہے۔''(۱)

یہ ایسی عظیم خصلت ہے جس پر اللہ تعالیٰ اتنا ثواب دیتا ہے جتنا کسی دوسری خصلت اختیار کرنے پر نہیں دیتا، جیسا کہ آنحضرتﷺ کا ارشاد ہے:

((إِنَّ اللّٰهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ وَيُعْطِي عَلَى الرِّفْقِ مَا لَا يُعْطِي عَلَى الْعُنْفِ وَمَا لَا يُعْطِي عَلَى مَا سِوَاهُ))

''بے شک اللہ نرم ہے اور نرمی کو پسند کرتا ہے، اور نرمی کرنے پر وہ اتنا کچھ دیتا ہے کہ جتنا سختی یا کسی اور کام پر نہیں دیتا۔''(۲)

نبی اکرم ﷺ نے 'نرمی' کی بہت زیادہ تعریف فرمائی ہے، اسے ہر چیز کی زینت قرار دیا ہے، فرمایا:

((إِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُونُ فِي شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ وَلَا يُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ))

''بے شک نرمی جس چیز میں ہوتی ہے، اسے زینت بخشتی ہے اور جس چیز سے نکل جاتی ہے اس کو برا کر دیتی ہے۔''(۳)

(۱) بخاری: كتاب استتابة المرتدين: باب اذا عرض الذمي او غيره بسب النبي ﷺ (ح ٦٩٢٧)، مسلم: كتاب السلام: باب النهي عن ابتداء اهل الكتاب بالسلام (ح ٢١٦٥)

(۲) مسلم: كتاب البر والصلة: باب فضل الرفق (ح ٢٥٩٣)

(۳) مسلم: ایضاً (ح ٢٥٩٤)

رسول کریم ﷺ مسلمانوں کو لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں نرمی کی تعلیم دیتے تھے اور ایسا مثالی رویہ اختیار کرنے کی تلقین فرماتے تھے جو اللہ کے دین کی طرف دعوت دینے والی ایک خاتونِ اسلام کے شایانِ شان ہو۔ خواہ صورتِ حال کتنی ہی بغض ونفرت کو بھڑکانے والی اور غیظ وغضب پر اُکسانے والی ہی کیوں نہ ہو۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی شخص نے مسجد میں پیشاب کر دیا، لوگ دوڑے کہ اسے ماریں لیکن نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((دَعُوْهُ وَاَرِيْقُوْا عَلٰى بَوْلِهٖ سَجْلًا مِنْ مَاءٍ اَوْذَنُوْبًا مِنْ مَاءٍ فَاِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِيْنَ وَلَمْ تُبْعَثُوْا مُعَسِّرِيْنَ))

''اسے چھوڑ دو اور اس کے پیشاب پر ایک پانی ڈول کا بہادو۔ تم لوگ آسانی کے لیے بھیجے گئے ہو، لوگوں پر سختی کرنے کے لیے نہیں بھیجے گئے۔''(۱)

یہ حقیقت ہے کہ صرف نرمی، آسانی، مہربانی اور فراخدلی ہی سے دلوں کے بند دروازے کھولے جاسکتے ہیں اور لوگوں کو حق کی طرف بلایا جاسکتا ہے نہ کہ تشدد، سختی، شدت، مواخذہ وباز پرس اور زجر وتوبیخ سے۔ اسی لیے اس سلسلہ میں رسول کریم ﷺ کی تعلیم یہ ہے:

((يَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا وَبَشِّرُوْ وَلَاتُنَفِّرُوْا))

''آسانی پیدا کرو اور سختی نہ کرو، خوش خبری دو اور نفرت نہ دلاؤ۔''(۲)

کیوں کہ لوگ فطری طور پر درشتی، سختی اور تشدد کو ناپسند کرتے ہیں اور نرمی، خوش خلقی، آسانی اور محبت و شفقت کو پسند کرتے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے ارشاد فرمایا:

﴿ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ﴾[آل عمران:۱۵۹]

''اگر تم تند خو اور سنگ دل ہوتے تو یہ سب تمہارے گرد وپیش سے دور ہو جاتے۔''

یہ ہر اس شخص کے لیے ایک بنیادی اصول ہے جو لوگوں کو ہدایت کی طرف دعوت دینا چاہتا ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ خوش اُسلوبی، نرمی، دانائی اور شفقت کا راستہ اختیار کر کے لوگوں کے دلوں میں جگہ

(۱) بخاری: کتاب الوضوء: باب صب الماء علی البول فی المسجد(ح ۲۲۰)

(۲) بخاری: کتاب الادب: باب قول النبی: یسروا ولاتعسروا(ح ۶۱۲۴، ۶۱۲۵)، مسلم: کتاب الجهاد: باب فی الامر بالتیسیر وترک التنفیر(ح ۱۷۳۳، ۱۷۳۴)

حاصل کرے۔خواہ مخاطب کتنا ہی سرکش ، باغی اور ظالم کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارونؑ کو فرعون کی طرف بھیجتے وقت اسی چیز کی ہدایت فرمائی تھی کہ:

﴿ اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْيَخْشٰى ﴾[طه:٤٣]

''تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ کہ وہ سرکش ہوگیا ہے اور اس سے نرمی کے ساتھ بات کرو شاید کہ وہ نصیحت حاصل کرے یا ڈر جائے۔''

اس لیے اس بات میں کوئی تعجب نہیں ہونا چاہیے کہ ہمارے دین میں نرمی کو سراسر خیر قرار دیا گیا ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہاں تک فرمایا:

((مَنْ يُحْرَمِ الرِّفْقَ يُحْرَمِ الْخَيْرَ كُلَّهُ))

''جو شخص نرمی سے محروم ہوگیا، وہ خیر سے یکسر محروم ہوگیا۔''[۱]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا:

((يَاعَائِشَةُ ارْفِقِيْ فَاِنَّ اللّٰهَ اِذَا اَرَادَ بِاَهْلِ بَيْتٍ خَيْرًا دَلَّهُمْ عَلَى الرِّفْقِ))

''اے عائشہ! نرمی اختیار کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ جب کسی گھر والوں کے ساتھ خیر کا معاملہ کرنا چاہتا ہے تو انہیں نرمی کی طرف ہدایت کرتا ہے۔''[۲] ایک روایت میں ہے کہ:

((اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِاَهْلِ بَيْتٍ خَيْرًا اَدْخَلَ عَلَيْهِمُ الرِّفْقَ))

''جب اللہ تعالیٰ کسی گھر والوں کے ساتھ خیر کا معاملہ کرنا چاہتا ہے تو ان میں نرمی پیدا کر دیتا ہے۔''[۳]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اِذَا أَرَادَاللّٰهُ بِقَوْمٍ خَيْرًا أُدْخَلَ عَلَيْهِمُ الرِّفْقَ))

''جب اللہ کسی قوم کے ساتھ خیر کا معاملہ کرنا چاہتا ہے تو ان میں نرمی پیدا دیتا ہے۔''[۴]

ایک حدیث میں ہے:

---

(۱) مسلم: كتاب البر والصلة: باب فضل الرفق (ح۲۵۹۳)

(۲) مسند احمد (ج۶ ص۱۰۴–۱۰۵)

(۳) مسند احمد (ج۶ ص۷۱)

(۴) مسند بزار (ج۲ ص۳۰۴، ح۱۹۶۵)

((اَلَاأُخْبِرُكُمْ بِمَنْ يُحْرَمُ عَلَى النَّارِ اَوْبِمَنْ تَحْرُمُ عَلَيْهِ النَّارُ؟ تَحْرُمُ عَلٰى كُلِّ قَرِيْبٍ هَيِّنٍ لَيِّنٍ سَهْلٍ))

''کیا میں تمہیں اس شخص کے بارے میں نہ بتاؤں جس پر جہنم حرام کردی جائے گی؟ (پھر آپؐ نے فرمایا:) جہنم ہراس شخص پر حرام کردی جائے گی جو نرمی، آسانی اور سہولت کا رویہ اختیار کرتا ہے۔''[1]

لوگوں میں نرمی کی صفت پیدا کرنے کے لیے اللہ کے رسولؐ نے یہاں تک فرمادیا کہ ذبح کیے جانے والے جانور کے ساتھ بھی نرمی کرو، حدیث نبویؐ ہے:

((اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الْاِحْسَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ فَاِذَا قَتَلْتُمْ فَاَحْسِنُوْا الْقِتْلَةَ وَاِذَا ذَبَحْتُمْ فَاَحْسِنُوا الذِّبْحَةَ وَلْيُحِدَّ اَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ وَلْيُرِحْ ذَبِيْحَتَهُ))

''اللہ تعالیٰ نے ہر کام بہتر طریقے پر انجام دینے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ جب تم قتل کرو تو بھلائی سے کرو اور جب جانور کو ذبح کرو تو بھلائی کے ساتھ ذبح کرو۔ اپنی چھری کو تیز کرلو اور ذبیحہ کو آرام پہنچاؤ۔''[2]

جس شخص کے دل میں جانوروں کے ساتھ برتاؤ کرنے کے سلسلہ میں نرم روی جاگزیں ہوجائے، تو ظاہر ہے کہ اس کا معاملہ انسانوں کے ساتھ مزید نرمی وآسانی اور لطف وکرم کا ہوگا۔

رحم وکرم کا برتاؤ کرتی ہے:

احکامِ دین سے شعور وآگہی رکھنے اور اسلام کی روشن اور فراخ تعلیمات سے متاثر ہونے والی ایک مسلمان خاتون رحم دل ہوجاتی ہے، اس کے دل سے رحمت کے سوتے پھوٹتے ہیں، اس لیے کہ وہ جانتی ہے کہ زمین پر بندوں کے ساتھ مہربانی کا معاملہ کرنے سے آسمان سے رحمت نازل ہوتی ہے، حدیث نبویؐ ہے:

((اِرْحَمْ مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمْكَ مَنْ فِي السَّمَآءِ))

''تم اہل زمین پر مہربانی کرو۔ جو آسمان میں ہے وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) تم پر مہربانی کرے گا۔''[3]

ایک اور حدیث میں ہے:

((مَنْ لَمْ يَرْحَمِ النَّاسَ لَمْ يَرْحَمْهُ اللّٰهُ))

---

(۱) ترمذی: کتاب صفة القيامة: باب فضل كل قريب هين سهل (ح۲۴۸۸)

(۲) مسلم: كتاب الصيد والذبائح: باب الامر باحسان الذبح والقتل (ح۱۹۵۵)

(۳) ابوداؤد: كتاب الادب: باب فى الرحمة (ح۴۹۴۱) ترمذی: كتاب البر والصلة (ح۱۹۲۴)

''جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا، اللہ اس پر رحم نہیں کرتا۔''[۱] ایک حدیث میں ہے:

((اَلرَّحْمَةُ لَاتُنْزَعُ اِلَّامَنْ شَقِیٍّ))

''رحم اور مہربانی صرف بدبخت اور سنگ دل شخص کے دل سے نکالی جاتی ہے۔''[۲]

ایک سچی اور باشعور خاتونِ اسلام کے دل میں رحم کا دائرہ بہت وسیع ہوتا ہے وہ اپنے رحم و کرم اور مہربانی کو صرف اپنے اہل و عیال، رشتہ دار اور دوست احباب تک محدود نہیں رکھتی بلکہ اس کا دائرہ تمام انسانوں تک وسیع رہتا ہے، اس لیے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے ارشادات سنتی ہے جن میں تمام لوگوں کے ساتھ مہربانی کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اسے ایمان کے شرائط میں سے ایک شرط قرار دیا گیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَنْ تُؤْمِنُوْا حَتّٰی تَرَاحَمُوْا ، قَالُوْا: یَارَسُوْلَ اللّٰهِ كُلُّنَا رَحِیْمٌ قَالَ اِنَّهُ لَیْسَ بِرَحْمَةِ اَحَدِكُمْ صَاحِبَهُ وَلٰكِنَّهَا رَحْمَةُ النَّاسِ ، رَحْمَةُ الْعَامَّةِ))

''تم لوگ اس وقت تک ہرگز مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ باہم رحم دلی نہ کرنے لگو۔ صحابہؓ نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! ہم میں سے تو ہر شخص رحمدل ہے۔'' آپؐ نے فرمایا کہ رحم دلی یہ نہیں کہ آدمی صرف اپنے قریبی ساتھی کے ساتھ ہی مہربانی کا برتاؤ کرے بلکہ رحم دلی یہ ہے کہ تمام لوگوں کے ساتھ یہی برتاؤ کرے۔''[۳]

یہ ہے وہ رحم و کرم کی جامعیت و ہمہ گیریت اور تمام لوگوں کے ساتھ ہمدردی و مہربانی اور رحم و کرم جسے اسلام ایک مسلمان خاتون کے دل میں موجزن کرتا ہے تاکہ مسلمانوں کا معاشرہ ایک ایسا معاشرہ بن جائے جس میں سچی محبت، خالص خیر خواہی، اور گہری ہمدردی کی موجیں ٹھاٹھے مارتی ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحم و کرم کا بے مثل نمونہ تھے۔ آپ کی زندگی مہربانی و ہمدردی کی عملی تفسیر تھی یہاں تک کہ آپ نماز میں ہوتے اور کسی بچے کے رونے کی آواز سنائی۔ دیتی تو آپ کے دل میں بچے کی ماں سے (جو اس کے رونے سے پریشان ہوگی) ہمدردی و مہربانی کا جذبہ موجزن ہو جاتا اور آپ نماز مختصر کر دیتے جیسا کہ امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) بخاری: کتاب التوحید: باب قول اللہ تبارک وتعالیٰ: قل ادعوا اللہ أو ادعوا الرحمن (ح ۷۳۷۶)، مسلم: کتاب الفضائل: باب رحمته ﷺ الصبیان والعیال (ح ۲۳۱۹)

(۲) ابوداؤد: کتاب الادب: باب فی الرحمة (ح ۴۹۴۲)، ترمذی: کتاب البر والصلة (ح ۱۹۲۳)

(۳) مستدرک حاکم (ج ۴ ص ۱۶۷، ۱۶۸)

((اِنِّی لَاَدْخُلُ الصَّلَاۃَ وَاَنَا اُرِیْدُ اَنْ اُطِیْلَهَا فَاَسْمَعُ بُکَاءَ الصَّبِیِّ فَاَتَجَوَّزُ فِیْ صَلَاتِیْ مِمَّا اَعْلَمُ مِنْ شِدَّۃِ وَجْدِ اُمِّهٖ مِنْ بُکَائِهٖ))

''میں نماز شروع کرتا ہوں تو میری خواہش ہوتی ہے کہ اسے طول دوں مگر کسی بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو اپنی نماز کو مختصر کر دیتا ہوں، اس لیے کہ میں جانتا ہوں کہ اس کی ماں اس کے رونے کی وجہ سے پریشان ہو رہی ہوگی۔''[1]

ایک دیہاتی شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: کیا آپ لوگ اپنے بچوں کو چومتے بھی ہیں؟ ہم تو اپنے بچوں کو نہیں چومتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اَوَ اَمْلِكُ لَكَ اِنْ نَزَعَ اللّٰهُ مِنْ قَلْبِكَ الرَّحْمَةَ ؟))

''اگر اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل سے رحم نکال لیا ہے، تو پھر میں کیا کرسکتا ہوں؟!''[2]

ایک مجلس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ کو بوسہ دیا۔ وہاں اقرع بن حابس تمیمی رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے عرض کیا: ''میرے تو دس بچے ہیں مگر میں نے تو کبھی کسی کو بوسہ نہیں دیا۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا:

((مَنْ لَا یَرْحَمُ لَا یُرْحَمُ))

''جو شخص دوسرے پر رحم نہیں کرتا، اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا۔''[3]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو ایک علاقہ کے مسلمانوں کا گورنر بنانا چاہا مگر انہوں نے جب اسے اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ کی طرح یہ کہتے ہوئے سنا کہ وہ اپنے بچوں کو بوسہ نہیں دیتا تو اپنا ارادہ بدل دیا اور فرمایا:

((اِذَا کَانَتْ نَفْسُكَ لَا تَبَضُّ بِالرَّحْمَةِ لِاَوْلَادِكَ فَکَیْفَ تَکُوْنُ رَحِیْمًا بِالنَّاسِ؟ وَاللّٰهِ لَا اُوَلِّیْكَ اَبَدًا ثُمَّ مَزَّقَ الْکِتَابَ الَّذِیْ اَعَدَّهٗ لِتَوْلِیَتِهٖ))

''جب تمہارے دل میں اپنے بچوں کے لیے رحم و مہربانی نہیں تو پھر تم دوسرے لوگوں کے ساتھ رحم وکرم

---

(۱) بخاری: کتاب الاذان: باب من اخف الصلاۃ عند بکاء الصبی(ح۷۰۹)، مسلم: کتاب الصلاۃ: باب امر الائمۃ تخفیف الصلاۃ فی تمام(ح۴۷۰)

(۲) بخاری: کتاب الأدب: باب رحمۃ الولد وتقبیله ومعانقته(ح۵۹۹۸)،مسلم:کتاب الفضائل: باب رحمته صلی اللہ علیہ وسلم الصبیان والعیال(ح۲۳۱۷)

(۳) بخاری (ح۵۹۹۷)، مسلم (ح۲۳۱۸)

کا برتاؤ کیسے کرو گے؟ اللہ کی قسم! میں تمہیں کبھی گورنر نہیں بناؤں گا۔ پھر وہ حکم نامہ پھاڑ دیا جسے اس کی گورنری کے لیے تیار کیا تھا۔''(۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں مردوں اور مسلمان عورتوں کے دلوں میں رحم وکرم اور مہربانی کا دائرہ بہت وسیع کر دیا تھا یہاں تک کہ اس میں حیوانات بھی شامل کر دیے چہ جائیکہ انسان۔ چنانچہ امام بخاری وامام مسلم نے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ایک شخص کہیں جا رہا تھا۔ راستے میں اسے پیاس لگی۔ اس نے ایک کنواں دیکھا۔ اس میں اترا اور اپنی پیاس بجھائی۔ جب باہر نکلا تو دیکھا کہ ایک کتا کھڑا ہانپ رہا ہے اور پیاس کی شدت سے کیچڑ چاٹ رہا ہے۔ اس شخص نے کہا: ''لگتا ہے کہ اس کتے کو بھی ویسی ہی پیاس لگی ہے جیسی مجھے لگی تھی۔ پھر وہ کنوئیں میں اترا، اپنے موزہ میں پانی بھرا اور اسے منہ سے پکڑ کر باہر نکالا اور کتے کو پلایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے اس عمل پر اس کی مغفرت کر دی۔ صحابہ نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے لیے جانوروں کے ساتھ ہمدردی کرنے میں بھی اجر ہے؟ آپ نے فرمایا:

((فِی كُلِّ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ))

''ہر ذی روح کے ساتھ ہمدردی اور رحم پر تمہیں اجر ملے گا۔''(۲)

ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((عُذِّبَتِ امْرَأَةٌ فِي هِرَّةٍ حَبَسَتْهَا حَتّٰى مَاتَتْ جُوعًا فَدَخَلَتْ فِيهَا النَّارَ يُقَالُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ: لَا أَنْتِ أَطْعَمْتِهَا وَلَا سَقَيْتِهَا حِينَ حَبَسْتِهَا وَلَا أَنْتِ أَرْسَلْتِهَا فَأَكَلَتْ مِنْ خَشَاشِ الْأَرْضِ))

''ایک عورت کو بلی کے سبب عذاب دیا جائے گا جس نے اس کو قید کر دیا تھا یہاں تک کہ وہ بھوک سے مر گئی اس بنا پر اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا، اس سے کہا جائے گا...... اور اللہ بخوبی جانتا ہے...... تو نے جب اسے قید کیا تو نہ کچھ کھلایا نہ پلایا، اور نہ ہی اسے چھوڑ دیا کہ وہ زمین کے کیڑوں مکوڑوں سے اپنا پیٹ بھرتی۔''(۳)

(۱) الأدب المفرد (ح ۹۹) نحوه

(۲) بخاری: کتاب الأدب: باب رحمة الناس والبهائم (ح ۶۰۰۹)، مسلم: کتاب السلام: باب فضل من سقی البهائم المحترمة واطعامها (ح ۲۲۴۴)

(۳) بخاری: کتاب المساقاة: باب فضل سقی الماء (۲۳۶۵)، مسلم: کتاب السلام: باب تحریم قتل الهرة (۲۲۴۲)

رسول اللہ ﷺ رحم وکرم کے بلند تر مرتبے پر فائز تھے۔اس کا ثبوت ایک واقعہ سے ملتا ہے کہ آپ ایک مرتبہ سفر میں ایک جگہ اترے۔ایک پرندہ (سرخاب) آ کر آپ کے سر مبارک کے اوپر پھڑ پھڑانے لگا گویا وہ آپ کی پناہ میں آ کر شکوہ کر رہا تھا کہ ایک آدمی نے اس کے انڈے لے کر اس پر ظلم کیا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَيُّكُمْ فَجَعَ هٰذِهٖ بِبَيْضَتِهَا؟ فَقَالَ :رَجُلٌ :يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَا اَخَذْتُ بَيْضَتَهَافَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((اُرْدُدْهَا رَحْمَةً لَهَا))[1]

''کس نے اس کے انڈے لے کر اسے تکلیف پہنچائی ہے؟ ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے اس کے انڈے لیے ہیں۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس پر رحم کرو اور اس کے انڈے واپس رکھ دو۔''

احسان کا بدلہ دیتی اور اس پر شکر ادا کرتی ہے:

ایک مسلمان خاتون کے پسندیدہ اخلاق اور بلند اوصاف میں سے یہ بھی ہے کہ وہ احسان اور بھلائی کا بدلہ دیتی ہے۔وہ احسان ناشناسی نہیں کرتی بلکہ احسان مانتی ہے، ممنون اور شکر گزار ہوتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد پر عمل کرتی ہے:

((من صنع اليه معروف فليكافئه))

''جس کے ساتھ کوئی احسان اور بھلائی کی جائے اسے اس کا بدلہ دینا چاہیے۔''[2]

دوسری حدیث میں ہے:

((من استعاذ بالله فاعيذوه ومن اتى اليكم معروفا فكافئوه))

''جو اللہ کے نام پر پناہ مانگے اسے پناہ دو، اور جو تمہارے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرے، تو تم بھی اسے اس کا بدلہ دو۔''[3]

احسان کرنے والا شکر کا مستحق ہے خواہ اس کے ہاتھ پر مصالح ومنافع کا ظہور ہو یا نہ ہو، اس کے لیے یہی کافی ہے کہ اس نے احسان اور بھلائی کرنا چاہی اس لیے وہ دل کی گہرائیوں سے شکر کا مستحق ہے۔دراصل

---

(۱) الادب المفرد للبخاری (ح ۳۸۲)

(۲) ابوداؤد: کتاب الآدب: باب فی شکر المعروف (ح ۴۸۱۲)، ترمذی: کتاب البروالصلة: باب ما جاء فی المتشبع بما لم یعطه (ح ۲۰۳۴)

(۳) ابوداؤد: کتاب الآدب: باب فی الرجل یستعیذ من الرجل (ح ۵۱۰۹) نسائی: کتاب الزکاة (ح ۲۵۶۸)

اسلام مسلمانوں سے اسی چیز کا مطالبہ کرتا ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((لا یشکر اللہ من لا یشکر الناس))

''جو شخص لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا، وہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکر گزار نہیں ہوسکتا۔''[1]

دراصل احسان کرنے والے کا شکریہ ادا کرنے سے نیک کام کی اشاعت وترغیب اور نیکی کرنے والے کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ساتھ ہی بندہ انسانی نعمت کی حفاظت کرنے،حسنِ سلوک کی قدر کرنے اور احسان شناسی کا عادی ہوجاتا ہے۔اس طرح معاشرہ کے افراد میں الفت ومحبت کے رشتے مستحکم ہوتے ہیں اور ان کے دل نیک کام کرنے پر آمادہ اور چاق وچوبند رہتے ہیں۔اور اسلام ایک اسلامی معاشرہ میں اسی چیز کو راسخ کرنا چاہتا ہے۔

دوسروں کو نفع پہنچانے اور نقصان سے بچانے کی کوشش کرتی ہے:

اسلامی طرز ونہج پر پرورش پانے اور اسلام کے پاکیزہ سرچشمے سے سیرابی حاصل کرنے والی ایک مسلمان عورت کی شدید خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنی ذات سے دوسروں کو فائدہ پہنچائے اور ضرر پہنچانے والی چیزوں کو ان سے دور کرے۔اس لیے کہ اسلام کے بتائے ہوئے خیر وبھلائی کے اصولوں پر پروان چڑھنے اور نشوونما پانے کی وجہ سے وہ ایک مثبت،تعمیری اور نفع بخش عنصر کا کردار ادا کرتی ہے،اس لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ خیر کا کوئی موقع پائے اور اسے غنیمت نہ سمجھے کیونکہ وہ جانتی ہے کہ خیر کامیابی اور فلاح کی ضامن ہے:

﴿ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴾[الحج:۷۷]

''اور نیک کام کرو،اسی سے توقع کی جاسکتی ہے کہ تم کو فلاح نصیب ہو۔''

قرآن مجید کے اس حکم کے پیش نظر وہ نیک کاموں کی طرف سبقت کرتی ہے اور اسے پورا یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نیک کام کے لیے اٹھائے جانے والے ہر قدم پر ثواب عطا فرمائے گا کیونکہ حدیث نبویؐ ہے:

۱)......((كُلُّ مَعْرُوفٍ صَدَقَةٌ)) ''ہر نیکی کا کام صدقہ (باعث اجر) ہے۔''[2]

۲)......دو آدمیوں کے درمیان انصاف کے ساتھ صلح کرادینا صدقہ (باعثِ ثواب) ہے۔

---

(۱) ابوداؤد: کتاب الادب: باب فی شکر المعروف (ح۴۸۱۱)، ترمذی:کتاب البر والصلۃ:باب ما جاء فی الشکر لمن احسن الیک (ح۱۹۵۴، ۱۹۵۵)

(۲) بخاری: کتاب الادب: باب کل معروف صدقۃ (ح۶۰۲۱)

۳)......کسی آدمی کو اس کی سواری پر بٹھانے یا سواری پر سامان لادنے میں مدد دینا صدقہ (باعثِ اجر) ہے

۴)......اچھی بات کہنا صدقہ ہے۔

۵)......نماز کے لیے (مسجد کی طرف) اٹھنے والے ہر قدم پر صدقہ (اجر) ہے۔

۶)......راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹا دینا صدقہ (باعثِ ثواب) ہے۔[1]

۷)......((اَلْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ)) ''اچھی بات کہنا صدقہ (باعثِ ثواب) ہے۔''[2]

یہی نہیں بلکہ اللہ کی رحمت اس شخص کو بھی ڈھانپ لیتی ہے جو اس کی طرف یکسو ہو جائے اور اس کے لیے اپنی نیت خالص کر لے۔ لہٰذا جو شخص نیک کام کرے، اسے بھی ثواب ملتا ہے اور جو شخص نیک کام نہ کرے مگر برائی سے باز رہے تو اسے بھی ثواب ملتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ہر مسلمان پر صدقہ واجب ہے۔'' عرض کیا گیا: ''اس کے پاس صدقہ کرنے کو کچھ نہ ہو تو کیا کرے؟

فرمایا: ''اپنے ہاتھوں سے کام کرے، خود کو بھی فائدہ پہنچائے اور صدقہ بھی کرے۔''

عرض کیا گیا: ''اگر ایسا نہ کر سکے۔'' تو آپؐ نے فرمایا: 'محتاج اور مصیبت زدہ کی مدد کرے۔''

عرض کیا گیا: اگر ایسا بھی نہ کر سکے۔'' تو آپؐ نے فرمایا: ''نیکی کا حکم دے۔''

عرض کیا گیا: ''اگر ایسا بھی نہ کر سکے۔'' تو آپؐ نے فرمایا: ''برائی سے باز رہے، یہ بھی صدقہ ہے۔''

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث کا آغاز اس بات سے کیا: ((عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ صَدَقَةٌ)) ''ہر مسلمان پر صدقہ واجب ہے۔'' پھر نیکی، بھلائی اور اچھائی کے مختلف طریقوں کا شمار کیا ہے جن کے ذریعے مسلمان ان صدقات کا اجر حاصل کر سکتا ہے۔ مسلمان پر صدقہ لازم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ معاشرہ میں تعمیری اور بہتری کے کام انجام دے۔ اگر ایسا کرنے سے عاجز ہو یا کسی سبب سے نہ کر سکے تو کم از کم اپنی زبان اور اعضاء و جوارح کو شر سے باز رکھے کہ اس میں بھی صدقہ ہے۔ مسلمان کی ایجابیات وسلبیاب دونوں سے اس حق کی خدمت ہوتی ہے جو مسلمانوں کے معاشرہ پر چھایا ہوا ہے۔ حتیٰ کہ آپؐ نے فرمایا:

---

(۱) بخاری: كتاب الجهاد: باب من اخذ بركاب ونحوه (ح۲۹۸۹)، مسلم: كتاب الزكاة: باب بيان ان اسم الصدقة يقع على كل نوع من المعروف (ح۱۰۰۹)

(۲) بخاری: كتاب الجهاد: باب من اخذ بركاب ونحوه (ح۲۹۸۹)، مسلم: كتاب الزكاة: باب بيان ان اسم الصدقة يقع على كل نوع من المعروف (ح۱۰۰۹)

((من سلم المسلمون من لسانه ویده))

''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ کے شر سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔''(۱)

یہی نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ نے اسلامی معاشرہ میں سب سے بہتر مسلمان اس شخص کو قرار دیا ہے جس سے لوگ خیر کی امید کریں اور شر سے محفوظ رہیں۔ امام احمدؒ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ ایک جگہ کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ ان کے پاس کھڑے ہوئے اور فرمایا:

''کیا میں تمہیں بتاؤں کہ تم میں اچھے لوگ کون ہیں؟ اور برے لوگ کون؟

لوگ خاموش رہے آپ ﷺ نے تین مرتبہ یہی فرمایا، تو ایک شخص نے عرض کیا: ''کیوں نہیں! اے اللہ کے رسول ﷺ بتلایئے۔'' تو آپؐ نے فرمایا:

((خیر کم من یرجی خیره ویومن شره وشر کم من لا یرجی خیره ولا یومن شره))

''تم میں بہتر وہ لوگ ہیں جن سے لوگ خیر کی امید رکھیں اور ان کے شر سے محفوظ رہیں اور تم میں برے لوگ وہ ہیں جن سے لوگ خیر کی امید تو نہ رکھیں مگر ان کے شر سے بھی محفوظ نہ ہوں۔''(۲)

ایک مسلمان عورت اپنے معاشرے کو صرف خیر پہنچاتی ہے اور اگر ایسا نہ کر سکے تو کم از کم شر پہنچانے سے باز رہتی ہے۔ سچی مسلمان وہ ہے جو ہمیشہ اچھے کام انجام دے اور برے کاموں سے باز رہے۔ ایک خاتونِ اسلام اپنا یہ فرض سمجھتی ہے کہ وہ دیگر مسلمانوں کی فلاح و بہبود کی ہر وقت فکر کرے۔ ان کی فلاح و بہبود اور ان کے معاملات سے دلچسپی لینے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو فائدہ پہنچانے اور ان سے تکلیف کو دفع کرنے کی کوشش کرے۔ ایک حدیث میں ہے:

((لایزال الله فی حاجة العبد مادام العبد فی حاجة اخیه))(۳)

''اللہ تعالیٰ بندے کی حاجت اس وقت تک پوری کرتا رہتا ہے جب تک کہ وہ اپنے بھائی کی حاجت پوری کرتا رہے۔'' نیز آپؐ نے فرمایا:

((المسلم اخوالمسلم لایظلمه ولایسلمه من کان فی حاجة اخیه کان الله فی حاجته

(۱) بخاری: کتاب الایمان: باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده (ح۱۰) مسلم: کتاب الایمان: باب تفاضل الاسلام (ح۴۰، ۴۱)

(۲) مسند احمد (۲/ ۳۷۸)، ترمذی: کتاب الفتن: باب حدیث خیرکم من یرجی خیره (ح۲۲۶۳)

(۳) شعب الایمان للبیهقی (ح۷۶۱۵)

ومن فرج عن مسلم فرج الله عنه كربة من كرب يوم القيامة ومن ستر مسلما ستره الله يوم القيامة))(۱)

''مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرے، نہ اسے بے یار و مددگار چھوڑ دے۔ جو شخص اپنے بھائی کی حاجت روائی کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی ضرورتیں پوری کرے گا اور جو کسی مسلمان کی کوئی تکلیف دور کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی تکلیفوں میں سے ایک تکلیف کو دور فرمائے گا اور جو کسی مسلمان کی ستر پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی ستر پوشی کرے گا۔'' مزید آپؐ نے فرمایا:

((من نفس عن مومن كربة من كرب الدنيانفس الله عنه كربة من كرب يوم القيامة ومن يسر على معسر يسر الله عليه فى الدنيا والاخرة))

''جو شخص کسی مومن کی دنیاوی مصیبتوں میں سے ایک مصیبت کو دور کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی قیامت کی مصیبتوں میں سے ایک مصیبت دور فرمائے گا اور جو شخص کسی تنگ دست کی مشکل آسان کرے گا اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت دونوں میں اس کی مشکل آسان فرمائے گا۔''(۲)

اس طرح اسلام اس بات سے بھی خبردار کرتا ہے کہ اگر کوئی شخص لوگوں کی خدمت پر قدرت رکھنے کے باوجود اعراض کرے اور اپنا دل تنگ کرلے تو اس کو حاصل ہونے والی نعمتیں زائل ہو جائیں گی جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مامن عبد انعم الله عليه نعمة فاسبغها عليه ثم جعل من حوائج الناس اليه فتبرم فقد عرض تلك النعمة للزوال))

''اگر کوئی بندہ جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کی بارش کی، لوگوں کی ضروریات پوری کرنے پر قادر ہو، مگر اس کے باوجود اپنا دل تنگ کرے اور اس سے بے توجہی برتے تو گویا اس نے ان نعمتوں کو زوال کا شکار بنا دیا۔''(۳)

(۱) بخاری: كتاب المظالم. باب لا يظلم المسلم المسلم ولا يسلمه(ح ۲۴۴۲)، مسلم: كتاب البر والصلة: باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن(ح ۲۶۹۹)

(۲) مسلم: كتاب الذكر والدعاء: باب فضل الاجتماع على تلاوة القران(ح ۲۶۹۹)

(۳) المعجم الاوسط للطبراني (ج۸ ص ۲۶۱ ح ۷۵۲۵)،مجمع الزوائد للهيثمي (ج۸ ص ۱۹۲)

ایک آدمی جنت میں عیش و آرام سے گھومے پھرے گا اس لیے کہ اس نے مسلمانوں کے راستے سے ایک ایسے درخت کا کاٹ دیا تھا جس سے انہیں آنے جانے میں تکلیف پہنچتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی تصویر کشی یوں کی ہے:

((لقد رایت رجلا یتقلب فی الجنة فی شجرة قطعها من ظهر الطریق کانت توذی المسلمین))

''میں نے ایک آدمی کو جنت میں گھومتے پھرتے دیکھا ہے یہ مرتبہ اسے اس وجہ سے حاصل ہوا کیوں کہ اس نے راستے سے ایک ایسے درخت کو کاٹ دیا تھا جس سے مسلمانوں کو تکلیف پہنچتی تھی۔''[1]

مسلمانوں سے تکلیف دہ چیزوں کو دور کرنے کے سلسلہ میں حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: ''اے اللہ کے نبی! مجھے کوئی ایسی چیز سکھا دیجئے جس سے مجھے فائدہ پہنچے۔'' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اعزل الاذی عن طریق المسلمین))

''مسلمانوں کے راستے سے تکلیف دہ چیز کو دور کر دیا کرو۔''[2]

اگر ان باتوں پر عمل کیا جائے تو پھر بتایئے کہ آخر کون سا مہذب اور ترقی یافتہ معاشرہ ایسا ہے جو اسلامی معاشرہ کی ہمسری کر سکتا ہو؟ کہ جس نے اپنے ہر فرد کے شعور میں یہ بات راسخ کر دی ہے کہ لوگوں کے راستے سے تکلیف دہ چیزوں کا ہٹانا ان نیک اعمال میں سے ہے جن سے اللہ کا تقرب حاصل ہوتا ہے اور جنت میں داخلہ نصیب ہوتا ہے۔ مسلمانوں کا معاشرہ جس کے افراد کے نفوس میں یہ اعلیٰ تربیتی ہدایات ہر وقت موجزن رہتی ہیں بلاشک وشبہ دنیا کے تمام معاشروں میں ایک ممتاز مقام کا حامل ہے۔ اس معاشرہ میں زندگی گزارنے والی ایک خاتونِ اسلام تصور بھی نہیں کر سکتی کہ لوگوں کے راستے میں ایسی چیزیں ڈال دے جس سے انہیں اذیت پہنچے۔

کتنا نمایاں اور عظیم فرق ہے ان دو معاشروں کے درمیان جن میں سے ایک اس دین کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو اور اس کے فرد اللہ کے حکم کی اطاعت میں اور اس سے ثواب کی امید رکھتے ہوئے راستے سے تکلیف دہ چیزوں کو ہٹانے میں سبقت کریں اور دوسرا الٰہی تعلیمات کے مقابلہ میں سرکشی کی روش اختیار کرے اور

(۱) مسلم: کتاب البر والصلة: باب فضل ازالة الاذی عن الطریق (ح ۱۲۹، ۱۹۱۴)

(۲) مسلم (ح ۲۶۱۸)

اس کے افراد کو کوئی پروانہ ہو کہ وہ اپنے گھر کی بالکنیوں، کھڑکیوں اور چھتوں سے جو کوڑا کرکٹ اور گندگی پھینکتے ہیں، وہ کس پر جا گرتی ہے؟!

سخی اور فیاض ہوتی ہے:

ایک حقیقی مسلمان خاتون جو اپنے دین کی تعلیمات سے روشنی حاصل کرتی اور پورے صدق و اخلاص سے دینی تعلیمات پر عمل کرتی ہے، وہ سخی اور فیاض ہوتی ہے۔ اس کے دونوں ہاتھ کشادہ ہوتے ہیں، وہ مختلف مواقع پر ضرورت مندوں پر پوری دریا دلی اور فیاضی سے خرچ کرتی ہے۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے اسے پورا یقین اور ایمان ہوتا ہے کہ اس کا خرچ کیا ہوا ضائع نہیں جائے گا جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴾[البقرة : ٢٧٣]

''جو کچھ مال تم خرچ کرو گے، وہ اللہ سے مخفی نہ رہے گا۔''

خاتونِ اسلام اپنا مال خرچ کرتے ہوئے یہ ایمان رکھتی ہے کہ وہ جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرتی ہے، اس کا اسے دنیا و آخرت میں بہت زیادہ نفع اور خیرِ کثیر حاصل ہوگا جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿ مَثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴾[البقرة : ٢٦١]

''جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں صرف کرتے ہیں، ان کے خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانا بویا جائے اور اس سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں۔ اسی طرح اللہ جس کے عمل کو چاہتا ہے، بڑھوتی (اضافہ و برکت) عطا فرماتا ہے۔ وہ وسعت والا اور علم والا ہے۔''

﴿ وَمَا أَنفَقْتُم مِّن شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ ﴾[سبا: ٣٩]

''اور جو کچھ تم خرچ کرتے ہو، اس کی جگہ وہی تم کو اور دے دیتا ہے۔''

﴿وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنفُسِكُمْ وَمَا تُنفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ﴾[البقرة:٢٧٢]

''اللہ کے رستے میں جو مال تم لوگ خرچ کرتے ہو وہ تمہارے اپنے ہی بھلے کے لیے ہے، آخر تم اسی لیے تو خرچ کرتے ہو کہ اللہ کی رضا حاصل ہو جائے تو جو کچھ مال تم اللہ کے رستے میں خرچ کرو گے اس کا پورا پورا اجر تمہیں دیا جائے گا اور تمہاری حق تلفی ہرگز نہ ہوگی۔''

ایک سچی مسلمان خاتون جب اپنا مال خرچ کرتی ہے تو اسے پورا یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے عوض مال میں برکت، اضافہ اور اس کا نعم البدل عطا فرمائے گا اور اگر اس نے مال کے لالچ میں بخشش وانفاق سے ہاتھ روکے رکھا تو اللہ تعالیٰ اس کے مال میں کمی اور نقصان کر کے اسے آزمائے گا۔ حدیث میں ہے:

((مامن یوم یصبح العبادفیه الاملکان ینزلا ن فیقول احدهما:اللهم اعط منفقاخلفا ویقول الآخر:اللهم اعط ممسکاتلفا))(1)

''روزانہ صبح کے وقت دو فرشتے نازل ہوتے ہیں، ان میں سے ایک کہتا ہے: ''اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اس کا نعم البدل عطا فرما۔'' دوسرا کہتا ہے: ''اے اللہ! بچا بچا کر رکھنے والے کے مال کو تلف فرما۔''

ایک حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((انفق یابن آدم ینفق علیك))

''اے ابن آدم! خرچ کر، تجھ پر بھی خرچ کیا جائے گا۔''(2)

لہذا اپنے رب پر ایمان ویقین رکھنے والی ایک سچی مسلمان عورت کے دل میں کبھی یہ شک پیدا ہی نہیں ہوتا کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے مال میں کمی آتی ہے کیونکہ صدقہ مال میں کمی نہیں کرتا بلکہ مال کو بڑھاتا ہے اور اس میں برکت پیدا کر دیتا ہے جیسا کہ اللہ کے رسول کا ارشادِ گرامی ہے:

((مانقصت صدقة من مال))(3)

''صدقہ سے کبھی مال میں کمی نہیں آتی۔'' [بلکہ تھوڑے مال میں بھی بہت زیادہ برکت پیدا ہو جاتی ہے]

ایک مسلمان خاتون کو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی خوشنودی کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو کچھ خرچ کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر کئی گناہ زیادہ اور بے حساب اجر سے نوازتا ہے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی راہ میں خرچ کیے ہوئے مال ہی کو درحقیقت باقی رہنے والا مال قرار دیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

((مابقی منها؟قالت:مابقی الا کتفها قال :بقی کلها غیر کتفها))(4)

(1) بخاری: کتاب الزکاة: باب قول اللّٰه تعالیٰ: فاما من اعطی واتقی (ح ۱۴۴۲)

(2) بخاری: کتاب النفقات: باب فضل النفقة علی الأهل (ح ۵۳۵۲)، مسلم: کتاب الزکاة: باب الحث علی النفقة وتبشیر المنفق بالخلف (ح ۹۹۳)

(3) مسلم: کتاب البر والصلة: باب استحباب العفو والتواضع (ح ۲۵۸۸)

(4) ترمذی: کتاب صفة القیامة: باب قوله ﷺ فی الشاة (ح ۲۴۷۰)

''آپ ؐ کے ہاں ایک بکری ذبح اور تقسیم کی گئی، تو نبی ﷺ نے دریافت کیا: ''باقی کیا بچا ہے؟'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ''بازو کے علاوہ کچھ نہیں بچا۔'' تو آپ ؐ نے فرمایا: ''نہیں، بلکہ بازو کے علاوہ سب کچھ بچ گیا ہے۔'' [مطلب یہ ہے کہ بازو کے علاوہ جو سارا گوشت اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیا گیا، وہی ہمارے لیے کارآمد ہے، اس لیے کہ اس کا اجر و ثواب آخرت کے لیے محفوظ ہو گیا ہے۔]

جود و سخا کے اعلیٰ نمونے اپنے پیش نظر رکھتی ہے:

رسول اللہ ﷺ کی خواہش تھی کہ جود و سخاوت کی فضیلت لوگوں کے دلوں میں راسخ ہو جائے اور لوگ اس سے آراستہ و پیراستہ ہونے کے لیے ایک دوسرے کا مقابلہ کریں۔ جیسا کہ آپ ؐ کا فرمان ہے:

((لاحسد الا فی اثنتین: رجل آتاه الله مالا فسلطه علی هلكته فی الحق، رجل آتاه الله حكمة فهو یقضی بها و یعلمها))

''قابلِ رشک تو دو ہی طرح کے آدمی ہیں ایک وہ جسے اللہ مال عطا فرمائے اور وہ اسے اللہ کی راہ میں لٹائے۔ دوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے حکمت سے نوازا ہے اور وہ اس کے مطابق فیصلہ کرے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دے۔''(1)

جود و سخا اسلام کے افضل اخلاق اور مسلمانوں کے بہترین اوصاف میں سے ایک ہے۔ اسی لیے جب ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سوال کیا کہ اسلام میں کون سی چیز بہترین ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((ان تطعم الطعام وتقرأ السلام علی من عرفت ومن لم تعرف))

''یہ کہ تم کھانا کھلاؤ اور دوسروں کو سلام کرو، خواہ انہیں پہچانتے ہو یا نہ پہچانتے ہو۔''(2)

رسول کریم ﷺ سخاوت و فیاضی کی روشن مثال تھے۔ آپ ﷺ نے کبھی عطا و بخشش سے اپنا ہاتھ نہیں روکا اور نہ ہی کبھی کسی سائل کو واپس کیا، جیسا کہ صحابیِ رسول حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((ماسئل رسول الله ﷺ شیئا قط، فقال: لا))

(1) بخاری: كتاب العلم: باب الاغتباط فی العلم والحكمة (ح ٧٣)، مسلم: كتاب صلاة المسافرين: باب فضل من يقوم بالقرآن ويعلمه (ح ٨١٦)

(2) بخاری: كتاب الايمان: باب اطعام الطعام من الاسلام (١٢)، مسلم: الايمان باب بيان تفاضل...... (٣٩)

"رسول اللہ ﷺ سے جب بھی کسی نے کچھ مانگا تو آپ ﷺ نے کبھی "نہیں" کا لفظ نہیں فرمایا۔"(۱)

رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں جو کچھ آتا آپ اسے لوگوں میں تقسیم فرما دیتے اور اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لیے کچھ بچا کر نہ رکھتے۔ آپ کے لیے یہی کافی تھا کہ مال کو اس کے مستحقین تک پہنچا دیں تاکہ سخت دلوں کے بند دروازے کھل جائیں اور دلوں میں جود وسخاوت کی خصلت جاگزیں ہو جائے۔ آپ ﷺ نے اپنی سخاوت کی بہترین اور اعلیٰ مثال قائم فرمائی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ سخی وفیاض تھے اور حضرت جبریلؑ سے ملاقات کے وقت (یعنی رمضان کے مہینے میں) تو آپ اور بھی سخاوت کرنے لگتے تھے۔"(۲)

رسول اللہ ﷺ صحابہ کرامؓ کو انفاق کی تعلیم دیتے تھے انہیں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے پر اکسایا کرتے تھے اور ان کے دلوں سے مال کی محبت نکالنے کی کوشش کرتے تھے تاکہ مال لوگوں کے درمیان منقسم رہے اور ان کی زندگیوں میں خوش حالی وفارغ البالی چھائی رہے اور جمع شدہ مال جمع کرنے والے کے لیے روزِ قیامت نحوست، عذاب اور اللہ کی ناراضگی کا ذریعہ نہ بن جائے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ بقیع کے قبرستان کی طرف جا رہے تھے کہ ابوذر رضی اللہ عنہ آپ سے جا ملے۔ چلتے ہوئے راستے میں آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

"یقیناً دنیا میں مال ودولت جمع کرنے والے قیامت کے دن تہی دست ہوں گے، سوائے ان لوگوں کے جو پوری فیاضی سے مناسب جگہوں پر خرچ کریں۔" پھر احد پہاڑ دکھائی دیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: "اے ابوذر!" حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اے اللہ کے رسول! میں آپ پر قربان جاؤں، کیا فرماتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: "مجھے یہ پسند نہیں کہ آلِ محمد (ﷺ) کے پاس احد پہاڑ جتنا سونا ہو اور شام ہونے تک ان کے پاس اس میں سے ایک دینار بھی بچ جائے (یعنی آپ یہ چاہتے کہ وہ سارا اللہ کی راہ میں تقسیم کر دیا جائے)"(۳)

آنحضرتؐ کے اسوہ حسنہ پر عمل کرنے کی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ قرنِ اول کے مسلمان سخاوت کے اس

(۱) بخاری: کتاب الأدب: باب حسن الخلق والسخاء (۶۰۳۴)، مسلم: کتاب الفضائل: باب فی سخائه ﷺ (۲۳۱۱)

(۲) بخاری: کتاب المناقب: باب صفة النبی ﷺ (ح۳۵۵۴)، مسلم: کتاب الفضائل: باب جوده ﷺ (ح۲۳۰۸)

(۳) بخاری: کتاب الاستئذان: باب من اجاب بلبیک وسعدیک (ح۶۲۶۸)، مسلم: کتاب الزکاة: باب الترغیب فی الصلاة (ح۹۴۳)

بلند معیار سے قریب تر تھے تو ہمیں کوئی تعجب نہیں ہوتا، ان میں سے کوئی اپنا تمام مال واسباب اللہ کی راہ میں لٹا دیتا جیسا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کیا، اور کوئی اپنا نصف مال خرچ کر دیتا جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا، اور کوئی اپنے مال سے پورے پورے لشکر کو سامانِ جنگ فراہم کر دیتا جیسا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کیا اور کوئی اپنی نفیس ترین اور بیش قیمت چیز اللہ کی راہ میں قربان کر دیتا جیسا کہ حضرت ابودحداح رضی اللہ عنہ نے کیا کہ انہوں نے اپنا بہترین باغ اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیا اور جب ان کی بیوی کو یہ معلوم ہوا تو اس نے بجائے پریشان ہونے اور لعن طعن کرنے کے خندہ پیشانی اور ہنس مکھ چہرے سے کہا:

((ربح البیع یااباالدحداح))

''اے ابودحداح! تم نے نفع کا سودا کیا ہے!''

اسی طرح ایک مرتبہ اللہ کے رسولؐ نے عورتوں کو وعظ کیا تو انہوں نے اپنے زیورات اتار کر آپ کی خدمت میں پیش کر دیے۔[1]

جود وسخا کرنے والی مثالی خواتین:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں امام ذھبیؒ نے اپنی کتاب: سِیَرُ اَعْلَامِ النُّبَلآء[ج ۲ ص ۱۸۷] میں لکھا ہے کہ انہوں نے ستر ہزار درہم اللہ کی راہ میں خیرات کیے۔ ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس ایک لاکھ درہم بھیجے تو انہوں نے وہ ایک تھال میں ڈالے اور لوگوں میں تقسیم کرنا شروع کر دیے حتی کہ وہ سارے ختم ہو گئے۔ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس دن روزہ رکھا ہوا تھا کیونکہ وہ نفلی روزں کا بکثرت اہتمام کیا کرتی تھیں، شام کو افطاری کے وقت انہوں نے اپنی لونڈی سے کہا کہ لاؤ کچھ، روزہ افطار کر لیں۔ ان کی لونڈی نے جواب دیا کہ آج تو کچھ بھی نہیں ہے، کاش! آپ ایک لاکھ درہموں میں سے ایک درہم اپنے لیے رکھ لیتیں اور ہم اس کو گوشت ہی لے آتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ اگر تم مجھے پہلے بتا دیتی تو میں اس مقصد کے لیے ایک درہم رکھ چھوڑتی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم کی بیویوں نے آپ سے پوچھا کہ ہم میں سے سب سے پہلے (آخرت میں) کون آپؐ سے ملاقات کرے گی؟ تو آپؐ نے جواب دیا: اَطْوَلُكُنَّ يَدًا ''جس کے ہاتھ سب سے زیادہ لمبے ہوں گے۔'' تو ازواجِ مطہرات نے کانے کے ساتھ اپنے اپنے ہاتھوں کو ناپنا

(۱) بخاری: کتاب اللباس: باب القلائد والسخاب للنسآء.

شروع کر دیا تو حضرت سودہ رضی اللہ عنہا ان میں سب سے لمبے ہاتھوں والی نکلیں۔ لیکن ہمیں بعد میں معلوم ہوا کہ لمبے ہاتھوں والی سے آپ کی مراد یہ تھی کہ جو صدقہ زیادہ کرنے والی ہوگی اور وہ (حضرت زینب رضی اللہ عنہا تھیں جو) ہم سب سے پہلے (فوت ہوکر) نبی کریمؐ سے جاملیں کیونکہ صدقہ کرنا انہیں بڑا محبوب تھا۔ (۱)

اس کے علاوہ بھی بہت سی سخی وفیاض عورتوں کا تذکرہ تاریخ اسلام نے محفوظ کیا ہے مثلاً:

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی بہن 'ام البنین' کو جود وسخا کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ وہ خود کہا کرتی تھیں کہ ہر قوم کا کوئی نہ کوئی مشغلہ ہوتا ہے جبکہ میرا مشغلہ 'سخاوت' ہے۔ وہ ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد کرتی اور ایک مجاہد کا زادِراہ تیار کراتی۔ وہ بخیلی کو نہایت نفرت سے دیکھا کرتی اور کہتی کہ اگر بخیلی کسی قمیص کا نام ہوتا تو میں ہرگز وہ قمیص نہ پہنتی اور اگر یہ کسی راستے کا نام ہوتا تو میں کبھی اس راستے پر سفر نہ کرتی۔

حضرت سکینہ بنت حسین کے بارے میں معروف ہے کہ وہ کبھی مال بچا کر نہیں رکھا کرتی تھیں بلکہ جو کچھ آتا، اسے اللہ کی راہ میں مستحقین میں تقسیم کرا دیتے۔ حتیٰ کہ اگر کبھی مسکین کو دینے کے لیے کچھ نہ ہوتا، تو زیورات اتار کر لوگوں کی ضروریات میں خرچ کر دیتیں!

حضرت عاتکہ بنت یزید بن معاویہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے اپنا سارا مال آل ابوسفیان کے مستحق لوگوں کے لیے وقف کر دیا تھا۔

خلیفہ ہارون الرشید کی بیوی زبیدہؒ نے حاجیوں اور مکہ والوں کے لیے ایک طویل نہر کھدوائی۔ یہ نہر اپنے دور کا ایک عجوبہ قرار پائی، اور نہر زبیدہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس کے اخراجات کا جب تخمینہ لگایا گیا تو وہ اتنا زیادہ تھا کہ ان کے وزیر خزانہ نے مارے خوف کے نہر کھدوانے کا ارادہ ترک کر دیا جب زبیدہؒ کو معلوم ہوا تو اس نے کہا: "یہ نہر لازماً کھدوائی جائے گی، خواہ کھدائی کرنے والے کی ہر ضرب پر ایک دینار لاگت آئے!"

ان کے علاوہ بھی بہت سے فیاض لوگوں کے واقعات ملتے ہیں جنہوں نے دنیا کی زندگی پر آخرت کی زندگی کو ترجیح دی اور اپنی دولت اور اپنے خون پسینے کی کمائی اللہ کی راہ میں خرچ کر دی۔ اس لیے کہ انہوں نے اللہ عزوجل کے ساتھ سچا عہد کیا تھا اور مضبوط اور ابدی تعلق قائم کیا تھا۔ چنانچہ وہ ان حقیقتوں پر ایمان لاتے تھے پھر انہیں اپنی زندگی میں عملاً نافذ کرتے تھے۔ وہ محض زبان سے جود وسخاوت کا تذکرہ کرنے، اس

(۱) صحیح بخاری: کتاب الزکاۃ (ح ۱۴۲۰)، مسلم: کتاب فضائل الصحابۃ: فضائل ام المؤمنین زینب

کی تحسین وتعریف کرنے اور اس کے تذکرہ سے متاثر ہونے پر اکتفا نہیں کرتے تھے جیسا کہ آج کے بیشتر اغنیاء کا حال ہم دیکھتے ہیں۔ آج کل کے مال داروں میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو کروڑ پتی اور ارب پتی ہیں، اگر وہ اپنے مال سے دریا دلی اور فیاضی سے نہ بھی خرچ کریں بلکہ صرف مال کی زکوٰۃ ہی ادا کر دیا کریں تو معاشرے سے غریبی کا یکسر خاتمہ ہو جائے لیکن یہ لوگ یہ جانتے ہوئے بھی کہ زکوٰۃ اسلام کا ایک اہم فریضہ اور رکن ہے، جود وسخاوت اور فیاضی تو کیا، زکوٰۃ ادا کرنے سے بھی باز رہتے ہیں، اگر کبھی دل میں احساس پیدا ہو بھی تو کسی عید یا تہوار کے موقع پر چند سکے غریبوں میں تقسیم کر دیتے ہیں، یا تھوڑا بہت راشن اور کھانا تقسیم کرا دیتے ہیں اور اس میں بھی ریا کاری سے کام لیتے ہیں۔

ایک باشعور خاتونِ اسلام اپنے مال کو بصیرت کے ساتھ ایسی جگہوں پر خرچ کرتی ہے جس سے اسے خیر، اور اجر وثواب حاصل ہو، وہ نہ تو سارے کا سارا مال خرچ کر کے اپنے ورثا کو اس سے محروم کرتی ہے اور نہ ہی اپنا مال خیر کے کاموں میں خرچ کرنے سے روکے رکھتی ہے، بلکہ وہ شریعت کی تعلیم اور اس کے تابندہ مقاصد کے مطابق دونوں حالتوں میں اعتدال اور میانہ روی سے کام لیتی ہے۔

سچی خاتون اسلام ہمیشہ سخی ہوتی ہے، خواہ کتنی ہی غریب ہو اور اس کے پاس کتنا ہی تھوڑا مال ہو لیکن اس کے باوجود اس کے دل میں غریب لوگوں کے لیے رحم کا جذبہ پایا جاتا ہے اور وہ دوسروں کی تکلیف اور محرومی کا وہ احساس رکھتی ہے۔ وہ یتیموں پر بھی صدقہ کرتی ہے اگر ممکن ہو تو ان کی کفالت کرتی ہے، ان کا خرچ برداشت کرتی ہے اور ان کے معاملات سے دلچسپی لیتی ہے، خواہ وہ یتیم اس کا قریبی ہو یا اجنبی۔ اس سلسلہ میں یہ حدیث نبویؐ اس کے پیش نظر رہتی ہے:

((انا وكافل اليتيم فى الجنة هكذا واشار بالسبابة والسطى وفرج بينهما))

''میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے، یہ فرماتے ہوئے آپ ﷺ نے کلمہ شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی سے اشارہ کیا اور ان میں کچھ کشادگی دکھائی۔''[1]

اسی طرح فضل واحسان اور سخاوت کرنے والی ایک مسلمان خاتون رب کی خوشنودی اور رضا جوئی کی خاطر بیوہ اور مسکین کی بھی خبر گیری کرتی ہے اور اس عظیم ثواب کی امید رکھتی ہے جو اللہ تعالیٰ بیوہ اور مسکین کی خبر گیری کرنے والے کو عطا کرے گا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

(۱) بخاری: کتاب الادب: باب فضائل من يعول يتيما (ح۶۰۰۵)

((الساعی علی الارملة والمسکین کالمجاهد فی سبیل الله واحسبه قال:وکالقائم الذی لایفتر وکالصائم الذی لایفطر))

''بیوہ اور مسکین کی خبر گیری کرنے والا، اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے۔'' (راویِ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ) میرا خیال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا: ''اور مسلسل نمازیں پڑھنے والے اور مسلسل روزے رکھنے والے کی طرح ہے۔''[1]

تنگ دست قرض دار کو مہلت اور سہولت دیتی ہے:

ایک سچی خاتونِ اسلام فراخ دل، روادار، نرم مزاج اور خوش اخلاق ہوتی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد:

﴿وَاِنْ كَانَ ذُوْعُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ﴾[البقرۃ: ۲۸۰]

''اگر (قرض دار) تنگ دست ہو تو کشادگی تک اسے مہلت دو۔''

پر عمل کرتے ہوئے تنگ دست قرض دار کو مہلت دینے کی طرف سبقت کرتی ہے۔ قرض دار کو تنگی و پریشانی میں دیکھ کر اسے معذور سمجھتی اور جس تنگی میں وہ مبتلا ہے اس کا لحاظ کرتے ہوئے اسے مہلت دیتی ہے۔ جو خاتون اسلام ایسا کرتی ہے، اللہ تعالیٰ روزِ قیامت کی تکلیفوں سے اسے نجات دے دیتا ہے جیسا کہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((من سره ان ینجیه الله من کرب یوم القیامة فلینفس عن معسر اویضع عنه))

''جس کی خواہش ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے روزِ قیامت کی تکلیفوں سے نجات دے دے تو اسے چاہیے کہ محتاج و تنگ دست قرض دار کو مہلت دے یا اس کا قرض معاف کر دے۔''[2]

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((من انظر معسرا اووضع له اظله الله الیوم القیامة تحت ظل عرشه یوم لا ظل الاظله))[3]

''جو شخص تنگ دست قرض دار کو مہلت دے گا یا اس کا قرض معاف کر دے گا اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن اپنے عرش کے سائے میں جگہ دے گا جب کہ اس وقت اس کے سائے کے علاوہ کہیں سایہ نہ ہوگا۔''

(۱) بخاری: کتاب النفقات : باب فضل النفقة علی الاهل (ح ۵۳۵۳)، مسلم: کتاب الزهد: باب فضل الاحسان الی الارملة والمسکین والیتیم (ح ۲۹۸۲)

(۲) مسلم: کتاب المساقاة: باب فضل انظار المعسر (ح ۱۵۶۳)

(۳) ترمذی: کتاب البیوع: باب ماجاء فی انظار المعسر والرفق به (ح ۱۳۰۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

((كان رجل يداين الناس وكان يقول لفتاه :اذاتيت معسرا فتجاوز عنه ،لعل الله ان يتجاوز عنا،فلقى الله فتجاوز عنه))

''ایک شخص لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا اور اپنے ملازم سے کہتا تھا کہ تنگدست مقروض سے درگذر کرنا، امید ہے اللہ تعالیٰ ہم سے بھی درگذر فرمائے گا۔ جب وہ شخص اپنے اللہ سے ملا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس سے درگزر فرمایا۔''(۱)

حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم سے پہلے لوگوں میں سے ایک شخص کا حساب لیا گیا تو اس کی کوئی نیکی نہ ملی سوائے اس کے کہ وہ لوگوں سے خرید وفروخت کا معاملہ کرتا تھا۔ وہ مالدار تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے غلاموں سے کہہ رکھا تھا کہ تنگ دست مقروض سے درگزر کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

((نحن احق بذلك منه تجاوز واعنه))

''ہم اس سے زیادہ درگزر کرنے والے ہیں (اور فرشتوں کو حکم دیا) اس سے درگزر کرو۔''(۲)

جن لوگوں پر خرچ کرتی ہے ان پر احسان نہیں جتاتی:

ایک سچی اور باشعور خاتونِ اسلام کو جب اللہ تعالیٰ اپنے راستے میں انفاق اور صدقہ کی توفیق عطا فرماتا ہے تو وہ لوگوں پر احسان نہیں جتاتی بلکہ اس کی آرزو یہ ہوتی ہے کہ اس کا شمار ان لوگوں میں ہو جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾ [البقرہ:٢٦٤]

''جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور خرچ کرکے پھر احسان نہیں جتاتے اور نہ دکھ دیتے ہیں، ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور ان پر نہ خوف ہوگا اور نہ وہ غم کریں گے۔''

مسلمان خاتون پر یہ بات مخفی نہیں ہوتی کہ احسان جتانے اور تکلیف پہنچانے سے نیک عمل باطل اور صدقہ

(۱) بخاری: کتاب البیوع: باب من انظر معسرا(ح۲۰۷۸)، مسلم: کتاب المساقاۃ: باب فضل انظار المعسر(ح۱۵۶۲) (۲) مسلم: ایضاً (۱۵٦۱)

کا ثواب ضائع ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو احسان جتانے سے منع کیا ہے اور ڈرایا ہے کہ اس سے صدقات بے کار اور نیکیاں بے حیثیت ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ اعلان خاتون اسلام کو پوری طرح متنبہ کر دیتا اور اس کے وجود کو جھنجھوڑ چھوڑتا ہے اور اسے احسان جتلانے یا اذیت پہنچانے کے بارے میں سوچنے سے بھی باز رکھتا ہے:

﴿ يَاأَيُّهَاالَّذِينَ آمَنُوا لَاتُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ ﴾[البقرہ: ۲٦٤]

''اے ایمان لانے والو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور دکھ دے کر خاک میں نہ ملا دو۔''

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((ثلاثة لايكلمهم الله يوم القيامة ولا ينظر اليهم ،ولا يزكيهم ولهم عذاب اليم قرأها رسول الله ﷺ ثلاث مرات قال ابو ذر :خابوا وخسروا من هم يارسول الله ؟قال: المسبل ،والمنان،والمنفق سلعته بالحلف الكاذب))

''تین شخص ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ بات کرے گا، نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا (رسول اللہ ﷺ نے یہ تین مرتبہ فرمایا) تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''یہ لوگ تو تباہ و برباد ہو گئے، یہ کون لوگ ہیں اے اللہ کے رسول؟! فرمایا: (ٹخنوں سے نیچے) کپڑا لٹکانے والا۔ احسان جتلانے والا، جھوٹی قسمیں کھا کر سودا بیچنے والا۔''

دست سوال دراز کرنے سے احتیاط کرتی ہے:

ایک سچی خاتون اسلام خوددار اور بے نیاز ہوتی ہے۔ وہ کسی کے سامنے دستِ سوال نہیں پھیلاتی۔ جب اس پر تنگی اور پریشانی آتی ہے تو وہ صبر کا دامن تھام لیتی ہے۔ مزید محنت و مشقت اور کدوکاوش کرنے لگتی ہے اور اس کی شدید خواہش ہوتی ہے کہ وہ کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہ کرے، اور نہ صدقہ و خیرات کرنے والوں کی طرف امید بھری نظروں سے دیکھے، اس لیے کہ اس دین کی تعلیمات مسلمان کو ایسا کرنے سے باز رکھتی ہیں۔ اسے عفت و پاک دامنی، استغنا و بے نیازی اور صبر پر اکساتی ہیں اور تسلی دیتی ہیں کہ عنقریب اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا اور اسے مالداری، صبر اور پاک دامنی بخشے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من يستعفف يعفه الله ومن يستغن يغنه الله ومن يتصبر يصبره الله وماأعطى احدعطاء

(۱) مسلم: كتاب الايمان :باب بيان غلظ تحريم اسبال الازار والمن بالعطية(ح١٠٦)

ھو خیر واوسع من الصبر))

''جو خوددار رہنا چاہے گا اللہ اسے خوددار رکھے گا، جو غنی رہنا چاہے گا اللہ اس کو غنی رکھے گا، جو صبر اختیار کرنے کی کوشش کرے گا اللہ اسے صبر عطا فرمائے گا البتہ اگر کسی کو بے مانگے کچھ مل جائے تو اس کا لینا صبر کرنے سے بہتر ہے۔''(۱)

دین اسلام، جس نے اغنیاء کے اموال میں فقراء کا حق متعین کیا ہے اس نے ایک طرف اغنیاء کو حکم دیا ہے کہ بغیر احسان جتلائے یا ایذا پہنچائے، یا تنگ دل ہوئے یہ حق ادا کریں۔ دوسری طرف اس نے غریبوں کو بھی حکم دیا کہ اس حق سے استغناء برتیں۔ اس نے اعلان کیا کہ اونچا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے اور حقیقی مسلمان کو یہ کوشش کرنی چاہیے کہ اس کا ہاتھ نیچے نہ ہونے پائے یہی اس کے شایانِ شان ہے۔ اسی طرح اس نے تنگ دست اور غریب لوگوں کو اکسایا کہ دوگنی محنت کریں اور صدقہ وخیرات پر بھروسہ نہ کر بیٹھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((الید العلیا خیر من الید السفلی، والید العلیا ھی المنفقة والسفلی ھی السائلة))

''اونچا (دینے) والا ہاتھ، نیچے (یعنی مانگنے) والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ اونچا ہاتھ صدقہ کرنے والے کا ہے اور نچلا ہاتھ مانگنے والے کا۔''(۲)

عفوودرگزر سے کام لیتی ہے:

ایک متقی اور دینی تعلیمات پر لبیک کہنے والی مسلمان خاتون 'عفوودرگذر' کی صفت سے متصف ہوتی ہے۔ عفوودرگذر ایک بلند انسانی خصلت ہے جس کی قرآن مجید میں بہت زیادہ تعریف کی گئی ہے اور اس سے متصف ہونے والوں کو تقویٰ کا بلند نمونہ قرار دیا گیا ہے کیونکہ ان کا شمار ان نیکوکار لوگوں کے زمرے میں ہوتا ہے جو اللہ کی محبت ورضا جوئی سے سرفراز ہوتے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾[آل عمران:۱۳٤]

''جو غصے کو پی جاتے ہیں اور دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں، ایسے نیک لوگ اللہ کو بہت پسند ہیں''

(۱) بخاری: کتاب الزکاة: باب استعفاف عن المسألة (ح ۱۴۶۹)، مسلم: کتاب الزکاة (ح ۱۰۵۳)

(۲) بخاری: کتاب الزکاة: باب لا صدقة الا عن ظهر غنى (ح ۱۴۲۹)، مسلم: کتاب الزکاة: باب بیان ان الید العلیا خیر من الید السفلی (ح ۱۰۳۳)

عفوودرگذراور چشم پوشی ایک بلند مقام ہے جس کی بلندی تک صرف وہی خواتین اسلام پہنچ سکتی ہیں جن کے دلوں کے بند دروازے اسلامی تعلیمات کے لیے کھل گئے ہوں اور جن کے نفوس اسلام کے وسیع اخلاق سے اثر پذیر ہوئے ہوں۔اورانہوں نے اللہ کی بارگاہ میں ملنے والی مغفرت، اجروثواب اورعزت افزائی کو انتقام اور بدلہ لینے کی خواہش پر ترجیح دی ہو۔

قرآن کریم نے نفس انسانی کواس بلند اور مشکل مقام تک پہنچانے میں ماہرانہ اسلوب اختیار کیا ہے چنانچہ اس نے فیصلہ کردیا کہ جس شخص پرزیادتی ہوئی ہو، اسے حق ہے کہ اپنے نفس کے لیے بدلہ لے، اس لیے کہ برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے، لیکن قرآن مجید نے اسی پر اکتفا نہیں کیا کہ ظلم وزیادتی پر ہمیشہ بدلہ اور انتقام ہی لیا جائے بلکہ اس نے نرمی کرنے، صبر اور عفوودرگذر سے کام لینے اور ظالم کو معاف کردینے کی رغبت دلائی اور بتایا کہ یہ اولوالعزمی کا مقام ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾[الشوریٰ: ۳۹، ۴۳]

''اور جب ان پر زیادتی کی جاتی ہے تو وہ اس کا بدلہ لیتے ہیں، برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے، البتہ جو کوئی معاف کردے اور صلح اختیار کرے، اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا اور جو لوگ ظلم ہونے کے بعد بدلہ لیں ان کو ملامت نہیں کی جاسکتی۔ ملامت کے مستحق تو وہ ہیں جو دوسروں پر ظلم کرتے اور زمین میں ناحق زیادتیاں کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے، البتہ جو شخص صبر سے کام لے اور درگذر کرے تو یہ اولوالعزمی (بلندی) کے کاموں میں سے ہے۔''

جب بھی برائی کا بدلہ برائی دیا جائے گا تو سینوں میں غیظ وغضب کے شعلے بھڑکیں گے، حقد وکینہ کے جذبات مشتعل ہوں گے اور بغض ونفرت کے احساسات پروان چڑھیں گے لیکن جب برائی کا بدلہ نیکی سے دیا جائے گا تو اس سے غیظ وغضب کے شعلے سرد پڑجائیں گے۔ نفس کا اشتعال ماند پڑ جائے گا اور بغض ونفرت کی کدورتیں دل سے دُھل جائیں گی۔ چنانچہ جن کے درمیان باہم دشمنی چلی آرہی ہو، وہ کسی ایک طرف سے نرمی ظاہر ہونے یا محبت آمیز سلوک کا اظہار ہونے پر پکے دوست بن جائیں گے اور باہم

شیر وشکر ہو جائیں گے اور یقیناً یہ اس شخص کی بڑی کامیابی ہے جس نے برائی کا بدلہ نیکی سے دیا۔ لیکن یہ وہ مقام ہے جسے بڑے نصیب والا ہی حاصل کر سکتا ہے کہ جب اس کے ساتھ برائی کی جائے تو وہ اس پر صبر کرے اور اس کا بدلہ نیکی سے دے۔

ایک سچی خاتونِ اسلام کو چاہیے کہ وہ ظلم و زیادتی کے موقعوں پر غصہ پی جائے، دوسروں کو معاف کر دے اور عفو و درگذر سے کام لے، اور اپنے بارے میں حقد و کینہ کا کوئی اثر، غضب کا کوئی شائبہ، اور بغض و نفرت کا کوئی احتمال پیدا نہ ہونے دے۔ اور قرآن مجید کی ان آیات کی مصداق بن جائے:

﴿ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴾[الحجر:٨٥]

''شریفانہ درگذر سے کام لو۔''

﴿خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴾[الاعراف:١٩٩]

''نرمی اور درگذر کا طریقہ اختیار کرو۔ معروف کی تلقین کیے جاؤ اور جاہلوں سے نہ اُلجھو۔''

﴿ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ﴾[حم سجده:٣٤]

''تم بدی کو اس نیکی سے دفع کرو جو بہترین ہو۔''

سچی خاتونِ اسلام عفو و درگذر کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کے اُسوۂ حسنہ کو اپنے سامنے رکھتی ہے، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

((مَاضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ شَيْئًا قَطُّ بِيَدِهٖ وَلَاامْرَاَةً وَلَا خَادِمًا اِلَّااَنْ يُجَاهِدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا نِيْلَ مِنْهُ شَيْءٌ قَطُّ فَيَنْتَقِمَ مِنْ صَاحِبِهٖ اِلَّا اَنْ يُنْتَهَكَ شَيْءٌ مِنْ مَحَارِمِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَيَنْتَقِمُ لِلّٰهِ تَعَالٰى))

''رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا، نہ کسی عورت (بیوی اور باندی) کو نہ کسی غلام کو، الا یہ کہ آپ اللہ کے راستے میں جہاد کر رہے ہوں۔ آپ کو کبھی کسی سے تکلیف پہنچی تو آپ تکلیف پہنچانے والے سے بدلہ نہ لیتے مگر جب اللہ کی حرمتوں میں کوئی بے حرمتی کرتا تو آپ اللہ کے لیے اس سے بدلہ لیتے۔''[1]

آپ ﷺ اخلاق ربانی کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے۔ آپ کا عظیم اخلاق تمام لوگوں کے لیے تھا۔ آپ لوگوں کی برائی کا بدلہ برائی سے نہیں لیتے تھے بلکہ اس کے مقابلہ میں عفو و درگذر اور جاہلوں سے اعراض

(١) مسلم: كتاب الفضائل: باب مباعدته ﷺ للآثام واختياره من اطباع اسهله(ح ٢٣٢٨)

کا اخلاق پیش کرتے تھے اور برائی کو نیکی کے ذریعے دفع کرتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا آپ موٹے کنارے والی ایک نجرانی چادر اوڑھے ہوئے تھے راستے میں ایک دیہاتی ملا، اس نے چادر پکڑ کر بہت زور سے کھینچا، میں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے پر چادر کے زور سے کھینچنے کی وجہ سے نشان پڑ گیا پھر وہ کہنے لگا: ''اے محمدؐ! مجھے بھی اس مال میں سے دو جو اللہ نے آپ کو دیا ہے۔''

((فَالْتَفَتَ اِلَيْهِ فَضَحِكَ ثُمَّ اَمَرَلَهٗ بِعَطَاءٍ))

''آپ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور مسکرا پڑے، پھر (ساتھیوں کو) حکم دیا کہ اسے کچھ دے دو۔''[1]

عفو و درگذر کا اخلاق آپ کے نفس میں اس درجہ راسخ اور گہرا تھا کہ آپ نے اس یہودی عورت کو بھی معاف کر دیا جس نے آپ کو قتل کرنے کی سازش کی تھی، جیسا کہ بخاری و مسلم اور دیگر محدثین نے روایت کیا ہے کہ ایک یہودی عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں زہر آلود بکری کا گوشت ہدیہ کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے کچھ کھایا اور آپ کے ساتھ بعض صحابہؓ نے بھی کھایا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا: ''ٹھہر جاؤ! یہ زہر آلود ہے۔'' اس عورت کو پکڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا:

((مَاحَمَلَكِ عَلٰى مَاصَنَعْتِ؟ قَالَتْ :اَرَدْتُ اَنْ اَعْلَمَ اِنْ كُنْتَ نَبِيًّا فَسَيُطْلِعُكَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَنْ تَضُرَّكَ وَاِنْ لَمْ تَكُنْ نَبِيًّا اِسْتَرَحْنَا مِنْكَ قَالُوْا: اَلَانَقْتُلُهَا ؟ قَالَ: (لَا) وَعَفَاعَنْهَا))

''تجھے اس حرکت پر کس چیز نے آمادہ کیا؟ اس نے کہا: میں نے یہ جاننا چاہا تھا کہ اگر آپ نبی ہوں گے تو اللہ آپ کو اس پر مطلع کر دے گا اور آپ کو کچھ نقصان نہ پہنچے گا اور اگر آپ نبی نہیں ہوں گے تو ہمیں آپ سے چھٹکارا مل جائے گا۔ صحابہؓ نے عرض کیا: ''کیا ہم اسے قتل نہ کریں؟'' آپؐ نے فرمایا: نہیں۔ چنانچہ آپؐ نے اسے معاف کر دیا۔''[2]

جب قبیلہ دوس نے نافرمانی کی اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے سے انکار کیا تو حضرت

(۱) بخاری: کتاب الادب: باب التبسم والضحک (۲۰۸۸)، مسلم: کتاب الزکاۃ: باب اعطاء المؤلفة ومن یکاف علی ایمانه ان لم یعط (ح۱۰۵۷)

(۲) بخاری: کتاب الجزیة: باب اذا غدر المشرکون بالمسلمین هل یوفی عنهم (ح۳۱۶۹، ۲۶۱۷)، مسلم کتاب السلام: باب السم (ح۲۱۹۰)، ابوداؤد: کتاب الدیات (ح۴۵۱۰، ۴۵۱۲)

طفیل بن عمرو دوسی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ قبیلہ دوس نے نافرمانی کی اور اطاعت سے انکار کیا لہذا آپ ان کے لیے بددعا کر دیجیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کی طرف رخ کیا اور ہاتھ اٹھا دیے۔ لوگ کہنے لگے: دوس والے تو اب ہلاک ہو گئے۔ لیکن رحمۃ للعالمین یوں دعا کرنے لگے:

((اَللّٰھُمَّ اھْدِ دَوْسًا وَائْتِ بِھِمْ اَللّٰھُمَّ اھْدِ دَوْسًا وَائْتِ بِھِمْ اَللّٰھُمَّ اھْدِ دَوْسًا وَائْتِ بِھِمْ))

''اے اللہ! قبیلہ دوس کو ہدایت دے اور ان کو لے آ۔ اے اللہ! قبیلہ دوس کو ہدایت دے اور ان کو لے آ۔ اے اللہ! قبیلہ دوس کو ہدایت دے اور ان کو لے آ۔''[1]

ایک روایت میں ہے:

((وَاعْفُ عَمَّنْ ظَلَمَكَ)) ''جو تم پر ظلم کرے تم اسے معاف کر دو۔''

غصہ نہیں کرتی:

ایک سچی مسلمان عورت اپنے نفس کو ہمیشہ حلم و بردباری اور عفو و درگذر پر قائم رکھتی ہے، ہمیشہ غصے کو ضبط کرتی ہے اور ان احادیث پر عمل کرتی ہے:

((لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرَعَةِ اِنَّمَا الشَّدِيْدُ الَّذِیْ يَمْلِكُ نَفْسَه عِنْدَ الْغَضَبِ))

''طاقت ور وہ نہیں جو کسی کو پچھاڑ دے، بلکہ طاقتور وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو پا لے۔''

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ مجھے کوئی نصیحت فرمائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے صرف ایک بات کی نصیحت فرمائی کہ: ((لَا تَغْضَبْ)) ''غصہ نہ کیا کرو۔''[3]

اس شخص نے اس کے بعد بھی کئی بار نصیحت کی درخواست کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر بار اسے یہی جواب دیا:

((لَا تَغْضَبْ)) ''غصہ نہ کیا کرو۔''[4]

بسا اوقات مسلمان خاتون کو غصہ بھی آتا ہے مگر اس کا یہ غصہ اپنے نفس کے لیے نہیں ہوتا بلکہ اللہ کے لیے ہوتا ہے یعنی جب دینی شعائر کو پامال کیا جاتا ہے، اللہ کے محارم کی بے حرمتی کی جاتی ہے اور اللہ کے

(۱) بخاری: کتاب الجهاد: باب الدعاء للمشرکین بالهدی لیتألفهم (ح۲۹۳۷)، مسلم: کتاب فضائل الصحابة: باب من فضائل غفار واسلم (ح۲۵۲۴)

(۲) مسند احمد (۱۵۸/۳)، مستدرک حاکم (۱۶۱/۲-۱۶۲)

(۳) بخاری: کتاب الادب: باب الحذر من الغضب (ح۶۱۱۴) مسلم: کتاب البر والصلة (ح۲۶۰۹)

(۴) بخاری: ایضاً (ح۶۱۱۶)

احکام کو پس پشت ڈالا جاتا ہے تو اس وقت وہ اللہ کی حرمتوں کی بے حرمتی کرنے والوں اور اس کی شریعت اور احکام کے ساتھ کھیل کرنے والوں کے خلاف زبردست غصہ کرتی ہے۔

نرمی سے پیش آتی اور سختی سے اجتناب کرتی ہے:

سچی، دیندار، متقی اور باشعور مسلمان عورت دوسروں کے ساتھ ہمیشہ نرمی سے پیش آتی ہے اور سختی و درشتی سے اجتناب کرتی ہے، اس لیے کہ اہل ایمان کا کردار یہ ہے کہ وہ تمام معاملات میں نرمی اور آسانی کو اختیار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے یہی پسند کیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ [البقرۃ: ۱۸۵]

"اللہ تمہارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے، سختی نہیں چاہتا۔"

آنحضرت ﷺ نے بھی آسانی کرنے پر اکسایا اور سختی کرنے سے منع کیا ہے، چنانچہ آپؐ نے فرمایا:

((علموا ویسروا ولا تعسروا واذا غضب احد کم فلیسکت))(۱)

"لوگوں کو تعلیم دو، آسانی کرو، سختی نہ کرو اور جب کسی کو غصہ آئے تو اسے چاہیے کہ خاموش ہو جائے۔"

سختی کرنے اور معاملات کو پیچیدہ بنانے کا سہارا وہی عورت لیتی ہے جس کے اخلاق میں کجی، طبیعت میں تنگی اور دینی تربیت میں نقص و خلل ہو۔ رہی وہ عورت جو باسلیقہ اور اسلامی آداب سے آراستہ ہو، وہ نہ سختی کرتی ہے، نہ پیچیدگی چاہتی ہے اور نہ ہی معاملات میں رخنہ ڈالنے کی کوشش کرتی ہے۔ وہ رسول کریم ﷺ کی اس سیرت سے رہنمائی حاصل کرتی ہے جس کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

((ماخیر رسول اللہ بین امرین قط الا اختار ایسرھما مالم یکن اثما، فان کان اثما کان ابعد الناس منه وما انتقم رسول اللہ لنفسه فی شئی قط الا تنتهك حرمة الله فینتقم لله تعالیٰ))

"رسول اللہ ﷺ کو جب دو کاموں میں اختیار دیا جاتا تو جو کام ان میں سے آسان ہوتا اور اس میں کوئی گناہ بھی نہ ہوتا، تو اسے آپؐ اختیار فرماتے۔ لیکن اگر اس میں گناہ ہوتا تو اس سے دور رہتے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے نفس کے لیے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا لیکن جب اللہ کی حرمتوں کی پامالی ہوتی تو آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے لیے انتقام لیتے تھے۔"(۲)

---

(۱) مسند احمد (ج ۱ ص ۲۸۳)

(۲) بخاری: کتاب المناقب: باب صفة النبی ﷺ (ح ۳۵۶۰)، مسلم: کتاب الفضائل (۲۳۲۷)

مسلمان عورت حسد نہیں کرتی:

ایک سچی مسلمان عورت کو جن بری اور ناپسندیدہ صفات سے اجتناب کرنا چاہیے، ان میں سے ایک 'حسد' بھی ہے۔ خاتونِ مسلم کی صفات یہ ہونی چاہییں کہ اس کا نفس حسد اور کینہ کی کدورتوں سے پاک ہو۔ کردار کی یہ پاکیزگی ہی انسان کو جنت میں داخل کرتی ہے خواہ اس کا شمار بہت زیادہ عبادت کرنے والوں، رات کو نوافل پڑھنے اور دن کو روزہ رکھنے والوں میں نہ ہوتا ہو۔ امام احمدؒ اور امام نسائی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ابھی ہمارے سامنے ایک ایسا آدمی آنے والا ہے جو جنتی ہے۔''

آپ کی اس بات کے بعد ایک انصاری آدمی نمودار ہوا جس کی داڑھی سے وضو کا پانی ٹپک رہا تھا اور جس نے اپنے بائیں ہاتھ میں اپنے جوتے اٹھا رکھے تھے۔ جب دوسرا دن ہوا تو تب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح فرمایا، اور اس مرتبہ بھی وہی انصاری شخص نمودار ہوا۔ جب تیسرا دن ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی بشارت دی اور اس مرتبہ بھی اس بشارت کے بعد وہی انصاری شخص نمودار ہوا۔ [گویا تینوں مرتبہ بشارت کا مستحق وہی قرار پایا]

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے تو حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اس آدمی کے پیچھے ہو لیے جس کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی تھی اور اس سے کہنے لگے:

''میرا اپنے والد صاحب سے کچھ اختلاف ہو گیا ہے اور میں نے قسم کھالی ہے کہ میں تین روز تک ان کے گھر نہیں جاؤں گا، اگر آپ اجازت دیں تو کیا میں آپ کے ہاں یہ تین روز گزار سکتا ہوں۔''

اس انصاری نے کہا: ''ضرور، ایسی کون سی بات ہے؟''

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس شخص کے ہاں تین راتیں گزاریں، میں نے دیکھا کہ وہ رات کو قیام بھی کوئی خاص نہیں کرتا اور بھی کوئی خاص عبادت نہیں کرتا۔ البتہ ایک بات تھی کہ جب رات کو نیند اچاٹ ہو جاتی تو وہ اپنے بستر پر پہلو بدلتے اللہ تعالیٰ کا ذکر ضرور کرتا یہاں تک کہ نمازِ فجر کا وقت ہو جاتا۔ اس کے علاوہ میں نے جب بھی انہیں گفتگو کرتے سنا تو دیکھا کہ وہ ہمیشہ بھلائی ہی کی بات کرتے تھے۔ اسی طرح تین راتیں گزر گئیں۔ میرے خیال میں ان کا عمل معمولی تھا، چنانچہ میں نے ازراہِ حیرت

ان سے کہا:

''اللہ کے بندے! غصہ نہ کرنا، حقیقت یہ ہے کہ میرے اور میرے والد کے درمیان کوئی غصہ اور ناراضگی نہ تھی، بات دراصل یہ تھی کہ میں نے آپ کے بارے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے سنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے لیے کہا تھا کہ ''ابھی تمہارے سامنے ایک آدمی آئے گا جو جنتی ہے''۔ تین دن حضور نے یہ بات کہی اور تینوں مرتبہ آپ ہی آتے رہے۔ اس لیے میری خواہش تھی کہ میں آپ کے ہاں رہ کر آپ کا وہ عمل تلاش کرنے کی کوشش کرتا جس نے آپ کو اس مقام تک پہنچایا ہے تاکہ میں بھی اس عمل کو اختیار کر کے یہ رتبہ پالیتا لیکن میں نے تین دن آپ کے ہاں رہ کر یہ دیکھا ہے کہ آپ تو کوئی ایسا خاص عمل نہیں کرتے! آپ بتایئے، وہ کیا چیز ہے جس نے آپ کو اس بلند تر رتبہ تک پہنچا دیا ہے؟''

وہ صاحب کہنے لگے: ''عمل تو وہی ہے جو تم نے دیکھ لیا، اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔''

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کے اس جواب کو سن کر میں نے واپسی کی راہ لی، جب میں مڑا تو انہوں نے مجھے بلایا اور کہا:

((مَا هُوَ إِلَّا رَأَيْتَ غَيْرَ أَنِّيْ لَا أَجِدُ فِيْ نَفْسِيْ لِأَحَدٍ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ غِشًّا وَلَا أَحْسُدُ أَحَدًا عَلٰى خَيْرٍ أَعْطَاهُ اللّٰهُ إِيَّاهُ))

''جو کچھ تم نے دیکھا اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ البتہ میں اپنے دل میں کسی مسلمان کے بارے میں کھوٹ نہیں رکھتا ہوں اور نہ ہی کسی سے اس بات پر حسد رکھتا ہوں کہ اللہ نے اسے فلاں چیز سے کیوں نوازا ہے۔''

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ((هٰذِهِ الَّتِيْ بَلَغَتْ بِكَ وَهِيَ الَّتِيْ لَا نُطِيْقُ))

''ہاں! یہی تو وہ چیز ہے جس نے آپ کو اس بلند تر مرتبے تک پہنچا دیا ہے اور ہم لوگ اس چیز کی طاقت نہیں رکھتے!''[1]

اس حدیث سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ آخرت میں انسان کے اچھے انجام اور اللہ کی بارگاہ میں اس کے بلند تر درجہ حاصل کرنے میں حقد وکینہ سے نفس کی پاکیزگی اور حسد وغداری سے دل کی صفائی کا بڑا دخل

(۱) مسند احمد (ج۳ ص۱۶۶)، عمل الیوم واللیلۃ از نسائی (ح۸۶۳)

ہے۔ صاف دلی کا یہ اثر اس وقت بخوبی واضح ہو جاتا ہے جب ہم اس شخص (جس نے معمولی عبادت ہی کی تھی مگر حسد وکینہ سے بچنے کی وجہ سے وہ جنت کا مستحق ہو گیا) کا موازنہ اس عورت سے کرتے ہیں جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ وہ رات بھر نوافل پڑھتی ہے اور دن بھر روزہ رکھتی ہے لیکن اپنے پڑوسیوں کو تکلیف پہنچاتی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((هِيَ فِي النَّارِ)) ''وہ جہنمی ہے۔''[1]

اس لیے کہ اسلام کے ترازو میں اسی شخص کا پلڑا بھاری ہے جو سچا اور صاف دل ہے، جس کا نفس دغا بازی، غداری، حسد اور کینہ سے پاک ہوتا ہے، خواہ نفلی عبادت وہ کم ہی کرتا ہو۔ لیکن اس کے باوجود اس کی مثال اس صاف ستھری اینٹ کی طرح ہے جو اسلامی معاشرہ کی عمارت میں مضبوطی کے ساتھ لگی ہوئی ہو۔ لیکن جس شخص کے سینے میں لوگوں سے بغض، حسد، اذیت رسانی اور دغا بازی پروان چڑھ رہی ہو، اس کی نفلی عبادات خواہ کتنی ہی زیادہ ہوں مگر اسلام کے ترازو میں اس کا پلڑا ہلکا ہوتا ہے، اس لیے کہ اس کی مثال معاشرہ کی عمارت میں لگی ہوئی اس بوسیدہ اور خراب اینٹ کی سی ہے جو بسا اوقات اپنے جیسی دوسری اینٹوں کے ساتھ مل کر عمارت کے منہدم ہونے کا سبب بنتی ہے!

مبالغہ آرائی اور تکلف سے گفتگو نہیں کرتی:

باشعور اور سچی خاتونِ اسلام مبالغہ آرائی کرنے اور تکلف سے بنا بنا کر بولنے سے اجتناب کرتی ہے۔ وہ نمایاں ہونے کی خواہش میں یا لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے بہ تکلف گفتگو نہیں کرتی۔

مبالغہ آرائی اور متکلفانہ اندازِ گفتگو ایک باعمل خاتون کے اخلاق کے منافی ہے بلکہ یہ تو اس بے کار اور بے حیثیت انسان کی عادت بد ہے جس کا مقصد خود کو نمایاں کرنا، اپنی شخصیت کو ابھارنا اور لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانا ہوتا ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے مبالغہ آرائی کرنے اور تکلف سے بنا بنا کر بولنے والوں پر سخت نکیر فرمائی ہے اور آپ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ان پر سخت نکیر کی ہے یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((والذی لاالہ الا ھو مارایت احدا کان اشد علی المتنطعین من رسول اللہ ولارایت احدا اشد علیھم من بعدہ من ابی بکر وانی لاظن عمر کان اشد اھل الارض خوفا علیھم اولھم))

''اس ذات کی قسم! جس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں نے مبالغہ آرائی کرنے اور تکلف سے بنا بنا کر

---

(۱) مسند احمد (ج۲ ص ۴۴۰)

بولنے والوں پر رسول اللہ ﷺ سے زیادہ سخت نکیر کرتے ہوئے کسی کو نہیں دیکھا، اور نہ آپ کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ سے زیادہ ان پر نکیر کرتے ہوئے کسی کو دیکھا اور میرا خیال ہے کہ (اس کے بعد) عمر رضی اللہ عنہ تمام لوگوں سے زیادہ ان پر سخت تھے، ان کے بارے میں خوف کرنے کی وجہ سے۔"(١)

وہ لوگوں سے میل جول رکھتی اور لوگ اس سے میل جول رکھتے ہیں:

ایک سچی، باشعور اور دینی تعلیمات سے رہنمائی حاصل کرنے والی مسلمان عورت ہمیشہ دوسری عورتوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آتی ہے۔ وہ دوسروں سے محبت کرنے والی، ان سے میل جول رکھنے والی، ان میں گھل مل کر رہنے والی اور ان سے دوستی رکھنے والی ہوتی ہے۔ اس کے رویے کی وجہ سے دوسرے لوگ بھی اس سے محبت کرتے ہیں، اس سے گھل مل کر رہتے ہیں اور اس سے دوستی رکھتے ہیں۔ یہ ایک بلند معاشرتی خصلت ہے جسے ایک تہذیب یافتہ خاتونِ اسلام اختیار کرتی ہے۔ اس کے سامنے وہ حدیث ہوتی ہے جس میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((الا اخبر کم باحبکم الی واقربکم منی مجلسا یوم القیامة ؟فاعادھا ثلاثا اومرتین ، قالوا:نعم یارسول الله ،قال :احسنکم خلقا))

"کیا میں تمہیں ان لوگوں کے بارے میں نہ بتلاؤں جو میرے نزدیک سب سے محبوب اور قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ قریب ہوں گے؟ آپ ﷺ نے تین یا دو مرتبہ یہ فرمایا، تو صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ضرور بتلایئے۔ آپؐ نے فرمایا: "یہ وہ ہیں، جن کے اخلاق اچھے ہوں۔"(٢)

ایک اور روایت میں یہ اضافہ ہے: ((الموطاؤن اکنافا الذین یالفون ویولفون))

"یہ وہ ہیں جو نرم روی، اور لوگوں سے محبت کرنے والے ہوں اور لوگ ان سے محبت کرتے ہوں۔"

ایک روایت میں ہے: ((المومن یالف ویولف ولاخیر فیمن لایالف یولف))

'مومن محبت کرنے والا اور محبت کیا جانے والا ہوتا ہے۔ اس شخص میں کوئی خیر نہیں جو نہ دوسروں سے محبت کرے اور نہ دوسرے اس سے محبت کریں۔'(٣)

رسول کریم ﷺ نے اپنی امت کے لیے، لوگوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے اور ان کے دلوں کو موہ لینے کا

---

(١) المعجم الکبیر (ج١٠ ص٢٦٧ ح ١٠٣٦٩)، ابو یعلیٰ (ح ٥٠٢٢)، مجمع الزوائد (ج١٠ ص ٢٥١)

(٢) مسند احمد (ج٢ ص٢١٧، ٢١٨) (٣) مسند احمد (٤٠٠/٢)

اعلیٰ نمونہ پیش کیا ہے۔قول وعمل اور کردار میں اپنا اسوہ اختیار کرنے کی دعوت دی ہے اور لوگوں کے دلوں میں گھر کرنے اور ان کی محبت اور مودت اور پسندیدگی حاصل کرنے کا معتدل راستہ بتلایا ہے۔آپ ﷺ ہروقت خندہ رو، نرم خو اور خوش اخلاق رہتے تھے۔جس نے کبھی آپ ﷺ سے کچھ مانگا تو آپ ﷺ نے اسے خالی نہیں لوٹایا اور اگر مجبوری ہوئی تو نرم بات کہہ دی۔آپ کی خوش طبعی وخوش خلقی تمام لوگوں کے لیے عام تھی۔آپ ان کے باپ کی طرح تھے، اور وہ لوگ حق کے معاملہ میں آپ کے نزدیک برابر تھے۔آپ کی مجلس میں کسی کو کسی پر کوئی ترجیح اور امتیاز نہ تھا، اگر تھا تو تقویٰ کی بنیاد پر۔آپ ﷺ تین چیزوں سے دور رہتے تھے۔لڑائی جھگڑا، ڈینگیں مارنا اور لایعنی چیزوں میں پڑنا۔اسی طرح آپ لوگوں کے بارے میں تین چیزوں سے اجتناب کرتے تھے۔کسی کی برائی نہ کرتے۔نہ کسی کو عار دلاتے اور نہ کسی کے عیوب کے پیچھے پڑتے۔آپ ﷺ صرف وہی کہتے جس میں ثواب کی امید ہو۔جب آپ گفتگو فرماتے تو مجلس میں خاموشی چھا جاتی اور ایسا سناٹا چھا جاتا کہ گویا سروں پر پرندے بیٹھے ہوں اور جب آپ ﷺ خاموش ہو جاتے تو تب دوسرے لوگ بولتے۔

آپ کی مجلس میں لوگ لڑائی جھگڑا نہ کرتے۔جن باتوں پر لوگ ہنستے ان پر آپ بھی ہنستے اور جن باتوں پر لوگ تعجب کرتے ان پر آپ ﷺ بھی تعجب کا اظہار فرماتے، اگر کوئی اجنبی آپ سے گفتگو کرنے یا آپ ﷺ سے کچھ مانگنے میں درشت کلامی کرتا تو آپ برداشت کرتے تھے۔یہاں تک کے آپؐ کے اصحاب اس کی اس گستاخی پر اسے سرزنش کرتے۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ:

''آپ ﷺ برے لوگوں سے بچتے تھے اور ان کے ساتھ نرم گفتگو اور اچھا برتاؤ کر کے انہیں اپنی طرف مائل کر لیتے تھے۔ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ کے پاس آنے کی اجازت چاہی۔آپ ﷺ نے فرمایا: آنے دو، یہ اپنی قوم کا سب سے برا آدمی ہے۔پھر جب وہ شخص آیا تو آپؐ نے اس سے بہت نرمی سے گفتگو فرمائی۔اس کے جانے کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! آپ نے پہلے تو اس شخص کے بارے میں فرمایا کہ وہ اپنی قوم کا سب سے برا آدمی ہے پھر اس سے نرمی سے گفتگو فرمائی۔آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے عائشہ! لوگوں میں سب سے برا آدمی وہ ہے جس کی فحش گوئی سے بچنے کے لیے لوگ اس سے نہ الجھیں۔''[اس لیے اس برے شخص سے حضور نہیں الجھے][1]

(۱) بخاری: کتاب الادب: باب لم یکن النبی ﷺ فاحشا.(ح ۶۰۳۲)، مسلم: کتاب البر والصلة (۲۵۹۱)

رازافشانہیں کرتی:

ایک سچی مسلمان خاتون کا ایک وصف یہ ہوتا ہے کہ وہ راز کو راز ہی رکھتی ہے، اگر کوئی اسے اپنا راز بتائے تو وہ اسے افشاء نہیں کرتی۔ راز داری ایک ایسا وصف ہے جو انسان کی انسانیت، اس کی شخصیت کی عظمت اور اس کے اخلاق کی متانت پر دلالت کرتا ہے۔ اسلام کے ان نابغہ روزگار مردوں اور عورتوں کا یہی کردار تھا جنہوں نے نبوت کے سرچشمے سے فیض پایا اور جن کی زندگی تعلیماتِ نبوی کی عملی تصویر تھی۔

امام بخاریؒ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''جب میری بہن حفصہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہوگئیں تو میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے ملا اور انہیں حفصہ کی شادی کی پیش کش کرتے ہوئے کہا: ''اگر چاہو تو میں حفصہ کا نکاح تمہارے ساتھ کردوں۔'' انہوں نے کہا: ''میں غور کروں گا۔'' میں نے کئی رات انتظار کیا پھر وہ مجھ سے ملے اور کہا: ''میرا خیال ہے کہ ابھی شادی نہ کروں۔'' پھر میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملا اور کہا: ''اگر آپ چاہیں تو حفصہ کا نکاح آپ سے کردوں۔'' وہ خاموش رہے اور مجھے کوئی جواب نہ دیا اس بات پر مجھے عثمان رضی اللہ عنہ سے بھی زیادہ غصہ آیا۔ کچھ دن گزرے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حفصہ کا پیغام دیا چنانچہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا نکاح کردیا۔ ایک دن ابوبکر رضی اللہ عنہ مجھ سے ملے اور کہنے لگے: ''شاید آپ کو اس وقت مجھ پر غصہ آیا تھا۔ جب آپ نے مجھ سے حفصہ کی شادی کی پیش کش کی تھی اور میں نے کوئی جواب نہ دیا تھا۔'' میں نے کہا: ''ہاں'' تو انہوں نے فرمایا:

((فَإِنَّهُ لَمْ يَمْنَعْنِي أَنْ أَرْجِعَ إِلَيْكَ فِيمَا عَرَضْتَ عَلَيَّ إِلَّا أَنِّي كُنْتُ عَلِمْتُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ ذَكَرَهَا فَلَمْ أَكُنْ لِأُفْشِيَ سِرَّ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَلَوْ تَرَكَهَا النَّبِيُّ ﷺ لَقَبِلْتُهَا))

''میں نے آپ کی پیش کش کا جواب محض اس وجہ سے نہ دیا کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا تذکرہ کیا تھا اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس راز کو افشاء کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان سے نکاح نہ کرتے تو میں ضرور کر لیتا۔''[1]

راز داری کی صفت صرف مرد صحابہ رضی اللہ عنہم تک محدود نہیں بلکہ اس میں وہ عورتیں اور بچے بھی شریک ہیں جو اسلامی تعلیمات کے سرچشمے سے سیراب ہوئے، چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

---

(۱) بخاری: کتاب النکاح : باب عرض الانسان ابنته اواخته علی اهل الخیر (۵۱۲۲)

''میرے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ آپؐ نے ہم لوگوں کو سلام کیا۔ پھر ایک کام کے لیے آپؐ نے مجھے بھیجا جس کی وجہ سے میں اپنی ماں کے پاس دیر سے پہنچا، تو میری ماں نے پوچھا: دیر کیوں ہوئی؟ میں نے کہا: ''رسول اللہ ﷺ نے ایک کام کے لیے بھیج دیا تھا۔'' میری ماں نے کہا: کیا کام تھا؟ میں نے کہا: ''یہ رسول اللہ ﷺ کا راز ہے، اس لیے میں نہیں بتاؤں گا۔'' تو میری ماں نے کہا:

((لَا تُخْبِرَنَّ بِسِرِّ رسولِ اللّٰهِ ﷺ اَحَدًا)) ''رسول اللہ ﷺ کا راز کسی اور کو بھی نہ بتانا۔''[1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ماں نے انہیں رسول اللہ ﷺ کے راز کو پوشیدہ رکھنے کا خواہش مند دیکھا تو ان میں اس خواہش کو مزید تقویت پہنچائی اور انہیں تاکید کی کہ رسول اللہ ﷺ کا راز کسی کو نہ بتانا۔ چنانچہ انہوں نے وہ راز کسی کو نہ بتایا حتی کہ جلیل القدر تابعی حضرت ثابت بن اسلم کو بھی نہیں راز سے واقف ہونے کی خواہش حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ماں کو اس بات پر آمادہ نہ کر سکی کہ وہ اپنے چھوٹے بچے کو بہلا پھسلا کر رسول اللہ ﷺ کا وہ راز معلوم کر لیں، جسے وہ چھپا رہے تھے۔ یہ ہے اسلام کی تربیت اور یہ ہے وہ بلند مقام جہاں اس تربیت کے نتیجے میں ایک مسلمان فائز ہوتا ہے خواہ مرد ہو یا عورت یا بچہ۔

راز کا افشاء ایک بدترین اور گھناؤنی عادت ہے۔ زندگی میں ہر چیز کہنے کی نہیں ہوتی بہت سے معاملات ایسے ہوتے ہیں جن کے بارے میں مروت و شرافت اور غیرت کا تقاضہ یہ ہوتا ہے کہ وہ صیغہ راز ہی میں رہیں۔ خاص طور پر اس وقت جب وہ راز خانگی زندگی سے تعلق رکھتے ہوں۔ ایسی باتوں کو وہی شخص لوگوں کے درمیان عام کرے گا جس کی شخصیت میں فتور ہو یا جس کے اندر اوچھا پن اور کمینگی ہو۔ یہ لوگ اللہ کے نزدیک بدترین ہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ مِنْ اَشَرِّ النَّاسِ عِنْدَاللّٰهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ الرَّجُلُ يُفْضِىْ اِلَى الْمَرْاَةِ وَتُفْضِىْ اِلَيْهِ ثُمَّ يَنْشُرُ سِرَّهَا))

''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بدترین درجہ اس شخص کا ہوگا جو اپنی بیوی سے ہم آغوش ہو پھر اس کے راز کی تشہیر کرتا پھرے۔''[2]

(۱) بخاری: کتاب الاستیذان (۶۲۸۹)، مسلم: کتاب فضائل الصحابة: باب من فضائل انس بن مالکؓ (ح ۲۴۸۲)

(۲) مسلم: کتاب النکاح: باب تحریم افشاء سر المرأة (ح ۱۴۳۷)

فراخ دل ہوتی ہے:

دینی اَحکام کا شعور رکھنے والی مسلمان خاتون دوسروں کے ساتھ معاملہ کرنے میں فیاضی اور فراخ دلی سے کام لیتی ہے، اسے اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ فراخ دلی کی خصلت سے متصف شخص سے لوگ محبت کرنے لگتے ہیں، اس کے ساتھ وہ اللہ کی خوشنودی اور اس کے عفو ورحمت کا بھی مستحق ہو جاتا ہے جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((رَحِمَ اللّٰهُ رَجُلًا سَمْحًا اِذَا بَاعَ وَاِذَا اشْتَرٰى وَاِذَاقْتَضٰى))

''اللہ اس شخص پر رحم فرمائے جو خرید وفروخت کے موقع پر قرض کا تقاضا کرتے وقت فراخ دلی سے کام لیتا ہے۔''[1]

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((حُوسِبَ رَجُلٌ مِمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَلَمْ يُوجَدْلَهُ مِنَ الْخَيْرِ اِلَّا اَنَّهُ كَانَ رَجُلًا يُخَالِطُ النَّاسَ وَكَانَ مُوسِرًا فَكَانَ يَاْمُرُ غِلْمَانَهُ اَنْ يَتَجَاوَزُوْا عَنِ الْمُعْسِرِ قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ فَنَحْنُ اَحَقُّ بِذٰلِكَ مِنْهُ فَتَجَاوَزُوْا عَنْهُ))

''تم سے پہلے کے زمانے کے ایک شخص کا محاسبہ کیا گیا تو اس کے پاس کوئی نیکی نہ ملی سوائے اس کے کہ وہ لوگوں کے ساتھ لین دین کرتا تو فراخ دلی سے کام لیتا تھا، وہ خوش حال تھا چنانچہ اس نے اپنے غلاموں کو حکم دے رکھا تھا کہ تنگ دست سے درگذر کریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم اس کے اس سے زیادہ حق دار ہیں۔ چنانچہ اللہ کے حکم سے فرشتوں نے اسے چھوڑ دیا۔''[2]

خندہ پیشانی سے ملتی ہے:

ایک مسلمان خاتون اپنے شوہر اور دیگر رشتہ داروں سے ہمیشہ خندہ پیشانی سے ملتی ہے، کیونکہ اسے معلوم ہے کہ پسندیدہ اخلاقیات میں ایک چیز یہ بھی ہے کہ لوگوں کے ساتھ خندہ پیشانی اور شگفتہ روئی کے ساتھ ملا جائے، چہرہ کھلا ہوا ہو اور اس سے مسکراہٹ جھلکتی ہو تو خاوند کے دل میں محبت بڑھ جاتی ہے جبکہ اسلامی تعلیمات کی رو سے یہ حسنِ اخلاق بھی ہے اور نیکی کے کاموں میں سے ایک کام بھی۔ اسلام نے خندہ پیشانی

(۱) بخاری: کتاب البیوع: باب السهولة والسماحة لشراء البیع (ح ۲۰۷۶)

(۲) مسلم: کتاب المساقاة: باب فضل انظار المعسر (ح ۱۵۶۱)

سے ملنے پراُکسایا ہے، چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَاتَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئًا وَلَوْاَنْ تَلْقَ اَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ))

''معمولی سی نیکی کو بھی حقیر نہ سمجھو، خواہ وہ اپنے بھائی کے ساتھ خندہ پیشانی سے ملنا ہی کیوں نہ ہو۔''(۱)

صحیح بخاری و مسلم حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں:

((مَارَآنِيْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مُنْذُ اَسْلَمْتُ اِلَّاتَبَسَّمَ فِيْ وَجْهِيْ))(۲)

''میرے اسلام لانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے جب بھی مجھے دیکھا تو خندہ پیشانی ہی سے ملے۔''

غیراسلامی ماحول میں پرورش پانے والی ایک عورت اس طرح زندگی گذارتی ہے کہ وہ کسی پڑوسی کو یا کسی رشتہ دار کو دیکھ کر خوشی کا اظہار نہیں کرتی اور نہ ہی کسی سہیلی سے ملتے وقت اس کے چہرے پر محبت کی مسکراہٹ نمایاں ہوتی ہے۔ وہ ہمیشہ حیران و پریشان اپنے خیالوں میں مگن اور مادی زندگی کے تقاضوں کی تکمیل میں ہمہ تن مشغول رہتی ہے۔ مادی زندگی نے اس کے جذبات کے شعلے سرد اور روحانی آسودگی کے سوتے خشک کردیے ہیں۔ اگر ایک مسلمان خاتون بھی اسلام کے بتائے ہوئے اعلیٰ اخلاقیات کو پس پشت ڈال دے تو اس کا بھی انجام اسی طرح بھیانک ہوگا!

خوش طبع ہوتی ہے:

ایک مسلمان عورت اپنے رشتہ داروں، سہیلیوں اور دوسری عورتوں کے ساتھ خوش طبعی اور ظرافت سے پیش آتی ہے۔ ہنسی مذاق اور خوش طبعی کے موقعوں پر ان سے ہنسی مذاق کرتی ہے۔ وہ نہ اپنے ہنسی مذاق میں غلو کرتی ہے کہ اس سے لوگوں کو اذیت پہنچے اور نہ ہی اپنی سنجیدگی میں حد سے تجاوز کرتی ہے کہ اس کی سنجیدگی لوگوں پر گراں گذرے، بلکہ اس کی ہنسی مذاق اسلامی حدود کے اندر ہوتا ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتی جیسا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہنسی مذاق اور خوش طبعی کرتے تو وہ کہتے: اللہ کے رسول! آپ بھی دل لگی کرتے ہیں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنِّيْ لَا اَقُوْلُ اِلَّا حَقًّا))

---

(۱) مسلم: كتاب البر والصلة: باب استحباب طلاقة الوجه عند اللقاء(ح ۲۶۲۶)

(۲) بخاری: كتاب مناقب الانصار: باب ذكر جرير بن عبدالله البجلیؓ (ح ۳۸۲۲)، مسلم: كتاب فضائل الصحابة: باب من فضائل جرير بن عبداللهؓ(ح ۲۴۷۵)

’’میں (دل لگی میں بھی) صرف سچ بات کہتا ہوں۔‘‘[1]

معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ بھی ہنسی مذاق کیا کرتے تھے مگر آپ ہنسی مذاق میں بھی حق بات ہی کہتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی یہی حال تھا۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے درمیان ہونے والی خوش طبعیوں اور ہنسی مذاق کے سلسلہ میں بہت سے پرلطف واقعات اور دلچسپ و پاکیزہ لطائف مروی ہیں، ان میں سے کچھ یہاں بیان کیے جا رہے ہیں:

’’رسول اللہ ﷺ اپنے کسی صحابی کے بچے (جس کی کنیت ابوعمیر تھی) سے ہنسی مذاق کیا کرتے تھے۔ اس نے ایک پرندہ پال رکھا تھا جس سے وہ کھیلتا تھا۔ ایک دن آپ ﷺ نے اس کو رنجیدہ اور غمگین دیکھا تو فرمایا: کیا بات ہے ابوعمیر؟ کچھ غمگین نظر آ رہا ہے! لوگوں نے بتلایا کہ: ’’اللہ کے رسولؐ! اس کا وہ پرندہ مر گیا ہے، جس سے یہ کھیلتا تھا، تو رسول اللہ ﷺ اس بچے سے مذاق کرتے ہوئے کہنے لگے:

((اَبَا عُمَيْرُ! مَافَعَلَ النُّغَيْرُ))

’’ابوعمیر! تمہاری نُغَیرُ (یعنی چڑیا) کو کیا ہوا؟‘‘[2]

ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے ایک سواری مانگی۔ آپ ﷺ نے مذاق کرتے ہوئے فرمایا:

((اِنَّا حَامِلُوكَ عَلٰى وَلَدِ نَاقَةٍ فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَا اَصْنَعُ بِوَلَدِ نَاقَةٍ؟ فَقَالَ الرَّسُوْلُ ﷺ: وَهَلْ تَلِدُ الْاِبِلُ اِلَّا النُّوْقَ))

’’ہم تمہیں اونٹنی کا بچہ دیں گے۔ اس شخص نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں اونٹنی کا بچہ لے کر کیا کروں گا؟ (مجھے تو اونٹ چاہیے) آپ ﷺ نے فرمایا: کیا اونٹ اونٹنی کا بچہ نہیں ہوتا!‘‘[3]

امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک دیہاتی تھا جس کا نام ’زاہر‘ تھا۔ وہ نبی اکرم ﷺ کو دیہات سے تحفے بھیجا کرتا تھا اور نبی ﷺ بھی اسے تحفہ تحائف سے نوازتے تھے۔ اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ازراہِ مزاح فرمایا: ’’زاہر ہمارے دیہاتی اور ہم ان کے شہری ہیں۔‘‘ رسول

---

(۱) ترمذی: كتاب البر والصلة: باب ما جاء فی المزاح (ح۱۹۹۰)

(۲) بخاری: كتاب الادب: باب الكنية للصبي وقبل ان يولد للرجل (ح۶۲۰۳)، مسلم: كتاب الادب: باب جواز تكنية من لم يولد له (۲۱۵۰)

(۳) ابوداؤد: كتاب الادب: باب ما جاء فی المزاح (ح۴۹۹۸)، ترمذی: كتاب البر والصلة (ح۱۹۹۱)

اللہ ﷺ ان سے محبت کرتے تھے۔ وہ ذرا بدشکل تھے ایک مرتبہ وہ اپنا کوئی سامان فروخت کر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور پیچھے سے ان کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا نہیں، کہنے لگے: مجھے چھوڑو، کون ہے؟" پھر مڑے تو دیکھا کہ نبی ﷺ ہیں۔ (تو بس پھر کیا تھا! فوراً) انہوں نے اپنی کمر نبی ﷺ کے سینہ مبارک سے لگا دی اور مسلسل لگائے رہے اور رسول اللہ ﷺ اعلان کرنے لگے:

((مَنْ يَشْتَرِي الْعَبْدَ؟فَقَالَ :يَارَسُوْلَ اللّٰهِ!إِذَنْ وَاللّٰهِ تَجِدُنِيْ كَاسِدًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لٰكِنْ عِنْدَاللّٰهِ لَسْتَ بِكَاسِدٍ)) أَوْقَالَ :((لٰكِنْ عِنْدَاللّٰهِ أَنْتَ غَالٍ))

"اس غلام (کے سامان) کو کون خریدے گا؟ انہوں نے کہا: "یارسول اللہ، اللہ کی قسم! آپ تو مجھے بہت ارزاں اور کم قیمت پائیں گے۔" آپ ﷺ نے فرمایا: لیکن اللہ کے نزدیک تم ارزاں نہیں بلکہ قیمتی ہو۔"

ایک بڑھیا نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: "اے اللہ کے رسولؐ! اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے جنت میں داخل کرے۔ آپ ﷺ نے خوش طبعی کرتے ہوئے فرمایا: "اے بڑھیا! جنت میں کوئی بڑھیا نہیں جا سکتی!" اس بڑھیا نے رونا شروع کر دیا تو آپؐ نے فرمایا: "اسے بتاؤ کہ یہ بڑھیا ہو کر نہیں بلکہ جوان ہو کر جنت میں جائے گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّا أَنْشَأْنَاهُنَّ إِنْشَاءً ا فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَارًا﴾[الواقعة :٣٥،٣٦][٢]

"اہل جنت کی بیویوں کو ہم خاص طور پر نئے سرے سے پیدا کریں گے اور انہیں باکرہ بنا دیں گے۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"میں ایک سفر میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھی۔ ابھی میں نوعمر تھی، بدن بھاری نہیں ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا: "آگے چلے جاؤ۔" لوگ آگے بڑھ گئے تو مجھ سے فرمایا: "آؤ دوڑ کا مقابلہ کریں۔" میں نے آپ کے ساتھ دوڑ لگائی اور آپ سے آگے نکل گئی۔ آپؐ خاموش ہو گئے۔ یہاں تک کہ جب میں فربہ ہو گئی، میرا بدن بھاری ہو گیا اور میں اس واقعہ کو بھول چکی تھی تو ایک مرتبہ پھر آپ کے ساتھ سفر میں نکلی۔ آپؐ نے لوگوں سے فرمایا: "آگے چلے جاؤ۔" لوگ آگے بڑھ گئے تو آپؐ نے

---

(١) مسند احمد (٣/ ١٦١)، ترمذی فی الشمائل (ح٢٣٨)

(٢) شمائل ترمذی (ح٢٣٩)، شرح السنة (٣/ ١٨٣)

مجھ سے فرمایا: ''آؤ دوڑ کا مقابلہ کرتے ہیں۔'' میں نے دوڑ کا مقابلہ کیا تو آپؐ مجھ سے آگے بڑھ گئے۔ آپؐ ہنسنے لگے اور کہنے لگے: یہ پہلی جیت کا بدلہ ہے۔''(١)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ اسلام اپنے فرزندوں میں خوش طبعی، زندہ دلی اور روح کی لطافت وشرینی دیکھنا چاہتا ہے۔ یہ صفات ایسی ہیں جو انسان کو خوش اخلاق اور لوگوں کے درمیان محبوب شخصیت عطا کرتی ہیں، جن سے لوگوں کے دل فتح کیے جاسکتے ہیں۔

لوگوں کو خوش رکھتی ہے:

دینی تعلیمات سے روشنی حاصل کرنے والی ایک مسلمان خاتون جہاں بھی جاتی ہے، خوشی ومسرت کی جھونکے پھیلانے کی کوشش کرتی ہے اور دوسروں میں انس ومحبت اور خوشی وسرور پیدا کرنے کی سعی کرتی ہے۔ جواز کے حدود میں رہتے ہوئے لوگوں کو خوش کرنا اور ان کے دلوں میں خوشی ومسرت پیدا کرنا اسلام میں مطلوب ومستحسن ہے، شریعت نے اس کی ترغیب دی ہے تاکہ مسلمانوں کے معاشرے میں محبت و مودت اور خوشی ومسرت کی فضا پیدا ہو۔ ایک حدیث میں ہے:

((من لقی اخاه المسلم بمايحب الله ليسره بذلك سترہ الله عزوجل يوم القيامة))

''جو شخص اپنے مسلمان بھائی سے ملے اور اس سے اللہ کی خوشنودی کی ایسی باتیں کرے کہ وہ خوش ہو جائے، تو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ بھی اسے خوش کردے گا۔''(٢)

ایک مسلمان خاتون بہت سے جائز کاموں کے ساتھ اپنے مسلمان بہنوں کو خوش کرسکتی ہے مثلاً: اچھی بات، محبت آمیز مسکراہٹ، خوش کن ودلفریب ہنسی، تسلی بخش غمخواری، پرخلوص ملاقات، بے لوث عطیہ وغیرہ۔ ان کاموں سے دوسروں کے دلوں میں محبت پیدا کی جاسکتی ہے اور حسد وکینہ اور نفرت کی کدورتوں کو دور کیا جاسکتا ہے۔

غرور اور تکبر نہیں کرتی:

سچی اور مثالی خاتونِ اسلام تکبر اور غرور نہیں کرتی۔ نہ ہی وہ لوگوں کے سامنے تکبر سے گردن ٹیڑھی کرکے اکڑ اکے چلتی ہے، اس لیے کہ قرآن مجید میں صاف صاف یہ اعلان کردیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابدی

---

(١) مسند احمد (ج٦ ص ٢٦٤)، ابوداؤد: کتاب الجهاد: باب فی السبق علی الرجل (ج٣ص ٤١)

(٢) المعجم الصغير (ج٢ ص١٤٧)

زندگی کا چین وسکون اور راحت وآرام تکبر کرنے والوں پر حرام کر دیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴾

''وہ آخرت کا گھر تو ہم نے ان لوگوں کے لیے مخصوص کر دیں گے جو زمین میں اپنی بڑائی نہیں چاہتے اور نہ فساد کرنا چاہتے ہیں اور اچھا انجام تو متقین کے لیے ہے۔'' [القصص:۸۳]

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ فَقَالَ رَجُلٌ: اِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ أَنْ يَكُوْنَ ثَوْبُه حَسَنًا وَنَعْلُهُ حَسَنَةً ؟ قَالَ: اِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ، اَلْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ، وَغَمْطُ النَّاسِ))[1]

''جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ ایک شخص نے عرض کیا: آدمی چاہتا ہے کہ اس کا کپڑا اچھا ہو اور جوتا خوب صورت ہو۔ (کیا یہ بھی تکبر ہے؟) فرمایا: ''نہیں، بے شک اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔ تکبر یہ ہے کہ آدمی حق کا انکار کرے اور لوگوں کو حقیر سمجھے۔''

ایک حدیث میں ہے:

((اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاَهْلِ النَّارِ: كُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُسْتَكْبِرٍ))

''کیا میں تم کو نہ بتلاؤں کہ جہنم میں کون لوگ جائیں گے؟ ہر وہ شخص جو سرکش، بخیل اور متکبر ہے۔''[2]

ایک حدیث میں ہے:

((لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلٰى مَنْ جَرَّ اِزَارَهُ بَطَرًا))

''اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھے گا جو تکبر سے اپنا تہبند گھسیٹتا ہوا چلتا ہو۔''[3]

اس لیے کہ بڑائی اور عظمت الوہیت کی صفات میں سے ہے، یہ انسانوں کی شان نہیں کیوں کہ وہ کمزور پیدا کئے گئے ہیں۔ اس لیے جو لوگ تکبر کرتے ہیں اور سرکشی کا رویہ اختیار کرتے ہیں وہ لوگ دراصل مقام الوہیت پر دست درازی کرتے ہیں چنانچہ ان کا انجام یہ ہوگا کہ وہ دردناک عذاب میں مبتلا کر دیئے جائیں

(۱) مسلم: کتاب الایمان: باب تحریم الکبر وبیانہ (ح ۹۱)

(۲) بخاری: کتاب الادب: باب الکبر (ح ۶۰۷۱)، مسلم: کتاب الجنۃ: باب النار یدخلها الجبار (ح ۲۸۵۳)

(۳) بخاری: کتاب اللباس: باب من جر ثوبہ من الخیلاء (ح ۵۷۸۸)، مسلم: کتاب اللباس (ح ۲۰۸۷)

گے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

((اَلْعِزُّ اِزَارِیْ وَالْكِبْرِيَاءُ رِدَائِی فَمَنْ يُنَازِ عُنِیْ فِیْ وَاحِدٍ مِنْهُمَا فَقَدْ عَذَّبْتُهُ))

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، عزت (بڑائی) میری تہبند ہے اور عظمت میری چادر ہے، جو شخص ان دونوں میں سے کسی ایک کو مجھ سے چھیننے کی کوشش کرے گا اس پر میں عذاب نازل کر دوں گا۔''[1]

ایک حدیث میں ہے:

((مَنْ تَعَظَّمَ فِیْ نَفْسِهٖ اَوِاخْتَالَ فِیْ مَشْيَتِهٖ لَقِیَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ وَهُوَعَلَيْهِ غَضْبَانٌ))

''جو شخص اپنے جی میں بڑا بنے گا یا تکبر سے اترا کر چلے گا، وہ اللہ عزوجل سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ اس سے ناراض اور اس پر غضب ناک ہوگا۔''[2]

عاجزی وانکساری (تواضع) اختیار کرتی ہے:

ایک مسلمان خاتون غرور اور تکبر میں مبتلا ہونے کی بجائے ہمیشہ عاجزی وانکساری اور تواضع کو پسند کرتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے کوئی شخص جتنا تواضع کرے گا، اتنا ہی اللہ کے نزدیک اس کا درجہ بلند ہوگا جیسا کہ درج ذیل احادیث سے معلوم ہوتا ہے:

((مَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰهِ اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ))

''جو کوئی اللہ کے لیے تواضع کرے گا اللہ اس کا درجہ بلند کرے گا۔''[3]

((اِنَّ اللّٰهَ اَوْحٰی اِلَیَّ اَنْ تَوَاضَعُوْا حَتّٰی لَا يَفْخَرَ اَحَدٌ عَلٰی اَحَدٍ وَلَا يَبْغِیْ اَحَدٌ عَلٰی اَحَدٍ))

''اللہ نے مجھ پر وحی بھیجی ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ کوئی کسی پر بڑا بننے کی کوشش نہ کرے اور نہ کوئی کسی پر زیادتی کرے۔''[4]

رسول اللہ ﷺ کی زندگی تواضع، فروتنی، نرمی، لطف ومہربانی اور فراخ دلی کا زندہ اور بے مثل نمونہ تھی۔ یہاں تک کہ آپ کھیلتے ہوئے بچوں کے پاس سے گذرتے تو آپ کی نبوت اور عالی شان مقام ان کو سلام

(۱) مسلم: کتاب البر والصلة: باب تحریم الكبر (ح ۲۶۲۰)
(۲) مسند احمد (ج ۲ ص ۱۱۸)، الادب المفرد (ح ۵۴۹)
(۳) مسلم: کتاب البر والصلة: باب استحباب العفو والتواضع (ح ۲۵۸۸)
(۴) مسلم: کتاب الجنة: باب الصفات التی یعرف بها فی الدنیا اهل الجنة واهل النار (ح ۲۸۶۵)

کرنے اوران سے خندہ پیشانی سے پیش آنے اور خوش طبعی کرنے سے مانع نہ ہوتا تھا۔[۱]

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول ﷺ کی عاجزی وانکساری کا حال اس طرح بیان کرتے ہیں:

((اِنْتَهَيْتُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ يَخْطُبُ فَقُلْتُ :يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ،رَجُلٌ غَرِيْبٌ جَاءَ يَسْأَلُ عَنْ دِيْنِهِ لَايَدْرِىْ مَادِيْنُهُ ؟فَاَقْبَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَتَرَكَ خُطْبَتَهُ حَتّٰى انْتَهٰى اِلَيَّ فَاُتِيَ بِكُرْسِيٍّ فَقَعَدَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ يُعَلِّمُنِيْ مِمَّا عَلَّمَهُ اللّٰهُ ثُمَّ اَتٰى خُطْبَتَهُ فَاَتَمَّ اٰخِرَهَا))

''میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آپ خطبہ دے رہے تھے۔ میں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! میں ایک مسافر ہوں اور دین کے متعلق کچھ پوچھنے آیا ہوں کیونکہ میں دین کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ رسول اللہ ﷺ میری طرف متوجہ ہوئے اور خطبہ چھوڑ کر میرے پاس تشریف لائے۔ ایک کرسی لائی گئی جس پر آپ تشریف فرما ہوئے اور جن چیزوں کا علم آپ کو اللہ نے دیا تھا، اس میں سے مجھے سکھایا۔ پھر اس کے بعد خطبہ پورا کیا۔''[۲]

اللہ کے رسول کی ایک حدیث میں ہے:

''اگر مجھے ایک بکری کے ایک پائے یا ایک دستی کی دعوت دی جائے تو میں وہ بھی قبول کرلوں۔''[۳]

عرب معاشرے میں بکرے کے پائے یا دستی کو گھٹیا چیز سمجھا جاتا تھا مگر اللہ کے رسول کی عاجزی کا یہ عالم ہے کہ آپ اسے بھی حقیر نہ سمجھتے۔ تواضع کی یہ کتنی درخشندہ اور تابناک مثال ہے اور انسانی عظمت کا کتنا اعلیٰ مقام ہے۔ سبحان اللہ!!

بلند مقاصد کو پیشِ نظر رکھتی ہے:

ایک سچی مسلمان خاتون ہمیشہ بلند تر مقاصد کو پیش نظر رکھتی ہے اور گھٹیا اغراض ومقاصد، پست مفادات اور لایعنی اور مہمل کاموں کے لیے اس کے پاس فرصت نہیں ہوتی، کیونکہ اس کی تربیت اور نشوونما، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی تعلیمات پر ہوتی ہے، اس لیے وہ سنجیدگی اور وقار کو پسند کرتی ہے اور بے جا ہنسی

(۱) بخاری: کتاب الاستئذان: باب التسليم على الصبيان (ح۶۲۴۷)، مسلم: كتاب السلام: باب استحباب السلام على الصبيان (ح۲۱۶۸)

(۲) مسلم: كتاب الجمعة: باب حديث التعليم فى الخطبة (ح۸۷۶)

(۳) بخاری: كتاب الادب: باب من اجاب الى كراع (ح۵۱۷۸)

ومذاق اور بیہودگی کو ناپسند کرتی ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((ان اللہ عزوجل کریم یحب الکرماء ویحب معالی الامور ویکرہ سفسافھا))

''اللہ، عزت وجلال اور تکریم والا ہے، اور وہ نیک ومعزز لوگوں سے محبت کرتا ہے، بلند کاموں کو پسند کرتا ہے اور پست اور گھٹیا کاموں کو ناپسند کرتا ہے۔''(۱)

مہمان نواز ہوتی ہے:

ایک مسلمان خاتون مہمان نواز ہوتی ہے، مہمان کے آنے پر خوش ہوتی ہے اور اس کے اکرام واعزاز کی طرف لپکتی ہے جیسا کہ رسول اللہؐ کا ارشاد ہے:

((من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلیکرم ضیفہ))

''جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اسے چاہیے کہ وہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔''(۲)

گویا مہمان کی عزت کرنے والا، اپنے عمل سے ثابت کرتا ہے کہ وہ اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔ اسی لیے اس عزت واکرام کو بعض احادیث میں ''انعام'' سے تعبیر کیا گیا ہے جو مہمان کو دیا جاتا ہے گویا یہ مہمان کا شکریہ ہے کہ اس نے میزبان کو نیک عمل کا موقع دیا جس سے اس کا ایمان تازہ ہوتا اور اس کا رب خوش ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث نبویؐ ہے:

((من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلیکرم ضیفہ جائزتہ قالوا: وما جائزتہ یارسول اللہ ؟ قال: یومہ ولیلتہ والضیافۃ ثلاثۃ ایام فما کان ورآء ذلک فھو صدقۃ))

''جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے مہمان کی عزت کرے اور اس کا انعام دے۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! اس کا انعام کیا ہے؟'' فرمایا: ''ایک دن اور ایک رات پرتکلف مہمانی کرے، ویسے مہمان نوازی تین دن تک ہے اور اس سے زائد صدقہ ہے۔''(۳)

اسلام میں مہمان نوازی کوئی اختیاری فعل نہیں جو لوگوں کے مزاج، نفسیات اور شخصی اجتہادات کے تابع

---

(۱) مستدرک حاکم (ج ۱ ص ۴۸)، المعجم الکبیر (ح ۵۹۲۸)

(۲) بخاری: کتاب الادب: باب من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلا یؤذ جارہ (ح ۶۰۱۸) مسلم: کتاب الایمان: باب الحث علی اکرام الجار والضیف (ح ۴۷)

(۳) بخاری: ایضاً (ح ۶۰۱۹)، مسلم: کتاب اللقطۃ: باب الضیافۃ ونحوھا (ح ۱۴، ۴۸)

ہو، بلکہ یہ ہر مسلمان پر فرض اور لازم ہے کہ دن ہو یا رات، جب بھی کوئی مہمان اس کا دروازہ کھٹکھٹائے تو یہ اس کی مہمان نوازی اور خاطر و مدارت کرے، حدیث نبویؐ ہے:

((لیلة الضیف حق واجب علی کل مسلم فمن اصبح بفنائه فهو دین علیه فان شاء اقتضاه وان شاء ترکه))

''رات میں آنے والے شخص کی مہمان نوازی ہر مسلمان پر واجب حق ہے، اسی طرح اگر کوئی صبح آئے تو اس کی مہمان نوازی اس پر قرض ہے اب اگر (مہمان) چاہے تو اس کا تقاضا کرے اور چاہے تو چھوڑ دے۔''[1]

رہیں وہ عورتیں جو مہمان کے آنے پر تنگ دل ہو جاتی ہیں اور اس پر اپنے دروازے بند کر لیتی ہیں، ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لا خیر فیمن لا یضیف))

''جو شخص مہمان نوازی نہ کرے، اس میں کوئی خیر نہیں۔''[2]

اسلام نے مہمان نوازی کو ہر مسلمان پر واجب قرار دیا ہے اور اسے مہمان کا حق شمار کیا ہے جس کی ادائیگی میزبان پر فرض ہے، اور اس میں کوتاہی ایک مسلمان کے شایانِ شان نہیں۔ لیکن اگر لوگوں کے دلوں میں لالچ اور بخیلی پیدا ہو جائے اور وہ مہمان کا حق ادا کرنے سے گریز کریں تو اسلام نے مہمان کو اجازت دی ہے کہ وہ ان سے اپنا حق وصول کرلے۔ جیسا کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسولؐ! آپ ہمیں سفر پر بھیجتے ہیں تو راستے میں ہمیں ایسے لوگوں کے یہاں ٹھہرنا پڑتا ہے جو ہماری مہمان نوازی نہیں کرتے، ایسے موقع پر آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((ان نزلتم بقوم فامرلکم بما ینبغی للضیف فاقبلوا فان لم یفعلوا فخذوا منهم حق الضیف الذی ینبغی لهم))

''اگر تم ایسے لوگوں کے یہاں ٹھہرو اور وہ تمہارے ساتھ ویسا ہی معاملہ کریں تو تم خود ان سے مہمان کا حق زبردستی وصول کرلو جو ان پر عائد ہوتا ہے۔''[3]

---

(۱) ابوداؤد: کتاب الاطعمة: باب ماجاء فی الضیافة (ح ۳۷۵۰)، ابن ماجه: کتاب الادب (ح ۳۶۷۷)

(۲) مسند احمد (ج ۴ ص ۱۵۵)

(۳) بخاری: کتاب الادب: باب اکرام الضیف خدمته ایاه بنفسه (ح ۶۱۳۷)

مہمان نوازی اسلام کے عمدہ اخلاق میں سے ہے،اسی لیے کوئی مسلمان خاتون جس کا اسلام بہتر اوراخلاق اچھا ہو،وہ مہمان نوازی میں بخل نہیں کرسکتی۔خواہ اس کی اقتصادی حالت جیسی بھی ہو۔اس لیے کہ اسلام نے تعلیم دی ہے کہ دوآدمیوں کا کھانا تین آدمیوں کے لیے کافی ہےاور تین آدمیوں کا کھانا چار آدمیوں کے لیے کافی ہے۔اس لیے کہ اگر اچانک کوئی مہمان آپہنچے تب بھی کوئی پریشانی نہیں ہونی چاہیے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((طعام الاثنين كافي الثلاثة وطعام الثلاثة كافي الاربعة))[1]

''دوآدمیوں کا کھانا تین آدمیوں کے لیے کافی ہےاور تین آدمیوں کا کھانا چار آدمیوں کیلیے کافی ہے۔'

ایک روایت میں ہے:''......اور چار آدمیوں کا کھانا آٹھ آدمیوں کے لیے کافی ہے۔''[2]

سچی خاتون اسلام کھانے پر زیادہ لوگوں کے جمع ہوجانے سے نہیں ڈرتی،جس طرح کہ ایک غیر مسلم خاتون ڈرتی ہے کہ اگر کوئی شخص اچانک آپہنچے جس کے لیے پہلے سے کھانا تیار نہ کیا گیا ہوتو اسے کھانے میں شریک نہیں کرتی۔اس کے برعکس مسلمان خاتون اچانک آجانے والے مہمان کا استقبال کرتی ہے،اسے اپنے کھانے میں شریک کرلیتی ہےاور اسی طرح اگر اس کے پیٹ کے حصہ سے چند لقمے کم ہوجائیں تو اس کو گراں نہیں سمجھتی،اس لیے کہ بھوکا رہ جانا سچی خاتون اسلام کے نزدیک مہمان سے اعراض کرنے سے بہتر ہے،کیونکہ مہمان کی عزت کرنے کا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے۔ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ ایک آدمی کے کھانے میں برکت عطاء فرماتا ہے کہ وہ دوآدمیوں کے لیے کافی ہوجاتا ہےاور دوآدمیوں کے کھانے میں برکت عطا فرماتا ہے کہ وہ چار آدمیوں کے لیے کافی ہوجاتا ہے۔

ہمارے اسلاف نے مہمان نوازی کی اعلیٰ مثال قائم کی حتی کہ اللہ تعالیٰ کو بھی مہمان نوازی کی مثال پسند آئی۔جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

''ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔آپ نے اپنی بیویوں کے پاس کہلا بھیجا(کہ جو کچھ کھانا ہو بھیج دو)سب نے جواب دیا کہ''ہمارے پاس پانی کے سوا کچھ نہیں۔''تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا:''اس شخص کی کون مہمان نوازی کرسکتا ہے؟''ایک انصاری نے عرض کیا:''میں۔''

---

(۱) بخاری: کتاب الاطعمة: باب طعام الواحد یکفی الاثنین (ح۵۳۹۲)، مسلم: کتاب الاشربة: باب فضیلة المواساة فی الطعام القلیل (ح۲۰۵۸) (۲) مسلم: ایضاً (ح۲۰۵۹)

پھر وہ اسے اپنے گھر لے گئے اور اپنی بیوی سے کہا: ''رسول اللہ ﷺ کے مہمان کی خاطر تواضع کرو۔'' بیوی نے کہا: ''میرے پاس بچوں کے کھانے کے علاوہ کچھ نہیں۔'' انہوں نے کہا: ''چراغ درست کر لینا اور جب وہ مہمان کھانے کا ارادہ کرے، تو بچوں کو سلا دینا۔'' ان کی بیوی نے ایسا ہی کیا، کھانا تیار کر لیا، چراغ درست کر لیا اور بچوں کو سلا دیا۔ پھر وہ کھڑی ہوئی اور چراغ درست کرنے کے بہانے اسے بجھا دیا اور دونوں نے مہمان کے ساتھ بیٹھ کر یہ ظاہر کیا کہ اس کے ساتھ وہ بھی کھا رہے ہیں۔ اس طرح انہوں نے (مہمان کو کھانا کھلا دیا اور خود) فاقے سے رات گذار دی۔ جب صبح ہوئی اور وہ صحابی رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((لقد عجب الله من صنيعكما بضيفكما الليلة))

''تم دونوں (میاں بیوی) نے رات اپنے مہمان کے ساتھ جو معاملہ کیا وہ اللہ کو بہت پسند آیا۔''

اور اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ويؤثرون على انفسهم ولو كان بهم خصاصة ومن يوق شح نفسه فاولئك هم المفلحون﴾ [الحشر: ٩]

''وہ اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں، خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنے دل کی تنگی سے بچائے گئے وہی فلاح پانے والے ہیں۔''

سچی خاتون اسلام سمجھدار اور ذہین ہوتی ہے۔ وہ جب اپنے کسی عزیز کے ہاں مہمان بن کر جاتی ہے تو اس کے حالات کا خیال رکھتی ہے اور زیادہ دن اس کے گھر پڑاؤ نہیں کرتی کہ اس کے رہنے سے میزبان کو دشواری، پریشانی اور حرج لاحق ہو یہاں تک کہ بسا اوقات معاملہ تنگی، دل برداشتگی اور نفرت و کراہت تک پہنچ سکتا ہے۔ بلکہ وہ رسول کریم ﷺ کی تعلیمات سے یہ جانتی ہے کہ آپؐ نے ایسا کرنے کو حرام قرار دیا ہے اور اسے اسلام کی روح کے منافی بتلایا ہے جیسا کہ امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((لا يحل لمسلم ان يقيم عند اخيه حتى يرثمه قالوا: يارسول الله او كيف يوثمه؟ قال يقيم عنده ولا شئى له يقريه به))

''کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی کے یہاں اتنا (عرصہ تک) ٹھہرے کہ اسے گناہ گار کر دے۔ صحابہؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اسے گناہ گار کیسے کر دے گا؟ آپؐ نے فرمایا: اس

طرح کے وہ میزبان کے ہاں اتنا ٹھہرے کہ اس کی ضیافت کے لیے میزبان کے پاس کچھ نہ رہے!''

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((ولا یحل له ان یثوی عنده حتی یحرجه))

''اس کے لیے جائز نہیں کہ اپنے بھائی کے ہاں اتنا ٹھہرے کہ اسے تنگی میں ڈال دے۔''[1]

دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دیتی ہے:

اسلام کے سرچشموں سے سیراب ہونے والی ایک سچی خاتونِ اسلام ہمیشہ ایثار اور قربانی کرتی ہے، خواہ خود غربت اور فقر میں مبتلا ہو، اس لیے کہ اسلام نے اپنی تعلیمات کے ذریعے اسے ایثار کا عادی بنادیا ہوتا ہے۔ اور اسے رغبت دلائی ہوتی ہے کہ وہ ایثار کی راہ اختیار کرے حتی کہ ایثار کے ذریعے وہ دوسروں کے مقابلے میں امتیاز حاصل کر لے۔ انصاری صحابہؓ رسولِ کریم ﷺ کے بعد ایثار کے پہلے علم بردار تھے، یہاں تک کہ ان کی صفت ایثار پر قرآن نازل ہوا جس میں ان کے بے مثل ایثار کی تحسین و تعریف کی گئی۔ ان کے ایثار کی عظمت کا اندازہ محض اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب ان کے مہاجر بھائی تہی دست و تہی دامن ان کے یہاں آئے تو انہوں نے خندہ روئی کے ساتھ ان کا استقبال کیا اور اپنی ہر چیز میں انہیں شریک کر لیا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف ان لفظوں میں بیان فرمائی:

﴿وَالَّذِينَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ [الحشر: ۹]

''اور وہ لوگ جو مہاجرین کی آمد سے پہلے ہی ایمان لا کر دارالہجرت میں مقیم تھے، وہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں اور جو کچھ بھی ان (مہاجرین) کو دے دیا جائے اس کی کوئی حاجت تک یہ اپنے دلوں میں محسوس نہیں کرتے، اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنے دل کی تنگی سے بچا لیے گئے وہی فلاح پانے والے ہیں۔''

نبی ﷺ کی حیات طیبہ ایثار سے پر تھی۔ آپ ﷺ نے خود عمل کر کے صفتِ ایثار کو صحابہ کرامؓ کے نفوس

(۱) صحیح مسلم: كتاب اللقطة: باب الضيافة ونحوها

میں راسخ کیا اور ان کی طبیعتوں اور عادتوں میں اسے پیوست کیا۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''ایک عورت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک بنی ہوئی چادر لے کر آئی اور عرض کیا: ''میں نے اس کو اپنے ہاتھ سے بُنا ہے تاکہ آپ کو پہناؤں۔'' نبی ﷺ نے اس کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے سے لے لیا، پھر آپ ﷺ اس کا تہبند بنا کر باہر ہمارے مجمع میں تشریف لائے تو ایک شخص نے کہا: ''کتنی اچھی ہے! یہ مجھے دے دیجئے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ٹھیک ہے۔ آپ اسی جگہ بیٹھے رہے پھر تھوڑی دیر بعد تشریف لے گئے اور وہ چادر اتار کر لپیٹی اور مانگنے والے کو بھیج دی۔ لوگ اس شخص سے کہنے لگے: تم نے اچھا نہیں کیا۔ نبی ﷺ اسے پہنے ہوئے تھے، آپ کو اس کی ضرورت بھی تھی، پھر بھی تم نے مانگ لی حالانکہ تم جانتے ہو کہ آپ کسی سائل کو واپس نہیں کرتے۔'' اس نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے اسے اس لیے نہیں مانگا کہ اسے پہنوں بلکہ صرف اس لیے مانگا کہ یہ میرا کفن بنے۔'' سیدنا سہل فرماتے ہیں کہ وہ چادر اس کے کفن ہی میں کام آئی۔''[1]

بُری عادتوں کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرتی ہے:

سچی خاتونِ اسلام کا ایک امتیازی وصف یہ ہے کہ وہ اپنی ہر پسندیدہ عادت کو اسلام کے سانچے میں ڈھالتی ہے۔ وہ جاہلانہ عقائد وتصورات کی بجائے اسلامی عقائد وتصورات کو اختیار کرتی ہے۔ اس کی تمام عادات واطوار اسلام کے امتیازی اور بنیادی اصولوں سے مستفاد و ماخوذ ہوتی ہیں، چنانچہ وہ ان عادات واطوار کو اختیار نہیں کرتی جن سے اسلام منع کرتا ہے مثلاً:

☆......خاتونِ اسلام سونے چاندی کے برتن استعمال نہیں کرتی کیونکہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

((نهانا النبی ﷺ ان نشرب فی آنية الذهب والفضة))

''نبی ﷺ نے ہمیں سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے سے منع کیا ہے۔''[2]

☆......خاتونِ اسلام منگنی اور شادی کی ان رسموں کے پیچھے نہیں پڑتی جنہیں بے عمل مسلمانوں نے غیر مسلموں سے بغیر سوچے سمجھے قبول کر لیا ہے جیسے داہنے ہاتھ میں منگنی کی انگوٹھی پہننا، پھر شبِ زفاف اسے بائیں ہاتھ میں منتقل کر دینا۔ اسی طرح وہ کسی غیر محرم فوٹو گرافر کو اجازت نہیں دیتی، جو شبِ زفاف میں اس

(۱) بخاری: کتاب اللباس: باب البرود والحبر والشملة (ح ۵۸۱۰)

(۲) بخاری: کتاب الاشربة: باب الشرب فی آنية الذهب (۵۶۳۲)

کے اوراس کے شوہر کے یادگار فوٹو بنائے۔

☆......اسی طرح ایک مسلمان خاتون گھر میں تصاویر لٹکانے، مجسمے نصب کرنے اور شوقیہ کتے پالنے کی عادات نہیں اپناتی کیونکہ اسلام نے ایسی عادتیں اختیار کرنے سے سخت منع کیا ہے اور انہیں تمام مسلمانوں کے لیے حرام قرار دیا جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((ان الذین یصنعون ھذہ الصورۃ یعذبون یوم القیامۃ یقال لھم :احیوا ما خلقتم))

''جولوگ یہ تصویریں بناتے ہیں انہیں قیامت میں عذاب دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا جو کچھ تم نے بنایا ان میں جان ڈالو۔''[1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر سے تشریف لائے، تو میں نے ایک کھڑکی پر ایک پردہ لٹکا رکھا تھا جس میں کچھ تصویریں تھیں۔ جب آپ کی نظر اس پر پڑی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((یاعائشۃ اشد الناس عذابا عنداللہ یوم القیامۃ الذین یضاھون بخلق اللہ !قالت : فقطعناہ فجعلنا منہ وسادۃ او وسادتین))

''اے عائشہ! قیامت کے روز سب سے سخت عذاب ان لوگوں پر ہوگا جو اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزوں کی نقل اتارتے ہیں۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پھر ہم نے اس پردے کے ٹکڑے کر کے اس سے تکیے بنا لیے۔''[2]

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لاتدخل الملائکۃ بیتا فیہ کلب ولاصورۃ))

''جس گھر میں کتا یا تصویر ہو اس میں (رحمت کے فرشتے) فرشتے نہیں آتے۔''[3]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''ایک دفعہ حضرت جبریل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا کہ فلاں

---

(۱) بخاری: کتاب اللباس: باب عذاب المصورین یوم القیامۃ(ح ۵۹۵۱)،مسلم: کتاب اللباس: باب تحریم تصویر صورۃ الحیوان(ح ۲۱۰۸)

(۲) بخاری: کتاب اللباس: باب ماوطئ من التصاویر (ح ۵۹۵۴)، مسلم: ایضاً(ح ۲۱۰۷)

(۳) بخاری: کتاب اللباس:باب التصاویر(ح ۵۹۴۹)، مسلم : کتاب اللباس: ایضا(ح ۲۱۰۶)

وقت آؤں گا، وہ وقت آ گیا مگر جبریلؑ نہ آئے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((مایخلف اللہ وعدہ ولا رسلہ ،ثم التفت ،فاذا جرو کلب تحت سریرہ، فقال متی دخل ھذا الکلب؟فقلت :واللہ مادریت بہ فامر بہ فاخرج فجاءہ جبریلؑ فقال رسول اللہ ﷺ وعدتنی فجلست لك ولم تاتنی فقال:منعنی الکلب الذی کان فی بیتك انالا تدخل بیتافیہ کلب ولاصورۃ))

''اللہ اور اس کے پیغامبر وعدہ خلافی نہیں کرتے، پھر آپ کی نظر چارپائی کے نیچے پڑی تو کتے کا پلا نظر آیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ کب آ گیا؟'' میں نے عرض کیا: ''مجھے نہیں معلوم'' آپ ﷺ نے اسے نکال دینے کا حکم دیا پھر حضرت جبریلؑ تشریف لائے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آپ نے مجھ سے آنے کا وعدہ کیا تھا اور میں آپ کے انتظار میں بیٹھا رہا مگر آپ وقت پر نہ آئے۔'' حضرت جبریلؑ نے کہا: ''مجھے اس کتے نے روکے رکھا جو آپ کے گھر میں تھا، کیونکہ ہم اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔''(۱)

اسلام جو عقیدہ توحید لے کر آیا ہے اور جس نے پندرہ صدیاں قبل شرک و جاہلیت کے بتوں کو چکنا چور کر دیا تھا، ایک سچی خاتون اسلام ان بتوں کو دوبارہ مسلمانوں کی زندگی میں لانے سے انکار کرتی ہے۔ لیڈروں کی یادگار کے نام پر، یا آرٹسٹوں کی عزت افزائی اور تکریم کے طور پر، یا عالم، شاعر اور ادیب کی تعظیم کے لیے جو لوگ ان بتوں کو دوبارہ نصب کرنا چاہتے ہیں، ان کی مخالفت کرتی ہے۔ اسلامی معاشرہ توحید پر عمل پیرا ہوتا ہے، وہ اللہ کے علاوہ کسی اور کی تعظیم و تقدیس نہیں کرتا، اس لیے اسلامی معاشرے میں ان بتوں اور مجسموں کے لیے نہ کوئی جگہ ہے اور نہ کوئی قدر و قیمت!

ملاقات کے وقت 'سلام' کہتی ہے:

خاتونِ اسلام کا ایک امتیازی وصف یہ ہے کہ وہ جب بھی دوسروں سے ملتی ہے تو سب سے پہلے دین اسلام کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق 'سلام' یعنی: اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ کہتی ہے۔

دینِ اسلام میں 'سلام' کا رواج محض معاشرتی رسم کے طور پر نہیں ہے بلکہ یہ ایک متعین اور مقرر اسلامی ادب ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حکم دیا ہے اور رسول کریم ﷺ نے اپنی بے شمار احادیث میں

(۱) مسلم: کتاب اللباس: باب تحریم تصویر صورۃ الحیوان (۲۱۰۴)

اس کے اصول وضوابط بتلائے ہیں جبکہ محدثین نے اپنی کتابوں میں ''کتاب السلام'' یا ''باب السلام'' کے نام سے اس موضوع پر مستقل باب (عنوان) قائم کیے ہیں۔ آئندہ سطور میں 'سلام' کہنے کے بارے میں چند آیات اور احادیث پیش خدمت ہیں:

☆......﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا ﴾[النور:٢٧]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو جب تک کہ گھر والوں کی اجازت نہ لے لو اور گھر والوں پر سلام نہ بھیج لو۔''

☆......﴿ وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا ﴾[النسآء:٤/٨٦]

''جب تمہیں کوئی سلام کرے تو اس کو اس سے بہتر طریقے کے ساتھ جواب دو یا کم از کم اسی طرح۔''

☆......﴿ فَإِذَا دَخَلْتُم بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً ﴾[النور ٦١]

''جب گھروں میں داخل ہوا کرو تو اپنے لوگوں کو سلام کیا کرو۔ یہ دعائے خیر، اللہ کی طرف سے مقرر فرمائی ہوئی ہے اور بڑی بابرکت اور بڑی پاکیزہ ہے۔''

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اسلام میں کون سا عمل سب سے بہتر ہے؟ آپؐ نے فرمایا:

☆......((تُطْعِمُ الطَّعَامَ ،وَتَقْرَأُ السَّلَامَ عَلَىٰ مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَّمْ تَعْرِفْ))

''(مستحقین کو) کھانا کھلاؤ اور سلام کرو، خواہ کسی کو پہچانتے ہو یا نہ پہچانتے ہو۔''[1]

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

☆......((أَمَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِسَبْعٍ: بِعِيَادَةِ الْمَرِيضِ وَاتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ وَتَشْمِيتِ الْعَاطِسِ وَنَصْرِ الضَّعِيفِ وَعَوْنِ الْمَظْلُومِ وَإِفْشَاءِ السَّلَامِ وَإِبْرَارِ الْمُقْسِمِ))

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سات چیزوں کا حکم دیا۔ مریض کی عیادت کرنا۔ جنازہ میں شرکت کرنا۔ چھینکنے والے کا جواب دینا۔ کمزور کی مدد کرنا۔ مظلوم کا تعاون کرنا، سلام کو عام کرنا اور قسم پوری کرنا۔''[2]

---

(١) بخاری: كتاب الايمان: باب اطعام الطعام (١٢)، مسلم: كتاب الايمان: باب بيان تفاضل الاسلام (٣٩)

(٢) بخاری: كتاب النكاح: باب حق اجابة الوليمة والدعوة (ح٥١٧٥)، مسلم: كتاب اللباس (ح٢٠٦٦)

☆......((وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ حَتّٰی تُؤْمِنُوْا وَلَاتُؤْمِنُوْا حَتّٰی تَحَابُّوْا اَوَلَا اَدُلُّکُمْ عَلٰی شَیْءٍ اِذَا فَعَلْتُمُوْہُ تَحَابَبْتُمْ ؟اَفْشُوالسَّلَامَ بَیْنَکُمْ))

''اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم لوگ اس وقت تک جنت میں نہیں جا سکتے جب تک کہ ایمان نہ لے آؤ اور اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ باہم محبت نہ کرنے لگو۔ کیا میں تمہیں ایسی بات نہ بتلاؤں جس پر عمل کرنے سے آپس میں محبت پیدا ہو جائے گی؟ وہ یہ ہے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو بہت زیادہ سلام کہا کرو۔''[(۱)]

☆......((اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِاللّٰہِ مَنْ بَدَاَھُمْ بِالسَّلَامِ))

''لوگوں میں اللہ سے قریب وہ شخص ہے جو سلام میں پہل کرے۔''[(۲)]

☆......حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کئی مرتبہ بازار تشریف لے جاتے اور جس کے پاس سے بھی گزرتے اسے سلام کرتے۔ ایک دن کسی نے آپ سے پوچھا: ''آپ بازار میں آخر کیا کرتے ہیں؟ آپ نہ تو خرید وفروخت کرتے ہیں نہ سودے کے بارے میں کچھ پوچھتے ہیں نہ قیمت وغیرہ پوچھتے ہیں اور نہ بازار کی مجلسوں میں بیٹھتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا:

((اِنَّمَا نَغْدُو مِنْ اَجَلِ السَّلَامِ عَلٰی مَنْ لَقِیْنَا))

''ہم تو صرف اس لیے بازار جاتے ہیں تاکہ جو بھی ملے اس کو سلام کریں۔''[(۳)]

معلوم ہوا کہ 'سلام' کہنا ایک اسلامی ادب ہے جبکہ سلام کے لیے صرف ایک صیغہ ہے جس کا ایک سچی اور حقیقی مسلمان خاتون پابندی کرتی ہے اور وہ یہ ہے: ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' اسے سلام میں پہل کرنے والی خاتون کہتی ہے جبکہ اس کے جواب میں جواب دینے والی یہ کہتی ہے:

"وعلیکم السلام ورحمة الله وبرکاته"

ایک سچی خاتون، اسلام ان کلمات کو چھوڑ کر عربی کا قدیم کلمہ جیسے...... ''عم صباحا'' (صبح خوشگوار ہو) یا عربی کا جدید کلمہ جیسے...... ''صباح الخیر'' (صبح بخیر) جو انگریزی کے (Good Morning) اور فرانسیسی کے

---

(۱) مسلم: کتاب الایمان: باب بیان انه لایدخل الجنة الاالمؤمنون (ح۵۴)

(۲) ابوداؤد: کتاب الادب: باب فی فضل من بدأبالسلام (ح۵۱۹۷)، ترمذی: کتاب الاستئذان: باب ماجاء فی فضل الذی یبدأ بالسلام (ح۲۶۹۴)

(۳) مؤطا: کتاب السلام: باب جامع السلام (ح۶)

(Bonjour) کا لفظی ترجمہ ہے یا اسی طرح کے ان کلمات کو اختیار نہیں کرتی جو غیر مسلم معاشروں میں مروج ہیں۔

اسلام کا یہی وہ 'سلام' ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کی پیدائش کے وقت سے ہمیشہ کے لیے اپنی مخلوق کے لیے خاص کر دیا ہے۔ آدمؑ کو بھی اسی کی تعلیم دی اور فرمایا کہ اسی کے ذریعہ فرشتوں کو سلام کریں اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ زمانہ گذرنے کے ساتھ ساتھ ہر جگہ آدم کی ذریت اسی کو اپنائے اس لیے کہ اس میں ''سلامتی'' کے معنی پائے جاتے ہیں اور سلامتی کو ہر زمان و مکان میں انسان پسند کرتا رہا ہے۔ اس سلام کو صرف امت مسلمہ ہی نے اپنائے رکھا۔ نہ کچھ تغیر و تبدیلی کی نہ اس سے سر مو انحرف کیا ہے اور نہ ہی اس کے اختیار کرنے میں سستی کا مظاہرہ کیا ہے۔

مرد ہو یا عورت، سلام سب کو کیا جائے گا، بشرطیکہ کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔ اس کی تائید حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث سے ہوتی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ

((انَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَرَّفِیْ الْمَسْجِدِ یَوْمًا وَعُصْبَةٌ مِنَ النِّسَاءِ قُعُوْدٌ فَاَلْوٰی بِیَدِهٖ بِالتَّسْلِیْمِ))

''رسول اللہ ﷺ ایک دن مسجد میں گذرے۔ وہاں عورتوں کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی تو آپ ﷺ نے انہیں ہاتھ کے اشارے سے سلام کیا۔''[۱]

سلام کو بچوں کو بھی کیا جائے گا تاکہ وہ اسلام کے آداب و ضوابط سیکھ لیں۔ 'سلام' کہنے کے آداب میں یہ بات بھی شامل ہے کہ سلام پست آواز سے کیا جائے تاکہ جاگنے والے سن لیں اور سونے والوں کی نیند میں خلل بھی واقع نہ ہو۔ اور یہی رسول اللہ ﷺ کی عادت شریفہ تھی۔[۲]

کسی کے گھر بغیر اجازت داخل نہیں ہوتی:

دین اسلام کے صاف و شفاف چشمے سے سیراب ہونے والی اور دینی آداب کا شعور رکھنے والی ایک مسلمان خاتون اپنے گھر کے علاوہ دوسروں کے گھر میں بغیر اجازت داخل نہیں ہوتی، کیونکہ کسی کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت لینا اللہ کا حکم ہے جس میں تساہل یا اعراض کی گنجائش نہیں، بلکہ بغیر

(۱) ابوداؤد: کتاب الادب: باب فی السلام علی النساء (ح ۵۲۰۴)، ترمذی: کتاب الاستئذان: باب ماجاء فی التسلیم علی النساء (ح ۲۶۹۷)، ابن ماجۃ: کتاب الادب: باب السلام علی الصبیان والنساء (ح ۳۷۰۱)

(۲) مسلم: کتاب الاشربۃ: باب اکرام الضیف وفضل ایثارہ (ح ۲۰۵۵)

اجازت کسی کے گھر میں داخل ہونا شکوک وشبہات پیدا کر سکتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ فَإِن لَّمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّى يُؤْذَنَ لَكُمْ وَإِن قِيلَ لَكُمُ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا هُوَ أَزْكَى لَكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴾[النور:۲۷،۲۸]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو، جب تک کہ گھر والوں کی اجازت نہ لے لو اور گھر والوں پر سلام نہ بھیج لو۔ یہ طریقہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ توقع ہے کہ تم اس کا خیال رکھو گے۔ پھر اگر وہاں کسی کو نہ پاؤ تو داخل نہ ہو جب تک کہ تم کو اجازت نہ دے دی جائے اور اگر تم سے کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو یہ تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے۔''

اجازت لینے کے آداب:

اجازت طلبی کے بھی کچھ آداب ہیں جنہیں اسلام نے ہر مسلمان مرد وعورت کے لیے لازم کیا ہے۔ پہلا ادب یہ ہے کہ دروازے کے سامنے کھڑا نہ ہوا جائے بلکہ دروازے سے ہٹ کر دائیں یا بائیں جانب کھڑا ہوا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کی سنت یہی ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

((إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ إِذَا أَتَى بَابًا يُرِيدُ أَنْ يَسْتَأْذِنَ لَمْ يَسْتَقْبِلْهُ جَاءَ يَمِينًا أَوْ شِمَالًا فَإِنْ أَذِنَ لَهُ وَإِلَّا انْصَرَفَ))

''نبی ﷺ جب کسی کے گھر جاتے اور اجازت لینا چاہتے تو دروازے کے دائیں یا بائیں جانب کھڑے ہوتے۔ اگر اجازت مل جاتی (تو داخل ہوتے) ورنہ واپس لوٹ جاتے۔''[۱]

اجازت لینے کے اس طریقے میں حکمت یہ ہے کہ کہیں کسی نامحرم پر نگاہ نہ پڑ جائے جیسا کہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّمَا جُعِلَ الْاِسْتِئْذَانُ مِنْ أَجْلِ الْبَصَرِ))

''اجازت لینے کا حکم اس لیے مقرر ہوا ہے تاکہ کسی غیر محرم پر نظر نہ پڑ جائے۔''[۲]

(۱) ابوداؤد: کتاب الادب: باب کم مرة یسلم الرجل فی الاستئذان (ح۵۱۸۶)

(۲) بخاری: کتاب الاستئذان: باب الاستئذان من اجل البصر (ح۶۲۴۱)، مسلم: کتاب الادب (ح۲۱۵۶)

اس لیے اجازت لینے والے کے لیے جائز نہیں کہ وہ دروازے کے سامنے اس طرح کھڑا ہو کہ دروازہ کھلنے پر اس کی نظر اندر پہنچ جائے۔

دوسرا ادب یہ ہے کہ پہلے سلام کیا جائے، پھر اجازت مانگی جائے۔ جیسا کہ حضرت ربعی بن حراش رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قبیلہ بنو عامر کے ایک شخص نے ہم سے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تھے۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آنے کی اجازت طلب کرتے ہوئے کہا: ''کیا میں اندر آ جاؤں؟'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خادم سے فرمایا: جاؤ اس کو اجازت مانگنے کا طریقہ بتلاؤ۔ اور اس سے کہو کہ یوں اجازت مانگے: ''السلام علیکم، کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟'' اس آدمی نے سن لیا اور کہا: ''السلام علیکم'' کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی اور وہ اندر آ گیا۔''(۱)

تیسرا ادب یہ ہے کہ جب گھر کے اندر سے پوچھا جائے کون ہے؟ تو اپنی پہچان کے لیے اپنا نام یا کنیت اگر مشہور ہو تو وہ بتلائے اور کوئی مبہم کلمہ جیسے ''میں ہوں'' وغیرہ نہ کہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو ناپسند فرمایا ہے کہ دروازہ کھٹکھٹانے والا ''میں'' یا کوئی ایسا کلمہ کہے جس سے اس کی شخصیت نہ پہچانی جا سکے۔(۲)

چوتھا ادب یہ ہے کہ اگر گھر والے داخل ہونے کی اجازت نہ دیں بلکہ واپس ہو جانے کو کہیں تو بغیر محسوس کیے واپس لوٹ جانا چاہیے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں یہی حکم دیا ہے:

﴿وَإِنْ قِيلَ لَكُمُ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا هُوَ أَزْكَى لَكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ﴾[النور:۲۸]

''اور اگر تم سے کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو واپس ہو جاؤ۔ یہ تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے۔''

اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((اَلْاِسْتِئْذَانُ ثَلَاثٌ فَإِنْ اُذِنَ لَكَ وَإِلَّا فَارْجِعْ))

''اجازت تین مرتبہ لینی چاہیے اگر تمہیں اجازت مل جائے تو داخل ہو جاؤ ورنہ واپس پلٹ جاؤ۔''(۳)

مجلس کے آداب کا خیال رکھتی ہے:

حقیقی، مثالی، باشعور اور دینی تعلیمات سے رہنمائی حاصل کرنے والی مسلمان عورت مجلس کے ان آداب کا

(۱) ابوداؤد: کتاب الادب: باب کیف الاستئذان (ح ۵۱۷۷)

(۲) بخاری: کتاب الاستئذان: باب اذا قال من ذا فقال انا (ح ۶۲۵۰)

(۳) بخاری: کتاب الاستئذان: باب التسلیم والاستئذان ثلاثا (۶۲۴۵)، مسلم: کتاب الادب: باب

خیال رکھتی ہے جو رسول اللہ ﷺ کی قولی و عملی تعلیمات سے مستفاد ہیں۔ ان آداب میں سے پہلی چیز یہ ہے کہ مجلس کے آخر میں بیٹھنا چاہیے، لہٰذا ایک مسلمان خاتون عین مجلس کے بیچ یا آگے بیٹھنے کے لیے دوسروں کی گردنیں نہیں پھلانگتی بلکہ وہ اس ادب کا خیال رکھتی ہے جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((كُنَّا اِذَا اَتَيْنَا النَّبِيَّ ﷺ جَلَسَ اَحَدُنَا حَيْثُ يَنْتَهِي)) (۱)

''جب ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو جہاں مجلس ختم ہو رہی ہوتی وہیں بیٹھ جاتے۔''

اسی طرح وہ دو عورتوں کے درمیان نہیں کود پڑتی اور اگر دونوں کے درمیان بیٹھنے کی شدید ضرورت ہو تو وہ پہلے ان دونوں سے اجازت لیتی ہے۔ اس لیے کہ بغیر اجازت دو آدمیوں کو الگ کر دینے سے رسول اللہ ﷺ نے منع کرتے ہوئے فرمایا:

((لَا يَحِلُّ لِرَجُلٍ اَنْ يُفَرِّقَ بَيْنَ الْاِثْنَيْنِ اِلَّا بِاِذْنِهِمَا)) (۲)

''کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ دو آدمیوں کے درمیان ان کی اجازت کے بغیر حائل ہو جائے۔''

سعید مقبریؒ فرماتے ہیں کہ: ''میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس سے گذرا۔ ان کے ساتھ ایک آدمی تھا جس سے وہ گفتگو فرما رہے تھے۔ میں ان دونوں کے پاس کھڑا ہو گیا، تو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے میرے سینے پر ایک گھونسہ مارا اور کہا:

((اِذَا وَجَدْتَ اثْنَيْنِ يَتَحَدَّثَانِ فَلَا تَقُمْ مَعَهُمَا، وَلَا تَجْلِسْ مَعَهُمَا حَتّٰى تَسْتَاْذِنَهُمَا فَقُلْتُ : اَصْلَحَكَ اللّٰهُ يَا اَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ اِنَّمَا رَجَوْتُ اَنْ اَسْمَعَ مِنْكُمَا خَيْرًا))

''جب دو آدمیوں کو بات کرتے ہوئے دیکھو تو بغیر ان کی اجازت کے نہ ان کے پاس کھڑے ہو اور نہ ان کے ساتھ بیٹھو۔'' میں نے عرض کیا: ''اے ابو عبدالرحمٰن! میں صرف اس لیے کھڑا ہو گیا تھا کہ مجھے امید تھی کہ آپ دونوں سے اچھی بات سنوں گا!'' (۳)

مجلس کا ایک ادب یہ ہے کہ اگر کوئی مجلس سے اٹھ کر اسے اپنی جگہ بٹھانا چاہے تو وہاں نہ بیٹھے، یہی بہتر

---

(۱) ابوداؤد: کتاب الادب: باب فی التحلق (ح ۴۸۲۵)، ترمذی: کتاب الاستئذان (باب ۲۹ — ح ۲۷۲۵)

(۲) ابوداؤد: کتاب الادب: باب فی الرجل یجلس بین الرجلین بغیر اذنهما (۴۸۴۵)، ترمذی: کتاب الادب: باب ما جاء فی کراهیة الجلوس بین الرجلین بغیر اذنهما (ح ۲۷۵۲)

(۳) الادب المفرد (ح ۱۱۶۶) مسند احمد (ج ۲ ص ۱۱۴)

اور افضل ہے۔ صحابہ کرامؓ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((لَایُقِیْمَنَّ اَحَدُکُمْ رَجُلًا مِنْ مَجْلِسِهٖ ثُمَّ یَجْلِسُ فِیْهِ وَلٰکِنْ تَوَسَّعُوْا وَتَفَسَّحُوْا وَکَانَ ابْنُ عُمَرَ اِذَا قَامَ لَهٗ رَجُلٌ مِنْ مَجْلِسِهٖ لَمْ یَجْلِسْ فِیْهِ))

''کوئی شخص مجلس سے کسی شخص کو اٹھا کر اس کی جگہ ہرگز نہ بیٹھے البتہ مجلسوں میں وسعت اور کشادگی پیدا کرو۔'' چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ اگر کوئی شخص ان کے لیے اپنی جگہ خالی کر دیتا تو وہ وہاں نہیں بیٹھتے تھے۔(۱)

خاتونِ اسلام جب مجلس میں بیٹھتی ہے تو حضور نبی کریم ﷺ سے مروی آداب کا لحاظ رکھتی ہے۔ آپ ﷺ کی مجلس کا یہ حال تھا کہ آپ مجلس میں بیٹھنے والے ہر شخص کو اس کا حق دیتے تھے۔ آپ کی مجلس میں بیٹھنے والا ہر شخص یہی سمجھتا تھا کہ آپ کے نزدیک اس سے زیادہ کوئی معزز نہیں۔ آپ ﷺ نہ کسی کی مذمت کرتے، نہ کسی کو عار دلاتے، نہ کسی کے عیوب کے پیچھے پڑتے، نہ ایسی گفتگو کرتے کہ جس میں کوئی خیر و ثواب نہ ہو۔ نہ کسی کی گفتگو میں دخل اندازی کرتے یہاں تک کہ وہ اپنی بات ختم کر لیتا یا مجلس سے اٹھ کر چلا جاتا۔(۲)

مجلس میں جمائی لینے سے حتی الامکان احتراز کرتی ہے:

اسی طرح مجلس میں بیٹھنے اور مجلس کے آداب کا شعور رکھنے والی ایک مہذب خاتونِ اسلام حتی الامکان جمائی لینے سے احتراز کرتی ہے اور اگر جمائی آ جائے تو جہاں تک ممکن ہو، اس کو دفع کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ کیونکہ رسولِ کریم ﷺ نے یہی طریقہ بتلایا ہے، آپ کا ارشاد ہے:

((اِذَا تَثَاءَبَ اَحَدُکُمْ فَلْیَکْظِمْ مَااسْتَطَاعَ))

''جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو جہاں تک ہو سکے، وہ اسے روکنے کی کوشش کرے۔''(۳)

اور اگر جمائی اتنی زور سے آئے کہ روک نہ سکے تو منہ پر ہاتھ رکھ لے کیونکہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

---

(۱) بخاری: کتاب الاستئذان: باب لایقیم الرجل الرجل من مجلس (ح ۶۲۶۹، ۶۲۷۰)، مسلم: کتاب السلام: باب تحریم اقامة الانسان من موضعه المباح الذی سبق الیه (ح ۲۱۷۷)

(۲) شمائل ترمذی (۳۵۰)

(۳) بخاری: کتاب الادب: باب اذا تثآء ب......... (ح ۶۲۲۶)، مسلم: کتاب الزهد: باب تشمیت العاطش (ح ۲۹۹۴)

((اِذَاتَثَاءَ بَ اَحَدُکُمْ فَلْيُمْسِكْ بِيَدِهِ عَلٰى فِيْهِ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ))

''جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو وہ اپنا ہاتھ منہ پر رکھ لے، اس لیے کہ ہاتھ نہ رکھنے سے شیطان منہ میں داخل ہو جاتا ہے۔''(۱)

مجلس میں جمائی لینا ایک بری اور متنفر کرنے والی عادت ہے اور ایک مہذب خاتونِ اسلام کے شایانِ شان نہیں ہے۔ اس لیے جب اسے جمائی آئے، تو اسے کھلے ہوئے منہ پر ہاتھ رکھ کر اور دوسرے لوگوں سے اس منظر کو چھپا کر اسے ختم کرنا چاہیے۔ نبی کریم ﷺ نے یہی تعلیم دی ہے کہ ایک مسلمان اپنے عمل سے مجلس میں بیٹھنے والوں کو متنفر نہ کرے اور انہیں یہ احساس نہ دلائے کہ وہ ان کے ساتھ بیٹھنے سے اُکتا گیا ہے اور ان کے پاس سے جانا چاہتا ہے یا ان لوگوں کو اپنے پاس سے بھگانا چاہتا ہے۔

چھینکتے وقت اسلامی آداب کا لحاظ رکھتی ہے:

جس طرح اسلام نے مجلس میں جمائی لینے کا ادب سکھایا ہے اسی طرح چھینکنے کا بھی ادب بتلایا ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْعِطَاسَ وَيَكْرَهُ التَّثَاؤُبَ فَاِذَاعَطَسَ اَحَدُكُمْ وَحَمِدَ اللّٰهَ تَعَالٰى كَانَ حَقاً عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ سَمِعَهُ اَنْ يَقُوْلَ لَهُ :يَرْحَمُكَ اللّٰهُ وَاَمَّا التَّثَاؤُبَ فَاِنَّمَاهُوَ مِنَ الشَّيْطَانِ فَاِذَا تَثَاءَ بَ اَحَدُكُمْ فَلْيَرُدَّهُ مَااسْتَطَاعَ فَاِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا تَثَاءَ بَ ضَحِكَ مِنْهُ الشَّيْطَانُ))

''اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند کرتا ہے اور جمائی کو ناپسند کرتا ہے لہٰذا جب کسی کو چھینک آئے تو وہ ((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ)) کہے اور دوسرا مسلمان جو اسے سنے، اس پر لازم ہے کہ وہ ((يَرْحَمُكَ اللّٰهُ)) (اللہ تم پر رحم کرے) کہے۔ جمائی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔ لہٰذا جب کسی کو جمائی آئے تو جہاں تک ممکن ہو اسے دفع کرنے کی کوشش کرے، اس لیے کہ جب کوئی شخص جمائی لیتا ہے تو شیطان اس کو دیکھ کر ہنستا ہے۔''(۲)

معلوم ہوا کہ جسے چھینک آئے، وہ ((الحمدللہ)) کہے اور سننے والا ((یرحمک اللہ)) کہے۔ ایک روایت میں ہے کہ پھر چھینکنے والا یرحمک اللہ کہنے والے کے جواب میں یہ دعا کرے:

(۱) مسلم: كتاب الزهد: باب تشميت العاطس (ح۲۹۹۵)

(۲) بخاری: كتاب الادب: باب ما يستحب من العطاس وما يكره من التثاؤب (ح۶۲۲۳)

((يَهْدِيْكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ))

"اللہ تمہیں ہدایت دے اور تمہاری حالت درست فرمائے۔"

اس طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

"دو آدمیوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے چھینک آئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کی چھینک کا جواب دیا مگر دوسرے کی چھینک کا جواب نہ دیا۔ جس شخص کو چھینک کا جواب نہیں دیا تھا اس نے عرض کیا: فلاں شخص کو چھینک آئی تو آپ نے اس کا جواب دیا اور مجھے چھینک آئی تو آپ نے جواب کیوں نہ دیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس نے ((الحمد للہ)) کہا تھا جبکہ تم نے ((الحمد للہ)) نہیں کہا۔"

چھینک کے موقع پر ایک دوسرے کو کہے جانے والے ان کلمات کا تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مقصود اللہ کا ذکر اور مسلمانوں کے مابین اخوت و بھائی چارگی، محبت و مودت اور اخلاص کے رشتوں کا استحکام ہے۔ چھینکنے والا اپنے سر سے اشتعال، ہیجان اور اضطراب دور ہو جانے پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہے، اور اس کی حمد بیان کرتا ہے اور دوسرا شخص جب اسے اللہ کی حمد بیان کرتے ہوئے دیکھتا ہے تو اس کے لیے رحمت کی دعا کرتا ہے کیونکہ اللہ کی حمد کرنے والا اس کی رحمت کا مستحق ہو جاتا ہے پھر چھینکنے والا چھینک کا جواب دینے والے کے لیے اس سے زیادہ لمبی اور جامع دعا کرتا ہے جو خیر و بھلائی، محبت و مودت اور اُنس و پیار کے معانی سے لبریز ہوتی ہے۔

چھینکنے کا ایک ادب یہ بھی ہے کہ چھینکنے والا اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لے اور جہاں تک ہو سکے اپنی آواز پست رکھنے کی کوشش کرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چھینکنے کے وقت یہی عادت تھی۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا عَطَسَ وَضَعَ يَدَهُ اَوْثَوْبَهُ عَلٰى فِيْهِ وَخَفَضَ اَوْغَضَّ بِهَا صَوْتَهُ شَكَّ الرَّاوِيُّ))[۳]

"رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب چھینک آتی تو اپنا دست مبارک یا کپڑا منہ پر رکھ لیتے اور آواز پست کر لیتے۔"

---

(۱) بخاری: کتاب الادب: باب اذا عطس کیف یشمت (ح ۶۲۲۴)

(۲) بخاری: کتاب الادب: باب لایشمت العاطس اذا لم یحمد اللّٰہ (ح ۶۲۲۵)، مسلم (ح ۲۹۹۱)

(۳) ابوداؤد: کتاب الادب: باب فی العطاس (ح ۵۰۲۹)، ترمذی: کتاب الادب: باب ما جاء فی خفض الصوت وتخمیر الوجه عند العطاس (ح ۲۷۴۵)

تیسرے فرد کے ہوتے ہوئے دوسرے سے سرگوشی نہیں کرتی:

دینی احکام کا شعور رکھنے والی ایک مسلمان خاتون نہایت ذکی الحس، باریک بین، دوسروں کے احساسات کا احترام کرنے والی اور اسلامی آداب پر عمل کرنے والی ہوتی ہے۔ اسلامی آداب میں سے ایک عالی اَدب یہ بھی ہے کہ تیسرے فرد کے ہوتے ہوئے دوفرد آپس میں سرگوشی نہ کریں جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اِذَا كُنْتُمْ ثَلَاثَةً فَلَايَتَنَاجَ اِثْنَانِ دُوْنَ الْاٰخِرِ حَتّٰی تَخْتَلِطُوْا بِالنَّاسِ مِنْ اَجَلِ اَنَّ ذٰلِكَ يُحْزِنُهُ))

''جب تین شخص ہوں تو تیسرے کو چھوڑ کر دو آپس میں سرگوشی نہ کریں، الا یہ کہ اور لوگوں سے جا ملو، ورنہ اس سے تیسرا آدمی غمگین ہوگا۔''(۱)

اسلامی طرزِ زندگی اختیار کرنے والی ایک مسلمان عورت کانا پھوسی، سرگوشی اور کھسر پھسر سے احتراز کرتی ہے تاکہ تیسرے شخص کے احساسات مجروح نہ ہوں اور اسے وحشت وتنہائی اور تنگی کا احساس نہ ہو۔ لیکن اگر کسی سے علیحدگی میں گفتگو کی سخت ضرورت ہو تو وہ اس وقت تیسرے فرد سے اجازت لے لیتی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کے نفوس میں اسلام جاگزیں ہوگیا تھا اور اسلامی اخلاق وتعلیمات ان کی رگ رگ میں سرایت کی گئی تھیں، وہ لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں ان اسلامی آداب سے کبھی غافل نہ ہوتے تھے۔ بطورِ مثال ایک روایت ملاحظہ فرمائیے:

''عبداللہ بن دینار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ خالد بن عقبہ رضی اللہ عنہ کے گھر کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص آیا اور ان سے چپکے سے کوئی بات کرنا چاہی۔ اس وقت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس میرے علاوہ کوئی نہ تھا۔ انہوں نے ایک اور آدمی کو بلایا۔ اب ہم چار ہوگئے تو مجھ سے اور اس شخص کو جسے بلایا تھا کہا: ''تم دونوں ہٹ جاؤ، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی سنا ہے:

((لَايَتَنَاجَى اِثْنَانِ دُوْنَ وَاحِدٍ))

''ایک شخص کو الگ کرکے دو آدمی سرگوشی نہ کریں۔''(۲)

---

(۱) بخاری: کتاب الاستئذان: باب اذا کانوا اکثر من ثلاثة فلا باس بالمسارة والمناجاة (ح ۶۲۹۰)، مسلم: کتاب السلام: باب تحریم مناجاة الاثنین دون الثالث بغیر رضاہ (ح ۲۱۸۳)

(۲) مؤطا: کتاب الکلام: باب ما جاء فی مناجاة اثنین دون واحد (ج ۲ ص ۹۹۸ ح ۱۳)

بڑوں اور اہلِ فضل کی تعظیم کرتی ہے:

اسلامی تعلیمات میں اس بات کو نہایت اہمیت حاصل ہے کہ دوسروں کا احترام کیا جائے، کسی کو ذلیل اور پست نہ سمجھا جائے اور نہ ہی کسی کی تحقیر کی جائے۔ خاص طور پر اس وقت جب وہ احترام اور تعظیم کا اہل بھی ہو۔ اپنے سے بڑوں، اور اصحابِ علم و فضل کا احترام چونکہ اسلامی کے بنیادی اَخلاقی اصولوں میں سے ہے، اس لیے ایک مسلمان خاتون ان اخلاقی اصولوں کا پورا لحاظ رکھتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

((ليس من امتي من لم يجل كبيرنا ويرحم صغيرنا ويعرف لعالمنا حقه))

''وہ شخص میری امت میں سے نہیں جو ہمارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے علماء کا حق نہ پہچانے۔''(۱)

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک وفد آیا۔ اس میں سب سے چھوٹے حضرت عبدالرحمٰن بن سہل رضی اللہ عنہ تھے۔ جب وہ آپ ﷺ سے بات کرنے لگے تو آپ ؐ نے فرمایا:

((كَبِّرْ كَبِّرْ)) ''یعنی اپنے میں سے کسی بڑے کو بات کرنے کا موقع دو۔''

چنانچہ عبدالرحمٰن خاموش ہو گئے اور ان سے بڑے نے آپ (ﷺ) سے گفتگو کی۔''(۲)

اسی طرح آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((ان من اجلال الله تعالىٰ اكرام ذى الشيبة المسلم وحامل القرآن غير الغالي فيه والجافي عنده واكرام ذى السلطان المقسط))

''اللہ تعالیٰ کی تعظیم میں یہ بات بھی شامل ہے کہ بوڑھے مسلمان، حافظِ قرآن جو نہ حدود اللہ سے تجاوز کرے نہ قرآن سے روگردانی کرے اور منصف بادشاہ کی عزت کی جائے۔''(۳)

خیر القرون کے مسلمانوں کی زندگیاں ان بلند اخلاق کی عملی تصویریں تھیں چنانچہ وہ لوگ بزرگوں اور اہل فضل کی عزت و احترام کرنے میں بے مثل نمونہ تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

((امرنا رسول اللهﷺ ان ننزل الناس منازلهم))

---

(۱) مسند احمد (ج ۵ ص ۳۲۳)

(۲) بخاری: كتاب الادب: باب اكرام الكبير .... (ح ۶۱۴۲)، مسلم: كتاب القسامة: باب القسامة (ح ۱۶۶۹)

(۳) ابوداؤد: كتاب الادب: باب فى تنزيل الناس منازلهم (ح ۴۸۴۳)

''ہمیں اللہ کے رسولؐ نے حکم دے رکھا تھا کہ لوگوں کے ساتھ معاملات کرتے وقت ان کے مقام و مرتبہ کا خیال رکھیں۔''[1]

اسی طرح ایک اور صحابیِ رسول ابوسعید سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((لقد كنت على عهد رسول الله ﷺ غلاما ،فكنت احفظ عنه ،فمايمنعني من القول الا ان هاهنا رجالا هم اسن مني))[2]

''میں عہدِ رسالت میں بچہ تھا، اور آپؐ کے ارشادات یاد کرلیا کرتا تھا مگر مجھے ان ارشادات کے بیان کرنے سے صرف یہ چیز مانع ہے کہ یہاں کچھ ایسے لوگ موجود ہیں، جو عمر میں مجھ سے بڑے ہیں۔''

بڑوں کی تعظیم اور ان کے ادب و احترام کے سلسلہ میں ایک مسلمان عورت کو جو نمونے اپنے سامنے رکھنے چاہییں، ان میں سے ایک عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا نمونہ بھی ہے، وہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں تھے وہاں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک سوال کیا جس کا جواب ابن عمرؓ کو معلوم تھا مگر وہ محض ابوبکرؓ و عمرؓ کے احترام کی وجہ سے خاموش رہے، اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ایک مجلس میں ﷺ ارشاد فرمایا:

''بتاؤ وہ کون سا درخت ہے جس کی مثال مسلمان جیسی ہے جو اپنے رب کے حکم سے ہر زمانہ میں بار آور رہتا ہے اور جس کے پتے کبھی نہیں جھڑتے؟''

میرے جی میں آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے مگر میں نے بولنا مناسب نہیں سمجھا کیونکہ اس مجلس میں ابوبکرؓ و عمرؓ بھی تھے۔ جب وہ دونوں بھی خاموش رہے تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''وہ کھجور کا درخت ہے۔''

پھر جب میں اپنے والد (حضرت عمرؓ) کے ساتھ باہر نکلا تو میں نے ان سے عرض کیا: ''ابا جان! میرے جی میں آیا تھا کہ وہ کھجور کا درخت ہے۔'' انہوں نے فرمایا: ''پھر آخر تو نے کیوں نہیں بتلایا؟ اگر تو بتلا دیتا تو مجھے یہ فلاں فلاں چیزوں سے زیادہ محبوب ہوتا۔'' ابن عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''میں صرف اس وجہ سے خاموش رہا کہ میں نے دیکھا کہ آپ رضی اللہ عنہ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کچھ نہیں بول رہے، اس لیے میں نے بھی بولنا مناسب نہیں سمجھا۔''[3]

---

(۱) صحیح مسلم (ج ا ص ۵۵) (۲) اسد الغابة (۲/ ۳۵۴)، تهذيب الكمال (۸/ ۱۳۹)

(۳) بخاری: کتاب العلم: باب الحياء في العلم (ح ۱۳۰)، مسلم: کتاب صفات المنافقين (ح ۲۸۱۱)

دوسروں کے گھر نہیں جھانکتی:

خاتونِ اسلام کی ایک صفت یہ بھی ہونی چاہیے کہ وہ دوسروں کے گھروں میں تاک جھانک نہ کرے، اس لیے کہ یہ باشرم، حیادار اور باادب مسلمانوں کا اخلاق نہیں۔ رسول کریم ﷺ نے ایسے لوگوں کے بارے میں وعید سنائی ہے جو دوسروں کے گھروں میں جھانکتے ہیں اور ان کی لغزشوں، عیوب اور پردہ کی جگہوں کی ٹوہ میں لگے رہتے ہیں۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَنِ اطَّلَعَ فِیْ بَیْتِ قَوْمٍ بِغَیْرِ اِذْنِهِمْ فَقَدْ حَلَّ لَهُمْ اَنْ یَفْقَؤُوْا عَیْنَهُ))

''جو شخص کسی کے گھر میں بغیر اس کی اجازت کے جھانکے تو گھر والوں کو اجازت ہے کہ اس کی آنکھ پھوڑ دیں۔''[1]

مردوں کی مشابہت اختیار نہیں کرتی:

اسلامی معاشرہ میں نہ مسلمان مرد، عورتوں کی مشابہت اختیار کرتا ہے اور نہ عورت مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہے، اس لیے کہ اسلامی معاشرہ میں ایک صنف کا دوسری صنف سے مشابہت اختیار کرنا حرام ہے۔ اسلامی تعلیمات کی رو سے مرد، مرد ہے اور عورت، عورت۔ مرد کی علیحدہ صفات وخصوصیات اور ذمہ داریاں ہیں اور عورت کی علیحدہ صفات وخصوصیات اور ذمہ داریاں ہیں۔ اس لیے مناسب نہیں کہ دونوں صنفوں کے درمیان ظاہری اور باطنی فرق ختم ہو جائیں۔ اس لیے اسلام نے عورتوں سے مشابہت اختیار کرنے والے مردوں اور مردوں سے مشابہت اختیار کرنے والی عورتوں، دونوں کو سخت وعید سنائی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْمُخَنَّثِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالْمُتَرَجِّلَاتِ مِنَ النِّسَاءِ))

''رسول اللہ ﷺ نے ان مردوں پر جو عورتوں کی مشابہت کرتے ہیں اور ان عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت کرتی ہیں، لعنت فرمائی ہے۔''[2]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلرَّجُلَ یَلْبَسُ لِبْسَةَ الْمَرْاَةِ، وَالْمَرْاَةَ تَلْبَسُ لِبْسَةَ الرَّجُلِ))

---

(۱) بخاری: کتاب الدیات (ح۶۸۸۸)، مسلم: کتاب الادب: باب تحریم النظر فی بیت غیرہ (ح۲۱۵۸)

(۲) بخاری: کتاب اللباس: باب المتشبهین بالنساء والمتشبهات بالرجال (ح۵۸۸۵)

''رسول اللہ ﷺ نے اس مرد پر لعنت فرمائی ہے جو عورتوں کا لباس پہنتا ہے اور اس عورت پر بھی لعنت فرمائی ہے جو مردوں کا لباس پہنتی ہے۔''(۱)

حق کی طرف دعوت دیتی ہے:

ایک سچی مسلمان خاتون کو اس بات کا علم ہوتا ہے کہ وہ دنیا میں فضول پیدا نہیں ہوئی بلکہ اس کا مقصد اللہ کی عبادت واطاعت ہے۔ وہ خود بھی اللہ کی عبادت گزار اور فرمانبردار بن کر رہنے کی کوشش کرتی ہے اور دوسروں کو بھی اللہ کی عبادت و پرستش اور اس کے احکام کی مطیع وفرمانبردار بنانے کے لیے جدوجہد کرتی ہے۔ وہ دوسروں کو حق کی طرف دعوت دینے کے لیے اپنی استطاعت بھر کوشش کرتی ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ سے اس اجر کثیر کی امید رکھتی ہے جس کا اس نے مخلص داعیوں سے وعدہ کیا ہے، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

((فواللہ لان یھدی اللہ بك رجلا واحد خیر لك من حمر النعم))

''اللہ کی قسم! اگر اللہ تمہارے ذریعے ایک آدمی کو بھی ہدایت دے دے تو یہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے زیادہ بہتر ہے۔''(۲)

اسی طرح رسول کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((من دعاالی ھدی کان له من الاجرمثل اجور من تبع لاینقص ذلك من اجورھم شیئا))

''جس نے کسی کو ہدایت کی طرف بلایا اسے ان لوگوں کے بقدر اجر ملے گا جو اس (کی دعوت پر) پر عمل کریں گے اور ان عمل کرنے والوں کے اجر میں بھی کوئی کمی نہ ہوگی۔''(۳)

ایک سچی خاتون اسلام فطرۃً دوسروں کی عاقبت کا خیال رکھتی ہے۔ وہ اپنی بہنوں کے لیے بھی وہی پسند کرتی ہے جو وہ خود اپنے لیے پسند کرتی ہے۔ وہ ہمیشہ مسلمانوں کے معاملات سے دلچسپی رکھتی ہے اور ان کی بہبودی کے لیے کام کرتی ہے۔ وہ اپنی اور اپنے گھر والوں کی ہدایت ہی پر اکتفا نہیں کرتی بلکہ تمام لوگوں کو ہدایت دینے اور ان تک حق پہنچانے کی کوشش کرتی ہے۔ وہ صرف اپنے لیے اور اپنے خاندان کے لیے

(۱) ابوداؤد: کتاب اللباس: باب فی الباس النساء (ح۴۰۹۸)

(۲) بخاری: کتاب فضائل الصحابۃ: باب مناقب علی بن ابی طالبؓ (ح۳۷۰۱)، مسلم: کتاب فضائل الصحابۃ: باب من فضائل علی بن ابی طالب (ح۲۴۰۶)

(۳) مسلم: کتاب العلم: باب من سن سنۃ حسنۃ او سیئۃ (ح۲۶۷۴)

جنت نہیں چاہتی بلکہ اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ سارے لوگ جنت کے مستحق بن جائیں۔اس لیے وہ ہمیشہ لوگوں کواس چیز کی دعوت دیتی ہے جس سے وہ جنت میں داخل ہوں اور جہنم سے نجات پائیں۔
دراصل یہی داعی کا وہ اخلاق ہے جو اسے عام انسانوں سے ممتاز کرتا ہے اور یقیناً یہ اچھا اور بلند اخلاق ہے جس کی رسول اللہ ﷺ نے تعریف و تحسین فرمائی ہے اور ایسے اخلاق کے حامل شخص کے لیے یوں دعا فرمائی:

((نضر الله امرء سمع مناشيئا فبلغه كما سمعه فرب مبلغ اوعى من سامع))

''اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کو شاداں وفرحاں رکھے جو ہم سے کوئی بات سنے اور اسے ویسے ہی دوسروں تک پہنچادے کہ جیسے سنی تھی۔ بسا اوقات جس شخص کو بات پہنچائی جاتی ہے وہ اس بات کا سننے والے سے زیادہ محافظ ثابت ہوتا ہے۔''[1]

اچھائی کا حکم دیتی اور برائی سے روکتی ہے:

دعوت الی الحق کے لوازمات میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (یعنی نیکیوں کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا) بھی شامل ہے۔اس لیے ایک مسلمان داعیہ ومبلغہ خاتون دوسروں کو نیکیوں کا حکم دیتی اور برائیوں سے روکتی ہے اور اس حدیثِ رسول ﷺ کا مصداق بن جاتی ہے:

((من رأى منكم منكرا فليغيره بيده ،فان لم يستطع فبلسانه ،فان لم يستطع فبقلبه وذلك اضعف الايمان))

''تم میں سے جو شخص کوئی برائی ہوتے دیکھے تو اپنے ہاتھ سے اسے روکے، اگر ایسا نہ کر سکے تو زبان سے منع کرے اور اگر ایسا بھی نہ کر سکے تو دل میں برا سمجھے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔''[2]

نبوی ﷺ فرامین مسلمانوں میں باطل کے مقابلہ میں شجاعت و بہادری اور جوان مردی کی روح پھونکتے ہیں اور ان کو اطمینان دلاتے ہیں کہ ظالموں کے مقابلہ میں ان کی اس بہادری و جوان مردی سے نہ تو ان کے رزق میں کمی آئے گی اور نہ وقت سے پہلے موت آئے گی جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((لا يمنعن احدكم رهبة الناس ان يقول بحق اذا رآه ويذكر بعظيم فانه لا يقرب من اجل ولا يباعد من رزق))

(۱) ترمذی: کتاب الایمان:باب ماجاء فی الحث علی تبلیغ السماع(ح۲۶۵۷)،ابن ماجه: المقدمة(ح۲۳۲)

(۲) مسلم: کتاب الایمان: باب بیان کون النهی عن المنکر من الایمان(ح۴۹)

”کسی کا خوف، ہیبت اور عظمت تمہیں حق بات کہنے سے ہرگز مانع نہ ہو۔ کیونکہ وہ نہ تو تمہیں وقت سے پہلے موت دے سکتا ہے اور نہ ہی تمہارے مقرر کیے ہوئے رزق سے محروم کر سکتا ہے۔“(۱)

اس لیے ایک سچی خاتون اسلام حق پرست اور بااصول ہوتی ہے، وہ باطل کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہیں کرتی اور نہ ہی حق کی مدد سے پہلوتہی کرتی ہے۔ وہ اپنے معاشرہ میں ظلم کو عام ہوتا اور برائی کو پھیلتا نہیں دیکھنا چاہتی۔ بلکہ وہ ان کا رد کرنے میں بقدرِ استطاعت کوشش کرتی ہے۔

نبی ﷺ نے ہمیں ڈرایا ہے کہ کہیں ہمارا حال بھی ان یہود جیسا نہ ہو جائے جو دینی امور میں سستی، تن آسانی اور لاپروائی سے کام لیتے تھے کیونکہ اگر ایسا ہو گیا تو ہم پر اللہ کا غضب نازل ہو گا جیسا کہ ان لوگوں پر ہوا، چنانچہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”تم سے پہلے بنی اسرائیل میں جب کوئی شخص گناہ کا ارتکاب کرتا تو منع کرنے والا اسے تنبیہ کرتے ہوئے منع کرتا لیکن دوسرے دن بلاجھجک اس کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا اور کھاتا پیتا، گویا اس نے اسے کل گناہ کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھا ہی نہ تھا۔ جب وہ لوگ یہ کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ایک جیسا کر دیا اور حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ بن مریم کی زبان سے ان پر لعنت کی۔ اس لیے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے تجاوز کرتے تھے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

((والذی نفسی بیدی لتامرن بالمعروف ولتنھن عن المنکر ،ولتاخذن علی ایدی المسی ولتاطرنہ علی الحق اطرا او لیضربن اللہ بقلوب بعضکم علی بعض ویلعنکم کمالعنھم))

”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں تم کو تاکید کرتا ہوں کہ تم ضرور نیکیوں کا حکم دو، برائی سے روکو، گناہ کرنے والوں کے ہاتھ پکڑو اور انہیں حق پر قائم رکھو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کو ایک جیسا کر دے گا اور تم پر بھی لعنت کرے گا جیسے ان لوگوں پر کی گئی۔“(۲)

(۱) مسند احمد (۳/ ۵۰)، ابن ماجہ: کتاب الفتن: باب الامر بالمعروف والنھی عن المنکر (ح۴۰۰۷)

(۲) ابوداؤد: کتاب الملاحم: باب الامر والنھی (ح۴۳۳۸)، ترمذی: کتاب الفتن: باب ماجاء فی نزول العذاب اذا لم یغیر المنکر (ح۲۱۶۸)، ابن ماجہ: کتاب الفتن: باب الامر بالمعروف (ح۴۰۰۵)، مجمع الزوائد (ج۷ص۲۶۹)

اپنی دعوت میں حکمت اور خوش اسلوبی کو ملحوظ رکھتی ہے:

ایک صاحبِ شعور اور داعی مسلمان خاتون اپنے وعظ ونصیحت اور دعوت وتبلیغ میں ہوشیاری، عقل مندی، ذکاوت اور خوش اُسلوبی کا ثبوت دیتی ہے۔ وہ لوگوں کو حق کی طرف بلانے میں حکمت سے کام لیتی اور انہیں دینی اَحکام سکھلانے میں نرمی اور آسانی کی راہ اختیار کرتی ہے۔ اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اپنے پیشِ نظر رکھتی ہے:

﴿ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ﴾[النحل :١٢٥]

''اپنے رب کے راستے کی دعوت دو، حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ۔''

اس لیے وہ خوش اُسلوبی کے ساتھ لوگوں کو حق کی دعوت دیتی ہے، ان کے سامنے ایمان کو پسندیدہ بنا کر پیش کرتی ہے اور انہیں دین کی طرف متوجہ ہونے کی ترغیب دلاتی ہے اور انتہائی احتیاط برتتی ہے کہ اس کی جانب سے کہیں کوئی ایسی حرکت صادر نہ ہو جائے جو تنفر، ایذاء یا ناراضگی کا سبب بن جائے چنانچہ وہ ایک ہی بار اپنا سارا علم دوسروں پر انڈیل نہیں دیتی بلکہ وقفہ وقفہ سے ان میں وعظ کرتی ہے اور ان کے دلوں اور احساسات کو اپیل کرتی ہے۔ وہ اپنی تقریروں کو اتنا طول دینے سے اجتناب کرتی ہے کہ اس سے لوگوں کی طبیعتوں میں گرانی اور اکتاہٹ پیدا ہو جائے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ اور آپ ؐ کے صحابہ رضی اللہ عنہم لوگوں میں وعظ کرتے وقت اس بات کو ملحوظ رکھتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہر جمعرات کو لوگوں میں وعظ کرتے تھے، ایک شخص نے ان سے عرض کیا: ''اے ابوعبدالرحمن! میری خواہش ہے کہ آپ ہمیں روزانہ وعظ فرمائیں۔'' آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((اما انه يمنعني من ذلك اني اكره ان املكم واني اتخولكم بالموعظة كما كان رسول الله ﷺ يتخولنا بها مخافة السآمة علينا))

''میں ایسا اس لیے نہیں کرتا کیونکہ میں تم لوگوں کو اکتا دینا نہیں چاہتا، میں اس طرح تم میں وقفہ وقفہ سے وعظ کرتا ہوں جس طرح رسول اللہ ﷺ ہم کو وعظ کرتے تھے۔ آپ ؐ ہمارا خیال رکھتے تھے کہ ہم اُکتا نہ جائیں۔''(۱)

(۱) بخاری: كتاب العلم: باب من جعل لاهل العلم اياما معلومة (ح ٧٠)، مسلم: كتاب صفات المنافقين: باب الاقتصاد فى الموعظة (ح ٢٨٢١)

حکمت ودانائی کوملحوظ رکھنے والی ہوشیار، سمجھ دار اور دانا داعیہ ومبلغہ کا اسلوب یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ جن لوگوں کو دعوت دیتی ہے، ان کے ساتھ نرمی سے پیش آتی ہے، ان کی نادانیوں، غلطیوں اور اُکتا دینے والے سوالات کی بوچھاڑ کو برداشت کرتی ہے اور اگر اس کی گفتگو کو سمجھنے میں لوگوں کو دیر لگتی ہے تو اس پر وہ جھنجھلاتی نہیں بلکہ داعیوں کے سردار خاتم النبیین ﷺ کا اُسوہ اختیار کرتی ہے، جو لوگوں کو سوالات کرنے کی شرح صدر کے ساتھ اجازت دیتے تھے اور سوالات کا جواب دینے اور انہیں دین سکھلانے میں لطف ومہربانی کا برتاؤ کرتے تھے اور ان سے اس طرح گفتگو کرتے تھے جیسے ایک محبت کرنے والا، مرشد ومونس اور ہادی ومعلم گفتگو کرتا ہے اور برابر ان کے سوالات کا جواب دیتے رہتے تھے، یہاں تک کہ بات ان کی سمجھ میں آجاتی تھی اور وہ خوش خوش واپس ہو جاتے تھے۔

نبی کریم ﷺ لوگوں کے ساتھ اس حد تک نرمی فرماتے تھے کہ اگر کسی غلطی کرنے والے کو ٹوکنا ہوتا تو برسرعام نہیں کہتے تھے کہ اس طرح اس کے احساسات مجروح ہوں گے اور اس کی عزت پر دھبہ آئے گا بلکہ آپ ﷺ اس کی برائی کی مذمت کرنے اور اسے ٹوکنے کے لیے توریہ اور کنایہ کا طریقہ اختیار فرماتے تھے۔ یعنی کسی کا نام لینے کی بجائے اس طرح فرماتے: ''لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو فلاں فلاں باتیں کہتے ہیں؟!''[1]

نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرتی ہے:

ایک سچی اور بااخلاق خاتونِ اسلام کی ایک خصلت یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ نیکوں کی صحبت اختیار کرتی ہے، اور قرآن مجید کے اس حکم پر عمل کرتی ہے:

﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَن ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا﴾ [الکهف:۲۸]

''اپنے دل کو ان لوگوں کی معیت پر مطمئن کرو جو اپنے رب کی رضا کے طلب گار بن کر صبح وشام اسے پکارتے ہیں اور ان سے نگاہ ہرگز نہ پھیرو، کیا تم دنیا کی زینت پسند کرتے ہو؟ کسی ایسے شخص کی اطاعت نہ کرو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور جس نے اپنی خواہشِ نفس کی پیروی اختیار کرلی ہے اور جس کا طریقِ کار افراط وتفریط پر مبنی ہے۔''

(۱) ابوداؤد: کتاب الادب: باب حسن المعاشرہ (ح ۴۷۸۸)

ایک سچی اور دیندار خاتون اسلام دینی تعلیمات کی روشنی میں اس بات سے واقف ہوتی ہے کہ ہم نشیں دو طرح کے ہوتے ہیں: اچھا ہم نشیں اور برا ہم نشیں۔ اچھے ہم نشیں کی مثال مشک رکھنے والے کی سی ہے کہ اس کے پاس بیٹھنے اور اس کی صحبت میں رہنے سے راحت وسکون، خوشبو اور سرور حاصل ہوتا ہے اور برے ہم نشیں کی مثال دھونکنی پھونکنے والی کی سی ہے کہ اس کی صحبت میں رہنے سے آگ کی لپیٹ، دھواں، گندگی اور تکالیف و پریشانی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا، جیسا کہ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں:

((انما مثل الجليس الصالح وجليس السوء: كحامل المسك ونافخ الكير فحامل المسك: اما ان يحذيك واما ان تبتاع منه ،واما ان تجد منه ريحا طيبة ،ونافخ الكير: امان يحرق ثيابك واما ان تجدمنه ريحا منتنة))[1]

''اچھے ہم نشیں اور برے ہم نشیں کی مثال مشک (کستوری) رکھنے والے اور دھونکنی پھونکنے والے کی طرح ہے۔ مشک رکھنے والا یا تو تمہیں کچھ دے گا یا تم اس سے خرید لوگے یا کم از کم اس سے [illegible] ی محسوس کرو گے اور دھونکنی پھونکنے والا یا تو تمہارے کپڑے جلا دے گا، ورنہ کم از کم بدبو تو تمہیں ضرور حاصل ہوگی۔''

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک دوسرے کو ان نیک لوگوں کی زیارت پر اکساتے تھے جن کو دیکھ کر اللہ یاد آجاتا ہے، دلوں پر رقت طاری ہو جاتی ہے اور آنکھوں سے خشیت الٰہی اور عبرت ونصیحت کے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ ایک واقعہ نقل کرتے ہیں:

''نبی ﷺ کی وفات کے بعد ایک مرتبہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: ''آؤ! ام ایمن رضی اللہ عنہا☆ سے ملاقات کرنے چلیں۔ جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ ان سے ملاقات کے لیے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ جب وہ دونوں ان کے ہاں پہنچے تو ام ایمنؓ رونے لگیں۔ ان دونوں نے کہا: ''آپ کیوں روتی ہیں؟ کیا آپ نہیں جانتیں کہ اللہ کے پاس جو کچھ ہے وہ رسول اللہ ﷺ کے لیے زیادہ بہتر ہے۔'' تو وہ کہنے لگیں: ''میں اس لیے رو رہی ہوں کہ اب آسمان سے وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہے۔'' یہ سن کر ان دونوں صحابیوں کا بھی دل بھر آیا اور انہوں نے بھی رونا شروع کر دیا۔''[2]

---

(۱) بخاری: كتاب البيوع: باب فى العطار وبيع المسك (ح ۲۱۰۱)، مسلم: كتاب البر والصلة (ح ۲۶۲۸)

(۲) مسلم: فضائل الصحابة: باب من فضائل ام ايمنؓ (۲۴۵۴)

☆ حضرت اُم ایمن بچپن میں نبی اکرم کی دایہ رہی تھیں۔ جب آپ بڑے ہوئے تو آپؐ نے انہیں آزاد کر کے زید بن حارثہؓ سے ان کی شادی کر دی۔ آپ ان کی عزت وتکریم فرمایا کرتے تھے۔ حاکم (ج ۳ ص ۶۳)

لڑنے والوں کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کرتی ہے:

مسلمانوں کے معاملات سے دلچسپی رکھنے، ان کو نفع پہنچانے اور تکلیفات دفع کرنے میں یہ چیز بھی شامل ہے کہ اگر ان میں باہم لڑائی جھگڑا ہو تو ان کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کی جائے۔ یہ اسلام کے معاشرتی آداب میں سے ہے۔ قرآن مجید میں لڑنے والوں کے درمیان صلح کرانے کا حکم اس طرح دیا گیا:

﴿ وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴾[الحجرات:۹]

''اگر اہل ایمان میں سے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیاں صلح کراؤ۔ پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے پھر اگر وہ پلٹ آئے تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرادو اور انصاف کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

ایک اور آیت میں ہے:

﴿ اِنَّمَاالْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴾ [الحجرات ۱۰]

''مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ لہذا اپنے بھائیوں کے درمیان تعلقات کو درست کرو اور اللہ سے ڈرو، امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔''

رسول اللہ ﷺ بذات خود لڑنے والوں کے درمیان صلح کرانے کی کوشش فرمایا کرتے تھے جیسا کہ حضرت ابوالعباس سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ایک مرتبہ خبر پہنچی کہ بنی عمرو بن عوف میں جھگڑا ہو گیا ہے تو آپ چند لوگوں کو لے کر ان میں صلح کرانے کے لیے نکل پڑے، یہاں تک کہ نماز کا وقت ہو گیا......۔''(۱)

رسول اللہ ﷺ کی شدید خواہش تھی کہ اہل ایمان کے معاشرہ میں اخوت و بھائی چارگی عام ہو اور ان کی زندگیوں میں اتحاد و اتفاق، صاف دلی اور اخلاص و باہمی مفاہمت کی کارفرمائی ہو۔ چنانچہ آپ ہمیشہ انہیں

---

(۱) بخاری: كتاب الصلح: باب ما جاء فی اصلاح بين الناس(ح ۲۶۹۰)، مسلم: كتاب الصلاة: باب تقديم الجماعة يصلی اذاتاخرالامام(ح ۴۲۱)

اپنے اقوال وافعال سے نیکی، رواداری، چشم پوشی اورنرمی پراکسایا کرتے تھےاوراس تزیینی پہلو کی طرف اپنی پوری توجہ مبذول کرتے تھے، یہاں تک کہ غضب کی شدت، جھگڑے اور ہٹ دھرمی کو رضامندی کی مسکراہٹ، صاف دلی اور فراخ دلی میں بدل دیتے تھے۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ دروازے پر جھگڑا کرنے والوں کی آواز سنی، وہ اونچی اونچی باتیں کر رہے تھے، ان میں سے ایک اپنے قرض کو کم کرانے کی درخواست کرر ہاتھا اور نرمی چاہتا تھا جبکہ دوسرا کہتا تھا: اللہ کی قسم! میں کم نہیں کروں گا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے اور فرمایا:

((این المتالی علی الله لا یفعل المعروف؟))

''کہاں ہے اللہ پر قسم کھانے والا کہ میں نیکی نہیں کروں گا؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عتاب سن کر وہ شخص بہت شرمندہ ہوا اور اس نے اپنا حق معاف کر دیا اور عرض کرنے لگا: ''اللہ کے رسول وہ میں ہوں، میں اسے مہلت دیتا ہوں کہ یہ جو چاہے کرے۔''[(۱)]

لوگوں کے درمیان مصالحت کی خاطر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹ بولنے کی بھی رخصت دے دی، کہ ہو سکتا ہے اس طرح ایک دوسرے سے نفرت کرنے والے لوگ قریب ہو جائیں اور پتھر کی طرح سخت ہو جانے والے دل نرم ہو جائیں۔آپ کا ارشاد گرامی ہے:

((لیس الکذاب الذی یصلح بین الناس فینمی خیرا اویقول خیرا))

''وہ جھوٹا نہیں جو لوگوں کے درمیان صلح کرانے کے لیے جھوٹ بولے،اس کو بھلی بات پہنچائے یا بھلی بات کہے۔''[(۲)]

اس لیے ایک مسلمان خاتون لڑنے والوں کے درمیان ہمیشہ صلح وصفائی پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ وہ ان بداخلاق عورتوں کی پیروی نہیں کرتی جو امن وصلح کے ساتھ رہنے والوں کے درمیان لڑائی جھگڑے پیدا کرنے میں لذت محسوس کرتی ہیں۔

(۱) بخاری: کتاب الصلح: باب هل یشیر الامام بالصلح؟(ح۲۸۰۵)، مسلم: کتاب المساقاة: باب استحباب الوضع من الدین(ح۱۵۵۷)

(۲) بخاری: کتاب الصلح: باب لیس الکذاب یصلح بین الناس(ح۲۶۹۲)، مسلم: کتاب البروالصلة باب تحریم الکذب وبیان مایباح منه(ح۲۶۰۵)

لوگوں کے درمیان گھل مل کر رہتی اور ان کی اذیتیں برداشت کرتی ہے:

اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے والی ایک سچی اور بااخلاق خاتونِ اسلام دوسری عورتوں کے مابین گھل مل کر رہتی ہے اور ان کی اذیتیں برداشت کرتی ہے، اس لیے کہ وہ ایک بلند مشن کی حامل، ایک اعلیٰ پیغام کی علمبردار اور دعوت حق کی مبلغہ ہوتی ہے اور جو شخص اس اہم ذمہ داری کا بار اپنے کندھوں پر اٹھالے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس مشن کی تکمیل کے لیے اپنی جان وقف کردے، اس پیغام کی تبلیغ میں پہنچنے والی تکالیف اور اذیتوں پر صبر کرے مثلاً: لوگوں کی تلخ وتند باتوں، بدگمانیوں، یاوہ گوئیوں، تندخوئیوں اور ان کی طرف سے ظاہر ہونے والی ان لایعنی باتوں پر صبر کرے کہ جن پر عام طور پر دعوت کے میدان میں کام کرنے والے دل تنگ ہوجاتے ہیں اور وہ مایوس، رنجیدہ وکبیدہ خاطر اور عاجز ہوکر لوگوں سے الگ تھلگ گوشہ نشینی اختیار کرلیتے ہیں، اسی لیے نبوی تعلیمات میں اہل ایمان کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے، ان کے دل مضبوط کیے گئے ہیں اور انہیں ثابت قدم رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((المومن الذی یخالط الناس ویصبر علی اذاهم خیرمن الذی لایخالط الناس ولا یصبر علی اذاهم))

''وہ مومن جو لوگوں کے درمیان گھل مل کر رہتا ہے اور ان کی اذیتوں پر صبر کرتا ہے، اس شخص سے بہتر ہے جو لوگوں سے الگ تھلگ رہے اور ان کی اذیتوں پر صبر نہ کرسکے۔''(۱)

بیمار کی عیادت اور مزاج پرسی کرتی ہے:

ایک سچی خاتون اسلام بیمار کی عیادت کرتی ہے اور اسے ایک اسلامی فریضہ سمجھتی ہے کیونکہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((عودوا المریض واطعموا الجائع وفکوا العانی))

''بیمار کی عیادت کرو، بھوکے کو کھانا کھلاؤ، قیدی کو آزاد کراؤ۔''(۲)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں:

(۱) ترمذی: کتاب صفة القیامة. باب فی فضل مخالطة مع الصبرعلی اذی الناس(ح۲۵۰۷)، ابن ماجه: کتاب الفتن: باب الصبرعلی البلاء.(ح۴۰۳۲)

(۲) صحیح بخاری: کتاب المرضی: باب وجوب عیادة المریض(ح۵۶۴۹)

((امرنا رسول الله ﷺ بعيادة المريض واتباع الجنازة وتشميت العاطس وابرار المقسم ونصر المظلوم واجابة الداعي وافشاء السلام))

''ہمیں رسول اللہ ﷺ نے مریض کی عیادت کرنے، جنازہ کے ساتھ جانے، چھینکنے والے کا جواب دینے، قسم کھانے والے کی قسم پوری کرنے، مظلوم کی مدد کرنے، دعوت کرنے والے کی دعوت قبول کرنے اور سلام عام کرنے کا حکم دیا ہے۔''[1]

یہ معاشرتی روایت جس کی بنیادیں رسول کریم ﷺ نے مسلمانوں کی زندگی میں راسخ کردی تھیں، اس حد تک عام اور مستحکم ہوگئی کہ ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کا حق قرار پا گئی، چنانچہ آپؐ نے فرمایا:

((حق المسلم على المسلم خمس: ردالسلام وعيادة المريض واتباع الجنائز واجابة الدعوة وتشميت العاطس))

''ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہیں: (۱) سلام کا جواب دینا (۲) بیمار کی عیادت کرنا (۳) جنازے کے ساتھ جانا (۴) دعوت قبول کرنا (۵) اور چھینکنے والے کا جواب دینا۔''[2]

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((واذا مرض فعده)) ''جب بیمار ہو تو اس کی عیادت کرو۔''[3]

مسلمان جب اپنے بیمار بھائی کی عیادت کو جاتا ہے تو اس کے اندر صرف یہی احساس نہیں ہوتا کہ وہ ایک فرض کی ادائیگی اور حکم کی تعمیل کر رہا ہے بلکہ ساتھ ہی اسے روحانی خوشی کا احساس بھی ہوتا ہے۔ اس خوشی کا احساس وہی شخص کر سکتا ہے جو نبی کریمؐ کے اس فرمان پر غور کرے:

''حضورؐ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا: ''اے ابن آدم! میں بیمار ہوا تو نے میری عیادت نہیں کی۔'' وہ عرض کرے گا: ''اے میرے رب! تو تو سارے جہان کا رب ہے، میں تیری

---

(۱) بخاری: كتاب النكاح: باب حق اجابة الوليمة والدعوة (ح۵۱۷۵)، مسلم: كتاب اللباس: باب تحريم استعمال اناء الذهب والفضة (ح۲۰۶۶)

(۲) بخاری: كتاب الجنائز: باب الامر باتباع الجنائز (ح۱۲۴۰)، مسلم: كتاب السلام: باب من حق المسلم للمسلم ردالسلام (ح۲۱۶۲)

(۳) مسلم: ایضاً (ح۲۱۶۲)

عیادت کیسے کرتا؟'' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''کیا تجھے نہیں معلوم کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا مگر تو نے اس کی عیادت نہیں کی؟ کیا تجھے نہیں معلوم کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا؟'' (پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا) ''اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا مگر تو نے مجھے نہیں کھلایا۔'' وہ عرض کرے گا: ''اے میرے رب! میں تجھے کیسے کھلاتا جب کہ تو تو سارے جہاں کا رب ہے؟'' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''کیا تو نہیں جانتا کہ تجھ سے میرے فلاں بندے نے کھانا مانگا تھا مگر تو نے اسے نہیں کھلایا؟ کیا تجھے نہیں معلوم کہ اگر تو اسے کھلا دیتا تو اس کا ثواب میرے یہاں پاتا۔'' (پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا) ''اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا تو تو نے مجھے پانی نہیں پلایا'' وہ عرض کرے گا: ''اے میرے رب! میں تجھے کیسے پانی پلاتا تو تو سارے جہان کا رب ہے؟'' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''تجھ سے میرے فلاں بندے نے پانی مانگا تھا مگر تو نے اسے نہیں پلایا اگر تو اسے پانی پلا دیتا تو اس کا ثواب میرے یہاں پاتا۔''(۱)

کتنی بابرکت ہے یہ عبادت! کتنی قابل احترام و ستائش ہے یہ ملاقات اور مزاج پرسی اور کتنا عظیم ہے یہ عمل جسے ایک مسلمان اپنے کمزور اور بیمار بھائی کے سلسلہ میں انجام دیتا ہے اس عمل کی بدولت وہ بارگاہ رب العزت میں ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے اس عظیم عمل کو دیکھتا ہے اور اسے بے پایاں ثواب عطا فرماتا ہے۔ اس سے زیادہ قابلِ احترام، پر عظمت اور بابرکت زیارت کون سی ہوگی جسے آسمانوں اور زمینوں کا پروردگار شرف قبولیت سے نوازے، اس میں برکت دے اور اس پر اکسائے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((ان المسلم اذاعاد اخاه المسلم لم يزل فى خرفة الجنة حتى يرجع))

''مسلمان جب اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کو جاتا ہے تو واپس ہونے تک برابر جنت کے پھلوں کو چننے میں مصروف رہتا ہے۔''(۲)

دوسری حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مامن مسلم يعود مسلما غدوة الا صلى عليه سبعون الف ملك حتى يمسى وان عاده

(۱) مسلم: كتاب البر والصلة: باب فضل عيادة المريض (ح ۲۵۶۹)

(۲) مسلم: ايضاً (ح ۲۵۶۸)

عشية الاصلی علیه سبعون الف ملك حتی یصبح وکان له خریف من الجنة))

''کوئی مسلمان جب کسی مسلمان کی صبح عیادت کرتا ہے تو ستر ہزار فرشتے شام ہونے تک اس پر رحمت بھیجتے ہیں اور جب شام کے وقت عیادت کرتا ہے تو ستر ہزار فرشتے صبح ہونے تک اس پر رحمت بھیجتے رہتے ہیں اور جنت میں اس کے لیے میوے ہوں گے۔''[1]

رسول اللہ ﷺ نے نفس انسانی سے واقف گہری بصیرت سے اندازہ لگایا تھا کہ مریض کی عیادت سے اس پر اور اس کے گھر والوں پر کتنا گہرا نفسیاتی اثر پڑتا تھا۔ اسی لیے آپ مریضوں کی عیادت میں سستی اور کوتاہی نہیں کرتے تھے اور ان کی مزاج پرسی کرتے ہوئے دعا کرتے اور غم خواری کے وقت آپ خیر خواہانہ اور دعائیہ کلمات کا اظہار کرتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ نے ایک مرتبہ اس یہودی لڑکے کی بھی عیادت کی جو آپ کی خدمت کیا کرتا تھا۔ اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''ایک یہودی لڑکا نبی ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا، ایک مرتبہ وہ بیمار ہوا تو نبی ﷺ اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے اس کے سرہانے بیٹھ کر آپ نے فرمایا: اسلام قبول کرلو۔ اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا تو اس کی قریب بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کہا: ''ابوالقاسم کی بات مان لے۔'' وہ اسلام لے آیا۔ نبی ﷺ باہر تشریف لائے تو فرمانے لگے:

((الحمدلله الذی انقذه من النار))

''اللہ کا شکر ہے جس نے اسے جہنم سے بچا لیا۔''[2]

اس بیمار یہودی لڑکے کی عیادت کرتے ہوئے نبی ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت دینا فراموش نہیں کیا کیونکہ آپ ﷺ کو معلوم تھا کہ آپ نے اس لڑکے کی عیادت سے جس لطف و کرم، فضل و مہربانی اور حسن سلوک کا مظاہرہ کیا تھا، اس کا لڑکے اور اس کے باپ دونوں پر اچھا اثر پڑا ہے چنانچہ دونوں رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں اور اسے عیادت کی برکت سے انہیں ہدایت نصیب ہو جاتی ہے اور رسول کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے باہر تشریف لے آتے ہیں۔

(۱) ابوداؤد: کتاب الجنائز: باب فی فضل عیادۃ المریض (ح۳۰۹۸)، ترمذی: کتاب الجنائز: باب ما جاء فی عیادۃ المریض (ح۹۶۹)، ابن ماجه: کتاب الجنائز: باب ما جاء فی ثواب من عاد مریضا (ح۱۴۴۲)

(۲) بخاری، کتاب الجنائز: باب اذا اسلم الصبی فمات هل یصلی علیه (ح۱۳۵۶)

بیمار پرسی کے سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول بیان کرتے ہیں کہ: ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی مریض کی عیادت فرماتے تو اس کے سرہانے بیٹھ کر سات مرتبہ یہ دعا پڑھتے:

((اسئال الله العظيم رب العرش العظيم ان يشفيك))

''میں عظمت والے اور عرش عظیم کے رب سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تمہیں شفا عطا فرمائے۔''[1]

ایک روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر والوں کی عیادت کرتے تو اپنا داہنا ہاتھ پھیرتے اور فرماتے:

((اللهم رب الناس اذهب الباس ،واشف انت الشافي لاشفاء الاشفاء ك شفاءا لا يغادر سقما))

''اے اللہ! اے لوگوں کے رب! سختی دور کردے، شفا عطا فرمادے، تو ہی شفا دینے والا ہے تیرے علاوہ کوئی شفا عطا کرنے والا نہیں، ایسی شفا عطا فرما کہ بیماری باقی نہ رہے۔''[2]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے تو فرماتے:

((لاباس طهور ان شاء الله))

''گھبراؤ نہیں، بیماری ان شاءاللہ (گناہوں سے) پاک کرنے والی ہے۔''[3]

............*

(1) ابوداؤد: كتاب الجنائز: باب الدعاء للمريض عندالعيادة(ح٣١٠٦)، ترمذی: كتاب الطب: باب ما يقول عند عيادة المريض(ح٢٠٨٣)

(2) بخاری: كتاب الطب: باب رقية النبی ﷺ(ح٥٧٤٣)، مسلم: كتاب السلام: باب استحباب رقية المريض(٢١٩١)

(3) بخاری: كتاب المرضى: باب عيادة اعراب(ح٥٦٦٢)

باب ۸:

اسوۂ صحابیات☆ [رضی اللہ عنہن]

قبولِ اسلام:

لطافتِ طبع، رقتِ قلب اور اثر پذیری ایک نیک سرشت انسان کا اصلی جوہر ہیں اور ان ہی کے ذریعہ سے وہ ہر قسم کی پند و موعظت تعلیم و تربیت اور ارشاد و ہدایت کو قبول کر سکتا ہے۔ پھولوں کی پنکھڑیاں نسیمِ صبح کی خاموش حرکت سے ہل جاتی ہیں لیکن تناآور درخت کو بادِ صرصر کے جھونکے بھی نہیں ہلا سکتے۔ شعاعِ نگاہ آئینہ کے اندر سے گذر جاتی ہے لیکن پتھروں پر فولادی تیر بھی اثر نہیں کرتے۔ بعینہٖ یہی حال انسان کا بھی ہے۔ لطیف الطبع اور رقیق القلب آدمی ہر دعوتِ حق کو آسانی سے قبول کر سکتا ہے لیکن سنگ دل اور غلیظ القلب لوگوں پر بڑے بڑے معجزے بھی اثر نہیں کرتے۔ اس فرق مراتب کی جزئی مثالیں ہر جگہ مل سکتی ہیں لیکن اشاعتِ اسلام کی تاریخ تمام تر اسی قسم کی مثالوں سے لبریز ہے۔ کفار میں ہم کو بہت سے اشقیاء کا نام معلوم ہے جنہوں نے ہزاروں کوششوں کے بعد بھی خدائے ذوالجلال کے آگے سر نہیں جھکایا لیکن صحابہ کرامؓ میں سینکڑوں بزرگ ہیں جو توحید کی آواز کے سننے کے ساتھ ہی اسلام کے حلقے میں داخل ہو گئے۔ صحابہؓ کے ساتھ صحابیاتؓ بھی اس فضیلت میں شریک ہیں اور نہ صرف شریک ہیں بلکہ ان سے اَسبق و اَقدم ہیں چنانچہ سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ نے بغیر کسی قسم کی کدوکاوش اور جبر واکراہ کے اسلام قبول کرنے کے ساتھ ہی اپنے خدا کے آگے سر جھکایا۔ تاریخ ابنِ خمیس [ص ۲۶۸] میں حضرت رافعؓ سے مروی ہے:

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں دوشنبہ کے دن مبعوث ہوا اور خدیجہؓ نے اس دن کے آخری حصہ میں نماز پڑھی اور علیؓ نے دوسرے دن منگل کو نماز پڑھی، اس کے بعد زید بن حارثہؓ اور ابوبکرؓ شریکِ نماز ہوئے۔''

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آفتابِ رسالت سے پہلے دن جو شعاع اُفقِ عالم پر چمکی وہ ایک رقیق القلب مقدس خاتون کے سینۂ پُرنور سے چھن کر نکلی۔

☆..... واضح رہے کہ یہ حصہ مولانا عبدالسلام ندوی کی کتاب ''اسوۂ صحابیات'' سے ماخوذ ہے، اس میں خواتین کی تربیت وتزکیہ کے لیے جلیل القدر صحابیات کی زندگی کے اخلاقی وروحانی پہلوؤں کو اُجاگر کیا گیا ہے۔ آسانی کے لیے ہم نے بعض ثقیل عبارتوں اور الفاظ میں جزوی ترمیم وتہذیب کی ہے۔ (مصنف)

اعلانِ اسلام:

ابتدائے اسلام میں اسلام قبول کرنے سے زیادہ اظہارِ اسلام کے لیے ہمت، شجاعت اور جسارت کی ضرورت تھی لیکن باوجود کفار کی روک ٹوک اور جور و ستم کے صحابہؓ کے ساتھ صحابیاتؓ نے بھی نہایت جرأت و بے باکی کے ساتھ اپنے اسلام کا اظہار کیا چنانچہ ابتدا میں جن سات بزرگوں نے اپنے اسلام کا اعلان کیا تھا ان میں چھ آدمی یعنی خود رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ، حضرت ابوبلالؓ، حضرت خبابؓ، حضرت صہیبؓ، حضرت عمارؓ مرد تھے اور ساتویں ایک غریب صحابیہ یعنی حضرت عمارؓ کی والدہ حضرت سمیہؓ تھیں۔ [تاریخ ابن خمیس ص ۲۵۷]

صحابیاتؓ نے اپنی نیک طینتی سے صرف آسانی کے ساتھ اسلام ہی کو قبول نہیں کیا، بلکہ انہوں نے نہایت آسانی کے ساتھ اسلام کی اشاعت بھی کی، چنانچہ صحیح بخاری کتاب التیمم میں ہے کہ صحابہ کرام نے ایک سفر میں ایک عورت کو پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، اس کے پاس پانی کے مشکیزے تھے اور صحابہؓ نے پانی ہی کی ضرورت سے اس کو پکڑا تھا لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کا پانی لیا تو اس کی قیمت ادا فرمائی۔ اُس کو آپ ﷺ کی اس دیانت سے اسی وقت آپ کی نبوت کا یقین آ گیا اور اس کے اثر سے اس کا تمام قبیلہ بھی مسلمان ہو گیا۔

مصائب و مشکلات پر صبر:

صحابہ کرامؓ کے ساتھ صحابیاتؓ نے بھی اسلام کے لیے ہر قسم کی تکلیفیں برداشت کیں اور ان کے ایمان میں ذرہ برابر بھی تزلزل واقع نہیں ہوا۔ حضرت سمیہؓ نے اسلام قبول کیا تو ان کو کفار نے طرح طرح کی اذیتیں دینا شروع کیں، سب سے سخت اذیت یہ تھی کہ ان کو مکہ کی تپتی ریت میں لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں کھڑا کر دیتے تھے لیکن اس کے باوجود وہ اسلام پر ثابت قدم رہتی تھیں۔ ایک دن کفار نے حسب معمول ان کو لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں زمین پر لٹا دیا تھا، اسی حالت میں رسول اللہ ﷺ کا گزر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''صبر کرو، تمہارا ٹھکانا جنت میں ہے۔'' لیکن کفار کو اس پر بھی تسکین نہیں ہوئی اور ابوجہل نے ان کی ران میں برچھی مار کر ان کو شہید کر دیا، چنانچہ اسلام میں سب سے پہلے شرفِ شہادت ان ہی کو نصیب ہوا اور صحابیاتؓ کی یہ سب سے بڑی فضیلت ہے کہ سب سے پہلے ایک صحابیہ نے اسلام قبول کیا اور سب سے پہلے ایک صحابیہ نے شرفِ شہادت حاصل کیا۔

حضرت عمرؓ کی بہن جب اسلام لائیں اور حضرت عمر کو اس کا حال معلوم ہوا تو اس قدر مارا کہ بدن لہولہان ہو گیا لیکن انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ جو کچھ کرنا ہو کرو میں تو اسلام لا چکی لبینہؓ کو بھی حضرت عمرؓ مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے کہ میں نے رحم کی بنا پر نہیں بلکہ تم کو اس وجہ سے چھوڑ دیا ہے کہ تھک گیا ہوں، اسی طرح وہ زنیرہؓ کو بھی جو ان کے گھرانے کی کنیز تھیں، نہایت اذیت دیا کرتے تھے۔ [اسد الغابۃ، بذیل تذکرہ حضرت عمرؓ]

رشتوں ناطوں کی قربانی:

صحابہ کرامؓ ایمان لائے تو ان کے تمام رشتے ناتے منقطع ہو گئے لیکن اس سے ان کی قوت ایمانی میں کوئی تزلزل واقع نہیں ہوا۔ صحابیاتؓ کی حالت اس معاملہ میں صحابہ کرامؓ سے بھی زیادہ نازک تھی۔ انسان اگرچہ اپنے تمام اعزہ و اقارب کی اعانت کا محتاج ہوتا ہے لیکن عورت کی زندگی کا تمام تر دارو مدار شوہر کی اعانت پر ہوتا ہے اور وہ کسی حالت میں بھی اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتی، باپ بیٹے سے بیٹا باپ سے قطع تعلق کر کے زندگی بسر کر سکتا ہے لیکن عورت شوہر سے جدا ہو کر بالکل بیکس ہو جاتی ہے لیکن اس کے باوجود صحابیاتؓ نے اسلام کے لیے اس نازک رشتے کو بھی منقطع کیا اور اپنے کافر شوہروں سے ہمیشہ کے لیے علیحدہ ہو گئیں۔

چنانچہ صلح حدیبیہ کے بعد جب یہ آیت نازل ہوئی:

((وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ)) ''کافر عورتوں سے تعلق نہ رکھو۔''

تو جس طرح صحابہ کرامؓ نے اپنی کافرہ عورتوں کو طلاق دے دی اسی طرح بہت سی صحابیاتؓ بھی کافر شوہروں کو چھوڑ کر مدینہ ہجرت کر آئیں اور ان میں سے ایک بھی اپنے شوہر کے پاس واپس نہ گئی چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ''ہم کو کسی ایسی مہاجرہ عورت کا حال معلوم نہیں جو ایمان لا کر مرتد ہوئی ہو۔'' [بخاری، کتاب الشروط، باب ذکر صلح حدیبیۃ]

توحید پر ثابت قدمی:

کفار نے صحابیاتؓ کو طرح طرح کی اذیتیں دیں لیکن ان کی زبان سے کلمہ توحید کے سوا کلمہ شرک نہیں نکلا۔ حضرت ام شریکؓ ایمان لائیں تو ان کے عزیز و اقارب نے ان کو دھوپ میں لے جا کر کھڑا کر دیا، اس حالت میں جب کہ وہ دھوپ میں جل رہی تھیں، روٹی کے ساتھ شہد جیسی گرم چیز کھلاتے اور پانی نہیں پلاتے

تھے۔ جب اس مصیبت میں تین دن گذر گئے تو ظالموں نے کہا ''کہ جس مذہب پر تم ہو اب اس کو چھوڑ دو۔'' وہ اس قدر بدحواس ہوگئی تھیں کہ ان جملوں کا مطلب نہ سمجھ سکیں۔ اب ان ظالموں نے آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر بتایا تو سمجھیں کہ توحید الٰہی کا انکار مقصود ہے، بولیں: ''خدا کی قسم! میں تو اب تک اس پر قائم ہوں۔'' [طبقات ابن سعد، بذیل تذکرہ ام شریک]

شرک سے اجتناب:

عورتیں قدیم رسم و رواج اور قدیم عقائد کی نہایت پابند ہوتی ہیں اور عرب میں مشرکانہ عقائد ایک مدت سے پھیل کر قلوب میں راسخ ہو گئے تھے لیکن صحابیاتؓ نے اسلام لانے کے ساتھ ہی شدت کے ساتھ ان عقائد کا انکار کیا۔ اہلِ عرب کا خیال تھا کہ جو لوگ بتوں کی برائی بیان کرتے ہیں، وہ مختلف امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اس لیے حضرت زنیرہؓ اسلام لانے کے بعد اندھی ہوگئیں تو کفار نے کہنا شروع کر دیا کہ ان کو لات اور عزیٰ نے اندھا کر دیا ہے لیکن انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ لات و عزیٰ کو اپنے پوجنے والوں کی کیا خبر، بلکہ یہ تو خدا کی طرف سے ہے۔ [اسد الغابۃ بذیل تذکرہ حضرت زنیرہؓ]

دورِ جاہلیت میں بچوں کے بچھونوں کے نیچے استرا رکھ دیتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس طرح بچے آسیب سے محفوظ رہتے ہیں، حضرت عائشہؓ نے ایک بار کسی بچے کے سرہانے استرا دیکھا تو منع فرمایا اور کہا: ''رسول اللہ ﷺ ایسے ٹوٹکے کو سخت ناپسند فرماتے تھے۔'' [الادب المفرد، باب الطیر]

عرب میں شرک کا اصلی مرکز بت تھے جو گھر گھر میں نصب تھے لیکن صحابیاتؓ نے ہر موقع پر ان سے برأت ظاہر کی چنانچہ حضرت ہند بنت عتبہ جب ایمان لائیں تو گھر میں نصب بت کو توڑ پھوڑ ڈالا اور کہا کہ ''ہم تیری نسبت بڑے دھوکے میں مبتلا تھے۔'' [طبقات ابن سعد، بذیل تذکرہ حضرت ہند بنت عتبہ]

حضرت ابوطلحہؓ نے جب ام سلیمؓ سے نکاح کی خواہش کی تو انہوں نے کہا:

''ابوطلحہ! کیا تم کو یہ خبر نہیں کہ جس خدا کو تم پوجتے ہو وہ ایک درخت ہے (یعنی لکڑی کا بت) جو زمین سے اُگا ہے، اس کو فلاں حبشی نے گڑھ کر تیار کیا ہے؟!''

ابوطلحہ بولے کہ مجھے معلوم ہے تو ام سلیمؓ نے کہا کہ پھر تمہیں اس کی عبادت سے شرم نہیں آتی؟! چنانچہ جب تک انہوں نے بت پرستی سے توبہ کر کے کلمہ توحید نہیں پڑھا، انہوں نے ان سے نکاح کرنا پسند نہیں کیا۔

رسول اللہ کی نبوت پر ایمان:

رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا اعتقاد نہ صرف صحابیات کے لوحِ دل پر کالنقش فی الحجر [پتھر پر لکیر] تھا بلکہ ان کی چھوٹی چھوٹی لڑکیوں کے دل پر بھی یہ عقیدہ نہایت شدت سے راسخ ہو گیا تھا۔ ایک بار آپؐ نے ایک لڑکی کو بد دعا دی کہ ''تیری عمر زیادہ نہ ہو۔'' اس نے شدت اعتقاد کی بنا پر اس کا یقین کر لیا اور حضرت ام سلیمؓ کے پاس روتی ہوئی آئی اور کہا کہ آپؐ نے مجھے یہ بد دعا دی ہے، اب میری عمر نہ بڑھے گی، وہ بدحواس آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ آپؐ نے فلاں لڑکی کو یہ بد دعا دی ہے؟ آپؐ ہنس پڑے اور فرمایا کہ میں بھی آدمی ہوں اور آدمیوں کی طرح خوش اور رنجیدہ ہوتا ہوں، پس جس کو میں ایسی بد دعا دوں جس کا وہ مستحق نہیں، تو یہ اس کے لیے پاکی، تزکیہ اور نیکی ہوگی۔ [مسلم، کتاب البر، باب من لعنہ النبیؐ]

نماز اور پابندیٔ جماعت:

اگرچہ عورتوں پر جماعت کی پابندی فرض نہیں ہے اور اس بنا پر بعض غیور صحابہؓ جماعت میں اپنی عورتوں کی شرکت کو پسند بھی نہیں کرتے تھے، تاہم بعض صحابیات پر اس کا کچھ اثر نہیں پڑتا تھا اور وہ مناسب اوقات میں نماز باجماعت ادا فرماتی تھیں۔ حضرت عمرؓ کی بی بی برابر عشاء اور فجر کی نماز میں شریکِ جماعت ہوتی تھیں، ایک بار ان سے لوگوں نے کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ عمر اس کو پسند نہیں کرتے پھر کیوں ایسا کرتی ہو؟ تو وہ بولیں کہ اگر عمرؓ یہ پسند نہیں کرتے تو پھر وہ مجھے روک کیوں نہیں دیتے؟! [صحیح بخاری]

نمازِ جمعہ:

عورتوں پر اگرچہ جمعہ فرض نہیں ہے تاہم صحابیاتؓ اس دن کی بہت عزت کرتی تھیں اور اس کی برکتوں میں عمدہ طریقوں سے شریک ہوتی تھیں۔ ایک صحابیہ تھیں جو اپنے کھیتوں میں چقندر بویا کرتی تھیں، جب جمعہ کا دن آتا، تو اس کو پکا کر نماز جمعہ کے بعد تمام صحابہ کو کھلاتی تھیں۔ [بخاری، کتاب الجمعۃ]

نمازِ اشراق:

نمازِ اشراق اگرچہ رسول اللہ ﷺ نے جیسا کہ حضرت ام ہانیؓ سے مروی ہے تمام عمر میں صرف ایک بار پڑھی تھی لیکن بعض صحابیاتؓ نے اس کا التزام کر لیا تھا، چنانچہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے اگرچہ رسول اللہ ﷺ کو کبھی نمازِ اشراق پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا لیکن میں خود پڑھتی ہوں کیونکہ آپ بہت سی

چیزوں کو پسند فرماتے تھے لیکن ان پر اس لیے عمل نہیں کرتے تھے کہ وہ امت پر فرض نہ ہو جائیں۔[مسلم، کتاب الصلاۃ]

نمازِ تہجد:

صحابہ کرام تہجد پڑھتے تھے تو اس میں صحابیات بھی شریک ہوتی تھیں چنانچہ حضرت عمرؓ رات کو تہجد کے لیے اپنے اہل وعیال کو جگاتے اور یہ آیت پڑھتے:((وَأْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ)) ''اپنے اہل وعیال کو نماز کا حکم دو۔'' [موطا، کتاب الصلاۃ، باب فی صلوۃ اللیل]

ایک صحابیؓ نے رات کے تین حصے کر دیئے تھے ایک میں خود، دوسرے میں ان کی بیوی اور تیسرے میں ان کا خادم تہجد پڑھتا تھا اور ایک دوسرے کو جگا دیتا تھا۔[بخاری، کتاب الاطعمۃ]

زکاۃ وصدقات:

زیور عورتوں کو سب سے زیادہ محبوب ہوتے ہیں لیکن صحابیات کو خدا کی مرضی ان سے بھی زیادہ عزیز تھی۔ ایک بار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک صحابیہؓ اپنی لڑکی کو لے کر حاضر ہوئی۔ لڑکے ہاتھ میں سونے کے موٹے موٹے کنگن تھے۔ آپ ﷺ نے ان کو دیکھ کر فرمایا کیا تم اس کی زکوۃ دیتی ہو؟ اس نے کہا نہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: تمہیں یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ خدا قیامت کے دن اس کے بدلے آگ کے کنگن پہنائے! اس نے یہ سنا تو فوراً وہ کنگن آپ ﷺ کے سامنے ڈال دیئے کہ یہ خدا اور خدا کے رسول کے ہیں۔[ابوداؤد]

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے خطبہ میں صدقہ وخیرات کی ترغیب دی، صحابیاتؓ کا مجمع تھا، حضرت بلالؓ دامن پھیلائے ہوئے تھے اور صحابیاتؓ اپنے کان کی بالیاں، گلے کے ہار اور انگلیوں کے چھلے تک اس میں پھینکتی جاتی تھیں۔[ابوداؤد]

حضرت اسماءؓ کے پاس صرف ایک ہی لونڈی تھی۔ انہوں نے اس کو فروخت کیا اور روپیہ گود میں لے کر بیٹھیں، اسی حالت میں ان کے شوہر حضرت زبیرؓ آئے اور ان سے کہا کہ یہ روپیہ مجھے دیدو۔ وہ بولیں کہ میں نے تو اس کو صدقہ کر دیا ہے۔[مسلم]

اعزہ واقارب پر صدقہ:

ایک بار حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی بی بی حضرت زینبؓ نے ان سے کہا کہ تم نادار ہو، رسول اللہ کے پاس

جاؤ، اگر آپ اجازت دیں تو میں جو صدقہ کرنا چاہتی ہوں وہ تمہیں کر دوں گی لیکن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا کہ تم خود جاؤ، چنانچہ وہ خود اللہ کے رسول کے پاس گئیں تو دیکھا کہ وہاں اسی غرض سے ایک دوسری صحابیہؓ بھی موجود ہے۔ چنانچہ دونوں نے حضرت بلالؓ کے ذریعہ سے آنحضرتؐ سے پوچھوایا کہ دو عورتیں اپنے شوہروں اور چند یتیموں پر جو ان کی کفالت میں ہیں، صدقہ کرنا چاہتی ہیں، کیا یہ جائز ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''ان کو دوگنا ثواب ملے گا، ایک قرابت کا اور دوسرا صدقہ کا۔'' [بخاری]

ایک بار حضرت ام سلمہؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر میں ابوسلمہ کے لڑکوں پر صدقہ کروں تو مجھ کو ثواب ملے گا؟ اور میں ان کو چھوڑ بھی نہیں سکتی کیونکہ وہ میرے لڑکے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں تمہیں ثواب ملے گا۔

ایک صحابیہؓ نے اپنی ماں کو ایک لونڈی صدقہ دی تھی۔ ماں کا انتقال ہو گیا تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی نسبت دریافت کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ صدقے کا ثواب تمہیں مل چکا اور اب وہ لونڈی تمہاری وراثت میں داخل ہو گئی ہے۔ [ابوداؤد]

محتاج کی مدد:

صحابیات موت و حیات دونوں حالتوں میں اہل حاجت کی اعانت و امداد فرماتی تھیں۔ غزوۂ اُحد میں حضرت صفیہؓ آئیں اور اپنے بھائی حضرت حمزہ سید الشہداءؓ کے کفن کے لیے دو کپڑے لائیں لیکن ان کی لاش کے پاس ایک انصاری کی لاش بھی اسی طرح برہنہ نظر آئی۔ دل میں شرمائیں کہ حمزہ دو کپڑوں میں کفنائے جائیں اور انصاری کے لیے ایک کپڑا بھی نہ ہو۔ ناپا تو ایک کا قد بڑا نکلا، مجبوراً کپڑے پر قرعہ ڈالا گیا اور جو کپڑا جس کے حصے میں پڑا، وہ اسی میں کفنایا گیا۔ [مسند احمد: ج ۱ ص ۱۵۶]

نفلی روزوں کا اہتمام:

آج ہماری عورتیں فرضی روزوں میں بھی سستی کرتی ہیں لیکن بعض صحابیات نفلی روزے بھی بکثرت رکھتی تھیں۔ حضرت ابو امامہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بار بار دعائے شہادت کی درخواست کی لیکن آپؐ نے سلامتی کی دعا فرمائی۔ اخیر میں انہوں نے عرض کی کہ کسی ایسے عمل کی ہدایت فرما دیجئے کہ خدا مجھے اس سے نفع دے۔ آپؐ نے روزہ کا حکم دیا اور انہوں نے متصل روزہ رکھنے کا التزام کر لیا، ان کے ساتھ ان کے خادم اور

بیوی نے بھی اس عملِ صالح میں شرکت کی اور روزہ ان کے گھر کی امتیازی علامت بن گئی۔ اگر کسی دن ان کے گھر میں دھواں اُٹھتا تو لوگ سمجھتے کہ آج ان کے گھر میں کوئی مہمان آیا ہے ورنہ اس گھر میں دن کا کھانا کیونکر پک سکتا ہے۔ [مسند احمد: ج ۵ ص ۲۵۵]

بعض صحابیات نفلی روزے رکھتی تھیں جس سے ان کے شوہروں کو تکلیف ہوتی تھی، شوہروں نے روکا تو انہیں سخت ناگوار گزرا، چنانچہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جا کر شکایت کی لیکن آپؐ نے حکم دیا کہ عورت شوہر کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ نہ رکھے۔ [ابوداؤد، کتاب الصیام]

مُردوں کی جانب سے روزہ کا اہتمام:

صحابیات نہ صرف اپنی طرف سے بلکہ اپنے فوت شدگان کی جانب سے بھی روزے رکھتی تھیں، ایک صحابیہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ میری ماں کا انتقال ہو گیا ہے اور اس پر روزے فرض تھے، کیا میں ان کو پورا کر دوں؟ تو آپؐ نے ان کو اس کی اجازت دے دی۔ [بخاری، کتاب الصوم]

اعتکاف:

صحابیات کو اعتکاف کا اس قدر شوق تھا کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے اعتکاف کے لیے خیمہ نصب کرنے کا حکم دیا تو حضرت عائشہؓ نے اپنا خیمہ الگ نصب کروایا۔ ان کی دیکھا دیکھی تمام اَزواجِ مطہراتؓ نے بھی خیمے نصب کروائے۔ [ابوداؤد، کتاب الصیام]

حج:

فرائضِ اسلام میں اگرچہ حج صرف ایک بار فرض ہے لیکن صحابیات کو ایک بار کے حج سے کیا تسکین ہو سکتی تھی، اس لیے تقریباً ہر سال وہ فریضۂ حج ادا کرتی تھیں۔ ایک بار حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے جہاد کی اجازت مانگی تو آپؐ نے فرمایا کہ تم عورتوں کے لیے بہترین جہاد حجِ مبرورٌ ہے۔ اس کے بعد سے ان کا کوئی سال حج سے خالی نہ گیا۔ [بخاری، کتاب الحج]

صحابیات جس ذوق شوق سے حج ادا کرتی تھیں، اس کا موثر منظر حجۃ الوداع میں دنیا کو نظر آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اعلانِ حج کیا تو حضرت اسماء بنت عمیسؓ اگرچہ حاملہ تھیں لیکن وہ بھی روانہ ہوئیں۔ بہت سے صحابہؓ حجۃ الوداع کی شرکت کے لیے جا رہے تھے۔ راستے میں رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہوئی تو ایک صحابیہ

جھپٹ کے آپ کے پاس آئیں اور ہودج سے اپنے بچے کو نکال کر پوچھا: کیا اس کا حج بھی ہو سکتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں، لیکن اس کا ثواب تمہیں ملے گا۔[ابوداؤد، کتاب المناسک]

صحابیات فریضۂ حج کے ادا کرنے میں طرح طرح کی غیر لازمی چیزوں کا بھی التزام کر لیا کرتی تھیں۔ ایک صحابیہ نے خانہ کعبہ تک پیدل سفر کرنے کی نذر مانی۔ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ پیدل بھی چلے اور سوار بھی ہو۔[بخاری، کتاب الحج]

اگر کسی مجبوری سے حج کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو جاتا تو صحابیاتؓ کو سخت صدمہ ہوتا تھا۔ حجۃ الوداع میں حضرت عائشہ کو ضرورتِ نسوانی سے معذوری ہو گئی۔ رسول اللہ ﷺ کا گذر ہوا تو دیکھا کہ وہ رو رہی ہیں۔ پوچھا کیا ماجرا ہے؟ وہ بولیں کہ میں نے اب تک حج نہیں کیا تھا کہ ماہواری کا مسئلہ پیدا ہو گیا۔ آپؐ نے فرمایا: سبحان اللہ! یہ تو فطری چیز ہے، تم اسی حالت میں تمام مناسکِ حج ادا کرو، صرف خانہ کعبہ کا طواف نہ کرو۔[ابوداؤد، کتاب المناسک]

ماں باپ کی طرف سے حج کرنا:

صحابیات نہ صرف خود بلکہ اپنے ماں باپ کی طرف سے بھی حج ادا کرتی تھیں حجۃ الوداع کے زمانہ میں ایک صحابیہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ میرے باپ پر حج فرض ہو گیا ہے لیکن وہ بڑھاپے کی وجہ سے سواری پر بیٹھ نہیں سکتے کیا میں ان کی طرف سے حج ادا کروں؟ آپ نے اس کو اس کی اجازت دے دی ایک صحابیہ کی ماں کا انتقال ہو چکا تھا وہ آپ کی خدمت میں آئیں اور کہا کہ میری ماں نے کبھی حج نہیں کیا، کیا میں اس کی جانب سے یہ فرض ادا کروں؟ آپ نے ان کو بھی اجازت دی۔[مسلم]

عمرہ ادا کرنا:

عمرہ فرض ہو یا نہ ہو لیکن صحابیات اس کو نہایت پابندی کے ساتھ ادا کرتی تھیں اور جب عمرہ فوت ہو جاتا تو ان کو سخت پریشانی ہوتی تھی۔ جب حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ جن لوگوں کے پاس قربانی کا جانور نہ ہو وہ عمرہ ادا کر سکتے ہیں تو خیمے میں آ کر دیکھا کہ حضرت عائشہؓ رو رہی ہیں۔ وجہ پوچھی تو وہ بولیں کہ میں ضرورتِ نسوانی سے مجبور ہوں لیکن لوگ دو دو فرض (یعنی حج وعمرہ) کا ثواب حاصل کر رہے ہیں اور میں صرف ایک کا۔ آپؐ نے فرمایا کوئی حرج نہیں، خدا تم کو عمرہ کا ثواب بھی عطا فرمائے گا چنانچہ آپؐ نے

ان کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر کو ان کے ساتھ کر دیا اور مقام تنعیم میں جا کر انہوں نے عمرہ کا احرام باندھا اور آدھی رات کو عمرہ سے فارغ ہو کر آ گئیں۔ [بخاری، کتاب الحج]

شوقِ شہادت:

عہدِ نبوت میں شہادت ایک ابدی زندگی خیال کی جاتی تھی اس لیے ہر شخص اس آبِ حیات کا پیاسا رہتا تھا۔
حضرت ام ورقہ بنتِ نوفل ایک صحابیہ تھیں، جب غزوہ بدر پیش آیا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ مجھے شریکِ جہاد ہونے کی اجازت عطا فرمائی جائے، میں مریضوں کی تیمارداری کروں گی۔ شائد مجھے بھی درجہ شہادت حاصل ہو جائے۔ آپؐ نے فرمایا: گھر ہی میں رہو، خدا تمہیں اسی میں شہادت دے گا۔ یہ معجزانہ پیش گوئی کیونکر غلط ہو سکتی تھی چنانچہ ان کے دو غلاموں نے انہیں شہید کر دیا۔ [ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ]

عمل بالقرآن:

صحابیاتؓ پر قرآن کا شدت سے اثر پڑتا تھا۔ ایک بار حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا کہ قرآن مجید کی یہ آیت: ((مَنْ يَعْمَلْ سُوْءًا يُجْزَ بِهٖ))
''جو شخص کوئی بھی برائی کرے گا اس کو اس کا بدلہ دیا جائے گا۔''
نہایت سخت ہے۔ ارشاد ہوا کہ عائشہ تم کو خبر نہیں کہ مسلمان کے پاؤں میں اگر ایک کانٹا بھی چبھتا ہے تو وہ اس کے اعمالِ بد کا معاوضہ ہو جاتا ہے۔ حضرت عائشہ بولیں: لیکن خدا تو کہتا ہے:
((فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا)) ''خدا ذرا ذرا سی برائی کا بھی حساب لے گا۔''
حضورؐ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر عمل خدا کی بارگاہ میں پیش ہوگا عذاب اسی کو دیا جائے گا جس کے حساب میں ردوقدح ہوگی۔ [ابوداؤد، کتاب الجنائز]
اس اثر پذیری کا نتیجہ یہ تھا کہ صحابیات نہایت سرعت کے ساتھ قرآن مجید کے احکام پر عمل کرنے کو تیار ہو جاتی تھیں۔ حضرت ابو حذیفہؓ بن عتبہ نے حضرت سالمؓ کو اپنا منہ بولا بیٹا بنایا تھا، اس لیے زمانہ جاہلیت کے رسم و رواج کے مطابق ان کو حقیقی بیٹے کے حقوق حاصل ہو گئے تھے لیکن جب قرآن مجید کی یہ آیت:
((اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ)) ''ان کو ان کے حقیقی باپوں کے بیٹے کہہ کر پکارو۔''
نازل ہوئی تو ان کی بی بی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ سالم پہلے ہمارے ساتھ

گھر میں رہتے تھے اور ان سے کوئی پردہ نہ تھا، اب آپ کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اسے دودھ پلا دو، وہ تمہارے رضاعی بیٹے ہو جائیں گے۔ [یعنی پھر پردے کی ضرورت نہ رہے گی۔ ابوداؤد]

زمانہ جاہلیت میں عرب کی عورتیں نہایت بے پروائی کے ساتھ دوپٹہ اوڑھتی تھیں، اس لیے سینہ اور سر وغیرہ کھلا رہتا تھا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ((وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ))

''عورتوں کو چاہیے کہ اپنے دوپٹوں کو اپنے سینوں پر ڈال لیں۔''

اس کا یہ اثر ہوا کہ عورتوں نے اپنے تہ بند اور متفرق کپڑوں کو پھاڑ کر دوپٹے بنائے اور اپنے آپ کو سیاہ چادروں سے اس طرح ڈھانپ لیا کہ حضرت عائشہؓ کے قول کے مطابق یہ معلوم ہوتا تھا کہ ان کے سر پر کوے بیٹھے ہیں۔ [ابوداؤد، کتاب اللباس]

موسیقی سے اجتناب:

راگ باجا تو بڑی چیز ہے، حضرت عائشہؓ کا یہ حال تھا کہ اونٹ کی گھنٹی کی آواز سننا بھی پسند نہیں کرتی تھیں۔ اگر سامنے سے گھنٹی کی آواز آتی تو ساربان سے کہتیں کہ ٹھہر جاؤ تاکہ یہ آواز سننے میں نہ آئے اور اگر سن لیتیں تو کہتیں کہ تیزی کے ساتھ لے چلو تاکہ میں اس آواز کو نہ سن سکوں۔ [مسند احمد: ج۶ ص۱۵۲]

ایک بار ایک لڑکی ان کے گھر میں گھنگرو پہنے ہوئے داخل ہوئی، گھنگرو کی آواز سننے کے ساتھ ہی حضرت عائشہؓ بولیں کہ گھنگرو پہنے ہوئے یہ میرے پاس نہ آنے پائے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس گھر میں اس قسم کی آوازیں آتی ہیں، اس میں فرشتے نہیں آتے۔ [مسند احمد: ج۶ ص۲۴۲]

مشتبہات سے اجتناب:

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو چیز مشتبہ ہو اس کو چھوڑ کر وہ چیز اختیار کرو جو مشتبہ نہیں ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی لیکن ان کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں پس جو شخص مشتبہ گناہوں کو چھوڑ دے گا، وہ کھلے ہوئے گناہوں کا سب سے زیادہ چھوڑنے والا ہوگا اور جو شخص مشتبہ گناہوں کا مرتکب ہوگا، بہت ممکن ہے کہ وہ کھلے ہوئے گناہوں کا ایسے ہی مرتکب جا ٹھہرے جیسے (کسی کی) چراگاہ کے آس پاس جانور چرانے والے کے بارے میں امکان ہے کہ اس کے مویشی اس چراگاہ میں گھس جائیں گے۔

صحابیات اس حدیث پر نہایت شدت سے عامل تھیں۔ ایک صحابیہ نے اپنی لونڈی کو اپنی ماں پر صدقہ

کر دیا تھا۔ وہ مر گئیں تو اس لونڈی کی حالت مشتبہ ہوگئی، کیونکہ ایک طرف تو وہ اسے صدقہ کر چکی تھیں اور صدقہ کا مال واپس لینا جائز نہیں جبکہ دوسری طرف ماں اس کی مالک ہوگئی تھیں اور ماں کے مرنے کے بعد یہ دوبارہ اسی لونڈی کی وارث بنتی تھی۔ اس اشتباہ کے رفع کرنے کے لیے وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور نفسِ واقعہ بیان کیا۔ آپؐ نے فرمایا تمہیں صدقہ کا ثواب مل چکا اور اب وہ تمہاری وراثت میں آ گئی ہے۔ [ابوداؤد، کتاب الوصایا]

حضرت اسماءؓ کی ماں قتیلہ کافرہ تھیں اور حضرت ابوبکرؓ نے زمانہ جاہلیت میں ہی ان کو طلاق دے دی تھی۔ ایک دفعہ وہ حضرت اسماءؓ کے پاس متعدد چیزیں ہدیہ لے کر آئیں چونکہ یہ کافرہ کا ہدیہ تھا اس لیے حضرت اسماءؓ نے ان کو قبول کرنے سے انکار کیا اور حضرت عائشہؓ کے ذریعے سے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کروایا تو آپ نے اس کو قبول کرنے کی اجازت دے دی۔ [طبقات ابن سعد، بذیل تذکرہ حضرت اسماء]

تسبیح وتہلیل:

تسبیح وتہلیل مذہبی زندگی کی مخصوص علامات ہیں اور صحابیات میں یہ علامت پائی جاتی تھی۔ ایک صحابیہؓ سامنے کنکری یا گھٹلی رکھ کر تسبیح پڑھ رہی تھیں، رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو فرمایا کہ اس کی کیا ضرورت ہے، میں اس سے آسان ترکیب بتاتا ہوں اس کے بعد آپؐ نے اسے ایک دعا بتادی۔ [ابوداؤد]

مقاماتِ مقدسہ کی زیارت:

حصولِ برکت کا شوق صحابیات کو مقاماتِ مقدسہ کی طرف کھینچ لے جاتا تھا۔ ایک بار ایک صحابیہ بیمار ہو گئیں اور یہ نذر مانی کہ اگر خدا شفا دے گا تو بیت المقدس میں جا کر نماز پڑھوں گی۔ صحت یاب ہوئیں تو سامانِ سفر تیار کیا اور رخصت ہونے کے لیے حضرت میمونہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ انہوں نے کہا کہ مسجد نبویؐ ہی میں نماز پڑھ لو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری مسجد میں ایک نماز دوسری مساجد کی ہزاروں نمازوں سے بہتر ہے۔ [صحیح مسلم]

ایک صحابیہ نے مسجد قبا تک پیدل سفر کرنے کی نذر مانی تھی، ابھی نذر پوری کرنے بھی نہیں پائی تھیں کہ انتقال ہوگیا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فتویٰ دیا کہ ان کی صاحبزادی نذر پوری کریں۔ [موطا امام محمد، باب الرجل یحلف بالمشی الی بیت اللہ]

مذہبی فرائض ادا کرنے میں جسمانی تکلیفیں اٹھانا:

شوقِ عبادت ہر قسم کی جسمانی تکلیفوں کو آسان کر دیتا ہے اور صحابیاتؓ میں یہ شوق موجود تھا، اس لیے وہ ہر قسم کی تکلیفیں برداشت کرتی تھیں اور فرائضِ اسلام کو بخوشی ادا کرتی تھیں۔ حضرت حمنہ بنت جحشؓ ایک صحابیہ تھیں ان کا معمول تھا کہ برابر مصروفِ نماز رہتی تھیں، جب تھک جاتیں تو ستون کے ساتھ ایک رسی باندھ رکھی تھی، اس سے لٹک جاتیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس رسی کو دیکھا تو فرمایا: ان کو صرف اسی قدر نماز پڑھنی چاہیے جو ان کی طاقت میں ہو۔ اگر تھک جائیں تو بیٹھ جانا چاہیے، چنانچہ وہ رسی کھلوا کر پھینک دی گئی۔ [ابوداؤد]

پابندیِ قسم:

ہم لوگ بات بات پر قسم کھایا کرتے ہیں اور ہم کو یہ محسوس نہیں ہوتا کہ یہ کس قدر ذمہ داری کا کام ہے لیکن صحابیاتؓ بہت کم قسم کھاتی تھیں اور جس بات پر قسم کھا لیتی تھیں اس کو پھر پورا کرتی تھیں۔ ایک بار حضرت عائشہؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے ناراض ہوگئیں اور قسم کھالی کہ اب ان سے بات چیت نہ کریں گی جب حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے معافی مانگ لی اور دوسرے صحابہ نے بھی اس کی سفارش کی تو رو کر کہنے لگیں:

”میں نے نذر مان لی ہے اور نذر کا معاملہ نہایت سخت ہے۔“

بالآخر اصرار و سفارش سے ان کا قصور معاف کر دیا تو کفارہ میں ۴۰ غلام آزاد کیے۔ [بخاری، کتاب الادب]

برکت اندوزی:

صحابیات ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کی ذات پاک سے برکت اندوز ہوتی رہتی تھیں، اس لیے جو بچہ پیدا ہوتا، صحابیات سب سے پہلے اس کو آپ کی خدمت میں حاضر کرتیں۔ آپؐ بچے کے سر پر ہاتھ پھیرتے، اپنے منہ میں کھجور ڈال کر اس کے منہ میں ڈالتے اور اس کے لیے برکت کی دعا فرماتے۔ [مسلم، کتاب الفضائل]

محافظتِ یادگارِ رسولؐ:

صحابیاتؓ رسول اللہ ﷺ کی یادگاروں کو جان سے زیادہ عزیز رکھتی تھیں، حضرت عائشہؓ کے پاس آپ ﷺ کا ایک جبہ محفوظ تھا۔ جب ان کا انتقال ہوا تو حضرت اسماءؓ نے اس کو لے کر اپنے پاس محفوظ کرایا، چنانچہ جب کوئی شخص آپ کے خاندان میں بیمار ہوتا تھا تو شفا حاصل کرنے کے لیے اس کو دھو کر اس کا پانی پلاتی تھیں۔ [احمد: ج ٦ ص ٣٤٨]

جن کپڑوں میں آپ ﷺ کا انتقال ہوا تھا، حضرت عائشہؓ نے ان کو محفوظ رکھا تھا چنانچہ ایک دن انہوں نے ایک صحابی کو ایک یمنی تہبند اور ایک کملی دکھا کر کہا کہ خدا کی قسم! آپ نے انہی کپڑوں میں داعی اجل کو لبیک کہا تھا۔ [ابوداؤد، کتاب اللباس]

ایک بار ایک صحابیہ۔ نے آنحضرت ﷺ کی دعوت کی، آپ ﷺ نے کھانے کے بعد جس مشکیزہ سے پانی پیا، اس کو انہوں نے محفوظ رکھا۔ جب کوئی شخص بیمار ہوتا یا برکت حاصل کرنے کا موقع آتا تو وہ اس سے پانی پیتی اور پلاتی تھیں۔ [طبقات ابن سعد، بذیل تذکرہ حضرت ام نیاز]

جب آپ ﷺ حضرت انسؓ کے گھر تشریف لاتے تھے تو ان کی والدہ آپ کے پسینے کو نچوڑ کر ایک شیشی میں بھر لیتی تھیں اور اس کو محفوظ رکھتی تھیں۔ [بخاری، کتاب الاستیذان]

غزوہ خیبر میں آپ ﷺ نے ایک صحابیہ کو خود دست مبارک سے ایک ہار پہنایا تھا۔ وہ اس کی اتنی قدر کرتی تھیں کہ عمر بھر اس کو گلے سے جدا نہیں کیا اور جب انتقال کرنے لگیں تو وصیت کی کہ ان کے ساتھ وہ بھی دفن کر دیا جائے۔ [مسند احمد: ج۶ص ۳۸۰]

ایک دن آپ ﷺ حضرت ام سلیمؓ کے مکان پر تشریف لائے، گھر میں ایک مشکیزہ لٹک رہا تھا۔ آپؐ نے اس کا دہانہ اپنے منہ سے لگایا اور پانی پیا۔ حضرت ام سلیمؓ نے مشکیزے کے دہانے کو کاٹ کر اپنے پاس بطور یادگار رکھ لیا۔ [ابوداؤد، کتاب اللباس]

آپ ﷺ حضرت شفا بنت عبداللہ کے یہاں کبھی کبھی قیلولہ فرماتے تھے۔ اس غرض سے انہوں نے آپ کے لیے ایک بستر اور ایک خاص تہبند بنوالیا تھا جس کو پہن کر آپ استراحت فرماتے تھے۔ یہ یادگاریں ایک مدت تک ان کے خاندان میں محفوظ رہیں، اخیر میں خلیفہ مروان نے ان سے یہ چیزیں لے لیں۔ [طبقات ابن سعد، بذیل تذکرہ حضرت ام سلیمؓ]

اَدبِ رسول:

صحابیات آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو دربار نبوت کے ادب عظمت کے لحاظ سے تمام کپڑے زیب تن کر لیتیں، ایک صحابیہ فرماتی ہیں:

''میں نے تمام کپڑے پہن لیے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔'' [ابوداؤد، کتاب الطلاق]

اگر نادانستگی کی حالت میں بھی کوئی کلمہ آپ کی شان کے خلاف منہ سے نکل جاتا تو اس کی معافی چاہتیں۔ ایک صحابیہ کا بچہ مر گیا اور وہ اس پر رو رہی تھی، آپ کا گذر ہوا تو فرمایا: ''خدا سے ڈرو، اور صبر کرو۔'' وہ صحابیہ بولیں کہ تمہیں میری مصیبت کی کیا پرواہ ہے؟ آپؐ چلے گئے تو لوگوں نے کہا کہ یہ رسول اللہ ﷺ تھے۔ چنانچہ وہ دوڑی ہوئی آنحضرتؐ کے پاس آئیں اور عرض کیا کہ میں نے حضور کو نہیں پہچانا تھا۔ [ابوداؤد، کتاب الجنائز]

حمایتِ رسول:

صحابیات اپنے دلوں میں نہایت شدت کے ساتھ آپ کی حمایت کی آرزو رکھتی تھیں۔ حضرت طیب بن عمیرؓ اسلام لائے اور اپنی ماں اروٰی بنت عبدالمطلب کو اس کی خبر دی تو وہ بولیں کہ تم نے جس شخص کی حمایت کی ہے، وہ اس کا سب سے بڑا مستحق تھا۔ اگر مردوں کی طرح ہم بھی استطاعت رکھتے تو آپ کی حفاظت کرتے اور آپ کی طرف سے لڑتے۔ [الاستیعاب، بذیل تذکرہ حضرت طیب بن عمیر]

خدمتِ رسول:

صحابیات رسول اللہ ﷺ کی خدمت کو اپنا سب سے بڑا اشرف خیال کرتی تھیں۔ حضرت سلمٰیؓ ایک صحابیہ تھیں۔ انہوں نے اس استقلال کے ساتھ آپ کی خدمت کی کہ ان کو 'خادمہ رسول اللہ' کا لقب حاصل ہوا۔

[ابوداؤد، کتاب الطب]

سفینہ حضرت سلمہؓ کی والدہ کی لونڈی تھی، انہوں نے اس کو اس شرط پر آزاد کرنا چاہا کہ وہ اپنی عمر آپ کی خدمت گذاری میں صرف کر دے۔ اس نے کہا ''اگر آپ یہ شرط نہ بھی کرتیں تب بھی میں مرتے دم تک آپ کی خدمت سے علیحدہ نہ ہوتی۔ [ابوداؤد، کتاب العتق]

ہیبتِ رسول:

رسول اللہ ﷺ کی پرعظمت روحانیت سے صحابیات اس قدر مرعوب ہو جاتی تھیں کہ جسم پر رعشہ پڑ جاتا تھا، ایک بار حضرت خدیجہؓ نے آپ کو مسجد میں اکڑوں بیٹھے ہوئے دیکھا ان پر آپ کے اس خشوع وخضوع کی حالت کا یہ اثر پڑا کہ وہ کانپ اٹھیں۔ [شمائل ترمذی]

نعتِ رسول:

صحابیات کی چھوٹی چھوٹی لڑکیاں تک آپ کی مدح میں رطب اللسان رہتی تھیں، آپؐ جب ہجرت کر کے

مدینہ تشریف لائے تو لڑکیاں دف بجا بجا کر یہ شعر گاتی پھرتی تھیں:

''ہم خاندان بنونجار کی لڑکیاں ہیں محمد کتنے اچھے پڑوسی ہیں'' [بخاری]

پابندیِ اَحکامِ رسول:

صحابیات رسول اللہ ﷺ کے اَحکام کی نہایت شدت کے ساتھ پابندی کرتی تھیں۔ آپؐ نے شوہر کے علاوہ دیگر قریبی رشتہ داروں کی وفات پر افسوس [سوگ] کے لیے صرف تین دن مقرر فرمائے تھے، صحابیات نے اس کی اس شدت کے ساتھ پابندی کی کہ جب حضرت زینب بنتِ جحشؓ کے بھائی کا انتقال ہوا اور چوتھے دن کچھ عورتیں ان سے ملنے آئیں تو انہوں نے ان سب کے سامنے خوشبو لگائی اور کہا کہ مجھے خوشبو کی ضرورت نہ تھی لیکن میں نے آنحضرتؐ سے سنا ہے کہ کسی مسلمان عورت کو شوہر کے سوا تین دن سے زیادہ کسی کا سوگ منانا جائز نہیں۔ اس لیے یہ اسی حکم کی تعمیل تھی۔

جب حضرت ام حبیبہؓ کے والد نے انتقال کیا تو انہوں نے تین دن کے بعد تیل لگایا، خوشبو ملی اور کہا کہ ''مجھے اس کی ضرورت نہ تھی، صرف آنحضرتؐ کے حکم کی تعمیل مقصود تھی۔'' [ابوداؤد، کتاب الطلاق]

ایک بار حضرت عائشہؓ کے پاس ایک سائل آیا، انہوں نے روٹی کا ایک ٹکڑا اسے دیدیا پھر اس کے بعد ایک خوش لباس شخص آیا تو انہوں نے اس کو بٹھا کر خوب کھانا کھلایا۔ لوگوں نے اس تفریق و امتیاز پر اعتراض کیا تو وہ بولیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ: ''لوگوں کے ساتھ ان کے مرتبہ کے مطابق سلوک کرو۔''

ایک دن آپ مسجد سے نکل رہے تھے دیکھا کہ راستے میں مرد عورت مل جُل کر چل رہے ہیں۔ آپؐ نے عورتوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: ''تم پیچھے رہو، وسطِ راہ سے نہ گذرو۔'' اس کے بعد عورتوں کا یہ حال ہو گیا کہ گلی کے کنارے سے اس طرح لگ کر چلتی تھیں کہ ان کے کپڑے دیواروں سے اُلجھ جاتے تھے۔ [ابوداؤد]

رضامندیِ رسولؐ:

صحابیات کو رسول اللہ ﷺ کی رضامندی کی ہمیشہ فکر رہتی تھی، اس لیے اگر کبھی آپؐ ناراض ہو جاتے تو ہر ممکن تدبیر سے آپؐ کے رضامند ہونے کی کوشش کرتی تھیں۔ آپؐ حجۃ الوداع کے لیے تشریف لے گئے تو تمام بیبیاں ساتھ تھیں۔ سوءِ اتفاق سے راستہ میں حضرت صفیہ کا اونٹ تھک کر بیٹھ گیا، وہ رونے لگیں۔ آپ کو خبر ہوئی تو خود تشریف لائے اور دستِ مبارک سے ان کے آنسو پونچھے۔ آپؐ جس قدر ان کو

رونے سے منع فرماتے تھے، اسی قدر وہ اور زیادہ روتی تھیں۔ جب کسی طرح چپ نہ ہوئیں تو آپؐ نے ان کی سرزنش فرمائی اور تمام لوگوں کو پڑاؤ کرنے کا حکم دیا اور خود بھی اپنا خیمہ نصب کروایا۔ اب حضرت صفیہؓ کو خیال ہوا کہ آپؐ ان سے ناراض ہیں، اس لیے وہ آپ کی رضامندی کی تدبیریں اختیار کرنے لگیں۔ اس غرض سے حضرت عائشہؓ کے پاس گئیں اور کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ میں اپنی باری کا دن کسی چیز کے معاوضہ میں نہیں دے سکتی لیکن اگر آپ رسول اللہ ﷺ کو مجھ سے راضی کر دیں تو اپنی باری کا دن میں آپ کو دینے کے لیے تیار ہوں۔ حضرت عائشہؓ نے آمادگی ظاہر کی اور ایک دوپٹہ اوڑھا جو زعفرانی رنگ میں رنگا ہوا تھا، پھر اس پر پانی کے چھینٹے دیئے کہ خوشبو خوب پھیلے۔ اس کے بعد آپ کی خدمت میں گئیں اور خیمہ کا پردہ اٹھایا تو آپؐ نے فرمایا: عائشہؓ یہ تمہاری باری کا دن نہیں ہے، بولیں: ''یہ خدا کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔'' [مسند احمد: ج ۶ ص ۳۳۸]

ضیافتِ رسولؐ:

اگر خوش قسمتی سے صحابیات کو کبھی رسول اللہ ﷺ کی ضیافت کا موقع ملتا تو نہایت عزت، محبت اور ادب کے ساتھ اس فرض کو بجالاتیں۔ ایک بار آپ حضرت ام حرامؓ کے مکان پر تشریف لے گئے تو انہوں نے دعوت کی آپؐ نے قبول فرمائی اور وہیں قیلولہ فرمایا۔ [ابوداؤد، کتاب الجہاد]

ایک بار ایک صحابی نے آپ کی دعوت کی، دعوت کھا کر آپ روانہ ہوئے تو ان کی بی بی نے پردے سے سر نکال کر کہا کہ ''یا رسول اللہ! میرے اور میرے شوہر کے لیے رحمت کی دعا فرما جائیے۔'' آپؐ نے فرمایا: ''خدا تم پر اور تمہارے شوہر پر رحمت نازل فرمائے۔'' [مسند احمد: ج ۳ ص ۳۹۸]

بعض صحابیات خود کوئی نئی چیز پکا کر آپ کی خدمت میں پیش کرتی تھیں۔ ایک بار حضرت ام ایمنؓ نے آٹا چھانا اور اس کی روٹیاں تیار کر کے آپ کی خدمت میں پیش کیں تو آپؐ نے فرمایا یہ کیا ہے؟ بولیں: ہمارے ملک میں اس کا رواج ہے، میں نے چاہا کہ آپ کے لیے بھی اس قسم کی روٹیاں تیار کروں لیکن آپؐ نے کمالِ زہد کی وجہ سے فرمایا: ''آٹے میں چوکر ملا کر پھر گوندو۔'' [ابن ماجہ، کتاب الاطعمۃ]

محبتِ رسولؐ:

صحابیاتؓ کے دل آپؐ کی محبت سے لبریز تھے اور وہ اس کا اظہار مختلف طریقوں سے کرتی تھیں۔ حضرت

ام عطیہؓ ایک صحابیہ تھیں وہ جب آپ کا ذکر کرتیں تو فرط محبت سے کہتیں: ''میں آپ پر قربان۔'' [نسائی]

استعفاف:

فیضِ تربیتِ نبویؐ نے صحابیاتؓ کے ایک ایک فرد کو غیرت، خودداری اور عزتِ نفس کا مجسمہ بنا دیا تھا۔ اس لیے وہ کسی کے سامنے دستِ سوال نہیں پھیلاتی تھیں۔ ماں باپ سے مانگتے ہوئے کسی کو شرم نہیں آتی لیکن صحابیات کی غیرت اس کو بھی گوارا نہیں کرتی تھی کہ ماں باپ سے بھری محفل میں سوال کیا جائے۔ حضرت فاطمہؓ گھر کے کام کاج سے تنگ آ گئی تھیں، رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ لونڈی غلام آئے تو وہ حاضرِ خدمت ہوئیں کہ آپؐ سے ایک غلام مانگیں۔ دیکھا کہ آپ سے کچھ لوگ باتیں کر رہے ہیں چنانچہ وہ شرم کے مارے واپس آ گئیں۔ [ابوداؤد، کتاب الآداب]

ایثار وقربانی:

فیاضی ایک اخلاقی وصف ہے لیکن ایثار فیاضی کی ایک اعلیٰ ترین قسم ہے اور وہ صحابیات میں بدرجۂ اتم پائی جاتی تھی۔ حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کے پہلو میں اپنی قبر کے لیے جگہ مخصوص کر رکھی تھی جب حضرت عمرؓ نے درخواست کی تو انہوں نے یہ تختۂ جنت ان کو دے دیا اور فرمایا: ''میں نے خود اپنے لیے اس کو محفوظ رکھا تھا لیکن آج اپنے اوپر آپ کو ترجیح دیتی ہوں۔'' [بخاری، کتاب المناقب]

ایک دن حضرت عائشہؓ روزہ سے تھیں، گھر میں روٹی کے سوا کچھ نہ تھا۔ ایک مسکین عورت آئی، حضرت عائشہؓ نے اپنی لونڈی سے کہا کہ روٹی اس کو دے دو۔ اس لونڈی نے کہا کہ افطار کس چیز سے کریں گی؟ مگر وہ بولیں کہ تم یہ اسے دے دو۔ شام ہوئی تو کسی نے آپ کے ہاں بکری کا گوشت بھجوا دیا۔ آپ نے لونڈی کو بلا کر کہا: ''یہ تیری روٹی سے بہتر ہے۔'' [مؤطا، کتاب الجامع]

سخاوت وفیاضی:

صحابہؓ کی طرح صحابیاتؓ کی فیاضی سے بھی اسلام کو بہت کچھ ثبات واستحکام حاصل ہوا۔ حضرت ام سلیمؓ نے اپنا کھجوروں کا باغ رسول اللہ ﷺ کے لیے وقف کر دیا تھا۔ [بخاری]

حضرت عائشہؓ اس قدر فیاض تھیں کہ جو کچھ ہاتھ آتا، اسے صدقہ کر دیتی تھیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے ان کو اس فیاضی سے روکنا چاہا تو وہ اس قدر برہم ہوئیں کہ ان سے بات چیت نہ کرنے کی قسم کھالی۔ [بخاری]

حضرت اسماءؓ ان سے بھی زیادہ فیاض تھیں۔ حضرت عائشہؓ کا تو معمول یہ تھا کہ جمع کرتی جاتی تھیں جب کافی سرمایہ جمع ہو جاتا تو اسے تقسیم کر دیتی تھیں لیکن حضرت اسماءؓ کل کے لیے کچھ نہ رکھتی تھیں بلکہ روز کی روز خرچ کرتی تھیں۔ [الادب المفرد]

ایک بار حضرت منکدر بن عبداللہؓ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت عائشہؓ نے کہا کہ تمہارے کوئی لڑکا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اگر میرے پاس دس ہزار درہم ہوتے تو میں تمہیں دے دیتی۔ حسنِ اتفاق سے شام ہی کو حضرت امیر معاویہؓ نے ان کے پاس روپے بھیجے، حضرت عائشہؓ نے کہا کہ کس قدر جلد میری آزمائش ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے فوراً آدمی بھیج کر منکدر کو بلوایا اور وہ دس ہزار درہم انہیں دے دیئے۔ منکدر بن عبداللہ نے اس رقم سے ایک لونڈی خریدی اور اس سے ان کی متعدد بچے پیدا ہوئے۔ [طبقات ابن سعد، بذیل تذکرہ منکدر بن عبداللہ]

ازواجِ مطہرات میں حضرت زینبؓ بنت جحش نہایت فیاض تھیں، وہ اپنے ہاتھ سے چمڑے کی دباغت کرتیں اور جو کچھ آمدنی اس سے ہوتی، اسے وہ مساکین میں خرچ کر دیتیں۔ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج سے فرمایا کہ تم میں سے جس کا ہاتھ سب سے لمبا ہوگا وہ مجھ سے سب سے پہلے ملے گا۔ اس پر ازواجِ مطہرات نے اپنے ہاتھوں کو ناپنا شروع کر دیا۔ حضرت زینبؓ کے ہاتھ سب سے چھوٹے تھے لیکن جب سب سے پہلے ان کا انتقال ہوا تو ازواجِ مطہرات کو معلوم ہوا کہ لمبے ہاتھ سے فیاضی مراد تھی۔ [بخاری]

مخالف سے انتقام نہ لینا:

اگر مخالف کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائے تو انتقام لینے کا اس سے بہتر کوئی موقع نہیں مل سکتا لیکن صحابیاتؓ کے دل میں خدا اور رسول کی محبت نے بغض و انتقام کی جگہ کب چھوڑی تھی؟ حضرت عائشہؓ اور حضرت زینبؓ میں باہم نوک جھوک رہتی تھی لیکن جب حضرت عائشہؓ پر تہمت لگائی گئی اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینبؓ سے ان کی اخلاقی حالت دریافت فرمائی تو بجائے اس کے کہ وہ انتقام لیں، بولیں کہ میں اپنے کان اور اپنی آنکھ کی پوری حفاظت کرتی ہوں، مجھے ان کی نسبت بھلائی کے سوا کچھ معلوم نہیں ہے۔ حضرت عائشہؓ نے خود اس کا اعتراف کرتے ہوئے کہا تھا: ''زینب اگرچہ میری حریف تھیں، لیکن خدا نے تقویٰ و دینداری کی وجہ سے ان کو (جھوٹ سے) بچا لیا۔'' [بخاری، کتاب الشہادات]

مہمان نوازی:

حضرت ام شریکؓ نہایت دولت منداور فیاض صحابیہ تھیں، انہوں نے اپنے مکان کو گویا مہمان خانہ بنا دیا تھا، اس لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں باہر سے جو مہمان آتے تھے، وہ اکثر انہی کے مکان پر ٹھہرتے تھے۔[نسائی، کتاب النکاح]

عزتِ نفس:

صحابیاتؓ عزتِ نفس کا مجموعہ تھیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جس دن شہید ہوئے، اس روز شہادت سے پہلے وہ اپنی والدہ حضرت اسماءؓ کے پاس تشریف لے گئے، انہوں نے ان کو دیکھا تو بولیں: ''بیٹا! موت کے خوف سے ہرگز کوئی ایسی شرط قبول نہ کرنا جس پر تم کو ذلت برداشت کرنی پڑے، خدا کی قسم! عزت کے ساتھ تلوار کھا کر مرجانا اس سے بہتر ہے کہ ذلت کے ساتھ کوڑے کی مار برداشت کی جائے۔''

صبر وثبات:

مردوں پر نوحہ کرنا بال نوچنا، کپڑے پھاڑنا، مدتوں مرثیہ خوانی کرنا عرب کا قومی شعار تھا لیکن فیضِ تربیت نبویؐ نے صحابیات کو صبر کا اس قدر خوگر بنادیا تھا کہ حضرت ابوطلحہؓ انصاری کا لڑکا بیمار ہوا، وہ صبح کے وقت اس کو بیمار چھوڑ کر کام کاج کے لیے باہر چلے گئے۔ ان کی عدم موجودگی میں لڑکا فوت ہوگیا لیکن ان کی بیوی نے لوگوں سے کہہ دیا کہ ابوطلحہ کو اس کی اطلاع نہ دینا۔ وہ شام کو پلٹے تو بیوی سے پوچھا کہ بچہ کیسا ہے؟ وہ بولیں کہ پہلے سے زیادہ سکون کی حالت میں ہے۔ یہ کہہ کر کھانا لائیں اور انہوں نے کھانا کھایا، صبح ہوئی تو کہا کہ اگر ایک قوم کسی کو کوئی چیز ادھار دے اور پھر اس کا مطالبہ کرے تو کیا اس کو اس کے روک رکھنے کا حق حاصل ہے؟ ابوطلحہؓ بولے کہ نہیں، تو ان کی بیوی نے کہا کہ پھر اپنے بیٹے پر بھی صبر کرو کیونکہ خدا نے اپنی دی ہوئی چیز ہم سے واپس لے لی ہے۔'' [مسلم، کتاب الادب]

رسول اللہ ﷺ غزوہ اُحد سے واپس آئے تو تمام صحابیاتؓ اپنے اپنے اعزہ واقارب کا حال پوچھنے آئیں۔ انہی میں حضرت حمنہ بنت جحشؓ بھی تھیں، وہ آئیں تو آپؐ نے فرمایا کہ حمنہ! اپنے بھائی عبداللہ بن جحشؓ پر صبر کرو۔[کیونکہ وہ شہید ہوگئے تھے] انہوں نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھا اور ان کے لیے دعائے مغفرت کرکے خاموش رہیں۔[طبقات ابن سعد، بذیل تذکرہ حمنہ بنت جحشؓ]

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جب حجاج بن یوسف سے معرکہ آرا ہوئے تو ان کی والدہ حضرت اسماءؓ بیمار تھیں، وہ ان کے پاس آئے اور مزاج پرسی کے بعد بولے کہ مرنے میں آرام ہے۔ وہ بولیں کہ شائد تم کو میرے مرنے کی آرزو ہے لیکن جب تک دو باتوں سے ایک نہ ہو جائے میں مرنا پسند نہ کروں گی، یا تو تم شہید ہو جاؤ اور میں تم پر صبر کرلوں یا فتح حاصل کرو کہ میری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ چنانچہ جب وہ شہید ہو چکے تو حجاج نے ان کو سولی پر لٹکا دیا۔ حضرت اسماءؓ باوجود پیرانہ سالی کے یہ عبرتناک منظر دیکھنے کے لیے آئیں اور بجائے اس کے کہ روتی پیٹتیں، حجاج کی طرف مخاطب ہو کر کہا: اس سوار کے لیے ابھی تک وہ وقت نہیں آیا کہ اپنے گھوڑے سے نیچے اترے۔ [الاستیعاب بذیل تذکرہ عبداللہ بن زبیرؓ]

شجاعت و بہادری:

غزوات میں صحابہ کرامؓ نے جس طرح دادِ شجاعت دی، صحابیاتؓ کے بہادرانہ کارنامے اس سے بھی حیرت انگیز ہیں۔ غزوہ حنین میں کفار نے اس زور شور سے حملہ کیا تھا کہ میدانِ جنگ لرز اٹھا تھا لیکن حضرت ام سلیمؓ کی شجاعت کا یہ حال تھا کہ ہاتھ میں خنجر لیے ہوئے منتظر تھیں کہ کوئی کافر سامنے آئے تو اس کا کام تمام کردوں، چنانچہ حضرت ابوطلحہؓ نے ان کے ہاتھ میں خنجر دیکھ کر پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ وہ بولیں کہ میں چاہتی ہوں کہ کوئی کافر قریب آئے تو اس کے پیٹ میں گھونپ دوں۔ [ابوداؤد، کتاب الجہاد]

غزوہ خندق میں رسول اللہ ﷺ نے تمام عورتوں کو ایک قلعہ میں محفوظ کر دیا تھا۔ ایک یہودی آیا اور قلعہ کے گرد چکر لگانے لگا۔ حضرت صفیہؓ نے دیکھا تو حضرت حسان بن ثابتؓ [جو خواتین کی حفاظت کے لیے وہاں مقرر تھے] سے کہا کہ یہ جاسوس معلوم ہوتا ہے، اس کو قتل کر دو۔ حسانؓ بولے: تمہیں معلوم ہے کہ میں اس میدان کا مرد نہیں۔ اب حضرت صفیہ خود قلعے سے نیچے اتریں اور خیمہ کی ایک میخ اکھاڑ کر اس زور سے اسے ماری کہ وہ وہیں ٹھنڈا ہو گیا۔ [اسد الغابۃ، بذیل تذکرہ حضرت صفیہؓ]

زہد و تقویٰ:

صحابیات نہایت زاہدانہ زندگی بسر کرتی تھیں۔ ایک بار ایک شخص حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ملاقات کی اجازت چاہی۔ حضرت عائشہؓ نے کہا ذرا ٹھہر جاؤ میں اپنا نقاب سی لوں۔ اس نے کہا اگر میں لوگوں کو اس کی خبر کر دوں تو لوگ آپ کو بخیل سمجھیں گے۔ حضرت عائشہؓ بولیں کہ جو لوگ پرانا کپڑا نہیں پہنتے، انہیں آخرت میں نیا کپڑا نصیب نہ ہوگا۔ [الادب المفرد، باب الرفق فی المعیشۃ]

رازداری:

صحابیات کا سینہ راز کا مدفن تھا جس سے کوئی راز قیامت تک باہر نہیں نکل سکتا تھا۔ ایک دن آنحضرت کی خدمت میں تمام ازواجِ مطہرات جمع تھیں حضرت فاطمہ بھی اسی حالت میں آ گئیں، آپؐ نے ان کو مرحبا کہا اور اپنے دائیں جانب بٹھالیا اور آہستہ سے ان کے کان میں ایک بات کہی وہ چیخ مار کر رو پڑیں۔ پھر آپؐ نے آہستہ سے ایک اور بات کہی جس سے وہ ہنس پڑیں۔ آپؐ چلے گئے تو تمام بی بیوں نے حضرت فاطمہ سے رونے اور ہنسنے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا کہ میں حضور کی زندگی میں آپ کا راز فاش نہیں کر سکتی۔ [مسلم]

عفت وعصمت:

اسلام نے پاکیزگیِ اخلاق کی جو تعلیم دی ہے، اس نے صحابیات کو عصمت وعفت کا مجسمہ بنا دیا۔ ایک صحابیہ کو جن کی اخلاقی حالت زمانہ جاہلیت میں اچھی نہ تھی، ایک شخص نے اپنی طرف مائل کرنا چاہا تو انہوں نے کہا: ''دور ہٹو! اب وہ زمانہ گیا اور اسلام آیا۔'' [مسند احمد: ج۴ص ۱۸۷]

اسلام کی تعلیم کا یہ اثر تھا کہ لونڈیاں تک بدکاری سے انکار کرنے لگیں۔ مسیکہ نامی ایک لونڈی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آ کر شکایت کی کہ میرا آقا مجھ کو بدکاری پر مجبور کرتا ہے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

((وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ)) ''اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو۔'' [ابوداؤد]

اس زنا جیسے جرم کا ارتکاب تو صحابیات سے بہت بعید تھا، وہ تو اس کو بھی گوارا نہیں کرتی تھیں کہ کسی نامحرم کی نگاہ ان پر پڑے۔ ایک بار حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے نکاح کرنا چاہا اور رسول اللہ ﷺ سے مشورہ طلب کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ پہلے عورت کو جا کر دیکھ لو، وہ اس غرض سے اس کے گھر گئے۔ عورت نے پردہ سے کہا:

''اگر رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے تو ٹھیک، ورنہ تمہیں خدا کی قسم [کہ مجھے نہ دیکھو]۔'' [ابن ماجہ، کتاب النکاح]

بدکاری کا ارتکاب تو بڑی چیز ہے، اگر خدانخواستہ صحابیات پر کبھی اس قسم کا اتہام بھی لگ جاتا تو ان کے خرمنِ عقل وہوش پر بجلی گر پڑتی تھی۔ حضرت عائشہؓ کے کانوں میں جب واقعۂ افک کی بھنک پڑی تو وہ بے ہوش ہو کر گر پڑیں، لرزہ طاری ہو گیا اور بخار آ گیا اور آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ [بخاری، کتاب بدء الخلق]

مصالحت اور صفائی:

اگر بہ مقتضائے فطرتِ انسانی صحابیات کسی سے ناراض ہو جاتیں تو ان کو اس چند روزہ ناگواری پر بھی

نہایت افسوس ہوتا تھا۔ ایک معاملہ میں حضرت عائشہؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے ناراض ہوگئیں اور بات چیت نہ کرنے کی قسم کھالی لیکن ابن زبیر کے معافی مانگنے اور آپ کے معاف کر دینے کے بعد بھی جب حضرت عائشہ کو یہ قسم یاد آتی تو وہ اس قدر روتی تھیں کہ دوپٹہ تر ہو جاتا تھا۔ [بخاری، کتاب الادب]

صلہ رحمی:

حضرت زینبؓ اپنے اعزہ و اقارب کے ساتھ نہایت اچھا سلوک کرتی تھیں، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ:
''میں نے زینبؓ سے زیادہ دیندار، پرہیز گار، سچی اور زیادہ صلہ رحمی والی عورت نہیں دیکھی۔'' [مسلم، الفضائل]

حضرت اسماءؓ نے ایک جائیداد وراثت میں پائی تھی اور ان کو ایک لاکھ کی رقم حضرت امیر معاویہؓ نے دی تھی لیکن انہوں نے اس مال و جائیداد کو حضرت قاسم بن محمد اور حضرت ابن ابی عتیق پر جو ان کے قرابت دار تھے، ہبہ کر دیا۔ [بخاری، کتاب الھبۃ]

صحابیات کی صلہ رحمی صرف مسلمان رشتہ داروں کے ساتھ ہی مخصوص نہ تھی بلکہ وہ کافر قرابت داروں کی قرابت کا بھی لحاظ رکھتی تھیں۔ حضرت اسماءؓ ہجرت کر کے مدینہ آئیں تو ان کی والدہ جو کافرہ تھیں، ان کے پاس آئیں اور مالی مدد مانگی۔ حضرت اسماءؓ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت فرمایا کہ کیا وہ ان کے ساتھ صلہ رحمی کر سکتی ہیں؟ آپؐ نے فرمایا ہاں! چنانچہ انہوں نے ان کی مدد کی۔ [مسلم، کتاب الزکاۃ]

حضرت صفیہؓ نے اپنے ایک یہودی قرابت دار کے لیے ایک جائیداد کی وصیت کی تھی۔ [دارمی، کتاب الوصایا]

ہدیہ دینا:

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ہدیہ محبت بڑھانے کا ذریعہ ہے، اس لیے صحابیات ایک دوسرے کے پاس عموماً ہدیہ بھیجا کرتی تھیں۔ حضرت نسیبہؓ اس قدر مفلس تھیں کہ ان پر صدقہ کا مال حلال تھا، تاہم اس حالت میں بھی وہ ازواجِ مطہرات کی خدمت میں ہدیہ بھیجتی تھیں۔ ایک بار ان کے پاس صدقہ کی بکری آئی تو انہوں نے اس کا گوشت حضرت عائشہؓ کے پاس ہدیۃً بھیج دیا۔ [بخاری، کتاب الزکاۃ]

حضرت بریرہؓ کے پاس بھی جو صدقہ آتا وہ اس میں سے ازواجِ مطہرات کو ہدیۃً دے دیا کرتیں۔ [مسلم]

خادموں کے ساتھ حسنِ سلوک:

صحابیات خادموں کے ساتھ جیسا سلوک کرتی تھیں، اس کا اندازہ صرف اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ ایک

بارات کو عبدالملک اٹھا اور اپنے خادم کو آواز دی۔ خادم نے آنے میں دیر کر دی تو اس نے اس پر لعنت بھیجی۔ حضرت ام درداءؓ اس کے محل میں تھیں، صبح ہوئی تو کہا کہ تم نے رات اپنے خادم پر لعنت بھیجی ہے حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ لعنت بھیجنے والے قیامت کے دن حق سفارش یا حق گواہی سے محروم ہوں گے۔ [مسلم، کتاب البر والصلۃ]

باہمی اعانت:

صحابیات مصیبت میں دوسروں کی اعانت فرماتی تھیں اور ہمسایہ صحابیات اپنی پڑوسیوں کو ہر قسم کی مدد دیتی تھیں۔ حضرت اسماءؓ کو روٹی پکانا نہیں آتی تھی لیکن ان کی پڑوسنیں ان کی روٹی پکایا کرتی تھیں۔ [مسلم، الآداب]

اگر عورتوں کو اپنے شوہروں سے شکایت پیدا ہوتی تو وہ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا دکھ درد ان سے کہتی تھیں اور حضرت عائشہؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں نہایت پر زور طریقہ سے ان کی سفارش کرتی تھیں۔ ایک بار ان کی خدمت میں ایک عورت سبز دوپٹہ اوڑھ کر آئی اور جسم کھول کر دکھایا کہ شوہر نے اس قدر مارا ہے کہ بدن پر نیل پڑ گئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو حضرت عائشہؓ نے کہا کہ مسلمان عورتیں جو مصیبت برداشت کر رہی ہیں، ہم نے ایسی مصیبت نہیں دیکھی۔ اس کا چمڑا اس کے دوپٹے سے زیادہ سبز ہو گیا ہے۔ بخاری کی اس روایت کے آخر میں عموماً عورتوں کی نسبت یہ الفاظ ہیں:

''عورتوں کی یہ فطرت ہے کہ وہ ایک دوسرے کی اعانت کرتی ہیں۔'' [بخاری، کتاب اللباس]

ایک شخص کی بیوی بیمار تھی، وہ حضرت ام درداءؓ کے پاس آئے، انہوں نے حال پوچھا تو انہوں نے کہا کہ بیوی بیمار ہے۔ اب انہوں نے ان کو بٹھا کر کھانا کھلایا اور جب تک ان کی بیوی بیمار رہیں، یہ ان کا حال چال پوچھتی اور انہیں کھانا کھلاتی رہیں۔ [الادب المفرد، باب عیادۃ الصبیان]

عیادت و تیمارداری:

صحابیات ہر ممکن طریقہ سے مریضوں کی عیادت کرتی تھیں۔ ایک بار اہل صفہ میں سے ایک صحابی بیمار تھے تو حضرت ام درداءؓ اونٹ پر سوار ہو کر آئیں اور ان کی عیادت کی۔ [ایضاً، باب عیادۃ النساء]

حضرت عبداللہ بن مظعون بیمار ہوئے تو حضرت ام العلاءؓ اور ان کے تمام خاندان نے ان کی تیمارداری کی۔ ان کا انتقال ہو گیا تو کفن پہنانے کے بعد حضرت ام العلاءؓ نے محبت کے لہجے میں کہا: تم پر خدا کی رحمت

ہو، میں گواہی دیتی ہوں کہ خدا نے تمہاری عزت کی۔ [بخاری، کتاب الشہادات]

حضرت زینبؓ مرض الموت میں بیمار ہوئیں تو حضرت عمرؓ نے ازواج مطہرات سے پوچھا کہ کون ان کی تیمارداری کرے گا؟ تمام بیبیوں نے کہا ''ہم''۔ ان کا انتقال ہوا تو پھر دریافت کیا کہ کون ان کو غسل وکفن دے گا؟ تمام بی بیوں نے کہا ''ہم''۔ [طبقات ابن سعد، بذیل تذکرہ حضرت زینبؓ]

افسوس و تعزیت:

صحابیات تعزیت کو اپنا فرض خیال کرتی تھیں۔ ایک بار رسول اللہ ﷺ ایک صحابی کو دفن کرکے آرہے تھے، راہ میں دیکھا کہ حضرت فاطمہؓ جا رہی ہیں۔ پوچھا گھر سے کیوں نکلی ہو؟ انہوں نے کہا: اس گھر میں تعزیت کے لیے گئی تھی۔ [ابوداؤد، کتاب الجنائز]

دورِ جاہلیت میں تعزیت کا طریقہ یہ تھا کہ عورتیں برادری میں جا کر باہم مردوں پر نوحہ کرتی تھیں لیکن اسلام نے جاہلیت کی اس رسم کو مٹا دیا، چنانچہ جب عورتیں اسلام لاتی تھیں تو ان سے اس رسم کے چھوڑنے کا معاہدہ لیا جاتا تھا۔ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت ام عطیہؓ سے یہ معاہدہ لینا چاہا تو وہ بولیں: فلاں خاندان نے زمانۂ جاہلیت میں ہمارے مردے پر نوحہ کیا ہے، مجھے اس کا بدلہ ادا کرنا ضروری ہے چنانچہ آپ نے صرف ان کو [وقتی طور پر] اجازت دے دی۔ [مسلم، کتاب الجنائز]

محبتِ اولاد:

صحابیات بچوں سے نہایت محبت رکھتی تھیں۔ ایک بار ایک صحابی نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور بچے کو اس سے لینا چاہا تو وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ میرا پیٹ اس کا ظرف، میری چھاتی اس کا مشکیزہ اور میری گود اس کا گہوارہ تھا اور اب اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دی اور اس کو مجھ سے چھیننا چاہتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: جب تک تم دوسرا نکاح نہ کرلو تم بچے کی زیادہ مستحق ہو۔ [ابوداؤد، الطلاق]

اگرچہ یہ وصف عموماً تمام صحابیات میں پایا جاتا تھا لیکن اس سلسلہ میں قریش کی عورتیں خاص طور پر ممتاز تھیں، چنانچہ خود رسول اللہ ﷺ نے ان کی اس خصوصیت کی مدح کرتے ہوئے فرمایا:

''قریش کی عورتیں کس قدر اچھی ہیں، یہ بچوں سے محبت رکھتی ہیں اور شوہروں کے مال واسباب کی نگرانی کرتی ہیں۔'' [بخاری، کتاب النکاح]

بھائی بہن سے محبت:

صحابیات اپنے بھائیوں اور بہنوں سے نہایت محبت رکھتی تھیں۔ حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ کا مقام حبش میں انتقال ہوا اور لاش مکہ میں دفن ہوئی تو حضرت عائشہؓ فرطِ محبت سے ان کی قبر تک آئیں اور ایک مشہور مرثیہ کے چند اشعار پڑھے:

''اور ہم دونوں ایک مدت تک جذیمہ کے دونوں ہم نشینوں کی طرح ساتھ رہے یہاں تک کہ لوگوں نے کہا کہ ان میں کبھی جدائی نہ ہوگی۔ لیکن جب جدائی ہوئی تو ایسی کہ گویا ہم نے اور مالک نے باوجود طویل ملاقات کے ایک رات بھی ساتھ بسر نہیں کی تھی۔'' [ترمذی، کتاب الجنائز]

حضرت حمزہؓ غزوہ احد میں شریک ہوئے تو ان کی بہن حضرت صفیہ آئیں کہ مقتل میں ان کا پتہ لگائیں لیکن لوگوں نے ان کی پریشانی کے خیال سے انہیں نہ بتایا۔ بالآخر وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں تو آپ کو خوف پیدا ہوا کہ اس واقعہ سے کہیں ان کی عقل نہ جاتی رہے، اس لیے ان کے سینہ پر ہاتھ رکھا تو انہوں نے انا للہ پڑھا اور رونے لگیں۔ [طبقات ابن سعد، بذیل تذکرہ حضرت حمزہؓ]

حمایتِ والدین:

صحابیات والدین کی حمایت سے سخت موقعوں پر بھی اغماض نہیں کرتی تھیں۔ ایک بار کفار نے حالتِ نماز میں رسول اللہ ﷺ کی گردن میں اونٹ کی اوجری ڈال دی۔ حضرت فاطمہؓ دوڑ کے آئیں، اس کو آپ کی گردن سے نکال کر پھینک دیا اور کفار کو برا بھلا کہا۔ [بخاری، کتاب الصلوٰۃ]

پرورش یتامیٰ:

یتیموں کی پرورش بڑی نیکی کا کام ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں اور یتیموں کی پرورش کرنے والے جنت میں اس قدر قریب ہوں گے جس قدر یہ دونوں انگلیاں قریب قریب ہیں۔''

اس لیے صحابیات یتیموں کی پرورش اپنا فرض سمجھتی تھیں۔ حضرت زینبؓ متعدد یتیموں کی پرورش کرتی تھیں، ایک بار وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور پوچھا کہ میں اپنے شوہر اور ان یتیموں پر صدقہ کروں تو کیا یہ جائز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کا دوہرا ثواب ملے گا، ایک قرابت کا اور دوسرا صدقہ کا۔ [بخاری]

حضرت عائشہؓ نے اپنے بھائی محمدؓ کی وفات پر ان کے بچوں کی پرورش فرمائی تھی۔ [مؤطا، کتاب الزکاۃ]

یتیموں کے مال کی نگہداشت:

خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں یتیموں کے مال کی حفاظت ونگہداشت کے متعلق ایک نہایت مفصل آیت نازل فرمائی ہے:((وابتلوا الیتمی حتی اذابلغوالنکاح)) اس بناپر صحابیات نہ صرف ان کے مال کی حفاظت کرتی تھیں بلکہ اس کو ترقی دیتی تھیں۔ حضرت عائشہ یتیموں کے مال لوگوں کو دیتی تھیں کہ تجارت کے ذریعہ انہیں بڑھایا جائے۔ (موطا، کتاب الزکاۃ)

بچوں کی پرورش:

صحابیات بچوں کی پرورش میں اپنے عیش وآرام کو بھی فراموش کردیتی تھیں حضرت ام سلیمؓ بیوہ ہوئیں تو حضرت انس بن مالکؓ بچے تھے، اس لیے انہوں نے یہ عزم بالجزم کرلیا کہ جب تک ان کی نشوونما کامل طور پر نہ ہوجائے گی، وہ دوسرا نکاح نہ کریں گی چنانچہ حضرت انسؓ خود سپاس گزارانہ لہجے میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ میری ماں کو جزائے خیر دے کہ اس نے میری ولایت کا حق ادا کردیا۔ (طبقات ابن سعد، تذکرہ ام سلیمؓ)

رسول اللہ ﷺ صحابیات کو دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب تھے لیکن اس کے باوجود جب آپ نے حضرت ام ہانیؓ کو نکاح کا پیغام دیا تو انہوں نے معذرت کرلی کہ یارسول اللہ ﷺ آپ مجھے میری آنکھوں سے بھی زیادہ عزیز ہیں لیکن شوہر کا حق بہت زیادہ ہے، اس لیے مجھے خوف ہے کہ اگر میں شوہر کا حق ادا کروں گی تو بچوں کی طرف سے بے پروائی کرنا پڑے گی اور اگر بچوں کی پرورش میں مصروف رہوں گی تو شوہر (یعنی آپؐ سے اگر نکاح کرلوں تو آپ) کا حق ادا نہ کرسکوں گی۔ (ایضا، تذکرہ ام ہانیؓ)

شوہر کے مال واَسباب کی حفاظت:

زن وشوہر کے معاشرتی تعلقات پر اس کا نہایت عمدہ اثر پڑتا ہے کہ بیوی نہایت دیانت کے ساتھ شوہر کے مال واَسباب اور گھربار کی حفاظت کرے اور صحابیات میں یہ دیانت پائی جاتی تھی۔ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کی شادی حضرت زبیرؓ سے ہوئی تھی۔ وہ گھر میں تھیں کہ ایک غریب سوداگر آیا اور کہا کہ آپ سے یہ دیوار کے نیچے مجھ کو سودا بیچنے کی اجازت دیجیے۔ وہ عجیب کشمکش میں مبتلا ہوئیں، فیاضی اور کشادہ دلی سے اجازت دینا چاہتی تھیں لیکن شوہر کی اجازت کے بغیر اجازت نہیں دے سکتی تھیں۔ بولیں: ''اگر میں اجازت دے دوں اور زبیرؓ انکار کردیں تو مشکل پڑے گی، تم زبیر کی موجودگی میں آؤ اور مجھ سے سوال کرو''

وہ اسی حالت میں آیا اور کہا یا ام عبداللہ! میں محتاج آدمی ہوں، آپ کی دیوار کے سایہ میں کچھ سودا بیچنا چاہتا ہوں ۔ یہ بولیں: تم کو مدینہ میں میرا ہی گھر ملتا ہے۔ حضرت زبیرؓ نے کہا: تمہارا کیا بگڑتا ہے جو ایک محتاج کو تجارت سے روکتی ہو؟ وہ تو چاہتی ہی یہ تھیں، چنانچہ انہوں نے اسے اجازت دے دی۔ [صحیح مسلم]

حضرت اسماء نہایت فیاض تھیں، اس لیے صدقہ وخیرات کرنا بہت پسند کرتی تھیں لیکن شوہر کے مال کے سوا اور کچھ پاس نہ تھا اور شوہر کے مال میں بلا اجازت تصرف بھی نہیں کر سکتی تھیں۔ مجبوراً رسول اللہ ﷺ سے دریافت فرمایا کہ میں زبیرؓ کی آمدنی سے کچھ صدقہ کروں تو کیا کوئی گناہ کی بات تو نہیں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''جو کچھ ہو سکے دو۔'' [صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ]

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں سے بیعت لی تو ان میں سے ایک خاتون اٹھیں اور کہا کہ ہم اپنے باپ بیٹے اور شوہر کے محتاج ہیں، ان کے مال میں سے ہمارے لیے کس قدر لینا جائز ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ اس قدر کہ کھا پی لو اور ہدیہ دو۔ [ابوداؤد، کتاب الزکاۃ]

شوہر کی رضا جوئی:

صحابیات اپنے شوہروں کی رضامندی اور خوشنودی کا نہایت خیال رکھتی تھیں۔ حضرت حولاءؓ عطر فروش تھیں، ایک بار حضرت عائشہؓ کی خدمت میں آئیں اور کہا کہ میں ہر رات کو خوشبو لگاتی ہوں، بناؤ سنگار کرکے دلہن بن جاتی ہوں اور خالصۃً لوجہ اللہ اپنے شوہر کے پاس جا کر سورہتی ہوں لیکن اس پر بھی وہ متوجہ نہیں ہوتے اور منہ پھیر لیتے ہیں، پھر ان کو متوجہ کرتی ہوں تو وہ اعراض کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ آئے تو آپ سے بھی اس بات کا ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا: ''جاؤ اور اپنے شوہر کی اطاعت کرتی رہو۔'' [اسد الغابۃ]

ایک روز آپ نے حضرت عائشہؓ کے ہاتھ میں چاندی کے چھلے دیکھے تو فرمایا عائشہؓ یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: ''میں نے اس کو اس لیے بنایا ہے آپ کے لیے بناؤ سنگھار کروں۔'' [ابوداؤد، کتاب الزکاۃ]

ایک صحابیہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، ان کے ہاتھ میں سونے کے کنگن تھے۔ آپؐ نے ان کو پہننے سے منع فرمایا: تو وہ بولیں: ''اگر عورت شوہر کے لیے بناؤ سنگھار نہ کرے گی تو اس کی نگاہ سے گر جائے گی۔'' [نسائی، کتاب الزینۃ]

شوہر کی محبت:

صحابیات اپنے شوہروں سے نہایت محبت رکھتی تھیں۔ حضرت زینبؓ کی شادی ابوالعاص سے ہوئی تھی، وہ

حالتِ کفر میں تھے کہ بدر کا معرکہ پیش آ گیا اور وہ گرفتار ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسیرانِ جنگ کو فدیہ لے کر رہا کرنا چاہا تو حضرت زینبؓ نے اپنا ایک یادگار ہار جس کو حضرت خدیجہؓ نے ان کو رخصتی کے وقت دیا تھا، ابوالعاص کے فدیہ میں بھیج دیا۔ [ابوداؤد، کتاب الجہاد]

حضرت حمنہ بنت جحش کو اپنے شوہر کی شہادت کا حال معلوم ہوا تو فرطِ محبت سے چیخ اٹھیں [ابن ماجہ، کتاب الجنائز]

حضرت عمر کو اہل و عیال کے ساتھ بہت زیادہ شغف نہ تھا، تاہم ان کی بیوی حضرت عاتکہ روزے کے دنوں میں بھی فرطِ محبت سے ان کے سر کا بوسہ لیتی تھیں۔ [مؤطا، کتاب الصیام]

حضرت عاتکہ کو اپنے پہلے شوہر حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ سے نہایت محبت تھی چنانچہ جب وہ طائف میں شہید ہوئے تو حضرت عاتکہؓ نے ایک پردرد مرثیہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے:

''میں نے قسم کھائی ہے کہ تیرے غم میں میری آنکھ ہمیشہ پرنم اور جسم غبار آلود رہے گا!''

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے ان سے شادی کی۔ دعوتِ ولیمہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی شریک تھے۔ انہوں نے عاتکہ کو یہ شعر یاد دلایا تو عاتکہ رو پڑیں۔ حضرت عمرؓ کی شہادت ہوئی تو ان کا بھی نہایت پردرد مرثیہ لکھا۔ اس کے بعد ان سے حضرت زبیرؓ نے شادی کی اور وہ بھی شہید ہوئے تو عاتکہ نے ان کا بھی مرثیہ لکھا۔ [اسد الغابۃ، بذیل تذکرہ حضرت عاتکہ بنت زید]

شوہر کی خدمت:

صحابیات شوہر کی خدمت نہایت دل سوزی کے ساتھ کرتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کمالِ طہارت کی وجہ سے مسواک کو بار بار دھلوایا کرتے تھے اور اس پاک خدمت کو حضرت عائشہؓ ادا فرماتیں۔ [ابوداؤد، کتاب الطہارۃ]

ایک بار آپ کمبل اوڑھ کر مسجد میں آئے، ایک صحابی نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اس پر دھبہ نظر آتا ہے۔ آپؐ نے اس کو غلام کے ہاتھ حضرت عائشہؓ کے پاس بھیج دیا۔ حضرت عائشہؓ نے کٹورے میں پانی منگایا، خود اپنے ہاتھ سے اسے دھویا اور خشک کیا اور اس کے بعد آپ کے پاس بھجوا دیا۔ [ایضاً]

جب رسول اللہ ﷺ احرام باندھتے یا احرام کھولتے تو حضرت عائشہ جسم مبارک میں خوشبو لگاتی تھیں [ایضاً]

جب آپ خانہ کعبہ کی طرف قربانی کا جانور بھیجتے تو حضرت عائشہ ان کے گلے کا قلادہ بٹتی تھی۔ [ایضاً]

صحابہ کرامؓ جب تمام دنیا کی خدمت و اعانت سے محروم ہو جاتے تھے تو اس بے کسی کی حالت میں صرف ان کی بیویاں ان کا ساتھ دیتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ حضرت بلال بن امیہؓ کے غزوہ تبوک سے پیچھے رہ

جانے کی وجہ سے ناراض ہوئے اور اخیر میں تمام مسلمانوں کی طرح ان کی بیوی کو بھی تعلقات منقطع کر لینے کا حکم دیا تو وہ حاضرِ خدمت ہوئیں اور کہا کہ ہلال بوڑھے آدمی ہیں، ان کے پاس نوکر چاکر بھی نہیں، اگر آپ اجازت دیں تو میں ان کی خدمت کرلوں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''ہاں۔'' [بخاری، کتاب المغازی]

عورت کتنی ہی اطاعت گذار اور فرماں بردار ہوں لیکن اگر اس سے تعلقات منقطع کر لیے جائیں تو وہ شوہر کی طرف مائل ہی نہیں ہوسکتی لیکن صحابیات نے اس فطرتی اصول کو بھی توڑ دیا تھا۔ ایک صحابی نے اپنی بیوی سے 'ظہار' کیا یعنی ایک مدت معینہ کے لیے ان کو اپنے اوپر حرام کرلیا، لیکن اس حالت میں بھی وہ ان کی خدمت گذاری میں مصروف رہتی تھیں۔

غربت وافلاس:

ابتدائے اسلام میں صحابیات نہایت فقر وفاقہ اور غربت وافلاس کے ساتھ زندگی بسر کرتی تھیں جس کا اثر ان کے لباس، مکان اور سامان آرائش غرض ہر چیز سے ظاہر ہوتا تھا مثلاً:

لباس:

صحابیات کو کپڑوں کی نہایت تکلیف تھی حضرت فاطمہ جگر گوشۂ رسول کی چادر اس قدر چھوٹی تھی کہ ایک بار انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے ادب وحیا سے جس کے ہر حصہ کو چھپانا چاہا لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ سر ڈھکتی تھیں تو پاؤں کھل جاتے تھے اور پاؤں ڈھکتی تھیں تو سر کھلا جاتا تھا۔ [ابوداؤد، کتاب اللباس]

بعض صحابیات کو تو چادر بھی میسر نہ تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابیات کو عید گاہ میں جانے کی اجازت دی تو ایک صحابیہ نے کہا کہ اگر کسی عورت کے پاس چادر نہ ہو تو وہ کیا کرے؟ ارشاد ہوا کہ اس کو دوسری عورت اپنی چادر اڑھالے۔ [ابن ماجہ، کتاب الصلوٰۃ]

شادی بیاہ میں دلہن کے لیے غریب سے غریب آدمی بھی اچھا جوڑا بنواتا ہے لیکن صحابیات کو معمولی جوڑا بھی میسر نہ تھا۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ میرے پاس ایک خوبصورت قمیص تھی۔ شادی بیاہ میں جب کوئی عورت سنواری جاتی تھی تو وہ مجھ سے یہ قمیص بطور ادھار منگوا لیتی تھی۔ [بخاری، کتاب الھبۃ]

مکان:

غربت وافلاس کی وجہ سے صحابیات کے مکان نہایت مختصر، پست اور کم حیثیت ہوتے تھے۔ گھروں میں

جائے ضرورت تک نہ تھی، اس لیے راتوں کو صحرا میں جانا پڑتا تھا۔ دروازوں پر پردے نہ تھے، جلانے کے لیے چراغ میسر نہ تھا۔ [ابوداؤد، صحیح بخاری]

اثاث البیت:

صحابیات کے گھروں میں نہایت مختصر سامان ہوتا تھا یہاں تک کہ میاں بیوی دونوں کے لیے ایک بچھونا ہوتا تھا اور وہ بھی کھجور کے پتوں سے بنایا جاتا تھا۔ [ابوداؤد، کتاب الطھارۃ]

زیورات:

صحابیات نہایت معمولی اور سادہ زیور استعمال کرتی تھیں۔ احایث کی کتابوں کے مطالعہ سے بازوبند، کڑے، بالی، ہار، انگوٹھی اور چھلے کا پتہ چلتا ہے۔ لونگ کا ہار بھی پہنتی تھیں جن کو عربی میں سخاب کہتے ہیں، حضرت عائشہ کا ایک ہار جو سفر میں گم ہو گیا تھا وہ مہر دیمانی کا تھا۔ [ابوداؤد، ایضاً، باب فی التیمم]

سامانِ آرائش:

صحابیات سرمہ اور مہندی کا استعمال بھی کرتی تھیں۔ منہ پر 'ورس' (ایک قسم کی سرخ گھاس) کا غازہ ملتی تھیں کہ چہرہ سے داغ دھبے مٹ جائیں۔ [ابوداؤد، کتاب الطھارۃ، باب ماجاء فی وقت النفسآء]

خوشبو میں زعفران، عطر اور سک کا استعمال کرتی تھیں۔

اپنا کام خود کرنا:

صحابیات خانہ داری کے کاموں کو خود اپنے ہاتھ سے انجام دیتی تھیں اور اس میں سخت سے سخت تکلیفیں برداشت کرتی تھیں۔ حضرت فاطمہؓ رسول اللہ ﷺ کی محبوب ترین صاحبزادی تھیں لیکن چکی پیستے پیستے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تھے، مشکیزے میں پانی لاتے لاتے سینہ داغدار ہو گیا، جھاڑو دیتے دیتے کپڑے چیکٹ ہو گئے تھے۔

ازواج مطہراتؓ باری باری گھر کا کام کاج خود کرتی تھیں۔ ایک دن حضرت عائشہؓ کی باری تھی، انہوں نے جو پیسے اور اس کی روٹی پکائی اور رسول اللہ ﷺ کا انتظار شروع کیا۔ آپ کے آنے میں دیر ہو گئی تو سو گئیں۔ آپ آئے تو عائشہ کو جگایا۔ [الادب المفرد]

حضرت اسماءؓ حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی تھیں اور ان کی شادی حضرت زبیرؓ سے ہوئی تھی۔ وہ اس قدر

مفلس تھے کہ ایک گھوڑے کے سوا گھر میں کچھ نہ تھا۔ حضرت اسماءؓ خود باغوں میں جا جا کر گھوڑے کے لیے گھاس لاتی تھیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے جب اس مقصد کے لیے ایک غلام بھیجا تو انہوں نے اس خدمت سے نجات پائی۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیر کو ایک قطعہ زمین بطورِ جاگیر کے دیا تھا جو مدینہ سے تو میل دور تھا۔ حضرت اسماءؓ روز وہاں جاتیں اور وہاں سے کھجور کی گھٹلیاں اپنے سر پر لاتیں اور ان کو کوٹ کر ان کے پانی کھینچنے والی اونٹی کو کھلاتیں۔ گھر کے دیگر معمولی کام اس کے علاوہ تھے۔ خود پانی لاتیں، مشک پھٹ جاتی تو اس کو سیتیں، آٹا گوندھتیں، روٹی پکاتیں۔ [مسلم، کتاب الآداب]

گھر کے کام کاج کے علاوہ صحابیات بعض صنعتی کام بھی کرتی تھیں۔ حضرت سودہؓ طائف کی ادھوڑی بناتی تھیں جس کی وجہ سے ان کی مالی حالت تمام ازواج مطہرات سے بہتر تھی۔ [اسد الغابۃ، بذیل تذکرہ فلیسہ]

بعض صحابیہؓ کپڑے بنتی تھیں۔ [بخاری، کتاب البیوع]

پردہ:

عہدِ نبوت میں اگرچہ اس زمانہ کا ساسخت پردہ رائج نہ تھا تاہم عورتیں، بالکل بے پردہ اور آزاد بھی نہ تھیں بلکہ وہ غیر محرموں سے پردہ کرتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حجۃ الوداع کے زمانہ میں جب لوگ ہمارے سامنے سے گذرتے تھے تو ہم چہرے پر چادر ڈال لیتے تھے۔ لوگ گذر جاتے تو ہم پھر منہ کھول دیتے تھے۔ [ابوداؤد، کتاب المناسک]

ایک بار حضرت افلح بن ابی القیسؓ حضرت عائشہؓ سے ملاقات کے لیے آئے تو حضرت عائشہؓ پردہ میں چھپ گئیں۔ افلح کہنے لگے: ''تم مجھ سے پردہ کرتی ہو حالانکہ میں تو تمہارا چچا ہوں۔'' حضرت عائشہؓ نے کہا وہ کیسے؟ انہوں نے کہا کہ میرے بھائی کی بیوی نے تم کو دودھ پلایا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے کہا: ''مرد نے تو دودھ نہیں پلایا۔'' [ابوداؤد، کتاب النکاح]

ایک صحابیہ کا بیٹا شہید ہوا، وہ نقاب پہن کر آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ صحابہ کرامؓ نے ان کو دیکھ کر کہا: بیٹے کی شہادت کا حال پوچھنے آئی ہو اور نقاب پوش ہو کر؟ انہوں نے کہا: میں نے اپنے بیٹے کو کھویا ہے، شرم و حیا کو تو نہیں کھویا۔ [ابوداؤد، کتاب الجہاد]

ہمارے زمانے میں پردہ ایک رسمی چیز بن کر رہ گیا ہے مثلاً ایک عورت کسی محرم سے رسماً پردہ کرتی ہے تو

اس سے لازمی طور پر ہمیشہ پردہ کرے گی لیکن دو چار بار کسی نامحرم کے سامنے آنے کا اتفاق ہو گیا تو پھر اس کے لیے پردہ کے تمام قیود ٹوٹ جائیں گے لیکن صحابیات ایسے رسمی پردے کی پابند نہ تھیں۔ ان کا پردہ بالکل شرعی تھا۔ اگر شریعت اجازت دیتی تھی تو وہ کسی کے سامنے آتی تھیں اور جب شرعی موانع پیدا ہو جاتے تھے تو اس سے پردہ کرنے لگتی تھیں۔ حضرت عائشہ کا موقف ہے کہ غلاموں سے پردہ ضروری نہیں۔ اس لیے وہ حضرت ابوعبداللہ سالمؒ کے سامنے جو نہایت متدین غلام تھے، آتی تھیں اور ان سے بے تکلف باتیں کرتی تھیں۔ ایک دن وہ آئے اور کہا کہ ''خدا نے آج مجھے آزاد کر دیا ہے۔'' چونکہ اب وہ غلام باقی نہیں رہے تھے، اس لیے حضرت عائشہؓ نے پردہ گرا دیا اور پھر عمر بھر ان کے سامنے نہ ہوئیں۔ [نسائی، کتاب الطھارۃ]

اُدائے قرض کا خیال:

حضرت عائشہؓ اکثر قرض لیا کرتی تھیں۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ قرض کیوں لیتی ہیں؟ بولیں کہ ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو بندہ قرض کے ادا کرنے کی نیت رکھتا ہے، خدا اپنی جانب سے اس کے لیے مددگار مقرر کر دیتا ہے، تو میں اسی مددگار کی جستجو کرتی ہوں۔'' [مسند احمد: ج۶ ص۹۹]

قرض معاف کرنا:

حضرت ام سلمہؓ نے ایک غلام کو مکاتب بنایا۔ [یعنی ایک معین رقم دے کر آزادی حاصل کر لو] اس نے جب بدل کتابت ادا کرنا چاہا تو کہا کہ اس میں کچھ کمی کر دیجئے۔ حضرت ام سلمہؓ نے کم کر دیا۔ [طبقات ابن سعد، بذیل تذکرہ مصباح بن سرحس]

تقسیم وراثت میں دیانت:

حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عائشہؓ کے لیے چند کھجور کے درخت ہبہ کیے تھے لیکن اب تک ان کا قبضہ نہیں ہوا تھا اس لیے ہبہ نامکمل تھا۔ حضرت ابوبکر کا انتقال ہونے لگا تو انہوں نے کہا کہ میں نے تمہیں جو درخت ہبہ کیے تھے، اگر تمہارا ان پر قبضہ ہو جاتا تو وہ تمہاری ملک ہو جاتے لیکن آج وہ میرے ترکہ میں داخل ہیں، جس کے وارث تمہارے بھائی اور بہنیں ہیں۔ اس لیے اب یہ کتاب اللہ کے موافق آپس میں تقسیم کر لینا۔ حضرت عائشہؓ بولیں: ''اگر اس سے بھی زیادہ مال ہوتا تو میں چھوڑ دیتی۔'' [موطا، کتاب الاقضیۃ، باب ما لا یجوز من النحل]

صحابیات کی مذہبی و اخلاقی خدمات

اشاعت اسلام:

مذہبی خدمات میں اشاعتِ اسلام سب سے اہم ہے اور اس میں ابتدائے اسلام ہی سے صحابیات کی مساعیِ جمیلہ کا کافی حصہ شامل ہے۔ چنانچہ حضرت امِ شریکؓ ایک صحابیہ تھیں جو آغازِ اسلام میں مخفی طور پر قریش کی عورتوں کو اسلام کی دعوت دیا کرتی تھیں۔ قریش کو ان کی مخفی کوششوں کا حال معلوم ہوا تو ان کو مکہ سے نکال دیا۔ [اسد الغابۃ، بذیل تذکرہ: حضرت ام شریک]

ایک غزوہ میں صحابہ کرامؓ پیاس سے بیتاب ہوکر پانی کی تلاش میں نکلے تو حسنِ اتفاق سے ایک عورت مل گئی جس کے پاس پانی کا ایک مشکیزہ تھا۔ صحابہ اس کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائے اور آپ کی اجازت سے پانی کو استعمال کیا۔ اگرچہ آپؐ نے اسی وقت اس کو پانی کی قیمت دلوادی تاہم صحابہ پر اس کے احسان کا یہ اثر تھا کہ جب اس عورت کے گاؤں کے آس پاس حملہ کرتے تو خاص اس کے گھرانے کو چھوڑ دیتے تھے۔ اس عورت پر صحابہ کرام کی اس خدمت پذیری کا یہ اثر ہوا کہ اس نے اپنے تمام خاندان کو اسلام پر آمادہ کیا اور وہ سب کے سب مسلمان ہوگئے۔ [بخاری، کتاب الغسل]

حضرت ام حکیم بنت حارث کی شادی عکرمہ بن ابی جہل سے ہوئی تھی۔ وہ تو خود فتح مکہ کے دن اسلام لائیں لیکن ان کے شوہر بھاگ کر یمن چلے گئے۔ حضرت ام حکیمؓ نے یمن کا سفر کیا اور ان کو دعوت اسلام دی۔ وہ مسلمان ہوکر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ انہیں دیکھ کر خوشی سے اچھل پڑے۔ [موطا، کتاب النکاح]

حضرت ابوطلحہؓ نے کفر کی حالت میں حضرت ام سلیمؓ سے نکاح کرنا چاہا لیکن انہوں نے کہا کہ تم کافر ہو اور میں مسلمان، پھر یہ نکاح کیونکر ہوسکتا ہے؟ اگر اسلام قبول کرلو تو وہی میرا مہر ہوگا، اس کے سوا میں تم سے کچھ نہ مانگوں گی؟ چنانچہ وہ مسلمان ہوگئے اور اسلام ہی ان کا مہر قرار پایا۔ [نسائی]

نومسلموں کی کفالت:

ابتدائے اسلام میں جو لوگ اسلام لاتے تھے، ان کو مجبوراً اپنے گھر بار، اہل وعیال اور مال وجائداد سے

کنارہ کش ہونا پڑتا تھا۔ اس بنا پر اس وقت اشاعتِ اسلام کے ساتھ اسلام کی سب سے بڑی خدمت یہ تھی کہ اِن نومسلموں کی کفالت کی جائے اور صحابیات اس میں نمایاں حصہ لیتی تھیں، چنانچہ حضرت ام شریکؓ کا گھر ان نومسلموں کے لیے گویا مہمان خانہ بن گیا تھا، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ بنت قیس کو ان کے یہاں صرف اسی بنا پر عدت بسر کرنے کی اجازت نہیں دی کہ ان کے گھر مہمانوں کی کثرت سے پردہ کا انتظام نہیں ہوسکتا تھا۔ [مسلم، کتاب الطلاق]

حضرت درۃؓ بنت لہب بھی نہایت فیاض تھیں اور مسلمانوں کو کھانا کھلایا کرتی تھیں۔ [الاصابۃ، تذکرہ: درہ]

خدمتِ مجاہدین:

جس طرح صحابہ کرامؓ بہ شوق غزوات میں شریک ہوتے تھے اسی طرح صحابیاتؓ بھی خدا کی راہ میں ان سے پیچھے نہیں رہنا چاہتی تھیں۔ ان کے لیے سب سے زیادہ موزوں کام مجاہدین کی مرہم پٹی اور مجاہدین کے آرام وآسائش کا سامان بہم پہنچانا تھا اور وہ اس خدمت کو نہایت خلوص اور دل سوزی سے انجام دیتی تھیں۔ غزوہ خیبر میں متعدد صحابیات شریکِ جہاد ہوئیں۔ رسول اللہ ﷺ کو ان کا حال معلوم ہوا تو ناراضی کے لہجے میں پوچھا: تم کس کے ساتھ اور کس کی اجازت سے آئی ہو؟ انہوں نے کہا: یارسول اللہ! ہم اون کاتتی ہیں اور اس سے خدا کی راہ میں تعاون کرتی ہیں، ہمارے ساتھ زخمیوں کے دوا علاج کا سامان ہے، لوگوں کو تیر اٹھا اٹھا کر دیں گی اور ستو گھول کر پلائیں گی۔ [ابوداؤد، کتاب الجہاد]

حضرت ام عطیہؓ ایک صحابیہ تھیں جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سات جنگوں میں شریک ہوئیں۔ وہ مجاہدین کے اسباب کی نگرانی کرتی تھیں، کھانا پکاتی تھیں، مریضوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ [مسلم، کتاب الجہاد]

غزوہ احد میں خود حضرت عائشہ شریک تھیں اور وہ اور حضرت ام سلیمؓ اپنی پیٹھ پر مشکیں لاد کر لاتی تھیں اور زخمی لوگوں کو پانی پلاتی تھیں۔ [ایضاً]

حضرت ربیع بنت معوذؓ کا بیان ہے کہ ہم سب غزوات میں شریک ہرے تھے، پانی پلاتے تھے، مجاہدین کی خدمت کرتے تھے اور مدینہ تک زخمیوں اور لاشوں کو اٹھا اٹھا کر لاتے تھے۔ [بخاری، کتاب الجہاد]

حضرت رفیدہؓ نے مسجد نبویؐ میں خیمہ کھڑا کر رکھا تھا، جو لوگ زخمی ہو کر آتے تھے، وہ اسی خیمے میں ان کا علاج کرتی تھیں چنانچہ حضرت سعد بن معاذؓ غزوہ خندق میں زخمی ہوئے تو ان کا علاج اسی خیمہ میں کیا گیا۔

[الاصابۃ، بذیل تذکرہ حضرت رفیدہ]

صحابیاتؓ کی یہ خدمات خود صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں نہایت قابلِ قدر خیال کی جاتی تھیں اور خود خلفاء بھی ان کا لحاظ رکھتے تھے، چنانچہ ایک بار حضرت عمرؓ نے مدینہ کی عورتوں میں چادریں تقسیم فرمائی۔ ایک عمدہ چادر رہ گئی تو کسی نے کہا کہ اپنی بیوی اِم کلثوم کو دیدیجئے۔ مگر حضرت عمرؓ بولے کہ ام سلیطؓ اس کی زیادہ مستحق ہیں کیونکہ وہ غزوہ اُحد میں مشک بھر بھر کر پانی لاتیں اور ہمیں پلاتی تھیں۔ [بخاری، کتاب الجہاد]

خدمات مساجد:

صحابیات مساجد کی صفائی میں نہایت اہتمام کرتی تھیں۔ ایک بار کسی نے مسجد نبویؐ میں تھوک دیا، رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو اس قدر برہم ہوئے کہ چہرہ مبارک سرخ ہوگیا۔ ایک صحابیہ اٹھیں اور اس تھوک کو صاف کر دیا اور اس جگہ خوشبو لگائی۔ آپ نہایت خوش ہوئے اور اس کی تعریف فرمائی۔ [نسائی، کتاب الصلوٰۃ]

ایک صحابیہ تھیں جو ہمیشہ مسجد نبویؐ میں جھاڑو دیتی تھیں۔ یہ ایک ایسا نیک کام تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی نہایت قدر فرمائی، چنانچہ جب ان کا انتقال ہوا تو صحابہ کرامؓ نے ان کو راتوں رات دفن کر دیا اور آپ ؐ کو اس کی اطلاع نہ دی۔ آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ مجھے کیوں نہ خبر دی؟ صحابہ نے عرض کیا: حضور! آپ آرام فرما رہے تھے، اس لیے ہم نے تکلیف دینا گوارا نہ کیا۔ [ابن ماجہ، کتاب الجنائز]

بدعات کا خاتمہ:

بدعت مذہب کے لیے بمنزلہ گھن کے ہے، اس لیے باا ثر صحابیات ہمیشہ اس بات کی کوشش کرتی تھیں کہ نخلِ اسلام میں گھن نہ لگنے پائے مثلاً مسلمانوں میں غلافِ کعبہ کی جو عزت وحرمت قائم ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جب نیا غلاف چڑھایا جاتا ہے تو پرانا غلاف چرا چھپا کر یا خادموں کو کچھ دے دلا کر لوگ لے لیتے تھے، اس کو متبرک سمجھتے اور مکانوں میں رکھتے، دوستوں کو بطورِ سوغات تقسیم کرتے۔ قرآن ان میں رکھتے، اسے مسجدوں میں لٹکاتے اور مریض کو اس سے ہوا دیتے۔ لیکن قرنِ اول میں یہ حالت نہ تھی۔ متولی کعبہ صرف یہ کرتا تھا کہ غلاف کو زمین میں دفن کر دیتا تھا کہ وہ ناپاک انسانوں کے کام کا نہ رہے۔ شیبہ بن عثمانؓ نے جو اس زمانہ میں کعبہ کے کلید بردار تھے، حضرت عائشہؓ سے اس واقعہ کو بیان کیا تو انہوں سمجھ لیا کہ یہ تعظیم غیر شرعی ہے، خدا اور رسول نے اس کا حکم نہیں دیا اور ممکن ہے کہ آئندہ اس سے سوءِ اعتقاد اور بدعات کا سرچشمہ پھوٹے۔ اس لیے شیبہ سے کہا کہ یہ تو اچھی بات نہیں، تم برا کرتے ہو۔ جب غلاف کعبہ سے اتر گیا

اور کسی نے اس کو ناپاکی کی حالت میں استعمال بھی کرلیا تو کوئی مضائقہ نہیں۔ تمہیں چاہیے کہ اسے بیچ ڈالا کرو اور اس کی قیمت غریبوں اور مسافروں کو دے دیا کرو۔ [سنن بیہقی]

احتساب:

جو چیز مذہب و اخلاق کو صحیح اصول پر قائم رکھتی ہے، شریعت کی اصطلاح میں اس کا نام 'احتساب' ہے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے تین درجے مقرر فرمائے ہیں، حدیث نبویؐ ہے:

''تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے مٹا دے۔ اگر اس میں اس کی طاقت نہیں ہے تو زبان سے اس کا انکار کرے اور اگر یہ بھی نہیں کرسکتا تو دل سے اس کو برا سمجھے اور یہ ایمان کا ضعیف ترین درجہ ہے۔'' [مسلم]

اور بااثر صحابیات نے پہلے دونوں طریقوں سے اس مذہبی خدمت کو انجام دیا ہے۔ ایک دفعہ حضرت عائشہؓ ایک گھر میں مہمان بن کر گئیں۔ میزبان کی دو لڑکیاں جو جوان ہو چلی تھیں، دیکھا کہ وہ بغیر چادر اوڑھے نماز پڑھ رہی ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے انہیں تاکید کی کہ آئندہ کوئی لڑکی بغیر چادر اوڑھے نماز نہ پڑھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا ہے۔ [مسند احمد: ج ٦ ص ٩٦]

ایک دفعہ حضرت عائشہ کے بھائی عبدالرحمٰنؓ ان کے پاس آئے اور معمولی طور پر جھٹ پٹ وضو کیا، حضرت عائشہؓ نے انہیں ٹوکا کہ عبدالرحمٰن! وضو اچھی طرح کیا کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے کہتے ہوئے سنا ہے کہ وضو میں جو عضو خشک رہ جائے، اس پر جہنم کی پھٹکار ہو۔ [ایضاً ص ٣٨٥]

ایک بار حضرت عائشہؓ نے ایک عورت کو دیکھا کہ اس کی چادر میں صلیب کے نقش و نگار بنے ہوئے ہیں۔ دیکھتے ساتھ ہی اسے ڈانٹا کہ یہ چادر اتار دو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے کپڑوں کو دیکھتے تھے تو پھاڑ ڈالتے تھے۔ [مسند احمد: ج ٦ ص ١٤٠]

ایک بار ان کی بھتیجی حفصہ بنت عبدالرحمٰن نہایت باریک دوپٹہ اوڑھ کر ان کے سامنے آئیں۔ حضرت عائشہؓ نے اسے دیکھتے ساتھ ہی غصے سے وہ دوپٹہ چاک کردیا، پھر فرمایا کہ تم نہیں جانتیں کہ سورۂ نور میں خدا نے کیا احکام نازل فرمائے ہیں۔ اس کے بعد موٹے کپڑے کا دوپٹہ منگوا کر اسے اوڑھا دیا۔ [موطا، کتاب اللباس]

نرد بازی کی روک ٹوک:

فتوحاتِ عجم کے بعد عرب میں نرد بازی، شطرنج بازی اور مرغ بازی وغیرہ کا رواج ہوا تو صحابیات نے اس پر شدت کے ساتھ نکیر کی چنانچہ حضرت عائشہؓ کے گھر میں کچھ کرایہ دار رہتے تھے، ان کی نسبت انہیں معلوم ہوا کہ وہ نرد کھیلتے ہیں تو حضرت عائشہ ان پر سخت ناراض ہوئیں اور انہیں کہلا بھیجا کہ اگر نرد کی گوٹیوں کو میرے گھر سے باہر نہیں پھینکو گے تو میں اپنے گھر سے نکلوا دوں گی۔[الادب المفرد]

شراب خواری پر روک ٹوک:

فتوحاتِ عجم کے بعد اہلِ عرب شراب کی جدید اَقسام سے آشنا ہوئے جن میں ایک ''باذق'' تھی (یعنی بادہ) چونکہ عربی میں شراب کو خمر کہتے ہیں اور اس کا اطلاق بالعموم انگوری شراب پر ہوتا ہے، اس بنا پر لوگوں کو شبہ تھا کہ ان شرابوں کا کیا حکم ہے؟ لیکن حضرت عائشہؓ نے اپنی مجلس میں باعلان کہہ دیا کہ شراب کے برتنوں میں چھوہارے تک نہ بھگوئے جائیں۔ پھر عورتوں کی طرف خطاب کر کے کہا کہ اگر تمہارے مٹکوں کے پانی سے بھی نشہ آئے تو وہ بھی حرام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نشہ آور چیز سے منع فرمایا ہے۔[نسائی، کتاب الخمر]



سفارش کرو اجر و ثواب پاؤ

تالیف
شہزادہ نایف بن ممدوح بن عبدالعزیز آل سعود حفظہ اللہ
ترجمہ رضوان اللہ ریاضی
صفحات: 88 قیمت: -/45

تقاریر

مولانا رضاء اللہ عبدالکریم مدنی
مرتب ابن عزیز صابر
صفحات: 80 قیمت: -/50

خلق الانسان

انسان اپنے آپ کو پہچان
تالیف علامہ نواب صدیق حسن خانؒ
تخریج و تعلیق مولانا ضیاء الحسن محمد سلفی
صفحات: 64 قیمت: -/35

قادیانی ہی مجرم کیوں

تقریر:
مولانا سید معراج ربانی حفظہ اللہ
جمع و ترتیب: ابو عمران انصاری
صفحات: 136 قیمت: -/70

شرک اور کفر سے پاک حمد و نعت کا دلکش مجموعہ

خوشبوئے حرم

انتخاب و ترتیب
فضل الرحمٰن فیضی
صفحات: 96 قیمت: -/50

اسلام اور قبروں کی پوجا

کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں؟
اولیاء حق و باطل
تقریر: مولانا سید معراج ربانی حفظہ اللہ
اعداد و ترتیب احسان اللہ عبدالمجید العالی
سمیع اللہ انعامی فیضی
صفحات: 80 قیمت: -/45

نیو ایڈیشن

حقوق و معاملات

تالیف

مولانا عبدالروف رحمانی جھنڈانگری

صفحات: 258 قیمت: -/135



تالیف محمد اقبال کیلانی

صفحات: 208 قیمت: -/85

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی

قربانی کا قصہ

تفسیر و دروس

تالیف پروفیسر ڈاکٹر فضل الٰہی

صفحات: 101 قیمت: -/55

مثالی خاتون

دنیا اور آخرت میں اعزاز اور امتیاز پانے والی خواتین کی صفاتِ جمیلہ

فضیلۃ الشیخ: مجدی فتحی السید حفظہ اللہ

ترجمہ: ابو محمد محمد اجمل حفظہ اللہ

صفحات: 207 قیمت: -/110

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خانگی زندگی کا آنکھوں دیکھا حال

ایک دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں

مؤلف: عبدالملک القاسم

صفحات: 80 قیمت: -/50

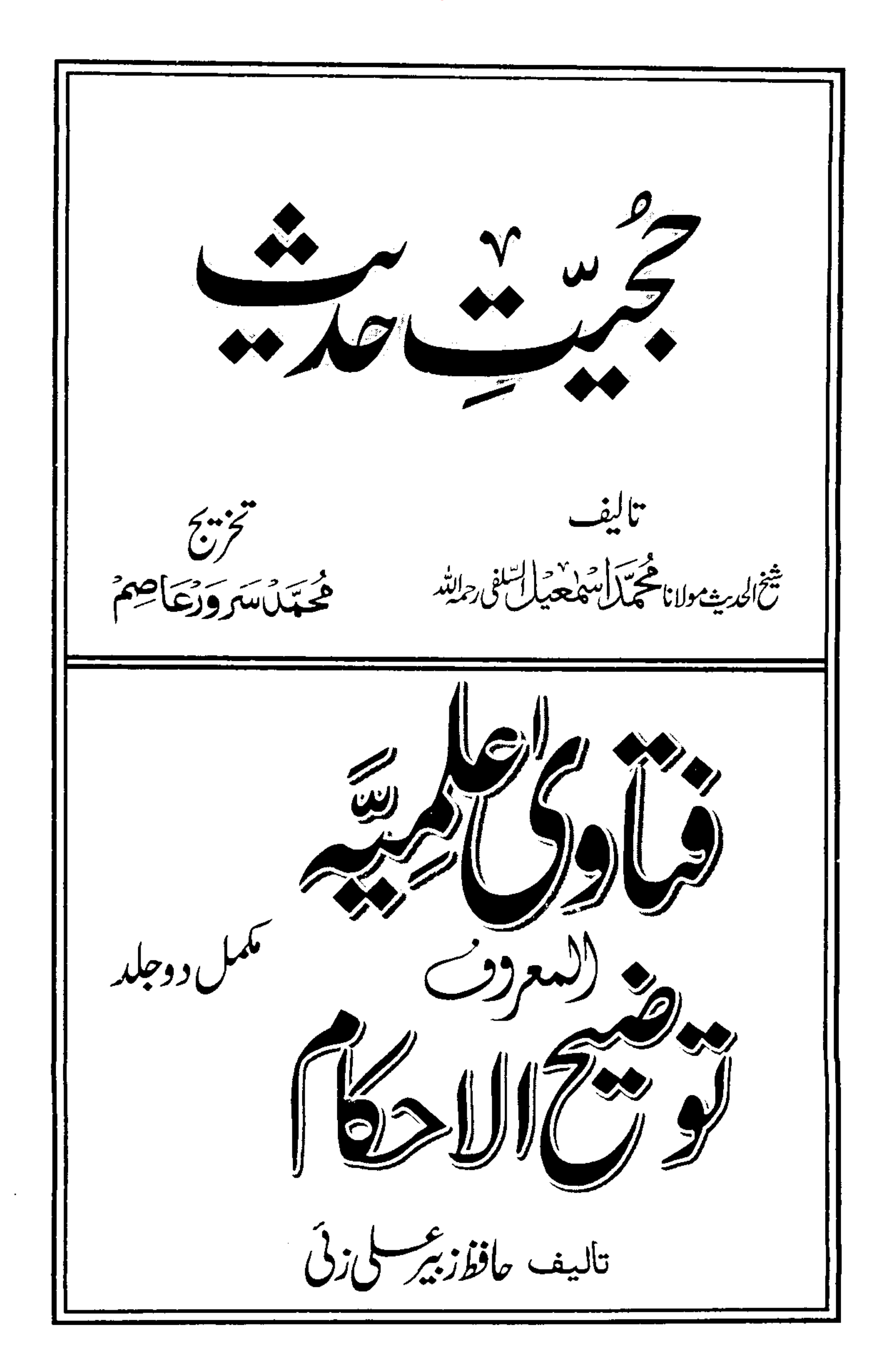
خواتین کے حقوق و فرائض

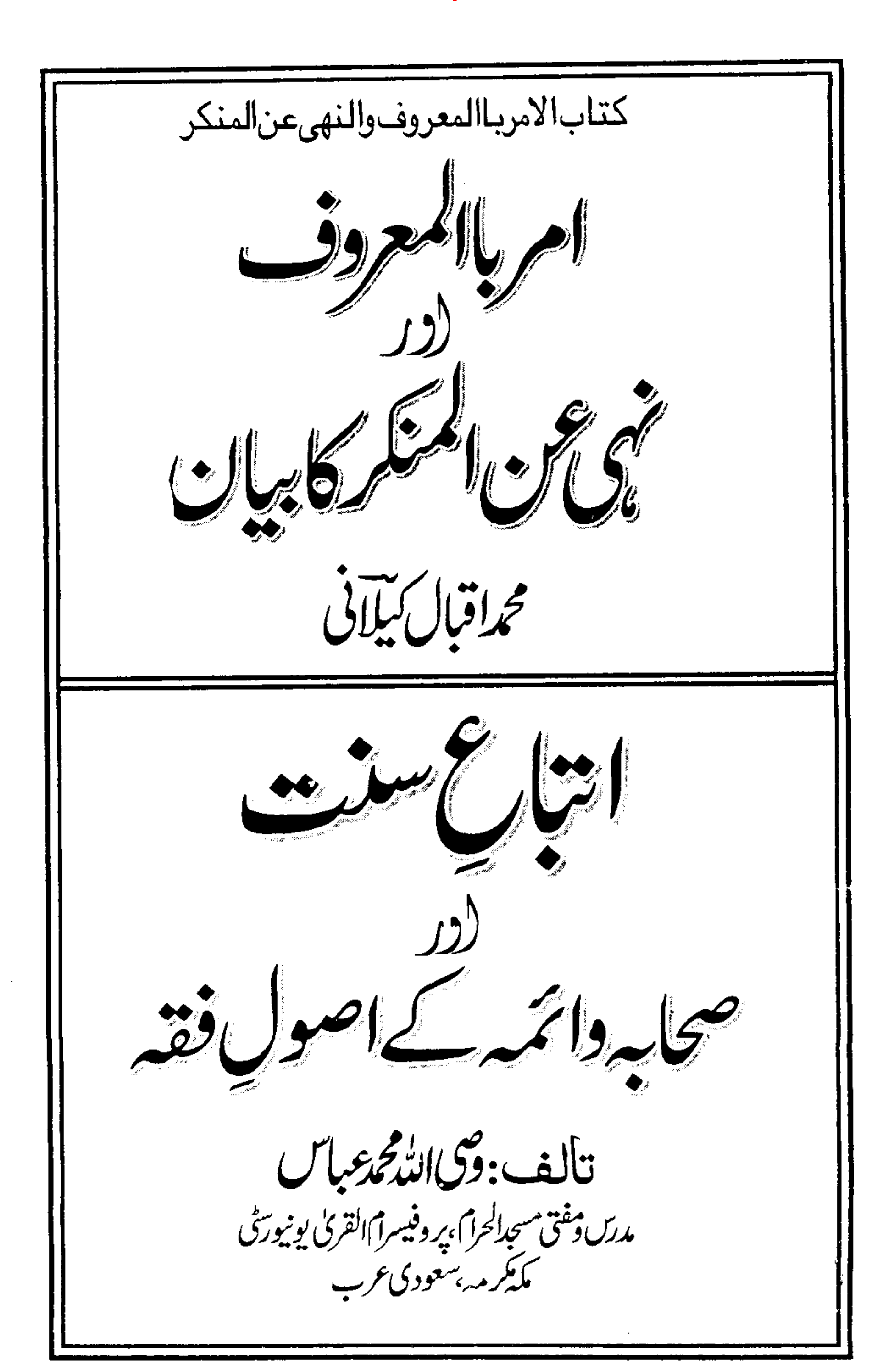
اسلامی اور مغربی نظریہ کا تقابلی مطالعہ

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

مؤلف: پروفیسر ڈاکٹر عبدالروف ظفر

صفحات: 88 قیمت: -/50


حجیتِ حدیث
تالیف
شیخ الحدیث مولانا محمد اسمٰعیل السلفی رحمہ اللہ
تخریج
محمد سرور عاصم
فتاویٰ علمیہ
المعروف
توضیح الاحکام
مکمل دو جلد
تالیف حافظ زبیر علی زئی



کتاب الامر بالمعروف والنہی عن المنکر

امر بالمعروف

اور

نہی عن المنکر کا بیان

محمد اقبال کیلانی

اتباعِ سنت

اور

صحابہ وائمہ کے اصولِ فقہ

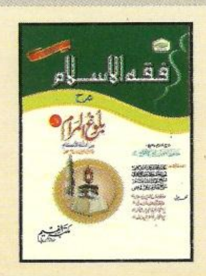
تالف: وصی اللہ محمد عباس

مدرس ومفتی مسجد الحرام، پروفیسر ام القریٰ یونیورسٹی

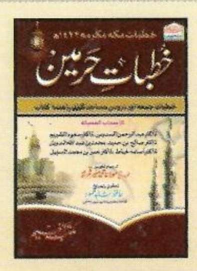
مکہ مکرمہ، سعودی عرب

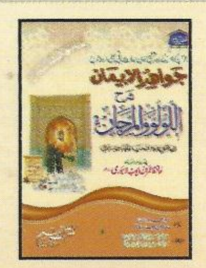


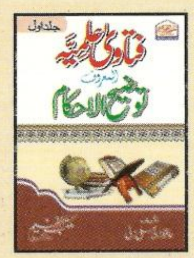
ہماری بعض اہم خوبصورت اور معیاری مطبوعات

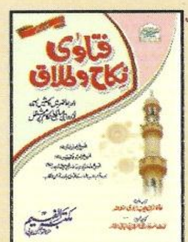


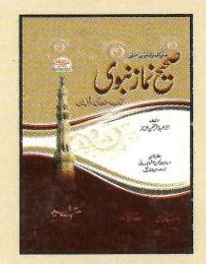


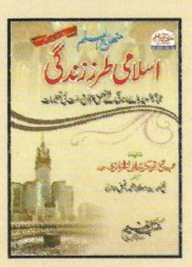


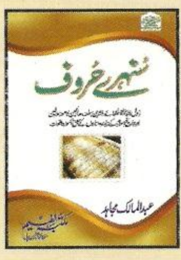


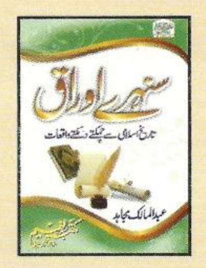


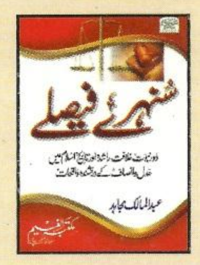


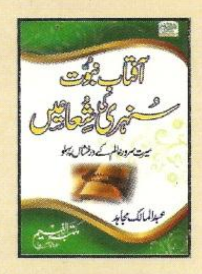


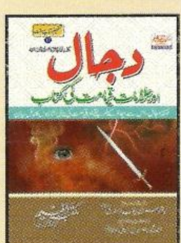


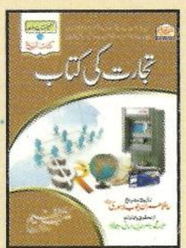


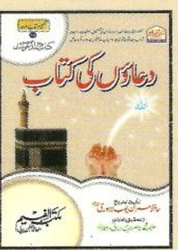


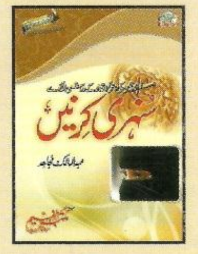
















MAKTABA AL-FAHEEM
Raihan Market, 1st Floor, Dhobia Imli Road
Sadar Chowk, Maunath Bhanjan - (U.P.) 275101
Ph.: (O) 0547-2222013, Mob. 9236761926, 9889123129, 9336010224
Email : faheembooks@gmail.com
Website : www.faheembooks.com

